

WWW.PAKSOCIETY.COM

خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب

# آنچل

www.aanchalnovel.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

قیمت = 60 روپے

آنچل

قیمت = 60 روپے

شمالی لائبریری ۲۰۱۵

رجسٹریشن نمبر - ایس ایس ۷



# دین الدین شاہ کبیر

## ابتداء

- 12 مدیہ سرگوشیاں  
13 راجا رشید محمود حمد  
13 فاخر گل نعت  
14 مدیہ درجہ جواب آں

## مکمل ناول

- 33 اقر صغیر احمد محبت ایسا نغمہ ہے  
111 نایہ فاطمہ رضوی تمنائے دل  
221 بینا عالیہ خدا عشق عبادت

## دانش کدہ

- 19 مشتاق احمد قریشی مالک یوم الدین

## شمارا نجل

- 24 ملیح احمد طوبی صیدی / شازیہ اختر  
مایہ جودی / اربو مبارک

## بھمنوں کی عدالت

- 27 ادارہ نازیہ کنول نازی

## سلسلہ وار ناول

- 105 صبا جاوید شب گزیدہ سحر  
183 تمثیلہ زاہد اپنا گھر  
187 زینب اصغر مغل چمن خسرو کا  
243 شمیتہ بٹ پہن گوا کب کچھ  
249 شمشاد اختر نقرئی پیالہ  
255 کوثر ناز کنی گرھیں  
263 سیدہ بزمیں بباب موتیے کا پھول

## اولاد

- 269 سیدہ ضوبائیہ آپ اپنے ندام میں  
271 سحرش فاطمہ محبت دل کا سجدہ ہے  
93 سلمیٰ غزل  
197 بہمدرونی وبال جان سب اس گل

پیشہ: مشتاق احمد مستری پتہ: سید سہیل حسن انبن حسن پرنٹنگ پریس  
ہانسی اسٹیڈیو کراچی فیسٹ: کاپی 7 نمبر یہ پیشہ سب سے عمدہ لفظ ہر ان روز گزرتی ہے۔ 74400





سرورق: ایشا نور، آرا اس، رتھریونی بارر، عکاسی، موی رضا

**مستقل سلسلے**

293	بہا احمد	277	دوست کا پیچا آگے	حافظ شبیر احمد	کجانی مسائل کا حل
300	نوریہ سالک	279	یادگار لمحے	میمونہ رومان	بیاض دل
305	شہلا عامر	281	آئینہ	طلعت آغاز	ڈش مقابلہ
313	شائلہ کاشف	285	ہم سے پوچھئے	روبین احمد	بیوٹی گائیڈ
317	بومیوڈاکٹر ہاشم مرزا	287	آپ کی صحت	ایمان وقار	نیرنگ خیال
321	حنا احمد			کام کی باتیں	

نہایت دلچسپ اور نیا نیا پمپل پوسٹ بکس نمبر 75، ایچ 74200 فون نمبر: 021-35620771/2  
فیس: 021-35620773 کیلئے طلبہ و تدریس کے ذریعے پیشکش کی جاتی ہے۔  
Info@aanchal.com.pk

[WWW.PAKSOCIETY.COM](http://WWW.PAKSOCIETY.COM)



”حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ رب العزت اس شخص پر رحم نہیں کرتے جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔“  
(متفق علیہ)

## سکھشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مارچ ۲۰۱۵ء کا پہلا آچل حاضر مطالعہ ہے۔

اللہ جبارک وتعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ رب کریم نے ہمیں آپ کی دل بستگی و فرحت کے لیے آچل کو سجانے سنوارنے کی توفیق عطا فرمائی۔ الحمد للہ آپ کا آچل مارچ ۲۰۱۵ء کے شمارے کے ساتھ ہی اپنے اڑھیس (۲۸) سال میں داخل ہو رہا ہے۔ آچل کی اشاعت کے (۳۷) سال مکمل ہو گئے۔ اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔ ان ۳۷ برسوں میں ملک میں کیسے کیسے انقلابات رونما ہوئے کیسے کیسے حالات سے سامنا ہوا۔ ان زمینی آفات کے باوجود الحمد للہ آچل کی اشاعت میں کوئی تاخیر کوئی وقفہ اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔ مارچ کے اس شمارے کے ساتھ آچل کے ۳۳۳ شمارے آپ کے ذوق کی زینت بن چکے ہیں۔ آئندہ ماہ اپریل ۲۰۱۵ء کا شمارہ ان شاء اللہ ساگر نمبر ہوگا۔

آچل کی تمام قاری بہنوں کو میں دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں اور دعا کی درخواست کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے اور آپ کی دل بستگی کا یوں ہی بندوبست کرتے رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ساگر نمبر میں آپ نئے ماہنامے کی خوشخبری پڑھ سکیں۔ آپ کے مشوروں اور آراء کا انتظار رہے گا۔

### ◀ احوال ماہ کے ستارے ▶

- ☆ محبت ایسا نغمہ ہے
- ☆ نسل نو کی جدت پسندی کا احوال اقرأ صغیر کے خوب صورت نمونہ۔
- ☆ تمنائے دل
- ☆ ہجر ذوق میں جلنے والوں کا فسانہ ادیبہ فاطمہ عمل اناہاں کے سنگم۔ حاضر ہے۔
- ☆ خدا، عشق، عبادت
- ☆ لفظ لفظ، دلی، پھیرتی بیٹا عالیہ کی ایک خوب صورت تقریر۔
- ☆ آپ اپنے دام میں
- ☆ ”آپ اپنے دام میں حیا کا کیا“ کی عملی تفسیر، سنی غزل کا خوب صورت کاؤٹ۔
- ☆ محبت دل کا جمع ہے
- ☆ بہن سہا سہا گل کا خوب صورت حیرانے میں لکھا سبق۔ موزا کاؤٹ۔
- ☆ اپنا گھر
- ☆ اپنے آشیانے کی خواہش لیے تمثیلہ زاہد کا سبق۔ موزا فسانہ۔
- ☆ چمن خسرو کا
- ☆ محبت کا جادو جب سر چڑھ کر ہوتا ہے تو محبوب اور محبت دیوانگی کی صدوں کو دھونے لگتے ہیں۔ ازینب امین
- ☆ شب زید و بحر
- ☆ قدموں تلے جنت رکھنے والی ایک ماں کا فسانہ درد۔ صاحبہ ایمن کی تحریر جو آپ کی چاکوں کو ہم کر دے گی۔
- ☆ ہیں کو اکب کچھ
- ☆ پرائیوٹ اسکولوں کے کھلے تضاد و معیار پر لکھی تحریر جو مستقبل کے معماروں کے لیے بہترین راہ کا تعین کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔
- ☆ نقر کی پیالہ
- ☆ کچھ خواب اور خواب دیکھنے والے جب مٹی میں مل جائیں تو نقر کی پیالہ قہر کی زینت بن جاتا ہے۔ کیسے اور کیونکر ملاحظہ کیجئے۔
- ☆ موسیٰ کا پہلوں
- ☆ پھول ہمیشہ اہل پرائیوٹ لگتے ہیں جب مسل ایسے جاتے ہیں تو پہلوں کی زینت نہیں رہتے۔
- ☆ حرف زندگی
- ☆ خود شناسی کا مرحلہ طے ہو جائے تو مقصد زندگی، بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ اور اس احساس زیاں شدید رہتا ہے۔
- ☆ ہمہ روئی، پال جان
- ☆ مارننگ شو کے گریز میں جھلا اسکی عورت کی کہانی جو خود بھی ایک نرس کا خزانہ ہو گئی۔
- ☆ کئی نرس ہیں
- ☆ رشتوں کی تازگی اور جب محبت ہے تو بہت سی چیزیں آتی ہیں اسکی ہی کہوں گے۔ اور تازگی بارش ہے۔ محفل ہیں۔
- ☆ اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا کو

قبول فرمائیں



# نعمات

سیرت ہو یا کردار ﷺ پہ ختم ہیں  
 معراج کے انوار محمد ﷺ پہ ختم ہیں  
 دنیا میں آئے سب تو نبی معتبر مگر  
 نبیوں کے سب اسرار محمد ﷺ پہ ختم ہیں  
 مانا کہ ہوں گے لوگ حبیب اور حسین تر  
 دنیا کے جمالات محمد ﷺ پہ ختم ہیں  
 قرآن بھی دینا ہے کوہی اگر سنو  
 اخلاق کے معیار محمد ﷺ پہ ختم ہیں  
 فقراء ہوں یا امراء ہوں یا سائل ہوں امتی  
 رحمت کے سب اطوار محمد ﷺ پہ ختم ہیں

فاخرہ گل

# حکمت

حویہ یاد رکھنا تمہیں جو بھی کچھ کہیں سے ملا  
 منیث و مقسط و منان سے معیں سے ملا  
 سرور حمد خدا خوشبوؤں کے ساتھ ہمیں  
 گلاب و لالہ و نسرین و یاسمین سے ملا  
 بھرا جو روح کا دامن خدا نے رحمت سے  
 تو موتی چشم فحالت کا آستین سے ملا  
 اٹھی نظر جو نبی میزاب کی طرف میری  
 سحاب لطف خدا چشم سرگمیں سے ملا  
 نبی ﷺ کی معرفت خلاق کائنات نے دی  
 خدا کی ذات کا عرفان شاہ دین ﷺ سے ملا  
 میں حمد و نعت کو کہتا ہوں لازم و ملزوم  
 یہ نکتہ نکتہ رس و نکتہ آفریں سے ملا

راجا رشید محمود



## درجواب مدیر

آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ آپ اگر لکھنا چاہتی ہیں تو صفحہ مرقطاس پر اپنے خیالات و جذبات کا اظہار مختصر پیرائے میں افسانے کی صورت میں قلم بند کر کے ارسال کر دیں۔ کہانی ایک لائن چھوڑ کر کاغذ کی ایک سائٹ یعنی بیک پر مت لکھیں دیگر نکارشات پر اس سلسلے کا نام بمعہ اپنا نام لکھ کر ارسال کر دیں۔ اگر آپ کی تحریر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

**عائشہ الیاس..... دنڈی بھاؤ الدین**  
پیاری بہن عائشہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "زندگی مشق" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ موضوع قدرے بہتر ہے لیکن ابھی آپ کو محنت کی ضرورت ہے اس لیے اپنا مطالعہ وسیع کریں اور کوشش جاری رکھیں۔

**کوثر ناز..... حیدر آباد**  
ڈیر کوثر! شادو! یاد رہا سب سے پہلے تو خالہ جانی کو بھانجے کی آمد بے حد مبارک ہو۔ اب آغاز کرتے ہیں شکوہ جواب شکوہ کا۔ ہمیں آپ کے انتظار کی کلفت کا بخوبی اندازہ ہے اسی لیے مارچ کے شمارے میں پہلے سے آپ کی تحریر شامل کرنے کا ارادہ کر چکے تھے اور آپ کا شکوے سے بھرپور خط بعد میں موصول ہوا شاید دل کو دل سے راہ ایسے ہی ہوتی ہے۔ "سلسلہ محبت" کچھ خاص متاثر کرنے میں ناکام ٹھہری کسی منفرد موضوع پر طبع آزمائی کریں۔ آپ کی خواہش کے مطابق سب اس گل بھی آپ کے ہم قدم ہیں۔ امی بابا اور بھائی کو عمرے کی مبارک باد ہماری جانب سے بھی دیتے ہیں۔

**مریم ممتاز..... ای میل**  
پیاری گزیا مریم! سرا خوش رہو آپ کی تحریر "اعتبار نہ کرنا" اور "تصور کیا تھا" موصول ہوئی پڑھ

**بینا عالیہ..... لاہور**  
پیاری بہن! شادو! یاد رہا آپ کی والدہ کی رحلت کی خبر جان کر دل بے حد رنجیدہ ہوا۔ بے شک ماں جیسی عظیم ہستی بے حد مشفق اور پیار کرنے والی ماں کا کوئی نعم البدل نہیں۔ اس مشکل گھڑی میں اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو اور دیگر اہل خانہ کو صبر و استقامت اور آپ کی والدہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے ملتزم ہیں۔

**سباس گل..... رحیم یار خان**  
ڈیر سباس! سدا سگھی رہو سب سے پہلے تو ناولٹ کی اشاعت پر مبارک باد قبول کیجئے ان شاء اللہ کوشش کریں گے کہ آپ کی موصول ہونے والی نئی تحریر سالگرہ نمبر میں جگہ بنا لینی الحال کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

**ماریہ کنول ماہی..... چٹ**  
**وردگان**  
بہن ماریہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "نوٹے موتی مالا سے اور بھمرے پھول چمن سے" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے اپنا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع کریں تاکہ آپ بہتر لکھ سکیں۔

**عاصمہ رحمان..... بھاون والا**  
ڈیر عاصمہ! جگ جگ جیو سب سے پہلے تو بزم



ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

**موجیم شاہ..... ڈیوہ اسماعیل خان**  
 پیاری گڑیا مریم! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "لوح  
 و قلم تیرے ہیں" پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے ناول  
 بنانے کے چکر میں تحریر کو بے جا طوالت کے ساتھ الجھا  
 دیا ہے۔ ابھی آپ محنت و مطالعہ کے ساتھ مختصر تحریر پر  
 طبع آزمائی کریں۔

**فصیحہ آصف خان..... ملتان**

ڈیر فیصو! سدا سہاگن رہو ہمیں ہر ماہ ہی بے  
 تماشہ ڈاک موصول ہوتی ہے اور اسی طرح بہت سی  
 کہانیاں ابھی آنچل کے صفحات پر آنے کی منتظر ہیں۔  
 کوشش ہے کہ آپ کی تحریر جلد ہی آنچل کے صفحات پر  
 اپنی جگہ بنا لے گی۔

**محسنہ عیسیٰ..... بھکر**

پیاری بہن محسن! سدا خوش رہو آپ کی تحریر "رات  
 کے داگ" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں  
 لکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن آپ کی تحریر ابھرنے کا  
 شکار ہے اس لیے کسی اور موضوع کو اپنے قلم کی قید سے  
 آزاد کریں لیکن ساتھ مطالعہ بھی کرتی رہیں۔

**پری وش گوندال..... منڈی بہاؤ**

**الادین**

پیاری بہن پری وش! ہمیشہ خوش رہو آپ نے  
 طویل عرصے کے بعد مختصر سا خط لکھا آپ اپنی تحریر جلد  
 ارسال کر دیں۔ آپ کی شاعری معیاری ہوئی تو ضرور  
 حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

**فیصلہ ناز شیں..... اوکاڑہ**

ڈیر فیصلہ! شاد و آباد رہو آپ کی تحریر "ایمان ہے  
 بندگی" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے  
 عمیرہ احمد کے اندازہ تحریر سے متاثر ہو کر اپنی تحریر لکھی ہے  
 بہت سی باتیں ان کے ناول سے مماثلت رکھتی ہیں

کر اندازہ ہوا کہ اس موضوع پر پہلے بھی بہت لکھا  
 جا چکا ہے اور ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے  
 اس لیے اپنا مطالعہ وسیع کریں اور اپنے مطالعہ میں  
 نام و در انٹریز کو شامل کریں۔

**شازیہ فاروق احمد..... خان پبلہ**

ڈیر شازیہ! جتنی رہو سب سے پہلے تو ہماری  
 جانب سے نکاح کے بندھن پر بندھنے میں ڈھیروں  
 مبارک باد۔ گڑیا ہمارے پاس کثیر تعداد میں ڈاک  
 موجود ہوتی ہے ہر کسی کی سوچ کا انداز اور خواہش کا  
 معیار الگ ہوتا ہے۔ ایسے میں سب کو خوش رکھنے کی  
 کوشش ہوتی ہے لیکن پھر بھی قارئین کی ناراضگی کا  
 سامنا کرنا پڑ ہی جاتا ہے بہر حال ہم نے آپ کی تحریر کو  
 کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ اپریل میں "اپریل فول" سے  
 متعلقہ کہانی شاید ہی لگ سکے آپ سال گرہ نمبر کے  
 لیے اپنی مخصوص تحریر جلد ارسال کر دیں تاکہ پڑھ کر  
 آپ کا گاہ کیا جاسکے۔

**قروۃ العین سکندر..... لاہور**

ڈیر قروۃ العین! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "جنتی  
 دھوپ میں چھاؤں جیسا" موضوع قدرے بہتر ہے  
 لیکن ابھی آپ کو مزید مطالعہ کے ساتھ وسیع  
 مشاہدے کی بھی ضرورت ہے جس سے آپ کے  
 انداز تحریر میں بہتری آسکتی ہے۔ امید ہے کہ آپ دل  
 برداشتہ ہونے کی بجائے محنت کریں گی۔

**عروشیہ ہاشمی..... کوٹلی آزاد**

**کشمیر**

ڈیر عروشیہ! جنتی رہو واوی کشمیر کے حسیں مرغزار  
 سے ارسال کردہ آپ کا نقطہ موصول ہوا آئینہ میں تبصرہ  
 شائع ہوتا ہے وہ آپ الگ سے تمام کہانیوں کے  
 متعلق ارسال کر دیجیے گا۔ آپ کی پسند اور آنچل کو  
 سراہنے کا بے حد شکر یہ آپ کی شاعری اگر معیاری



موضوع کی بدولت ہمیں یقین ہے کہ آپ مزید اچھا لکھ سکتی ہیں۔ اس ناکامی کو کامیابی کا زینہ بنائیے اور کوشش جاری رکھیں۔

### حیا بنگش ..... کوہات

ڈیر حیا! شاد آ باد رہو پہلی مرتبہ شرکت پر خوش آمدید۔ آپ لکھتی ہیں یہ جان کر اچھا لگتا لیکن ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمیں آپ کا افسانہ موصول نہیں ہوا صرف آپ کا خط ہم تک پہنچا ہے جبکہ آپ کی کہانی اس میں موجود نہیں ہے۔

### میمونہ نصر اللہ ..... ذیوہ غازی خان

پیاری بہن میمونہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر "شاید کے تیرے دل میں" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو اور بھی محنت کی ضرورت ہے آپ کا موضوع بہتر اور اندازہ تحریر کمزور ہے اس لیے آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں اور محنت جاری رکھیں۔

### شزا بلوچ ..... جھنگ صدر

شزا! سدا خوش رہو آپ کا خط موصول ہوا پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نٹ کھٹ ہونے کے ساتھ کتنوں بھی ہیں ورنہ تحفہ تو تحفہ ہی ہوتا۔ ہاں کو دیتے وقت سامنے والے کو نہیں دیکھتے خیر یہ تو مذاق کارنگ ہے ہمیں آپ کی دعا میں چاہئے۔ ایم ایس سی فرسٹ ڈویژن سے پاس کرنے پر آنچل کی طرف سے بہت بہت مبارک ہو اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو ہر میدان میں ہمیشہ کامیاب و کامران رکھے آمین۔

### عظمیٰ شاہین ..... نوشہرہ

#### ورکان

پیاری بہن عظمیٰ! شاد آ باد رہو آپ کا اندازہ تحریر کمزور ہے اب بیچ یا شروع کی تو بات ہی نہیں ہے۔ آپ موضوع پر ٹھیک سے رفرٹ نہیں کر پار ہیں اس لیے اپنا مطالعہ و مشاہدہ دوڑیں وسیع کریں تاکہ آپ

آپ تمام نام در رائٹرز کو پڑھیں لیکن لکھنے کے لیے اپنا اندازہ اپنائیں۔

### حیا عباس کاظمی ..... تلہ گنگ

بہن حیا! سدا خوش رہو آپ کا خط موصول ہوا پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کو آنچل سے کس قدر وابستگی ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس ساتھ کو ہمیشہ قائم رکھے۔ آپ کے گھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت تشریف لائی جان کر خوشی ہوئی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے صحت کے ساتھ ہی زندگی عطا فرمائے اور نصیب بلند فرمائے آمین۔

### دیا احمد ..... جکوال

پیاری دیا! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "زندگی کی نہ ٹوٹے لڑی" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے ناول لکھنے کے چکر میں کہانی کو بے جا طوالت کا شکار کر دیا ہے اور موضوع بھی اتنا خاص نہیں ہے اس لیے کسی اور موضوع اور مختصری تحریر پر طبع آزمائی کریں۔ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اس لیے مطالعہ کے ساتھ محنت جاری رکھیں۔

### منشا یوسف ..... 157 این بی

ڈیر منشا! جگ جگ جیو آپ کے خط کا جواب حاضر ہے بعض اوقات تاخیر سے موصول ہونے پر نگارشات شائع ہونے سے محروم ہو جاتی ہیں لیکن اب آپ کی تجویز پر انہیں ہم آئندہ ماہ لگا دیں گے اس لیے گڑیا آپ کو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

### عائشہ اختر ..... سیر گودھا

سویت عائشہ! ہمیشہ ہستی مستحالی رہو آپ کی تحریر "گمر" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے مزید مطالعہ کے ساتھ محنت کرتی رہیں۔ امید رکھیں آپ کی تحریر جلد ہی آنچل کے صفحات پر جگمگائے گی آپ کے منفرد انداز و



بہتر لکھ سکیں۔  
 پیاری روٹی ہستی مسکراتی روٹی ایڈ کرنے پر بہت  
 مبارک ہو آپ کی بھیجی گئی معلومات جلد ہی یادگار لکھوں  
 میں اپنی جگہ بنا لے گی۔

**ایم ایس..... چنیوٹ**  
 پیاری بہن! جیتی رہو بزم آجکل میں شرکت پر  
 خوش آمدید۔ گزیا اس سے پہلے ہمیں آپ کا کوئی خط  
 موصول ہی نہیں ہوا تو جو ب کیسے اور کیونکر ارسال  
 کرتے غالباً آپ کی ڈاکر محکمہ ڈاک کی نااہلی کا شکار  
 ہو جاتی ہے۔ اب آپ کا خط حاضر ہے تو ہماری جانب  
 سے جواب بھی حاضر ہے اسید ہے خط کی دور ہو جائے گی  
 اگرچہ قصور وار ہم نہ تھے۔

**ایمل سیمل..... کھڈیاں قصور**  
 پیاری بہن! سیمل! سدا خوش رہو آپ کی تحریر پچھلے  
 ماہ تا قابل اشاعت میں شامل تھی شاید آپ کی نظر سے  
 نہیں گزری۔ ابھی آپ کو بہت محنت و وسیع مطالعہ کی  
 ضرورت ہے۔

**کوثر خالد..... خانپوال**  
 ڈیر کوثر! سدا مسکراتی رہو آپ کا تفصیلی خط  
 موصول ہوا پڑھ کر آپ کے دکھ و صبر دونوں کا اندازہ ہوا  
 کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنے حبیب و جہاں محمد  
 مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے دل میں  
 اجاگر کر کے آپ کو خوش مزاج بنا دیا اور نہ جن حالات  
 سے آپ دوچار ہیں ان میں زندگی اپنے لیے مشکل ہی  
 لگتی ہے لیکن آپ نا صرف دوسروں کے لیے سوجھتی  
 ہیں بلکہ ان کے کام بھی آنا چاہتی ہیں اور یہ ہی ہر  
 انسان کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ آپ اپنی نگاشات  
 ہمیں ارسال کرتی رہیں ہم گاہے بگاہے شریک  
 کرتے رہیں گے جس ادبی صنف پر آپ نے قلم  
 اٹھایا ہے بے شک وہ دنیا و آخرت دونوں میں آپ  
 کے لیے توشہ آخرت بن جائے گا ہمیں بھی اپنی

**شبیم کنول..... حافظ آباد**  
 پیاری گزیا! سدا خوش رہو آپ کا خط موصول ہوا  
 آنچل کے تمام سلسلوں میں شرکت کے لیے آپ  
 الگ الگ صفحے پر سلسلہ کا اور اپنا نام اور شہر کا نام لکھ کر  
 ایک ہی لفافہ میں ارسال کر سکتی ہیں۔ تحریر لکھنے کے  
 لیے آپ کا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع ہونا بہت ضروری  
 ہے اس کے بغیر آپ اپنی تحریر و قلم کے ساتھ انصاف  
 نہیں کر سکتی اور تحریر لکھنے سے قبل اس سلسلے کے آخر میں  
 لگا بکس ضرور پڑھ لیجیے گا۔

**سونیا قریشی..... ملتان**  
 ڈیر سونیا! جگ جگ جیو اگر آپ ہمارے  
 جوابات سے متاثر ہوتی ہیں تو آپ کا حسن نظر ہے  
 بے شک اچھے اخلاق اور نرم روٹی کی بدولت ہر کسی کو  
 اپنا دوست بنا سکتی ہیں اسی لیے ہمارے مذہب نے  
 بھی اخلاق حسنہ کی ترغیب دی ہے۔ آنچل کی  
 پسندیدگی کا بے حد شکر ہے۔

**عروج مغل..... اللہ ٹاٹون**  
 ڈیر عروج! جیتی رہو آپ کے اس راز کو جان کر  
 اندازہ ہوا کہ آپ نہایت شوخ مزاج اور حاضر دماغ  
 ہیں بہر حال ہم گیا کہہ سکتے ہیں سوائے اس کے  
 مطالعہ اچھی عادت ہے اور اس میں شامل آپ کی  
 شرارت ہے یونہی زندگی میں ہستی مسکراتی اور دوسروں  
 کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھیرتی رہو آمین۔

**عظمیٰ بٹ..... سمندری**  
 ڈیر عظمیٰ! جگ جگ جیو آپ کا خط موصول ہوا  
 آنچل سے آپ کی وابستگی جان کر خوشی ہوئی آپ کی  
 تجویز نوٹ کرنی ہے ان شاء اللہ جلد عمل کرنے کی  
 کوشش کریں گے۔

**رونی علی..... سید والا**



دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

### علیشہ احمد..... بھاولنگر

ڈیر علیہ! سدا مسکراؤ! آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید تبصرہ اگر آپ کا تاریخ تک مل جائے تو ضرور شامل کر لیں گے۔ کہانی آپ کی موصول ہوئی ہے ان شاء اللہ آنچل کے صفحات پر ہی آپ کو اس کے متعلق اپنی رائے سے مطلع کریں گے۔

### نورین مسکان سوور..... ڈسکہ

ڈیر مسکان! سدا مسکراؤ! آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی اور بے ساختہ انداز میں دل فریب مسکراہٹ عطا کر گیا۔ آپ کی نگارشات سال گرہ نمبر کے لیے محفوظ کر لی ہیں اب بل تمام کر انتظار کریں اور ہاں آپ کا اسم گرامی اب بالکل ٹھیک لکھا ہے چیک کر لیجیے گا۔

### شیریں گل..... ثمن

ڈیر گل! گلوں کی طرح مہبتی رہو اور اپنے لہجے کی شیرینی سے سب میں مٹھاس بانٹی رہو۔ گڑیا ہمارے پاس کافی کثیر تعداد میں تعارف موجود ہیں کوشش کریں گے کہ آپ کا تعارف جلد شامل کر لیں جہاں تک دیگر نگارشات کی بات ہے تو آپ کی ڈاک تاخیر سے موصول ہونے کے سبب شامل نہ ہو سکی۔ بہر حال ہم نے آپ کو شرکت کا موقع فراہم کرتے جواب عنایت فرمادیا ہے دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

### سامعہ مالک پرویز..... خانپور

#### ہزارہ

ڈیر سامعہ! خوش رہو! آنچل کے متعلق آپ کے والدہانہ جذبات و داد تحسین کے کلمات ہمارے لیے باعث فخر ہیں۔ ہماری بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ ہر بار آپ کا آنچل آپ کے لیے متعلق راہ میں جائے۔

تفصیل اشاعت کہانیاں:-

پچھتاوا اعتبار نہ کرنا، قصور کیا تھا زندگی روٹھ گئی، محبت ہمسر میری دل دستک اپنے بھی پرانے نکلے رات کے راگ ایمان ہے زندگی یہ کیسی محبت تھی گمنام تیری ہم نوا انمول ہوتم زندگی کی نہ ٹوٹے لڑی پیمان و محبت اعتماد بلا عنوان گھر نغیب کا لکھا ملا مینا اور تاجو کی کہانی، خوب صورت اتق، ہم جو تار یک راہوں میں مارے گئے جنوری تیری اداسیاں، جھکی ہوئی پلکیں، ہیرا سلجھی ہوئی آنکھوں میں ابھی محبت صنف نازک کی فریاد تربیت اولاد اور آج کل کی مائیں محبت مدفن میری تجھ بن سونا آنگن اے راہ حق کے شہیدوں صبر کی جیت، میں تارے اڑان، چلتی دھوپ میں چھاؤں جیسا، سلسلہ محبت، سچی لگن، ٹوٹے موتی مالا سے زندگی مشق۔



#### مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سرچھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کافی کرا اپنے پاس رکھیں۔

☆ تقط و ارتال لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری پینس و پشتر کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قائل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلا یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتہ پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7 فریڈ جیمز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)



# مکرمات

مشتاق احمد قریشی

**سقور**۔ دوزخ کے ایک طبقے کا نام۔ سقر کے معنی جھلس دینا ہے دوزخ کے اس طبقے کو سقر اس لئے کہا گیا ہے اس کی آگ جسم و روح کو تحلیل کر ڈالتی ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس، جو اہر القاموس میں لکھتے ہیں کہ آتش کلاظہ سقر رکھ دیا گیا ہے اس لفظ کے اشتقاق کا پتہ نہیں ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے بہیقی سے نقل کیا ہے کہ یہ صحیحی ہے (الاتقان)

قرآن کریم میں چار مقامات پر ذکر ہوا ہے۔

ترجمہ:- بلکہ ان سے نمٹنے کے لئے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور وہ بڑی سخت اور زیادہ سخت ساعت ہے۔ بے شک یہ مجرم و حقیقت غلطی میں مبتلا ہیں۔ جس روز یہ منہ کے بل آگ میں ٹھیسے جائیں گے اس روز ان سے کہا جائے گا اب چکھو جہنم کی لپٹ کا مزہ۔ (القمر۔ ۳۶-۳۸)

پہلی آیت کریمہ میں اللہ ذوالجلال ایسے تمام لوگوں کو تائید و خبر دے رہا ہے جو آخرت پر اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان نہیں لاتے اور دنیا میں اپنی سن مانی کرتے ہیں اور احکام الہی تو انہیں الہی کی نہ پروا کرتے ہیں نہ فکر کرتے ہیں اور آخرت اور عذاب الہی کے بارے میں جو منہ میں آتا ہے کہتے رہتے ہیں قیامت پر یقین ہی نہیں کرتے۔ ایسے ہی لوگوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ نے جو عذاب کا وعدہ کیا ہے اس کا وقت قیامت ہے۔ دنیا میں جتنے بھی سخت سے سخت بڑے سے بڑے عذاب جو انہوں نے کبھی دیکھا ہو گا وہ قیامت کے عذاب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جبکہ قیامت کا عذاب بڑا ہی سخت اور شدید ہو گا جس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

دوسری آیت میں کہا جا رہا ہے کہ یہ حقیقت میں غلطی میں مبتلا ہیں ان کی عقل ماری گئی ہے (بہنگم ایسی اور آگ میں ہیں) جب روز محشر ان کا حساب ہو چکے گا اور انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا تو وہاں ان کے ساتھ جو سلوک ہو گا یہاں اس آیت کریمہ میں اللہ جس شانہ اس کی منظر کشی فرما رہا ہے کہ جس روز یہ منہ کے بل آگ میں ٹھیسے جائیں گے اس روز ان سے کہا جائے گا اب چکھو جہنم کی اس آگ (لپٹ) کا مزہ۔ جہنم جو ہر اسے بڑا ہی سزا ہے وہاں جسم و جان کے ساتھ روح کو بھی سزا ملتی ہے انہیں نہایت حقارت سے منہ کے بل آگ میں گرادیا جائے گا اس لئے کہ دنیا میں وہ غرور و تکبر کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس لئے انہیں جسمانی، روحانی اور نفسیاتی عذابوں سے سزا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے تمام فرما بردار انا فرمانوں کو تنبیہ فرما رہا ہے بتا رہا ہے جتنا رہا ہے کہ اب بھی موقع ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کو اپنالو اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی راہ اپنالو ورنہ تمہارا انجام تمہیں بتایا جا رہا ہے سمجھدار لوگوں کے لئے اللہ کی تمہنی بہت ہے۔

ترجمہ:- میں عنقریب اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔ اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔ کھال کو جھلسا دیتی ہے۔ (المدثر۔ ۲۶-۲۹)



ان آیات میں بھی اللہ ذوالجلال نے دوزخ نصیب ہونے والوں کی منظر کشی کی ہے جو لوگ دنیا میں دین کو پس پشت ڈال کر من مانی زندگی گزارینگے ان کا کیا حشر ہونے والا ہے اس سے آگاہی دی جا رہی ہے۔ جہنم کی آگ ایسی شدید ایسی تیز ہونی جو سب پہنچھ نکل جائے گی آیات میں دوزخ کی شدید اور خوفناک خصوصیات بتائی گئی ہیں۔ آخرت کے بعد کی زندگی دائمی زندگی ہوگی چاہے جنت میں رہے یا دوزخ میں جہنم کی آگ جلا کر خاک کر دے گی لیکن پھر بھی پیچھا نہیں چھوئے گا بار بار زندہ کیا جائے گا بار بار جلایا جائے گا اس بات کو سورہۃ الاعلیٰ کی آیت ۱۳ میں بھی بیان کیا گیا ہے ”وہ اس میں نہ مرے گا نہ بنے گا“ (اعلیٰ ۱۳)

(۶) ححیم۔ دوزخ کے ایک طبقے کا نام جس کے معنی بھرتی ہوئی آگ حرم کے معنی آگ کے سخت بھڑکنے سے مشتمل ہونے کے ہیں۔ اتن جز تکلے مطابقت یہ دوزخ کے سات طبقوں میں سے ایک طبقہ ہے۔ قرآن کریم میں تقریباً چوبیس مقامات پر ذکر آیا ہے۔ جہنم کا یہ طبقہ مشرکوں اور بت پرستوں کے لئے ہے۔ ترجمہ: اور پرہیزگاروں کے لئے جنت بالکل نزدیک کر دی جائے گی اور گمراہوں کے لئے جہنم ظاہر کر دی جائے گی۔ (اشعرا ۹۰-۹۱)

روز آخرت جب میدان حشر میں حساب ہوگا میزان نصب ہو چکی ہوگی تب اللہ ذوالجلال کے حکم سے اہل جنت کو جنت کا اور اہل جہنم کو جہنم کا نظارہ کرا دیا جائے گا۔ جس سے کافروں منکرین کے غم میں اور اہل ایمان کی خوشی و سرور میں اضافہ ہو جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی دیکھ لیں گے کہ جنت کی نعمتیں کیسی ہیں جہاں وہ اللہ کے فضل سے جانے والے ہیں۔ دوسری طرف گمراہ لوگ میدان حشر میں ہی جہنم کو دیکھ کر لرز رہے ہوں گے ویسے ہی میدان حشر میں جو ان کا حشر ہو رہا ہوگا وہ بھی کسی سزا سے کم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (حکم ہوگا) گھیراؤ سب ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر بندگی کیا کرتے تھے۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ (الصافات ۲۳ تا ۲۴)

آیات کریمہ میں رب ذوالجلال نے میدان حشر کی وہ منظر کشی فرمائی ہے جب مشرکین و کفار بدکاروں کو میدان حشر میں جمع کر دیا جائے گا اور ان کے اعمال نامہ کھول دیئے جائیں گے اور میدان حشر کی سختی سے وہ گھبرائے ہوئے خوف زدہ تو پہلے ہی سے ہوں گے خود اپنے پسینوں میں ڈوبے ہوں گے اس وقت انہیں بلاکت صاف نظر آ رہی ہوگی اس وقت انہیں یہ شدید احساس ہو رہا ہوگا وہ اپنی کوتاہیوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ندامت کا بھی اظہار کر رہے ہوں گے۔ لیکن اس وقت ہر قسم کے اعتراف کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ حساب کتاب شروع ہو چکا ہوگا۔ ندامت شرمندگی اور توبہ کا وقت گزر چکا ہوگا اب تو صرف دنیا میں کئے گئے تمام اعمال کی جزا (سزا) کا ہی دن ہوگا ان کے اظہار ندامت اور اعتراف جرم کو بن کر اہل ایمان اور میدان حشر میں موجود فرشتے ان کے جواب میں کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم دنپہ میں مانتے نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم صادر ہوگا کہ ان کے ساتھ ساتھ ان کے تمام شریک ساتھیوں کو جو ان کے کفر میں ان کا ساتھ دے رہے تھے جن میں ان کی بیویاں بیٹیاں شیاطین اور ہر وہ ہستی جو ان کے کفر و شرک میں کسی بھی طرح ان کی مددگار اور معاون رہی ہوگی گھیراؤ تاکہ ایک ایک قسم کی مجرمین الگ الگ جمع کر دیئے جائیں۔



اس حکم الہی میں ان معبودانِ باطل کو چاہے وہ مورتیاں ہوں یا اللہ کے نیک بندے سب کو ان کی تذلیل کے لئے جمع کیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ جن پر وہ دنیا میں بھروسہ کرتے تھے تکیہ کرتے تھے وہ تو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر کس بھی طرح قادر نہیں ہیں ان میں سے پہلی قسم کے معبود اپنے پرستاروں کے ساتھ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو وہ انہیں دیکھ کر شرمندگی محسوس کریں گے اور اپنی حماقتوں پر ماتم کریں گے۔ ان جہنم کی طرف دھکیلے جانے والوں میں وہ نیک و کار لوگ فرشتے انبیاء اور اولیاء کرام شامل نہیں ہوں گے جنہیں یہ شریعت اپنے طور پر پوجتے پرستش کیا کرتے تھے۔

(ی) **ہاویہ**۔ دوزخ کا ایک طبقہ جو سب سے نیچے ہے یہ فرعونوں اور منافقین کا ٹھکانہ ہے جس کے معنی گہرا آبی گڑھا بہت ہی گہرا آبیوں۔ گرنے والی گہرائی اس میں دوزخی سر کے بل گریں گے۔ ترجمہ اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ اس کا ٹھکانا ہادیہ ہے۔ (التقارعت۔ ۸-۹) آیت کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جس کے اعمال حسنہ وزن میں ہلکے یعنی کم ہوں گے اس کی جلد دوزخ کا طبقہ ہادیہ ہوگا جو اتنی گہرے کنوئیں کی طرح ہوگا۔

آیت مبارکہ میں لفظ موازین استعمال ہوا ہے جو موزون کی جمع بھی ہو سکتا ہے اور میزان کی جمع بھی۔ اگر اسے موزون کی جمع قرار دیا جائے تو موازین سے مراد وہ اعمال ہوں گے جن کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی وزن ہو جو اس کے ہاں کسی قدر کے مستحق ہوں اور اگر میزان کی جمع قرار دیا جائے تو ”موازنین“ سے مراد ترازو کی پلڑے ہوں گے۔ پہلی صورت میں موازین کے بھاری ہونے کا مطلب نیک اعمال کا ہرے اعمال کی مقابلے بھاری یا بٹکا ہونا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صرف نیکیاں ہی وزنی اور قابل قدر ہیں۔ دوسری صورت میں ”موازنین“ کے بھاری ہونے کا مطلب اللہ جل شانہ کی میزانِ عدل میں نیکیوں کا پلڑا ہر ایسوں کے پلڑے کی نسبت زیادہ بھاری ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں فیصلہ اعمال کی پونجی کی بنیاد پر ہوگا جو اعمال زیادہ ہوں گے نیک یا بد فیصلہ اسی مناسبت سے ہوگا۔ یہ مضمون قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔ سورۃ الاعراف میں بیان ہوا ہے۔ ”اور وزن اس روز حق ہوگا پھر جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے۔“ (الاعراف۔ ۸-۹) اسی بات کو سورۃ کہف ۱۰۴-۱۰۵ میں سورۃ الانبیاء ۷۷ میں کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق سے انکار اور کفر خود اتنی بڑی برائی ہے کہ وہ ہر ایسوں کے پلڑے کو جھکا دے گی اور کافروں کی کوئی نیکی ایسی نہیں ہوگی جو ان کی ہلاکتوں کے پلڑے کو بھاری کر سکے اور نیکیوں کے پلڑے کو جھکا سکے۔ جبکہ مومن اہل ایمان کے پلڑے میں ان کے ایمان کا وزن بھی ہوگا اور نیکیوں کا وزن بھی ہوگا جو اس نے دنیا میں کی ہوگی۔ اس کی جوابدہی یعنی حساب کے وقت اس کے بدی کے اعمال کو دوسری طرف بدی کے پلڑے میں رکھا جائے گا اور پھر دیکھا جائے گا کہ کونسا پلڑا بھاری ہے وہی اس کا فیصلہ ہوگا۔

دوسری آیت کے الفاظ میں ”ام ہادیہ“ یعنی اس کی ماں ہادیہ ہوگی ہادیہ ہوتی ہے جس کے معنی اونچی جگہ سے گہرائی میں گرنے کے ہیں جہنم کے اس طبقہ کو ہادیہ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ بہت ہی گہرا گڑھا ہے جہاں آگ جگمگاتی ہوگی آگ سے بھرا ہوا ہے جب اہل جہنم کو اس میں پھینکا جائے گا آیت مبارکہ میں ارشاد



ابھی ہے کہ اس کی ماں جہنم ہوگی اس کا مطلب ہے کہ جس طرح ماں کی گود بچے کا ٹھکانا ہوتی ہے ایسے ہی آخرت میں جب اہل جہنم کو فیصلہ سنا دیا جائے گا تو ان کی سزا کے طور پر ان کا ٹھکانا جہنم کا وہ طبقہ ہاویہ ہوگا۔ دوزخ کی آگ کی شدت کا اندازہ انسان دنیا میں بھی کسی قدر کر سکتا ہے۔ آئے دن دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں آتش فشاں آگ اگتے رہتے ہیں آتش فشاں دوزخ کی آگ کے مقابلے میں ایک فی صد بھی نہیں ہوتے جبکہ یہ بھی اسے اندر موجود معدنیات اور دیگر اجزا کو پگھلا کر پانی کی طرح بنا دیتے ہیں۔

یہ تو تھی مختصر تفصیل دوزخ اور اس کے طبقات کی کیونکہ ہر مجرم کو سزا اس کے جرم کے مطابق ہی ملے گی جس کے لئے اللہ ذوالجلال نے مختلف سزائوں اور غذاؤں کے لئے دوزخ کو سات مختلف درجات میں تخلیق فرمایا ہے کہ ہر مجرم اپنے جرم کے حساب سے ہی سزا پائے کسی کے ساتھ ذرا برابر زیادتی یا کمی نہیں کی جائے گی۔ ایسے ہی نیکوکار متقی اہل ایمان کے ساتھ معاملہ ہوگا انہیں بھی ان کے نیک اعمال و اقوال کی جو جزا ملے گی اس کا حساب بھی ہوگا اور انہیں بھی جنت کے مختلف درجات میں عیش و آرام کی زندگی نصیب ہوگی۔ اب یہ بھی سمجھ لیں کہ اہل جنت کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا جائے گا۔

### جنت

#### جزا پانے والوں کا دائمی ٹھکانا

قرآنی آیات سے جنت کا جو تصور قائم ہوتا ہے وہ مثالی ہے۔ یعنی جنت نیکوکاروں کے اس دائمی گھر سے عبارت ہے جس سے انسان کی اعلیٰ تمنائیں اور آرزوئیں پوری ہوں گی۔ جنت کی ایک صفت خلد ہے۔ یعنی وہاں پہنچ کر لوگ ایسی مسرتوں سے بہرہ مند ہوں گے جنہیں کبھی زوال ہی نہیں ہوگا۔ جو دائمی ہوں گی۔ وہاں ہر طرح کے رنج و غم ہر قسم کے دکھ و تکالیف سے انسان آزاد ہوگا ان کا تصور تک نہیں ہوگا ہر قسم کی فکر سے پاک ہوگا جنت ایسی پاکیزہ جگہ ہوگی جہاں کینہ، بغض، حسد، رشک اور دیگر لغویات کا ہرگز گزرنے نہیں ہوگا۔ نہ شیطان ہوگا نہ ہی شیطانی وسوسا ہوں گے۔

جنت ایسے باغ ہیں جن کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نیک اور اچھے کام کرنے والے اہل ایمان بندوں کو خوش خبری سنائی ہے یہ باغات ایسے حسین اور خوبصورت ہیں کہ ان کی مثال نہ تو دنیا میں کہیں ملتی ہے اور نہ ہی انسانی ذہن ان کی خوبصورتی کے متعلق پوری طرح سوچ سکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں جس طرح آسمان کا جوڑ زمین سورج کا چاند انسانوں میں دیگر تمام مخلوقات میں زیادہ کا جوڑ بنایا ہے جیسے دوزخ جو بدکاروں کا بدترین ٹھکانا ہے ایسے ہی جنت نیکوکاروں متقی اہل ایمان کا عیش و آرام کا ٹھکانا ہے جہاں رحمت الہی کا فضل اور انعامات ہی انعامات ملتے رہیں گے۔ قرآن حکیم میں جنت کے مختلف طبقات کا ذکر ملتا ہے جو اہل ایمان وان کی محنتوں اور ان کے تقویٰ اور اعمال صالحہ کے لحاظ سے نصیب ہوں گے۔

دنیا میں ہم جنت ہر اس باغ کو کہتے ہیں جس کی زمین درختوں کے جھنڈ کی وجہ سے نظر نہیں آتی ہو بہشت کو دنیاوی باغات سے تشبیہ اس لئے دی گئی ہے کہ انسان اس کی خوش نمائی اس کی ٹھنڈک و راحت کو کسی حد تک ہی سمجھ سکتے کیونکہ جنت اور اس کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھی ہیں جو کچھ جنت کے بارے میں اظہار قرآن کریم میں ہوا ہے اسے انسانی ذہن کی قوت فہم و ادراک کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی کیا گیا ہے تاکہ انسانی عقل جو



زیادہ سے زیادہ سوچ سکتی ہے سمجھ سکتی ہے وہ اسے سمجھ لے محسوس کر لے اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو آخرت کے اور یوم حساب کے بعد کیسی انعام یافتہ مسرور اور پر کیف زندگی جو حقیقی زندگی ہوگی جس کو کبھی فنا نہیں ہوگی بخشے والا ہے کیونکہ جنت کی اصل اور حقیقی نعمتوں اور راحتوں کے بارے میں خود رب کریم و رحیم قرآن کریم میں ارشاد فرما رہا ہے۔ سورۃ السجدہ میں اس طرح آیا ہے۔

ترجمہ:- کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے جو کچھ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے۔ (سجدہ-۱۷)

ارشاد باری تعالیٰ ایک اعلان عام کے بطور کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان نعمتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان متقی پرہیزگاروں کے لئے چھپا رکھی ہیں جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی کسی کان نے نہیں سنی نہ کسی انسان کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔“ (صحیح بخاری تفسیر السجدہ)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے لئے اعمال صالحہ کا اہتمام بہت ضروری ہے۔

جنت کی جمع جنات ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنات لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت کے سات طبقات ہیں۔

(۱) جنت الفردوس۔ (۲) جنت عدن (۳) جنت النعیم (۴) دارالخلد (۵) جنت الماویٰ (۶) دارالسلام (۷) علیین۔

کچھ اہل تحقیق نے بہشت کے آٹھ درجات قائم کئے ہیں۔ (۱) عدن (۲) جنت الماویٰ (۳) فردوس (۴) نعیم (۵) دارالقرار (۶) دارالخلد (۷) دارالسلام (۸) دارالجلال۔ محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سات درجات تو انسانوں کے قیوم کے لئے ہوں گے جبکہ آٹھواں درجہ دیدار حق تعالیٰ جنانہ کے لئے ہوگا۔ وہ کونسا درجہ ہوگا اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ مقام دیدار الہی علیین کا مقام ہے جبکہ بعض کے نزدیک صدق ہے۔

(جاری ہے)





## طوبی صیبتی

ملیحہ احمد

عذیر پسند ہیں۔ خوبیاں یہ ہیں کہ اساتذہ کا احترام کرتی ہوں دوسروں کا خیال رکھتی ہوں اپنی فیملی سے بہت پیار کرتی ہوں۔ خامیاں منہ پھٹتے بد تمیز زبان دراز اور چیزیں رکھ کر بھول جانا۔ 2nd سٹریٹ شاہ آپی کی بدولت ڈائجسٹ پڑھنے لگی میری زندگی کے سب سے اہم شخصیات میرے والدین جو بہت جلدی جلدی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میرے والدین اور نومی بھائی کی اللہ پاک مغفرت فرمائے آمین۔ ہمارے بھتیجے شاہ میر اور بھتیجی قرأت میں ہم سب کی جان ہے اپنی فلوٹ ٹیچر مس طاہرہ یوسف جیسی بننا چاہتی ہوں۔ اپنی بہنوں کا ذکر نہ کروں ایسا ہونہیں سکتا سب سے بڑی صبا آپی! بڑی پیاری بہن ہے میری (بس وزن کم کر لو پینز) ثنا آپی کسی گریٹ ہو اللہ پاک ہر گھر میں شاہ آپی جیسی بہن عطا کرے آمین (بس وزن بڑھاؤ) کی دونوں شادی شدہ ہیں اس کے بعد بہت ہی معصوم ثنا آپی پھر سب سے آخری گھر کی کھر جن قربی ہے بڑی سویٹ ہے۔ سب سے بڑے بھائی کی شادی ہو گئی۔ ہے بھائی شہانہ نیاز ہیں۔ اللہ پاک میرے بھائیوں کو ہمیشہ خوش رکھے اللہ حافظ۔

## شاہانہ

سویٹ آنچل فریڈز اور قارئین کو میرا بڑا خلوص سلام قبول ہو جی تو میرا نام شازیہ اختر ہے سب گھر والے اور دوست پیارے شازیہ کہتے ہیں لیکن بھائیوں نے میرے عجیب سے نام رکھے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے ان سے لڑ پڑتی ہوں چھ جون کو اس دنیا میں انٹری دی اب آتے ہیں اپنی خامیوں اور خوبیوں کی طرف کچھ خاص تو نہیں لیکن جو ہیں وہ بتاتی ہوں مجھے دوست بنانا بہت اچھا لگتا ہے نماز پابندی سے پڑھتی ہوں اور سب کو نماز پڑھنے کے لیے بھی کہتی ہوں کسی کو ناراض نہیں دیکھ سکتی اگر کوئی ناراض ہو بھی جائے تو خود پہل کرتی ہوں اس کو منانے میں چاہے غلطی اسی کی کیوں نہ ہو اب آتے ہیں خامیوں کی طرف غصہ

تمام قارئین و آنچل اسٹاف کو استلام علیکم! تمام لوگ خوش و خرم مزے میں زندگی گزار رہے ہوں گے اس امید کے ساتھ اپنا تعارف آپ تمام کے گوش گزار کروں گی۔ جی جناب میں ہوں طوبی صیبتی 1st نومبر 1994ء کو اس دنیا میں رونق افروز ہوئی۔ ماشاء اللہ 12 بہن بھائی میں 11 ویں نمبر پر ہوں میرے سات بھائی تھے اب چھ ہیں۔ کیونکہ میرے 2nd برادر اگست 2012ء میں ہمارا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے میں آئی کام پارٹ ٹو کی اسٹوڈنٹ ہوں میری زندگی کا سب سے خوب صورت دن 2 نومبر 2009ء ہے جب ایف ایم آر بے رحمان حیدر سے بات ہوئی کیونکہ ایف ایم سننا مجھے بے انتہا پسند ہے۔ رضوان زیدی کی بہت بڑی فین ہوں ان سے ملنے کی خواہش بھی ہے میں کھانے کے لیے زندہ ہوں (ایسا میرے بہن بھائی کہتے ہیں) ویسے آپس کی بات ہے غلط بھی نہیں کہتے کیونکہ بس ہر وقت میرا دل کچھ نہ کچھ کھانے پینے کو چاہتا ہے جیسے مگن بریونی تمہاری ہرگز شام میں رول سمو سے کسی اور پلاؤں کی دیوانی ہوں۔ ماشاء اللہ صحت مند ہی ہوں بقول فیملی کے دن بہ دن کافی وزن بڑھ رہا ہے دوست بہت بنائی ہوں اور دوستی بھی بھائی ہوں دل سے۔ زندگی انجوائے کرتی ہوں رنگوں میں بلیک اینڈ وائٹ کلر بہت پسند ہے۔ شاعری شوق سے پڑھتی ہوں موسم سردیوں کا اور مہینہ دسمبر کا پسند ہے۔ بارش کی دیوانی ہوں ابدار الحق عاطف اسلم اور صنم مادی بہترین سنگرز ہیں۔ کرکٹ جنون کی حد تک پسند ہے محمد حفیظ کی تو بات ہی الگ ہے۔ فلوٹ رائٹر میرا شریف طور اور ان کی کہانی ”محبت دھنک اڑھ کر“ بیسٹ ہے۔ ہیروز شاہ زرارہ اور عہاد



بہت جلدی آجاتا ہے لیکن جتنا جلدی آتا ہے اتنی جلدی اتر بھی جاتا ہے جو دل میں بات ہو وہ منہ پر کہہ دیتی ہوں میری تعلیم کچھ خاص نہیں ہے پڑھنے کا تو بہت شوق تھا لیکن پڑھ نہ سکی (ولہری قسمت) آچل سے وابستگی کافی عرصے سے ہے پہلے مانگ کر گزارہ کرتے تھے لیکن اب اپنا منگوا لیتے ہیں اب کچھ تعارف گھر والوں کا ہو جائے ہم چھ بہن بھائی ہیں دو بہنیں اور چار بھائی۔ میں سب سے چھوٹی ہوں اور چھوٹی ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھاتی ہوں میں جہاں جاتی ہوں ہر کسی کو دوست بنا لیتی ہوں دوستوں کی لسٹ بہت لمبی ہے لیکن کچھ کے نام لکھ رہی ہوں ترگس شاہین جو کہ میری بیسٹ فرینڈ اور بہت اچھی رازداں ہے۔ عظیمی اختیارخصہ شائد جو یہ شائد جو بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ نند بھی ہے مجھے رنگوں میں واٹ اور پنک کلر بہت پسند ہے۔ پارٹ میں بھیگنا بہت اچھا لگتا ہے میرا تعلق ضلع چکوال کے گاؤں نور پور سے ہے مجھے شاعری سے بے حد لگاؤ ہے پڑھتی بھی ہوں اور لکھتی بھی ہوں (بقول ترگس کے) تمہارا انتخاب بہت اچھا ہوتا ہے۔ شاعروں میں نازیہ کنول اور وحی شاہ بہت پسند ہیں۔ رائٹرز میں نازیہ کنول عینا کوثر عظیمی افتخار سمیرا شریف طور بہت پسند ہیں کاش میں بھی رائٹرن سکتی۔ مجھے کھانا پکانا بہت اچھا لگتا ہے لیکن پکانی کبھی کبھی ہوں کھانا جو بھی پکا ہو کھا لیتی ہوں۔ میری پسندیدہ شخصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں اپنے امی ابو سے بھی بہت پیار کرتی ہوں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے (آمین) خصوصاً اپنے کیوٹ سے بچنے کے لیے معاویہ اور بی بی حنا احمد میں تو میری جان ہے جب وہ مجھے پھوپھو کہہ کر بلاتے ہیں تو مجھے ان پر بہت پیار آتا ہے میں چاہتی ہوں کہ دنیا میں کوئی ایسا کام کر کے جاؤں کہ زمانہ میری مثال دے۔ اللہ حافظ۔

## میری چوہدری

استقام علیکم! آچل اشاف اور میری پیاری بہنوں کو



جلد ہو جاتی ہوں اور خوبی یہ ہے کہ حسد نہیں کرتی، کسی کی کمزوری کا فائدہ نہیں اٹھاتی اور ماشاء اللہ سے دوستی کے معاملے میں خوش نصیب واقع ہوئی ہوں، سب دوست اللہ کا شکر ہے، قلمس ملی ہیں۔ لباس میں شلواریں کھانے میں بیٹھا بہت پسند ہے اور سبزی جو بھی بنے شوق سے کھالتی ہوں۔ خوشبو میں رہبو بہت پسند ہے، فلوورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فلوورٹ رائٹر عمیرہ احمد، ماہا ملک۔ ماہا ملک کا ناول ”جو چلے تو جاں سے گزر گئے“ پڑھ کر تو میں بہت روئی تھی اس کا اینڈ تو رلا گیا تھا مجھے اور عمیرہ احمد کا ناول پیر کمال گیا ایسی بات ہے ویسا آپ دونوں رائٹرز سے بہت متاثر ہوں۔ سید سوگند اچھے لگتے ہیں، جیولری میں رنگز اور ٹاپس پسند ہیں اور ہاں مہر کچ بھی۔ ایکٹریس میں مجھے فضاء علی صبا قر اور ایکٹر احسن خان پسند ہیں۔ آخر میں میرا پیغام آپ سب بہنوں کے لیے کبھی کسی پر اعتبار مت کیجیے گا اب دنیا پہلے جیسی نہیں رہی۔ لوگ اپنا مقصد نکالنے کے لیے دوسروں کو دھوکہ دے جاتے ہیں یہ سوچے بغیر کہ ہم جس کو دھوکہ دے رہے ہیں وہ ہم پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔ کبھی کسی کا اعتماد مت توڑیے گا پلیز جب دل ٹوٹا۔ ہتو بے شکہ واڈ نہیں ہونی پر تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے بہنو! مجھے اپنی رائے کے بارے میں ضرور آگاہ کیجیے گا کہ میرا تعارف آپ کو کیسا لگا اچھا کہ سوسو دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

سے رابی کہتے ہیں۔ سب آتے ہیں پسندنا پسند کی طرف۔ مجھے کھانے کا بہت شوق ہے۔ ویسا سب کچھ کھالتی ہوں (تھوڑا سا خرا کر کے) مگر بھنڈی، چاول، کرہمی اور ساگ بہت زیادہ پسند ہیں۔ رائٹرز میں سے ویسا تو سب ہی اچھا لگتے ہیں مگر تازہ کنول، نازی، اقراء، صغیر، سمیرا شریف طور اور ام مریم پسند ہیں۔ ناول جو سب سے زیادہ پسند ہے وہ شازیہ چوہدری (مرحومہ) کا ”ہاں تم مجھے قبول ہو“ جو ایک بار شعاع ڈائجسٹ میں آیا تھا، بہت زیادہ پسند ہے۔ شاعروں میں پروین شاکر، محسن نقوی، وحسی شاہ اور احمد فراز کی شاعری اچھی لگتی ہے۔ نوز کا سٹریز میں پی ٹی وی کے یاسر رحمان، حمیرا، رانا رضوان، روتی اور وردہ شجاع اچھے لگتے ہیں۔ اداکاروں میں می خان، ازہا، ختر، سید جبران، صبا قر، آغا علی، سائرہ خان، کنورا، آفتاب پسند ہیں۔ میل اینڈ سٹریز میں سے توفیق حیدر اور فی میل میں سے فرح سعید یہ پسند ہیں۔ ایف ایم سنٹی ہوں مگر زیادہ نہیں کبھی کبھی۔ سٹریز میں سجاد علی، علی عباس اور سائرہ رضا پسند ہیں، لباس میں شلواریں، قمیص، ساڑھی، فرائڈ، شرابہ پسند ہے۔ اب آتے ہیں اچھائیوں اور برائیوں کی طرف، برائی کی بات کی جائے تو ہر ایک برائی ہی کرتا ہے اچھائی تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ غصہ بہت زیادہ کرتی ہوں، جلد اعتبار کر لیتی ہوں، کام کرتی ہوں مگر سلو۔ دوستیں بہت ہیں، اسکول لائف میں یاسمین اکبر، یاسمین سلیم، شاہ، سہیل، اور ماریہ محمود اور کزنز میں فرح اور فضیلہ۔ میری اپنی بڑی بہن عالیہ سے بہت زیادہ ہنسی ہندسروں سے زیادہ تڑٹی ہوتی رہتی ہے۔ جدہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں اور اب ان کے مریاں صاحبہ یعنی بھائی رضوان تک ہم چاند وہ بھی بہت پیار کرتے ہیں۔ موسموں میں گرمیوں کے علاوہ سب پسند ہیں اور آخر میں سب قاری بہنوں کے لیے بہت سی دعائیں مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا میرے لیے اچھے نمبروں کی ضرور دعا کیجیے گا۔ خدا حافظ۔



## رابح مبارک

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب لوگ؟ امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ آپ بھی سوچ رہی ہوں گی یہ کون آگئی، غیر نہیں ہوں، آنکھ کی سویت سی قاری ہوں۔ مابدولت کو راجہ مبارک کہتے ہیں میں میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہوں، ہم لوگ سات بہن بھائی ہیں۔ گھر میں جب بھی کوئی کام خراب ہوتا ہے سب کے لبوں پر میرا نام ہوتا ہے وہ کیا کہتے ہیں ”تا بد سے بدتر“ گھر میں سب پیار



کر گیا آنکھ سمندر جو کہا کرتا تھا  
ایک آنسو بھی تمہارا نہیں دیکھا جاتا  
عزیز دوستو!

ہنستی سکرانی زندگی کی ہزاروں پر غلوں دعاؤں کے ساتھ  
ہنوں کی عدالت میں اس بار خاکسار کی آخری پیشی ہے۔ پچھلے  
کئی ماہ سے جاری اس خوب صورت سلسلے میں آپ بہنوں نے  
میری تحریروں سے زیادہ میری ذات کے بارے میں سوالات  
پوچھے اور پہلی بار آپ سب کی بے توجہ شامیت نے میرے دل کو  
جیسے جگڑ سا لیا ہے۔ میری پوری کوشش اور خواہش تھی کہ میں ہر  
بہن کا سوال ضرور شامل کروں مگر شدید خواہش اور کوشش کے  
باوجود بہت سی بہنوں کے سوالات مجھ تک نہ پہنچ سکے اور جن کے  
پہنچے وہ کھو گئے۔ میں بک ان ہا کس میں بھی ہنسی بہنوں نے  
سوال کیے میں بہت زیادہ مصروفیت کی بنا پر وہ شامل کر سکی جس  
کے لیے میں ان سب بہنوں سے بے حد معذرت خواہ ہوں۔

بہنوں کی عدالت کی اس آخری پیشی میں میرا دنیا کی تمام  
ماؤں کے لیے ایک ضروری پیغام ہے اور وہ یہ کہ خدا اپنے  
بچوں کی اچھی دوست نہیں انہیں محبت کے ساتھ ساتھ وقت اور  
اعتماد بھی دین ان پر اتنی محنت بھی نہ کریں کہ وہ آپ کے ڈر اور  
جھجک میں اپنی کوئی بات آپ سے شیئر نہ کریں اور چدر راستے  
اختیار کریں بعد میں یہی چدر راستے انہیں چاہی کی منزل کی  
طرف لے جائیں اور نہ ہی ان سے اتنی غافل ہوں کہ اپنے  
بچوں اور شہلی بیٹیوں کی بربادی اور حرام موت ان کے نقصان کی  
خبر ہی نہ ہو۔ اگر اپنی کسی نادانی کے سبب وہ بربادی کے کسی  
راستے پر قدم چھریں تو آپ اس راستے کا سراغ پا کر انہیں کسی  
بھی اندھے کوٹوں میں گرنے سے بچائیں اب آپ کے خوب  
صورت سوالات کے جوابات کی طرف۔

اڈھ پر مٹ ضلع لو دھراں سے ایک بہت پیاری  
محبت کرنے والی ماں فیضہ عبدالملک آپ کی بے لوث محبت  
اور دعا میں میری روح پر قرض ہیں۔ جتنا بھی شکر یہ ادا  
کروں کم ہے خدا آپ کو محبت و تندرستی بھری بس عمر نصیب  
فرمائے آمین۔

عارف والا سے رضیہ اقبال آپ کی محبت آپ کی مانتا کی  
جتنی بھی تعریف کروں کم ہے اللہ آپ کو بھی دنیا کی ہر خوشی  
نصیب فرمائے آمین۔

رحیم یار خان سے بہت پیاری بہن شازیہ انصار  
کہتی ہیں۔

☆ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا نہیں ہے بس اتنا کہتا ہے کہ  
آپ کی کہانوں میں جو اسلام سے محبت اور اس کی طرف رغبت  
پائی جاتی ہے وہ بہت اچھی لگتی ہے میری تمام رائٹرز سے گزارش  
ہے کہ وہ اپنی کہانوں میں اسلام کے بارے میں مثبت طریقے  
سے ضرور کچھ نہ کچھ لکھا کریں۔

بہت شکر یہ شازیہ آپ کا پیغام تمام رائٹرز بہنوں تک پہنچ گیا۔

☆ سرگودھا سے بہت پیاری بہن فریڈا سیف کا سوال۔

☆ نازی آپ بحیثیت رائٹر بہت بہترین انسان ہیں مگر  
بحیثیت دوست بھی بہت اچھی ہیں بہت سی رائٹرز بہت اچھا  
لگتی ہیں مگر آپ کی تحریریں آپ بنا اخلاق اور آپ کی انسان  
دوستی آپ کو باقی لوگوں سے جدا کرتی ہے آپ نے ڈیبر  
کے تامل میں اپنے لائف پارٹنر کے بارے میں جو خوبیاں اور  
خامیاں بیان کی ہیں میری بھی ہانک لکھو۔ وہ کسی بھی سوچ ہے میں نے  
صرف آپ کی وجہ سے تامل پڑھنا شروع کیا مگر اب سنا ہے کہ  
آپ شعاع میں لکھ رہی ہیں ایسا کیوں؟

فردا میری جان آپ کی محبت کا بے حد شکر یہ میں نے طویل  
عرصہ صرف تامل میں ہی لکھا ہے ب چند بہنوں کے اصرار پر  
طویل عرصے کے بعد شعاع کے لیے ایک تحریر "شہر خواب"  
شروع کی ہے مگر مکمل نہیں کر پا رہی۔ پچھلے چند ماہ سے فرحانہ ناز  
ملک کی وفات کے بعد کچھ بھی لکھنے کو دل نہیں چاہ رہا آپ دعا  
کریں میرے اندر کی نازی یہ کنٹرول نازی پھر سے قلم تمام لے  
پلیز، اللہ آپ کو ہمیشہ خوش اور آباد رکھے آمین۔

☆ نامعلوم مقام سے بہن اناجی لوری کی التجا۔

☆ آئی آپ رائٹرز کوں کی کہانوں میں ہیر و تیز بہت خوب  
صورت ہی کیوں ہوتی ہیں۔ ہیر و آپ سے التجا ہے کہ پلیز آپ  
عام شکل و صورت والی لڑکیوں کے بارے میں لکھا کریں۔ عام  
شکل و صورت والی لڑکیوں کے بچنا دل ہوتے ہیں وہ بھی ایک  
بیاد کرنے والے جیون سماجی کے ذواب دیکھتی ہیں۔

عزیز از جان لائے میں آپ کی بات سے سو فیصد اتفاق  
کرتی ہوں حقیقت میں خوب صورت لڑکیاں اتنے خواب نہیں  
دیکھتیں جتنے کہ عام شکل و صورت والی لڑکیاں دیکھتی ہیں۔  
کیونکہ خوب صورت لڑکیوں کو بن خواب دیکھے ہی سب کچھ مل  
جاتا ہے۔ مجھے نہیں یاد کہ میں نے اپنی کسی بھی کہانی میں اپنی  
ہیر و تیز کی خوب صورتی کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہو اور دوسری  
بات ڈر لائے کہانیاں پڑھنے والی لڑکیاں ہی عام سی شکل و  
صورت کی مالک نہیں ہوتیں بلکہ یہ خوب صورت خالوں والی  
کہانیاں تحریر کرنے والے اکثر رائٹرز بھی عام سی شکل و صورت



کی مالک ہوتی ہیں آپ کی محبت کا بے حد شکر ہے۔  
 ❁ کراچی سے بہت پیاری بہن ہانیہ قریشی کا سوال۔  
 ✨ تازی آبی آپ کی تمام کہانیاں نہایت بہترین اور ہمیشہ  
 یاد رہنے والی ہوتی ہیں۔ آپ کی شاعری بھی دل کو چھونے والی  
 ہوتی ہے کچھ کچھ میں نہیں آتا کہ آپ اتنے اچھے گہرے شعر کیسے  
 لکھ سکتی ہیں پلیز مجھے بتائیں کہ آپ کا نیا ناول کب  
 نکلے گا۔

ہانیہ میری جان آپ کی برخلوں محبت کے لیے بے حد  
 شکر ہے ابھی کچھ بھی لکھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا آپ سمیت بہت  
 سی بیٹنیں یہی سوال کر رہی ہیں بہنوں کی عداوت کے لیے بھی  
 بہت سی بہنوں نے یہی سوال ارسال کیا آپ سب بیٹنیں دعا  
 کریں میرا سوڈین جائے پھر سے لکھنے کا ان شاء اللہ ناول نکل کے  
 سالگرہ نمبر میں ہو سکتا ہے شب جہر شروع کر دوں۔  
 ✨ آبی آپ اپنے ناولز میں اتنے دل چسپ خوب صورت  
 ہیروز کہاں سے لاتی ہیں؟

اپنے خوابوں اور تخیلاتی دنیا سے آپ کی محبت کا بے  
 حد شکر ہے۔  
 ❁ سرگودھا سے پیاری بہن شہزاد لکھتی ہیں۔

✨ السلام علیکم تازی اپنا تمہیں آپ کی بہت بڑی فین ہوں  
 آپ کی لکھی ہوئی چند کہانیاں اور ناول جو میں نے پڑھے ہیں  
 میرے دل پر نقش ہیں اللہ آپ کے علم اور کامیابی میں مزید  
 اضافہ فرمائے آمین، میرا آپ سے سوال ہے کہ اگر انسان کو  
 اپنے مستقبل کے بارے میں ڈیجیٹل سارے خدشات اور ڈر لاحق  
 ہوں تو وہ کیا کرے؟ اگر دعا کے باوجود بھی دل مطمئن نہ ہو تو پھر  
 کیا کرنا چاہیے؟

پیاری شہزاد مجھے آپ کا نام بہت پسند آیا ہے ان شاء اللہ  
 اگلے کسی ناول میں یہ نام ضرور استعمال کروں گی آپ کی محبت  
 اور دعاؤں کا بے حد شکر ہے۔ اگر دعا کے باوجود کسی معاملے میں  
 انسان کا دل مطمئن نہ ہو تو پھر سب کچھ اللہ رب العزت کے سپرد  
 کر دینا چاہیے کیونکہ انسان خواہ کچھ بھی سوچ لے اور کر لے ہوتا  
 وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے بس آپ بھی اپنا ہر معاملہ اللہ کے سپرد  
 کر کے بے فکر ہو جائیں ان شاء اللہ جو بھی ہوگا بہتر ہی ہوگا۔

❁ چونیاں شہزاد سے بہن افسی بہن کا سوال۔  
 ✨ آبی یہ زندگی کے سارے دکھ اور مشکلات صرف  
 غریبوں کے لیے ہی کیوں ہوتی ہیں؟

عزیز از جان افسی یہ دنیا امتحان گاہ ہے جہاں ہمیشہ اللہ  
 رب العزت کے پیارے اور محبوب لوگوں نے تکالیف ہی اٹھائی  
 ہیں مصائب ہی برداشت کیے ہیں کیونکہ جو اس فانی دنیا میں  
 جتنی کھٹن زندگی گزارے گا اسے آخرت کی دائمی زندگی میں

راحت ہی راحت نصیب ہوگی۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن  
 کے لیے اللہ رب العزت نے بھلائی نہ ختم ہونے والی اخروی زندگی  
 کو پسند فرمایا ہے آپ زندگی کے مصائب پر رنج کی بجائے صبر  
 کریں میری جان بے شک جو لوگ اس دنیا میں مشکلات  
 برداشت کرنے والے ہیں ان کے لیے آخرت کے سفر میں  
 ساری آسائشات ہیں۔

✨ آبی برف کے آنسو کے بعد آپ کہیں گم تو نہیں  
 ہو جائیں گی؟

دل تو چاہتا ہے پار کہیں کھڑا جاؤں مگر آج کل اور آپ لوگ  
 کہاں گم ہونے دیں گے مجھے۔  
 ❁ جھنگ سے بہن بشری ملک لکھتی ہیں۔

✨ تازی آبی آپ کے ناول بہت اچھے ہوتے ہیں آپ کا  
 اندر بوجھ بہت اچھا ہوتا ہے میری بھجڑ آپ سے بہت متاثر ہے  
 پلیز مجھے بتائیں کہ آپ کا نیا ناول کب آ رہا ہے؟

بشری ڈیر آپ نے جو سوال کیا ہے وہی سوال چکوال سے  
 بہن علیزے کیانی، ایمان علی، مخدوم پورہ سے بہن نیملہ نور،  
 کھاریاں سے مول علی اور دیگر بہنوں نے بھی کیا ہے آپ  
 سب میرے حق میں دعا کریں ان شاء اللہ میں جلد لکھنے کی  
 کوشش کروں گی۔

❁ خان کٹرہ ڈوگریاں سے بہن ساجدہ بھٹی کا سوال۔  
 ✨ آبی کیا بھی کسی فین ریل کی محبت نے مشکل سے  
 دو چار کیا؟

الف کیا سوال پوچھ لیا یا رہا بہن چند ہی روز کی بات سے ایک  
 فین صرف تین دن بات نہ کرنے پر اسپتال پہنچ گئیں جس پر  
 میری ممانے مجھے ڈانٹا اور میں نے اس فین بہن کی دیوانگی کی  
 قدر کرتے ہوئے ان سے سوہاگیا پر بات کر لی۔ اس بہن نے  
 مجھ سے کہا کہ وہ مجھے زندگی میں ایک بار ملنا چاہتی ہیں میں نے  
 انہیں ان کے بے حد اصرار پر کراچی لایا اور وہ بہن میری  
 محبت میں سولہ سترہ گھنٹوں کا سفر طے کر کے میرے گھر پہنچیں  
 میں نے بھی ان کی محبت اور خلوص کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں  
 عزیز دوست کی طرح سمجھایا اور کسی وزیر اعظم کی طرح ان کی آؤ  
 بھگت کی پورا شہر گھمایا سب اپنی سب مصروفیات ترک کر کے  
 انہیں پورا ناٹم دیا مگر اس وقت بہت مشکل ہوئی جب انہوں نے  
 ضد کر کے ساتھ سلا یا وہ بھی پوری تین راتوں تک۔ مجھے عشاء کی  
 نماز کے فوری بعد سونے کی عادت ہے مگر ان تین راتوں میں دیر  
 تک کیسے میں جاگی میرا دل جانتا ہے یا میرا خدا مگر وہ بہن پھر  
 بھی خوش نہیں تھیں۔ میرا آؤ بھگت روک، موبائل فون سب سائیڈ  
 پر کر دیا انہوں نے تاہم سب سے بڑی جوازیت کی بات تھی وہ  
 یہ تھی کہ انہوں نے میری حمیرے کے باوجود اللہ اور اللہ کے رسول



اصلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری ذات کی قسم کھا کر بھی میری اور میرے سارے گھر والوں کی ایک ایک لمحے کی ویڈیو بنا لیں جب مجھے اس بات کا پتا چلا تو میں نے ان سے ریکوریسٹ کی کہ میری پہلی بیٹی مجھے اس چیز کی اجازت نہیں دیتی آپ سب ڈیلیٹ کر دیں مگر میری التجا کے باوجود انہوں نے ایسا نہیں کیا جس پر میں ان کے سامنے ہی بے حد روئی اور میری امی، بھائی اور آئی نے مجھے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ امی کا غصہ دیکھ کر اس بہن کو مجھ پر ترس آیا اور اس نے مجھے اپنا موہل دے دیا تب میں نے وہ سب مواد ڈیلیٹ کیا اور اسی روز اس بہن کو رخصت کیا مگر وہ دن اور آج کا دن اب میں کسی کی کال پک نہیں کرتی۔

☆ جنگ شہ سے بہت پیارنی سی بہن تھی یہ تھی۔  
☆ نازی آپ سبقتل کی عظیم مرثیہ ہیں بہت خوب صورت لکھتی ہیں سب سے بڑھ کر آپ بہت اچھی بیٹی اور بہت اچھی بہن ہیں میرے پاس آپ کے لیے بہت سے سوال ہیں مگر آچل میں آپ کے حلق بہت کچھ پتا چل چکا ہے پھر آپ کی ہر پہالی سے بھی آپ کا پتا چل جاتا ہے خدا آپ کو زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب کرے آمین میرا سوال ہے۔  
☆ کیا آپ اپنی حقیقی زندگی میں بھی اتنی ہی شدت پسند ہیں جیسے کہ آپ اسٹوریز میں؟

کسی حد تک کہہ سکتی ہیں کیونکہ میری کہانیوں میں میرا ہی عکس ہوتا ہے اور صرف میں ہی کہہ رہی ہوں کہ میری زندگی کا اپنا عکس ہوتا ہے۔ میں اپنی زندگی کے ہر معاملے میں بہت شدت پسند ہوجاتی ہوں۔ کبھی کبھی مگر اب کچھ عرصے سے کافی ظہر ادا آ گیا ہے طبیعت میں آپ کی محبت کا بے حد شکر ہے۔  
☆ بہاول پور سے بہن اہم شاہد بہتی ہیں۔ نازی آپ کی میں آپ کی بہت بڑی محبت ہوں آپ مجھے بہت پسند ہیں میرا آپ سے سوال ہے۔

☆ آپ اپنا ناول شب بھر کی پہلی بارش کب شروع کریں گی؟  
اللہ نے چاہا تو بہت جلد شروع ہو جائے گا ان شاء اللہ۔  
☆ نازی آپ نے ہر موضوع پر لکھا ہے مگر اپنے مخصوص انداز میں کبھی یونیورسٹی لائف نہیں لکھا کیوں؟  
کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ خصوصی طور پر اس ٹاپک پر لکھنا ہے پھر بھی آپ میرا کوشش کروں کہ لکھ سکوں۔  
☆ مکان ادیان علی اسلام آباد سے پوچھتی ہیں۔  
☆ اگر آپ کو کسی بات پر غصہ آئے تو کیسے کنٹرول کرتی ہیں؟

یاد نہیں میں غصہ آتا تھا تو میں خود اپنے ہی ہاتھ پر زور سے کاٹ لیتی تھی اب اگر کسی بات پر غصہ آئے تو میں وہ بات ہی

چھوڑ دیتی ہوں اور خاموشی اختیار کر لیتی ہوں۔  
☆ سائرہ خان اسلام آباد کا سوال۔  
☆ نازی آپ شعاع میں کب لکھنا شروع کریں گی؟  
ایک ناول شروع کیا ہوا ہے مگر مکمل نہیں کر پائی ابھی تک ان شاء اللہ اگلے چند روز میں مکمل کرنے کے کچھ اداوں گی۔

☆ سرگودھا سے بہن نویدہ پوچھتی ہیں۔  
☆ نازی یہ جی آپ نے زندگی میں اتنی مشکلات کو برداشت کیا آپ بہت بہت دلی ہیں پلیز مجھے بتائیں جب زندگی میں کوئی اپنا نہ رہے تو کیسے زخم دہرا جائے؟  
نویدہ ڈیئر مشکلات اور پریشانی اب انہی لوگوں پر آتی ہیں جو اللہ کے بہت قریب ہوتے ہیں زندگی میں جب کوئی اپنا نہیں ہوتا تب ہی تو انسان خود سے ملتا ہے اللہ رب العزت پر سارے معاملات چھوڑ دینے سے ہر چیز بہتر ہو جاتی ہے۔

☆ زاہرہ حسین ملتان سے پوچھتی ہیں۔  
☆ نازی میں کبھی ہار کی رائٹر سے کچھ پوچھنے کی جسارت کر رہی ہوں پلیز مجھے جواب ضرور دینا میرا سوال ہے آپ کی نظر میں محبت کی انتہا کیا ہے اور کیا انتہا امر کر دیتی ہے؟  
زاہرہ ڈیئر آپ کے سوال کا بہترین جواب سحر یہ راجحوت کے ناول "موتق آتش" میں موجود ہے۔ یہ ناول محبت کی انتہا بھی ہے اور محبت کی انتہا کے امر ہو جانے کی لازوال داستان بھی۔

☆ کماریاں سے مول علی کا سوال۔  
☆ نازی میرے لیے کوئی خوب صورت جملہ؟  
کوشش کریں کہ آپ کو زندگی میں وہ انسان ہمیشہ ہنستا ہوا ملے جیسا کہ روحانی بننے میں دیکھتی ہیں۔  
☆ گجرات سے سارا خان پوچھتی ہیں۔

☆ نازی آپ کی آپ ہر اسٹوری اتنے جاندار طریقے سے لکھتی ہیں کہ ہم اس میں ڈوب جاتے ہیں آپ اتنی پرورد شاعری کرتی ہیں اس کی کوئی خاص وجہ؟  
کوئی خاص وجہ نہیں یاد رہے یہ دل دہمی انسانیت کے درد سے چر ہے شاید اسی لیے لہو میں ڈوب کر لفظ سطر فقر طاس پر بکھرتے ہیں۔

☆ انا کوئین واپڈ اٹاؤن گو جرنال سے پوچھتی ہیں۔  
☆ نازی دعا کریں کہ میرا ڈاؤن گرنے کا خواب پورا ہو جائے میرا آپ سے سوال ہے کیا آپ کو کبھی نظر کی محبت پر یقین ہے؟ بالکل بھی نہیں۔

☆ پری خان سے مناعل شاہ کا سوال۔  
☆ آپ اپنے ناول میں نو شاعری دیتی ہیں کیا وہ خود لکھتی ہیں؟



نہیں ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کبھی میری شاعری ہوتی ہے کبھی  
جوا بھی لگی وہی لکھ دیتی ہوں۔  
✽✽✽ خردم پورہ سے نبیلہ جمیل لکھتی ہیں۔

✽✽✽ آپ کی اور آجمل کی بہت بڑی فین ہوں میرا  
سوال ضرور شامل کیجئے گا میرا آپ سے سوال ہے کہ جس پر سب  
سے زیادہ بھروسہ ہو وہی اعتبار کیوں توڑ دیتے ہیں؟  
بہنی دنیا داری ہے یا راسی لیے تو کہتے ہیں مطلق صرف اللہ  
رب العزت کی پاک ذات سے ہونا چاہیے ہانی سب رشتے  
بے فتنی ہیں۔

✽✽✽ نامعلوم مقام سے جنزیلہ شہزادی کا سوال۔

✽✽✽ آپ کی میں چھوٹی چھوٹی باتیں بہت سوجتی ہوں اور دل پر  
لے لیتی ہوں پھر سوجتی ہوں مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور اسی  
وجہ سے میری پڑھائی بھی ڈسٹرب ہو رہی ہے آپ پلیز مجھے  
تائیں آپ کی میں کیا کروں؟

فضول سوچنا چھوڑ دیں ڈیز ان شاء اللہ اللہ سب بہتر  
کرے گا۔

✽✽✽ فیصل آباد سے مریم جٹ لکھتی ہیں۔

✽✽✽ نازیبا آپ کی دوپائی ہوں۔ سن کبھی آجمل میں  
لکھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ آپ مجھے بہت پسند ہیں میں آپ  
سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ جب آپ نے لکھنا شروع کیا تو کیا  
آپ کو تنقید کا سامنا کرنا پڑا اگر ہاں تو تب کس نے آپ کا  
حوصلہ بڑھایا؟

ماہانہ آجمل ڈائجسٹ کی مدیرہ محترمہ فرحت آرا صاحبہ نے  
اور ایسا اس وقت ہوا جب جواب عرض میں لکھنے کے باعث  
میری امی نے میرے لکھنے پر پابندی عائد کر دی۔ اس وقت  
فرحت آپا کی محبت اور حوصلہ افزائی نے پھر سے میرے لکھنے کی  
راہ ہموار کی 2007ء میں جب میری شاعری کی کتاب ”پنچر  
جانا ضروری تھا“ منظر عام پر آئی تو میری ماہانہ نے ایک مرتبہ  
پھر میرے لکھنے پر پابندی عائد کر دی۔ تب بھی آجمل نے حوصلہ  
بڑھایا تھا جہاں تک تنقید کی بات ہے تو یار میری بد قسمتی ہے کہ  
مجھ پر ”تنقید برائے اصلاح“ بہت ہی کم ہوئی ہے۔ ہاں کچھ شر  
پسند قسم کے لوگوں کی طرف سے ایک دو ہزار تنقید برائے تنقید  
ضرور ہوئی ہے جیسے میں نے اپنے ایک ناول میں لکھا کہ ہیرو  
نے ریسٹورنٹ میں ٹیبل پر مل پئے کیا تو ایک معروف رائٹر نے  
تنقید کی کہ نازیبا کیا تم بھی ریسٹورنٹ میں گئی ہو؟ وہاں ٹیبل  
پر مل پئے نہیں ہوتا کاؤنٹر پر جا کر ہوتا ہے اب تمہیں بھلا بندہ  
ایسی تنقید کا کیا کرے۔ آجمل کے ساتھ قاری بہنوں نے بھی  
ہمیشہ میرا بہت حوصلہ بڑھایا ہے۔

✽✽✽ مائیکال گجرات سے عائشہ کنول عاشی کا سوال۔

✽✽✽ آپ کی خونی رشتے تو اپنے ہوتے ہیں مگر احساس کے  
رشتوں کی آپ کے نزدیک کب اہمیت ہے؟

عاشی ڈیز میری نظر میں اگر خونی رشتوں میں ”احساس“  
نہیں تو ایسے خونی رشتوں کا کوئی فائدہ نہیں رشتے تو صرف  
احساس کے ہوتے ہیں اگر احساس نہیں تو کچھ نہیں۔  
✽✽✽ ماسکوہ سے فضا ایمان علی پوچھتی ہیں۔

✽✽✽ نازیبا آپ ہمیشہ اپنی کامیابیوں کا گریڈ ٹیبلٹی ماں کو  
اور خود سے وابستہ رشتوں کو دیتی ہیں مگر آپ نے بھی والد  
صاحب کا ذکر نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

کوئی وجہ نہیں ڈیز شاید میری کامیابیوں میں میرے والد  
صاحب کا کوئی کردار نہیں۔

✽✽✽ آپ کی کیا کوئی بھی انسان پیدا آئی رائٹر یا شاعر ہوتا ہے یا  
اس کے حالات اسے لفظوں سے چیلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔  
دونوں باتیں ہی ہوتی ہیں ڈیز کسی انسان میں پیدا آئی  
ملا جیتیں ہوتی ہیں اور کچھ لوگوں کو ان کے حالات مجبور  
کر دیتے ہیں۔

✽✽✽ گواٹ سے انشال امیر کا سوال۔

✽✽✽ آپ کی بھی اپنی زندگی اور شخصیت کے بارے میں بھی  
تفصیلات بتائیں پلیز۔

ڈیز انشال

فرست کبھی ملے تو پڑھنا مجھے ضرور  
تاکام زندگی کی مکمل کتاب ہوں

✽✽✽ ملازگڑھ سے مایہ شاہ پوچھتی ہیں۔

✽✽✽ آپ کی اگر برداشت کی مدد کر جائے تو کیا کرنا چاہیے؟  
میر۔

✽✽✽ لاہور سے اقرامی کا سوال۔

✽✽✽ آپ مجھے آپ سے پوچھتا ہے کہ آپ ایک رائٹر ہیں  
آپ کے پاس بہت نام ہے۔ پلیز مجھے بتائیں اگر کوئی شخص  
آپ کو بہت چاہتا ہو آپ کی ہر بات ماننا ہو آپ کی عزت  
کرنا ہو آپ کی خوشی میں خوش ہو مگر ایک وہ آپ کو چھوڑ  
دے اور بہت پوچھنے پر کہتا ہے کہ تمہاری خوشی کے لیے کیا ہے  
تو کیا وہ شخص ناگم پاس گردا تھا یا واقعی آپ کے ساتھ ٹھہر گیا۔  
میں آپ کی سوچ اور مشورے کا بہت پسند کرتی ہوں پلیز میری  
ابھمن دور کر دیں۔

ڈیز اقرامی

کچھ تو مجھو یاں رہی ہوں گی  
یوں کوئی بے وفا نہیں ہوتا

✽✽✽ کراچی سے ہسر خان۔

✽✽✽ آپ کی بہترین دوست کون ہے؟



وہی جو دل کی ظلمتوں کو خیر خواہ ہو با وفا ہو۔  
 ☆ آپ کی جب آپ بہت اداس اور دکھی ہوتی ہیں تو کیا کرتی ہیں۔

ناول پڑھتی ہوں یا سوچتی ہوں۔

● مکان سے اتر اساجد پوجتے ہیں۔

☆ آپ کی کہانوں میں بہت درد ہوتا ہے اس کی خاص وجہ؟

اقرا ڈیٹر میری ذات کے صحرا میں اداسی کے چشمے بہت پھونچے ہیں شاید اس لیے آپ کو میرے لفظ بھیجے ہوئے محسوس ہوتے ہیں یا پھر میں زندگی کی حقیقتوں کے سینے زیادہ چاک کرتی ہوں اس لیے لفظوں میں درد اترتا ہے۔

☆ آپ کی کیا آپ سب سے زیادہ عزیز ترین رشتہ ہیں۔

میری ڈیٹر یقیناً تو رشتہ ہوں مگر عزیز ترین بھی ملتا نہیں ہے۔

☆ کوئی ایسا کردار ہے آپ کی کہانی کا بھی ہو اور آپ چاہتی ہوں کہ صریحاً اس کے زندگی میں بھی کردار ہو؟

اقرا ڈیٹر مجھے اپنی حقیقی زندگی میں ایسا ہم سفر پسند ہے جو میرے علاوہ اور کسی کا نہ ہو میرے علاوہ اس کی زندگی میں اور کوئی نہ ہو دنیا کی حسین سے حسین لڑکی بھی اسے میرے سامنے بنے معنی لگے مگر میری کہانوں کا کوئی بھی ہیرو ایسا نہیں ہے شاید اس لیے میں اپنی کہانوں کے ہیرو کو زیادہ پسند نہیں کرتی پھر بھی "اے مرگان محبت" کے ادب اور کو میں ضرور اپنی حقیقی زندگی میں دیکھنا چاہوں گی بس اس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

● نامعلوم مقام سے بہن میرب خان کا سوال۔

☆ نازیہ آپ کی کسی ہیں آپ اللہ آپ کو دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب کرے آمین اور آپ کو ہمیشہ خوش رکھیں میرا آپ سے بس یہی ایک سوال ہے کہ آپ اپنے دن کا آغاز کیسے کرتی ہیں؟

دن کا آغاز میں اللہ رب العزت کی پاک ذات کے نام سے ہی کرتی ہوں جیسے ہی آنکھ کھلتی ہے سب سے پہلے سبیل اٹھا کر دوپہتی ہوں رات کے سچ چنگ کر کے پھر نماز ادا کرتی ہوں تسبیح اور قرآن پاک سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر لیٹ جاتی ہوں پھر ناول لکھنے بیٹھ جاتی ہوں اور پھر کی نماز تک یہی چلتا ہے۔

● سرگودھا سے رامیہ عباد کا شکوہ۔

☆ نازیہ شب بھر کی پہلی بارش کب آ رہا ہے اتنے عرصے خوش خبری سنا کے اب انتظار کرا رہی ہیں۔

بہت معذرت رہا ہے میرا میں جب ان ہا کس اس ایک شکایت سے بھرا ہوا ہے اصل میں رائٹر فرحانہ تاز ملک کی وفات کے بعد میرا کچھ بھی لکھنے کو دل نہیں چاہ رہا پھر بھی آپ دعا کریں میں کوشش کروں گی کہ آج کل کے سالگرہ نمبر میں یہ ناول

شامل کر سکوں۔

● لطیفہ بادِ خلع حیدرآباد سے تزیلہ شہزادی لکھتی ہیں۔

☆ السلام علیکم نازیہ آپ سے پوچھتا چاہتی ہوں

کہ جب ہم کسی سے کوئی لفظ کہتے ہیں اس کے ہارے میں

اچانک یہ محسوس ہو کہ وہ آپ سے، مجھ یا میں چھپا رہا ہے تو آپ

کو مایوسی اور دکھ ہوتا ہے آپ اس سے احتیاط کرتے ہیں مگر کچھ

لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ سب کچھ ہانتے ہوئے بھی اس حقیقت

کو نہیں مانتے اور اعتماد کرتے چلے جاتے ہیں ان لوگوں پر جو ان

سے لفظ بھی نہیں ہوتے پھر بھی وہ ان کو اپنا ہم راز بنا لیتے ہیں

حالانکہ وہ جوئے ہوتے ہیں اور زندگی کوئی بات بھی سیر نہیں

کرتے آپ پلیز بتائیں جب آپ کو یہ احساس ہو جائے کہ وہ

آپ کے ساتھ لفظ نہیں تو کیا کرنا چاہیے اس سچویشن میں؟

میں تو یہی کہوں گی ڈیٹر کہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی ہی

بہتر ہے کیونکہ ایسے لفظ جن کی بنیاد سچائی اور خلوص پر نہ ہو

سوائے الیت کے آپ کو اور کچھ نہیں دیتے۔ پھر ایسے لوگوں

کے لیے بے مقصد زندگی کو ضائع کرنا کبھی ضرور مست نہیں۔

● میانوالی سے بہن عشرت ملک لکھتی ہیں۔

☆ ڈیٹر نازیہ یہ رب پاک کا قانون ہے کہ اس نے زندگی

جیسی نعمت سب کو دی تو بے مگر غیب کا علم صرف اپنے پاس رکھا

ہے کسی کے حصے میں کتنی خوشیاں آتی ہیں اور کتنے غم کتنی

آزمائشیں اور تکالیف یہ سب دینا جانتا ہے آپ اپنی اماں سے

محبت کا بہت اظہار کرتی ہیں اس سے پتا چلتا ہے آپ اپنی امی

سے بہت گور ہیں اور سب بہن بھائیوں سے زیادہ آپ ان کا

درد محسوس کرتی ہیں آپ نے آج کل ڈائجسٹ میں اپنے انٹرویو

میں کہا تھا کہ آپ کا والد بہت مشکل والا اور تھا جب آپ کی

ای اسپتال میں داخل میں جب کچھ خراب حالت کی وجہ سے

آپ نے جو لکھا اس کی تکلیف میں محسوس ہوئی تھی کہ آپ نے

اتنی ہی عمر میں کیسے کیسے دکھ دیکھ لیے ہیں اور ابھی تک دیکھ رہی

ہیں کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ بیٹوں کی نسبت بیٹیاں اپنے

والدین کے زیادہ قریب ہوتی ہیں اور ان کی فرماں بردار ہوتی

ہیں اور ہم آپ کو اور خود کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات بالکل

حقیقت ہے اللہ اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے

آپ کی اور دنیا کی سب ماؤں کو بس عمر اور صحت والی زندگی عطا

کرے آمین۔

ڈیٹر عشرت آپ کے بچہ میں میرے لیے کوئی سوال نہیں

ہے مگر پھر بھی آپ کو اس محفل میں اس لیے شامل کر رہی ہوں

کیونکہ آپ نے بہت خوب صورت لفظ تحریر کیے ہیں پوری دنیا

میں ہر انسان خواہ وہ کسی بھی ملک اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو

"ماں" اس کے لیے قدرت کا سب سے اہم اور قیمتی تحفہ



ہے۔ لفظ ماں کو اگر ہم اپنی زندگی سے نکال دیں تو پیچھے سوائے صفر کے اور کچھ بھی نہیں بچتا۔

میں بھی ہوں میرے اندر میری ماں کی جان سے اور آج جتنی خوشیاں اور کامیابیاں مجھے حاصل ہیں ان سب کے پیچھے کہیں نہ کہیں میری ماں کی دعاؤں کا ہاتھ ہے۔ میں نے جتنی بھی مشکلات اپنی ماں کی زندگی بچانے کے لیے فیس میں شاید میری جگہ صبری کوئی اور بہن بھی نہ کر سکتی مگر اپنی ماں کو زندہ رکھنے کے لیے یہ سب مشکلات دکھا اور ازیتیں میرے نزدیک اب کوئی معنی نہیں رکھتیں آپ کی محبت اور دعاؤں کا بے حد شکر ہے۔

اس نشست کے سب سے آخر میں اعزازی طور پر خط شامل کروں گی ایک بہت پیارے بھائی ایڈووکیٹ شوکت عظیم سیال کا فیصل آباد سے اور یہ خط صرف میرے لیے ہی نہیں بلکہ ایک عام سی لڑکی کو نازیہ کنول نازیہ بنانے والے میرے پیارے آج کل کے لیے بھی کسی شکر سے کم نہیں لکھتے ہیں۔

ہذا آپنی میں ایک نالائق اسٹوڈنٹ۔۔۔ آج سے چند سال پہلے تعلیم کو خیر آباد کہہ چکا تھا مگر کس سے آپ کی کہانی (وطن کی مٹی) کا پھنا ہوا ورق ملاحظہ جس کی آہ لائن نے صبری زندگی بدل دی کہ

”آپ چاہیں تو اس مٹی کو کچھ نہ دیں مگر جو قرض اس مٹی نے تم پر چڑھا دیا وہ ادا کر دیں تو آپ نے اس مٹی سے اپنی محبت کا حق ادا کر دیا۔“

اور آپ کی اسی ایک لائن نے میرے دل پر ایسا اثر کیا کہ آج میں لاء گریجویٹ ہوں اگلے سال میں ہی ایس ایس کے امتحان میں بیٹھ رہا ہوں اور ان شاء اللہ بہت جلد میرے جسم پر ایکس رے ایس پی کی وردی ہوگی۔ میں شاید کامیابی کی اس آج تک بھی نہ آتا کرتا آپ کی کہیں وہ ایک لائن نہ پڑھتا۔

You Are a Source Of Inspiration For Me.

انشاء آپ کو دونوں جہاں کی خوشیاں نصیب فرمائے اور آپ یونہی اپنے قلم سے چراغ جلائے رہیں اندھیرے دور کوئی رہیں سائمن۔

پیارے بھائی آپ کے الفاظ نے میرے لیے خون کی دو بوتلیں لگنے جیسا کام کیا ہے بہت پہلے جب میرا ناول ”اس شہر محبت میں“ شائع ہوا تھا تو آج کل کی مدد پر یہ محترمہ فرحت آرا آپا نے مجھے خود بخود کر کے شاپاش دی تھی اور یہ بتایا تھا کہ ان کے پاس سیکڑوں لڑکیوں کے خطوط آ رہے ہیں جنہوں نے میرا یہ ناول پڑھ کر پانچ وقت کی نماز شروع کر دی تھی اس شہر محبت کے بعد آج کل ہی میں میرا ناول ”اسے محبت تیری خاطر“ پڑھ کر سیکڑوں بہنوں نے تا صرف موبائل فون ترک کر دیا بلکہ مجھے

خود ذاتی طور پر بہت سی لڑکیوں کی ماؤں نے فون کر کے شکر ہے ادا کیا کہ میں نے ان کی بیٹیوں کی زندگی کی اصلاح کے لیے ایسا جاوونٹی ناول لکھا۔ ماہنامہ کرن میں میرا ایک ناول ”بات زندگی کی ہے“ جو میں نے عشتیٰ رسول میں قادیانیت کے خلاف لکھا تھا پڑھ کر بہت سے لوگوں نے سراہا اور اپنی اپنی زندگیاں درست کیں تو یہ سب جہاد ہے اور میں الحمد للہ اس بات میں فخر محسوس کرتی ہوں کہ میرا اللہ مجھ سے یہ کام لے رہا ہے میں سمجھتی ہوں دہپ سے اسیپ جلا کر ہی اس چمن میں روشنی کی جاسکتی ہے وگرنہ جتنا دوا اس اداس لفظوں کی لکھاری کے سینے میں اپنی قوم اور اس ملک کی مٹی کے لیے ہے شاید وہ درد میں برداشت ہی نہ کر پاؤں اور خاک اوڑھ لوں آپ کی حوصلہ افزائی کے لیے بے حد شکر ہے۔

آخری میں عائشہ عاشو، زور یہ بلال، ذرا عثمان، مدیحہ اسلم، کراچی سے وانیہ خان، ہانیہ راجپوت، سیدہ روش ترمذی، لاہور سے مہوش ملک، بہاول پور سے آصفہ ناز جس عارف والا سے عائشہ اقبال، چکوال سے کشفہ زہرہ، حنا حور عین آقا ماسیہ جتول، گجرات سے مہوش مان، اقرامان، لبیہ علی، اہم انصاری، فیصل آباد، فروا احسن لیاقت پور، ہادیہ ایمان راولپنڈی اور دیگر بہنوں کے سوالات میں اسی سلیب کی مختلف نشستوں میں دے چکی ہوں لہذا آپ کو شامل نہیں کر سکی بے حد معذرت۔

انڈیا میں مہنگا آج کل، پاکیزہ آج کل اور حنا کے مدد مصطفیٰ قریشی بھائی اور نامور لکھاری عزالہ پروین قریشی آپ کی محبت کا بے حد شکر ہے۔ زندگی رہی تو ان شاء اللہ پھر کہیں کسی پلیٹ فارم پر ضرور ملاقات ہوگی۔ اپنی محبت اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا ماسمہ صبری جان آپ کی محبت کی بزرگی ہے۔

ہم تو بس خواب ہیں بچھڑیلے کے لیے دیکھو ہمیں  
پھر کسی آنکھ کسی نیند میں آئیں گے نہیں  
پھر کسی راہ کسی سوڑ پر ہم ہوں گے نہیں  
ہم تو بس گرد ہیں کچھ دیر میں مٹ جائیں گے  
ہم تو خوشبو ہیں ہمیں رنگ نہ دینا کوئی  
حرف احساس کو چھو کے گزر جاتا ہے ہمیں  
ہم تو آنسو ہیں ہمیں گے تو نہ لوٹیں گے کسی  
ہم تو بس زخم ہیں سینے کا ہمیں بھرتا ہے  
ہم وہ احساس کی بلیں ہیں جو پھاؤں چاہیں  
زرر کی دھوپ جو چھوٹیں تو ہمیں بھرتا ہے  
ہم تو بس خواب ہیں کچھ پل میں بکھرنے والے

(پارزندہ محبت ہانی)







مکمل سوانح

قراچیا





بزم خیال میں تیرے حسن کی شمع جل گئی  
 درد کا چاند بجھ گیا، ہجر کی رات ڈھل گئی  
 جب تجھے یاد کر لیا، صبح مہک مہک اٹھی  
 جب ترا غم جگا لیا، رات چل چل گئی

”ایک بات بالکل سچ تو بتاؤ گی؟“ وہ قریب آ کر  
 بھاری لہجے میں بولا۔  
 ”ہوں.....“ وہ اس کی آنکھ دیتی نگاہوں سے سرا سمہ  
 ہو کر گویا ہوئی۔

”لڑکیاں واقعی ڈرپوک ہوتی ہیں یا ایکٹنگ کرتی  
 ہیں؟“ اس کے قریب آنے پر وہ بے ساختہ چند قدم پیچھے  
 ہوئی تھی۔

”قاتلو کی جگو اس مت کرو میں آئندہ تمہارے ساتھ  
 نہیں آؤں گی تمہارے دماغ کی طرح اکثر تمہاری بائیک  
 بھی خراب ہو جاتی ہے۔“

”بائیک خراب نہیں ہوئی صرف ٹائر پتھر ہوا ہے جو  
 ابھی لگ جائے گا۔“ وہ سڑک کے اس پار پتھر لگانے والے  
 کی دکان دیکھا ہوا اطمینان بھرے لہجے میں بولا اور ماندہ کا  
 خوف و فکر سے بے حال تھا۔ دسر اس کے اطمینان پر دل  
 جل کر خاک ہوا چار ہاتھ وہ اس کے اصرار پر امی اور تانی کی  
 اجازت لے کر کھانے پر آئے تھے۔

حماد پہنے اسے سی ویو لے گیا سمندر کی ٹھنڈی لہروں  
 سے کھیلے ہوئے وقت گزرنے کا احساس نہ رہا پھر ڈنر اور  
 کافی کے بعد حماد بار بار اس کے کہنے پر وہاں سے اٹھا تھا  
 اور ابھی آدھا راستہ بھی طے نہ ہوا تھا کہ وہی سبکی کسر ٹائر پتھر  
 نے پوری کر دی تھی۔

”اب کتنی اور دیر لگے گی یہاں؟“ وہ بائیک وہاں  
 کھڑی کر آیا تو وہ پوچھ نہ تھی۔  
 ”زیادہ دیر نہیں لگے گی تم فکر مت کرو۔“ اس نے

”ارگ ڈا اب کیا ہوا..... ہم پہلے ہی لیٹ ہو گئے ہیں  
 اور تمہاری اس بائیک کو اسی وقت ہی خراب ہونا تھا؟“ ماندہ  
 نے بائیک سے اترتے ہوئے رسٹ وایج پر نگاہ ڈالی اور  
 گھبرا کر بولی۔

”ریلیکس یار! گیارہ بجے ہیں ابھی کوئی رات نہیں  
 گزر گئی ہے جو تم اس قدر پریشان ہو رہی ہو تم پھر میرے  
 ساتھ ہو کسی غیر کے ساتھ نہیں۔“ حماد بائیک کے قریب  
 بیٹھ کر ٹائر چیک کرتے ہوئے نرمی سے گویا ہوا۔

”بابا کے لیے گیارہ بجے آدھی رات ہوتی ہے تین  
 بجے وہ تھبہ پڑھنے کے لیے اٹھتے ہیں تو پھر دوپہر میں ہی  
 قیلولہ کرتے ہیں۔“

”خیر مجھے کیا بتا رہی ہو میں بھی اسی گھر میں رہتا ہوں  
 اور چچا جان کی ڈیٹی روٹین کو جانتا ہوں۔“

”اور بابا کے مزاج کو جان کر بھی جانتا نہیں چاہتے ہو  
 اگر ان کو پتا چل گیا ہم اس طرح آوارہ گردی کر رہے ہیں  
 تو.....“ کہتے کہتے وہ مارے خوف کے جبر جبری لے کر  
 بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گئی۔

”تو..... تو کیا ہوگا جملہ مکمل کروا پتا۔“  
 ”اس سے آگے میں سوچتا ہی نہیں چاہتی بابا کا  
 غصہ بے حد خراب ہے۔“ حماد نے کھڑے ہوتے  
 ہوئے اس کے سپاہ اسکارف میں لپٹے شفاف دو دھیائی  
 رنگت والے رصنائی سے بھر پور چہرے کو دیکھا تو اس کی  
 چاہت کی لے پر دھڑکتی دھڑکنوں میں خوش کن ارتعاش  
 سا پھل جانے لگا تھا۔



تسلوی۔

اس دور میں کوئی کسی کی پروا نہیں کرتا۔  
”برائی کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے یہی ہم  
ایسا نہ ہو کسی کے گھر کی آگ ہمارے گھر تک پہنچ جائے اور  
سب جل کر خاک ہو جائے۔“  
”پھر کیا کریں گے آپ؟“ شوہر کو مضطرب دیکھ کر وہ  
بھی فکرمند ہو گئیں۔

”میں ابھی علاقے کے کچھ محرزین سے مل کر ان کے  
سامنے یہ مسئلہ پیش کرتا ہوں مجھے یقین ہے کوئی بھی ایسی  
بازاری عورتوں کو اپنے درمیان دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔  
ایسی بدقماش عورتیں شرفاء میں نہیں رہ سکتی۔“ وہ گلاسز  
درست کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔  
”آپ بھی ہر بات سر پر سوار کر لیتے ہیں، پہلے  
چائے پی لیجیے ملائکہ نے کباب بنایا ہے وہ چائے کی  
ترائی لار ہی ہے۔“

”ابھی تو میری پانی پینے کو بھی طبیعت نہیں چاہ رہی  
واپس پر پیوں گا پہلے اس معاملے کو کلیئر کروانے دو۔“ وہ کہہ  
کر چلے گئے۔

”مما! پاپا کہاں گئے کچھ غصے میں بھی لگ رہے  
تھے؟“ ملائکہ نے باپ کو دور سے جاتے دیکھا تھا وہ ماں  
سے کر پوچھنے لگی۔

”آپ کے پاپا کو کچھ کام تھا اچانک یاد آنے پر گئے  
ہیں۔“ وہ کھڑکیوں کے پر سے درست کرتی ہوئیں اسے  
ٹالنے کی غرض سے بولیں۔

”میں نے جو سینڈویچ اور کیک تیار کیا ہے اس کا کیا  
بنے گا اب؟“

”فکر کیوں کرتی ہو بیٹا! آپ کے پاپا کچھ دیر بعد  
آجائیں گے اور شاید جب تک عمر بھی آجائے تو ساتھ مل  
کر سب انجوائے کریں گے۔“ انہوں نے مسکرا کر منہ  
بسورتی بیٹی کو تسلی دی۔



وہ گنگنائی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھی معا اس کی نگاہ  
مندرجوئے حماد پر گئی تو وارک گئی۔ حماد کا چہرہ فیس وائش کے



مردانہ قہقہے کے ساتھ نسوانی بے باک قہقہہ فضاؤں  
میں بکھرا اور قہقہوں میں تبدیل ہوتا چلا گیا ایونٹک نوز بہیم  
پڑھتے ہوئے یوسف صاحب کی نگاہیں بے ساختہ ہی  
برابر والے لان میں گئی تھیں۔

”لا حول ولا قوۃ! شریف لوگوں کے درمیان بھی اب  
اس قماش کے لوگ بنے لگے ہیں۔“ لان میں ایک  
نوجوان لڑکی جیمز اور سیلو لیس ٹاپ میں دو مردوں کے  
ساتھ کھڑی بے تحاشا ہنس رہی تھی اس کا ساتھ مرد بھی  
دے رہے تھے جنہی تیزی سے ان کی نگاہیں اس طرف  
اٹھی تھیں اس سے بھی پھرتی سے ٹٹی تھیں وہ فوراً اٹھے اور  
تیز تیز چلتے کمرے میں آ گئے۔

”ایک گلاس پانی دو بیگم!“ وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے  
گویا ہوئے۔

”ارے کیا ہوا آپ کو؟ چہرہ کتنا سرخ ہو رہا ہے تنفس  
بھی تیز ہے۔“ مہرمانو روم ریفریگریٹر سے پانی گلاس میں  
اڈیل کر انہیں دیتی ہوئی تشویش بھرے لہجے میں استفسار  
کرنے لگیں۔

”کیا بے حیائی کا دور آ گیا ہے مہرمانو! ہم صدمے  
میں ہیں۔“ وہ ان کو ساری بات بتا کر حیران و اندر رہ لہجے  
میں گویا ہوئے۔

”کیوں اتنا رنجیدہ ہوتے ہیں آپ یہ بھی ہو سکتا ہے  
ان کا آپس میں ایسا کوئی تعلق نہ ہو بعض گھرانوں میں بہن  
بھائیوں میں بھی ایسی بے تکلفی پائی جاتی ہے ایسی مذاق  
چلتا ہے۔“

”بہن بھائی..... کسی باتیں کرتی ہو مہرمانو! ارے ان  
پاکیزہ رشتوں کی خوشبودار سے ہی محسوس ہونے لگتی ہے اور  
یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے ہیں ان بالوں کی  
سفیدی میں عمر کے مشاہدے جو بڑے موجود ہیں۔“

”ارے چھوڑیں آپ یوسف! ہر کوئی اپنے اعمال کا  
خود جواب دہ ہے وہ جو بھی کرتے ہیں انہیں کرنے دیں



ہورہی ہیں؟“ وہ تیار ہو کر آیا تو اس کے وجہہ چہرے پر آنکھوں کی سرخی کچھ زیادہ ہی نمایاں تھی۔ ناشتا سرد کرتیں رضوانہ نے چونک کر پوچھا تھا جبکہ ان کے برابر بیٹھی ماندہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ کر پھر ہنسنے لگی تھی۔ حماد نے لمحہ بھر اسے گھور کر دیکھا اور گویا ہوا۔

”خالہ جانی! شاید کسی کی بُری نظر لگ گئی ہے میری خوب صورت آنکھوں کو پلیز نظر ضرور اتار دیتے جیسے گا۔“

”ارے کس بد بخت کی ایسی بُری نگاہ ہے مجھے تو کوئی اوپر ہی مخلوق ملتی ہے جس کی ایسی بھاری نظر ہے۔“ رضوانہ نے بھانجے کی محبت میں نہ اس کے شوخ طنز کو محسوس کیا اور نہ بیٹی کی دبی دبی آنکھوں کو دیکھ کر وہ فکر مند انداز میں سوچتے ہوئے گویا ہوئیں جبکہ حماد کے برابر میں بیٹھی رخسانہ نہ جانتے ہوئے بھی کچھ سمجھ گئی تھیں۔

”ہاں بالکل خالہ جان! ٹھیک۔ پہچانا آپ نے وہ کوئی چیز ہی ہے۔“

”دیکھ رہی ہیں آپ تائی جان! حماد مجھے چیزیں کہہ رہا ہے۔“ حسب عادت وہ خود پر تنقید برداشت نہ کرتے ہوئے کہہ اٹھی حماد قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔ رخسانہ کے لمبوں پر بھی مسکراہٹ چمک اٹھی جبکہ رضوانہ نے بیٹی کو گھورتے ہوئے تنبیہی لہجہ میں کہا۔

”اچھا یہ تمہاری شرارت ہے پھر تم نے تنگ کیا حماد کو کتنی بار تمہیں سمجھایا ہے بدتمیزی مت کیا کرو مگر تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔“

”اوپہوں رضوانہ..... کیوں ڈانٹ رہی ہو؟ ماندہ کی ان چھوٹی چھوٹی شرارتوں سے تو رونق ہے زندگی میں۔“ تائی نے فوراً حمایت کی۔

”شرارت اور بدتمیزی میں فرق ہوتا ہے جانی۔“

”ماندہ بیٹا! تم ناشتا کرو اور اپنی ماں کی باتوں پر دل نہ جلاپا کرو اس کو حماد کی شرارتیں دکھائی نہیں دیتی جو کسی طرح کم نہیں ہے۔“ ہمیشہ کی طرح انہوں نے ماندہ کی حمایت لیتے ہوئے بیٹے کو برا بھلا کہا تھا کیوں کہ ماندہ کو کاخ اور حماد کو ہسپتال جانا تھا اس لیے بات آگے بڑھ نہ سکی اور وہ

جھاگ سے سفید ہو رہا تھا جس کو وہ دونوں ہاتھوں سے رگڑنے میں مصروف تھا۔

”کتنے بھی جتن کر لو تم گورے ہونے والے نہیں۔“ وہ اس کے قریب پہنچ کر ہنس کر گویا ہوئی ساتھ ہی تل بھی بند کر دیا تھا۔

”ماندہ! شرافت سے تل نکول دو میری آنکھیں جل رہی ہیں۔“ اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے تل کھولنے کی کوشش کی تھی جس کی لائن وہ بیسن کے نیچے سے بند کر کے ہستے ہوئے بھاگ گئی تھی۔

”ہاا..... ہمت ہے تو کھولو خود ہی کھلو قصائی۔“

”ماندہ کی بیٹی..... میں تمہیں چھوڑنے والا نہیں ہوں میرے ہاتھوں سے بچ کر دکھانا تم اب۔“ اس نے جیسے تیسے وال کھول لیا تھا ان چند لمحوں میں آنکھیں جلن و تکلیف کے مارے گل کر نہیں دے رہی تھیں۔ چند لمحوں بعد متواتر پانی سے منہ دھونے کے بعد آنکھیں کھلی گئیں جو سرخ انگارہ ہو رہی تھیں اس نے قریب لگے بیئر سے ناول کھینچا منہ ہاتھ صاف کرنا وہ آئینے میں ایک نظر خود پر ڈالا آگے بڑھ گیا۔

”کیا بات ہے کیوں بن بات اکیلی منے جا رہی ہو کتنی بار سمجھایا ہے تمہارا یہ بات بے بات ہنسا مجھے طعنی پسند نہیں۔“ رضوانہ نے پراٹھا تو بے پروا لتے ہوئے بیٹی کو سرزنش کی۔

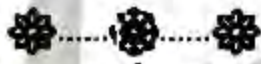
”امی! بے بات کہاں نہیں رہی ہوں کوئی بات ہے تو نہیں رہی ہوں۔“ وہ تصور میں حماد کی جھنجھلائی ہوئی کیفیت دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

”جانتی ہوں میں کوئی فضول ہی بات ہوگی چلو جلدی سے ناشتا ٹیبل پر لگاؤ حماد کو ہسپتال جانے میں دیر نہ ہو جائے اور تمہیں کاخ۔“ وہ ہاٹ پاٹ میں پراٹھے رکھ کر اسے دیتی ہوئی گویا ہوئیں اور پھرتی سے آلیٹ بنانے میں لگ گئیں چند لمحوں بعد وہ نفاست سے ٹیبل پر ناشتے کے تمام لوازمات رکھ چکی تھی۔

”ارے حماد..... بیٹا یہ آنکھیں اتنی سرخ کیوں



چاہتا ہوں جو ہمارے خاندان کا واپس رہا ہے۔ انہوں نے  
 دونوں خواتین کو رنجیدہ رنجیدہ دیکھ کر سانسیت سے سمجھایا۔  
 ”تمہاری باتیں درست ہیں عارف! مگر یہ بھی تو سوچو  
 وقت کروٹ لے چکا ہے کچھ تو تمہیں وقت کی چال کے  
 ساتھ چلنا چاہیے۔ ہمیں اپنے بچوں پر اعتماد ہے بھروسہ  
 ہے اپنی تربیت پر بچے اگر کچھ وقت ساتھ گزار لیں تو کوئی  
 حرج نہیں پھر کل کو انہیں ایک ہوا ہی ہے۔“  
 ”بھائی! آپ شاید میری بات سمجھتا ہی نہیں چاہتی  
 ہیں یاد رکھیے آج کی عاقبت ناندہ کی کل کا ناسور بن جانی  
 ہیں۔ غلط فیصلے غلط راہوں پر ہی لے جاتے ہیں۔“ وہ کہہ کر  
 رکتے نہیں تھے۔



مہربانوں نے ممتا بھری نغموں سے خوب و اسٹارٹ  
 بیٹے کو دیکھا جس کے سرخ و سپید چہرے پر سنجیدگی و  
 وقار جاڑ بیت بن کر چھائی ہوئی تھی۔ سوٹ میں لمبوس وہ  
 لیب ٹاپ میں مصروف تھا ان کو دیکھ کر وہ سیدھا ہو بیٹھا  
 اور لیب ٹاپ شٹ ڈاؤن کرنے کے بعد دھیمے انداز  
 میں مسکرا کر بولا۔

”آئیے ماما میں چند لمحوں بعد آپ کے پاس ہی آنے  
 والا تھا۔“

”ملائکہ نے بتایا ہے مجھے آپ آج ڈنر گھر نہیں آئیں  
 گے۔“ وہ اس کے سامنے سونے پر بیٹھتے ہوئے خوش  
 مزاجی سے گویا ہوئیں۔

”جی ماما! بزنس ڈیلیگیشن کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے کچھ  
 بزنس میٹرز ہیں وہ بھی حل کرنے ہیں مجھے ایسی پرنام لگ  
 جائے گا۔“

”بھائی! آپ تو روز بروز مصروف ہوتے جا رہے  
 ہیں ماما کی اپنی مصروفیت ہے پاپا نے کبھی ہمیں نام دیا  
 ہی نہیں ایک آپ سے ٹھوڑی بہت گپ شب ہو جانی  
 تھی سو وہ بھی اب خواب بن گئی ہے رینگی میں کالج سے  
 آ کر بے حد بوری ہوتی ہوں۔“ ملائکہ وہاں آ کر شکایتی  
 لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

ناشتے کے بعد اپنے اپنے راستوں پر گامزن ہو گئے تھے۔  
 بن نٹانے کی وجہ سے مائدہ کالج حماد کے ساتھ بائیک پر  
 گئی تھی جو گھر آتے ہوئے عارف صاحب کی نگاہوں  
 سے محفوظ نہ ہو سکے تھے۔

”مائدہ حماد کے ساتھ کیوں گئی ہے؟“ وہ گھر میں آتے  
 ہی گرجے تھے۔ رضوانہ جو صفائی کے لیے ماسی کا انتظار  
 کر رہی تھی شوہر کو بے وقت گھر آتے دیکھ کر کچھ پریشان  
 ہوئی تھی مستزاد اس سوال نے حواس باختہ کر دیا۔

”تم سے پوچھ رہا ہوں مائدہ وین میں جانے کی  
 بجائے حماد کے ساتھ کالج کیوں گئی ہے اور تم خاموش کھڑی  
 ہو۔“ وہ قریب آ کر بولے۔

”وہ..... دراصل آج دین نہیں آئی تھی اس لیے حماد  
 کے ساتھ بھیج دیا۔“

”حماد کے ساتھ بھیجنے سے بہتر تھا خود رکشہ چکی کر کے  
 چھوڑ آتیں۔“

”عارف کیوں اس طرح سوچتے ہیں بھلا حماد کوئی غیر  
 لڑکا نہیں ہے مائدہ کا منگیتر ہے آپ کے بڑے بھائی کا بیٹا  
 ہے اس گھر کا فرد ہے۔“ رضوانہ فوراً ہی بہن کی مدد کو آتے  
 ہوئے مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔

”بھائی! میں مانتا ہوں اس بات کو لیکن شریعت کی رو  
 سے منگنی کوئی شرعی تعلق نہیں یہ صرف بڑوں کے مابین  
 ہونے والا ایک معاہدہ ہے کچھ کاغذ کی تحریر ہے جو حتمی نہیں  
 ہے کہ یہ تعلق کل بھی قائم رہے گا۔“

”اللہ نہ کرے عارف! کبھی کبھی آپ زبان حقیر کی  
 طرح استعمال کرتے ہیں جس کا دار سید حاصل پر ہوتا ہے۔

ہماری تو ولی خواہش ہے مائدہ اور حماد کا بندھن جو بچپن میں  
 آصف بھائی کے سامنے زبانی کلامی باندھا گیا تھا وہ ہمیشہ  
 ہمیشہ قائم رہے ہمارے بچے خوش و خرم زندگی گزاریں۔“

”یہ خواہش صرف میرے مرحوم بھائی کی نہیں تھی  
 رضوانہ! تم سب کے ساتھ میری بھی یہی تمنا ہے لیکن میں  
 وقت کی نزاکتوں سے باخبر ہوں وقت کے چلن کو سمجھ رہا  
 ہوں۔ میں اس تعلق کو اسی عزت و وقار کے ساتھ جوڑنا



محبت و پیدا کرتے ہیں۔ ہر معمولی سی معمولی ضرورت انہوں نے بنا کہے پوری کی ہے دنیا کی ہر آسائش و سہولت دی ہے ماسوائے اس کے کہ وہ مہربان کی طرح ناز و نخرے نہیں اٹھائے وہ سمجھتے تھے بچوں سے بے جالا ڈیڈ پیران کا مستقبل برباد کرنا ہے۔“

”ہمارے مستقبل کا تو ہاتھ نہیں لیکن ہمارا حال پایا برباد کر چکے ہیں۔ آسٹھلی پایا کے برف اینڈ روڈ برتاؤ نے عمر بھائی کو فرسٹ کلاس کر دیا ہے وہ خود آڈیو کازک جیل اور بھائی کو کوئی خطرناک قیدی سمجھتے رہے ہیں۔ مجھ سے تو ان کا رویہ پھر بھی بہت بہتر ہے اور بھائی پایا کے سامنے سانس بھی ٹھل کر نہیں لیتے یہ کیسی محبت ہے ماما“

”میں نے تو بہت سعی کی اور کر رہی ہوں وہ اب عمر کو اس کی مرضی سے فیصلے کرنے دیر نہ خود مختار ہے زاد ہے اسے حق سہاٹی مرضی سے بچنے کا۔“

”ماما پلیز آپ پایا کو سمجھائیں وہ اپنا برتاؤ چینیج کریں میری خواہش ہے جب ہم چاروں ساتھ بیٹھیں تو گپ شپ کریں ہنسے بولیں ہمارے درمیان احترام و چاہت بھری بے تکلفی ہو ہم رو بوس کی طرح اپنے اپنے کام انجام دے رہے ہوں۔“ اس کی آواز نرم ہوئی۔ مہربانوں نے اسے سینے سے لگا لیا تھا آنکھیں ان کی بھی بھر ہوئیں تھیں۔

ان کے نظریات سے بے خبر یوسف صاحب اپنی ہمسایہ میں موجود ان ماں بیٹی سے جھگڑا حاصل کرنے کے لیے اپنے ہم عمر لوگوں سے رالٹوں کے لیے سرگرم تھے۔ پہلی ملاقات ان کی ماہتاب صاحب سے ہوئی تھی جو اس علاقے میں خاصے اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ انہوں نے ان کے آگے یہ مسئلہ پیش کیا تو وہ بھی ان کے ہم خیال نکلے اور محلے کے کچھ اور صاحبان کو ساتھ لانے کا وعدہ کر کے ایسے گئے کہ ایک ماہ گزرنے کے بعد بھی وہ نہ گھر پر دستیاب ہوئے نہ فون پر۔ ان کی اس بے التفاتی کی وجہ بھی وہ اس وقت سمجھے جب ان کے بیٹے کورٹ کے اندھیرے میں پڑوس میں آتے دیکھا۔ وہ بھی ہمت ہارنے والے نہ تھے ان ماں بیٹی کو ملاتے سے نکالنے کا

”سوری ڈیرا جیسے ہی فرنی ہوا تو تم کو ڈر اور شائنگ کراؤں گا اور آڈیو ٹنگ بھی کریں گے۔ لائنگ ڈرائیو پر چلیں گے آئی پراس یو۔“ عمر نے لیپ ٹاپ رکھتے ہوئے اس سے وعدہ کیا۔

”سوری بھائی! مجھے یہ سب ہرگز نہیں چاہیے۔“ وہ منہ بنا کر کہتا تھا۔

”پھر کیا چاہیے آپ کو؟“ وہ متحیر ہوا۔

”بھائی..... مجھے بھائی چاہیے گھر کی خاموشی خوشیوں میں بدلنے کے لیے بھائی آئیں گے تو مجھے دوست بھی ملے گی اور سسٹر بھی۔“ اس کی فرمائش پر مہربانوں مسکرا رہی تھیں جبکہ وہ ہکا بکا کھڑا تھا۔

”بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تاکہ! عراب ماشاء اللہ سے آپ کا کاہنہ بھی ایشیو لڈ ہو چکا ہے اب آپ کی شادی ہو جانی چاہیے۔ آپ کے پایا بھی کئی بار مجھے کہہ چکے ہیں اگر آپ کسی کو پسند کرتے ہیں تو مجھے بتائیں۔“

”پسند..... ماما! پاپا نے جس طرح اپنی نگاہوں میں بکڑ کرنا زینت رکھا ہے ایسی گرفت میں کسی کو پسندنا پسند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میری کوئی پسند نہیں ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”مجھے احساس ہے بیٹا! یوسف نے آپ دونوں سے سخت رویہ رکھا ہے لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ وہ آپ سے پیار نہیں کرتے بلکہ یہ ان کی محبت ہی تو ہے جو آپ آج کامیاب لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔“

”اوکے ماما! مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ رست و اوج دیکھتا ان کی بات سنی ان سنی کیسے اٹھ کھڑا ہوا۔

”جائیں بیٹا! فی امان اللہ۔“ انہوں نے خوشی خوشی اسے رخصت کیا اس کے جانے کے بعد ان کے چہرے پر تکلیف دہ خاموشی چھا گئی تھی۔

”ماما! بھائی اور پاپا کے درمیان ذصلوں کی خلیج کب ختم ہوگی؟“

”خدا جانے کب یہ فاصلے میں گئے یوسف کی شروع دن سے یہی عادت رہی ہے وہ آپ سے اور عمر سے از حد



ہے جو میں نے کہا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو یہ بھی عارف نے کوئی غلط بات نہیں کی اس نازک دور میں پھونک پھونک کر چلنا ہی بہتر ہے پھر کون سا وہ پردے میں بیٹھ جائے گی ایک گھر میں رہنے ہوئے ہزاروں موقع ملیں گے دیکھنے کے بہانے کرنے۔۔۔ باہر کے سیر سپاٹے ختم کرو بس۔“

”کون سا روز روز لے کر جاتا ہوں امی! آپ چچا کو سمجھائیں نا۔“ وہ سخت مضطرب و بے کل ہو رہا تھا، عجیب محبت تھی اسے مائدہ سے ایک لمحے کی جدائی بھی اسے مرغ بیل کی مانند تڑپانے لگتی تھی۔

”مائدہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا اسے بھی سمجھایا ہے میں نے اور سچ پوچھو تو وہ بچی پردہ رنے کو بھی راضی ہے۔ ایک تم ہو کہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہو۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئیں کمرے سے نکل گئیں۔

رات واپسی پر در ہو گئی تھی چاند گھر پہنچنے کے لیے اسے کار روڑانی پڑ رہی تھی۔ سرد رات تھی موسم خاصا ایرا لود ہو رہا تھا سڑکوں پر پڑ لٹک بھی برائے نام تھا وہ اپنی دھن میں کار ڈرائیور کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کچھ فاصلے پر کار کھڑی تھی جس کے دروازے داٹے قریب ہی دوڑ کے ایک لڑکی کو پکڑے کار کی طرف لا رہے تھے۔ لڑکی بُری طرح مزاحمت کر رہی تھی ان کی گزرت سے نکلنے کے لیے اس نے فوراً کار روکی اور پھرتی۔۔۔ ان کو لنگارتا ہوا باہر نکلا اور کوٹ کی جیب سے ریو اور نکال لیا تھا (جو عموماً وہ اپنی سیٹھی کے لیے رکھتا تھا) ان لڑکوں نے گھبرا کر لڑکی کو وہیں چھا اور تیزی سے کار میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔

”کیا آپ ٹھیک ہیں مس؟“ وہ بھاگ کر اس لڑکی کے قریب آیا جو اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اس کے سنہری بال کھمرے ہوئے اور ہونٹوں پر شپ تھی اس نے فوراً شپ نوچ کر ہٹایا اور کھڑی ہونے کی سعی میں گراہ کر رہ گئی جس بے رحمی سے اسے پچھا گیا تھا اس سے اس کی ٹانگ میں چوٹ آئی تھی وہ کھڑی نہیں ہو پا رہی تھی۔

تہیہ کر چکے تھے اب وہ سکون سے بیٹھنے والے نہ تھے۔ حالانکہ وہ سمجھ گئے تھے اس علاقے میں کوئی بھی ان کا ساتھ دینے والا نہیں ہے کسی کے بیٹے کا تعلق اس گھر سے جڑ گیا تھا تو کسی کے بھائی کی آدھ رفت وہاں بڑھ چکی تھی اور کتنے ہی ایسے تھے جو چھپ چھپ کر اس گھر کی طرف جاتے دکھائی دیتے تھے۔



”تمہاری ہاؤس چاب کھل ہوتے ہی میں تمہاری شادی کروں گی۔“ رخسانہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”کوہ رنگی امی! کیا بات کہی ہے آپ نے دل خوش ہو گیا۔“ وہ اچھل کر سارے خوشی کے ماں سے لپٹ گیا۔

”پہلے اچھی طرح سے میری بات سنو۔“ وہ سنجیدگی سے دور ہوتے ہوئے بولیں۔

”شادی ہونے تک تم مائدہ سے نہیں ملو گے اور.....“

”امی! آپ مجھے زندہ دیکھنا نہیں چاہتیں؟“ وہ گراہ اٹھا۔

”یہ کیا اول فول بک رہے ہو حماد! ماں سے اس طرح بات کرتے ہیں؟“ اس کی جذباتیت پر غصے سے بولیں۔

”گستاخی معاف امی جان! میں اپنی کیفیت بیان کر رہا ہوں نجانے کیوں میں مائدہ سے اتنی محبت کرتا ہوں؟ ایسا لگتا ہے وہ دل ہے اور میں دھڑکن ہوں ہم ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہیں۔“

”اور ماں کچھ نہیں ہے جو تمہیں دیکھ کر جستی ہے۔ آصف جب ہمیں چھوڑ کر گئے تو تم چھ برس کے تھے تب سے اب تک میری زندگی کا محور تمہاری ذات ہے۔“

”امی..... میری سوٹ امی.....“ اس نے آگے بڑھ کر انہیں محبت سے بازوؤں میں بھر لیا اور ان کے ہاتھ چومتا عقیدت سے بولا۔

”جو آپ سے محبت ہے وہ بہت اسیوشلی ہے اس محبت کا کوئی بھی جانی نہیں آپ کی محبتوں کا قرض میں بھی ادا کر ہی نہیں کر سکوں گا۔“

”بس بس زیادہ جذباتی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں



”جی..... کبھی آپ کو دیکھا نہیں ہے یہاں پر۔“  
 ”میں بزنس ٹور پر تھا تیرہ ماہ بعد واپس لوٹا ہوں۔“  
 ”ہمیں یہاں آئے، اسی ماہ ہوئے ہیں کیا آپ مجھے  
 گھر تک سہارا نہیں دیں گے؟“ اس کے بھرے بھرے  
 ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

”میں آپ کے گھر میں اطلاع کرو دیتا ہوں، کوئی لے  
 جائے آپ کو۔“ وہ کچھ خٹک لہجے میں مخاطب ہوا۔  
 ”گھر میں ماما کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور وہ بھی بیمار  
 ہیں۔“ عمر نے گہرا سانس لے کر اسے سہارا دیا گیٹ تیل  
 بجانے پر درمیانہ عمر کی عورت نے دروازہ کھولا اور بیٹی کو  
 دیکھ کر حیرانی سے استغفار کیا۔

”یہ کیا ہوا تم تو بالکل ٹھیک ٹھاک مٹی تھیں؟“ لڑکی نے  
 کچھ نہیں کہا، عمر کو لے کر وہ لاؤنج میں آ کر صوفے پر بیٹھ  
 گئی تھی۔ وہ عورت بھی پیچھے آ گئی تھی اور عمر کو جا چستی  
 نگاہوں سے دیکھتی رہتی لڑکی نے مختصر اپنی آپ جیتی سائی  
 تھی اور ساتھ عمر کا تعارف بھی کر دیا، وہ سب سن کر عمر کے  
 داری صدمے ہونے لگی۔

”آپ مجھے شرمندہ نہ کریں یہ میرا فرض تھا اب مجھے  
 اجازت دیں۔“  
 ”آپ نہیں تو کسی بیٹا! سہنی بار گھر آئے ہیں میں  
 کافی لاتی ہوں۔“  
 ”نہیں شکریہ پلیز ہائیم بہت ہو گیا ہے۔“ وہ  
 جانے کو مڑا۔

”بہت مدد کی، سچ آپ نے میری دل میں دل سے آپ  
 کی عزت کرتی ہوں۔ کیا آپ مجھے اپنا نام نہیں بتائیں  
 گے؟“ اس کا لہجہ از حد مترنم تھا۔  
 ”عمر..... عمر پسنف کہتے ہیں مجھے۔“ خلاف عادت  
 وہ مسکرا کر بولا۔  
 ”پریشی نیم، نیمے چاندنی کہتے ہیں یہ میری ماما ہیں  
 فردوس بیگم۔“

”یہ میرا کارڈ ہے کبھی ضرورت پڑے تو بلا جھجک یاد  
 کیجیے گا۔“ اس نے جیب سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر چاندنی

”پلیز مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا ہے آپ سپورٹ دیں  
 مجھے۔“ وہ از حد درد بھرے لہجے میں گویا ہوئی تو عمر نے  
 تذبذب بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا وہ ہمیشہ  
 لڑکیوں سے دور رہا تھا۔

”پلیز میری مدد کریں مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا۔“ وہ  
 لڑکی تقریباً دو پڑی تھی اس نے سہارا دینے کے لیے بازو  
 بڑھایا اور ساتھ ہی گویا ہوا۔

”کون لوگ تھے وہ اور آپ کو اغواء کیوں کرنا  
 چاہتے تھے؟“

”میں نہیں جانتی وہ کون تھے گھر جا رہی تھی کہ اچانک  
 ہی انہوں نے کار سے نکل کر ایک نے مجھ پر گرفت کی اور  
 دوسرے نے ہونٹوں پر شپ لگا دیا تھا اگر آپ ٹھیک وقت  
 پر نہ آتے تو.....“

”اس وقت آپ کو تنہا گھر سے نہیں اٹھنا چاہیے  
 تھا۔“ اس لڑکی نے ابھی بھی اس کے بازو کا سہارا لیا  
 ہوا تھا، چوٹ کے باعث وہ اپنے سہارے سے کھڑی  
 نہیں ہو پا رہی تھی۔

”میری ماما ہمیں ان کی دولتی لینے کی خاطر گھر سے  
 نکلی تھی۔ دولتی لے کر آ رہی تھی کہ یہ سب ہو گیا۔“ اس نے  
 وجہ بیان کی۔

”کہاں سے آئی ہیں..... میرا مطلب کہاں جائیں  
 گی آپ؟ اس واقعہ کے بعد آپ کو تنہا چھوڑنا مناسب  
 نہیں۔“ وہ درست واضح دیکھا ہوا گویا ہوا۔  
 ”اے بلاک میں رہتی ہوں بے حد شرمندہ ہوں آپ  
 پر بوجھ بن گئی ہوں۔“

”اے بلاک..... وہاں تو میں بھی رہائش پذیر ہوں  
 آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔“ وہ اس کا بازو تھا سے  
 آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کار میں بیٹھ گئی تھی۔ فاصلہ چونکہ  
 زیادہ نہیں تھا وہ دس منٹ بعد اس کے بتائے گئے گیٹ  
 کے سامنے کار روک چکا تھا۔

”اے آپ تو ہماری پڑوسن ہیں یہ برابر والا بنگلہ ہمارا  
 ہے۔“ وہ باہر دیکھا ہوا گویا ہوا۔



آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

# آنچل نئے افق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلیلیہ پرفرائم کر سکتے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

افریقہ امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

5000 روپے (ایک سالہ مسئلے کے لیے)

6000 روپے (ایک سالہ مسئلے کے لیے)

میدل ایسٹ ایشیائی یورپ کے لیے

4500 روپے (ایک سالہ مسئلے کے لیے)

5500 روپے (ایک سالہ مسئلے کے لیے)

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ منی آرڈر منی گرام  
ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔  
مقامی افراد دفتر میں نقد واپسی کر سکتے ہیں۔

الطاف طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلسیشنز

کے پیس 7 فسر چیئرمین ایف ایف ایف روڈ لاہور  
فون نمبر: 922-3562077112

aanchalpk.com  
aanchalnovel.com  
Circulationn14@gmail.com

کو دیا نامعلوم ان کو تہا دیکھ کر ہمدردی کا جذبہ اس کے اندر  
سرائیت کر گیا تھا یا چاندنی کے چاند جیسے روشن دکھاب جیسے  
مستے حسن نے اسے سحر زدہ کر ڈالا تھا۔

چاندنی اور اس کی ماں پر بھی اس کی ہنڈسم و ڈشنگ  
پر سٹلٹی اثر کر گئی تھی۔ چاندنی ماں کا سہارا لیے منع کرنے  
کے باوجود بھی اسے گیٹ تک چھوڑنے آتی تھی فردوس بیگم  
نے پُر خلوص انداز میں دوبارہ آنے کی دعوت دی تھی۔ وہ  
گھر میں آیا تو اپنا آپ کچھ بدلا بدلا لگا تھا مہاس کے  
انتظار میں جاگ رہی تھیں وہ ان سے مل کر اپنے بیڈروم  
میں آ گیا۔



فردوس نے گہری نظروں سے بی بی کو دیکھا جو ابھی بھی  
خوش بو کے حصار میں مقید تھی۔ کیا خوش بو تھی سحر انگیز اپنے  
حصار میں جکڑ لینے والی۔

”پاؤں تو تمہارا یا نکل ٹھیک ہے اس لڑکے کا سہارا لے  
کر تم اسے چل رہی تھیں جیسے کوئی بڑی ٹوٹ گئی ہے پہلے تو  
میں گھبرا گئی تھی لیکن جب تمہارے چہرے پر نگاہ پڑی تو  
سمجھ گئی تمہاری نیت خراب ہو گئی ہے اس پر۔“ ان کے قہقہے  
کا ساتھ اس نے بھی بھر پورا انداز میں دیا تھا۔

”عجیب مرد تھا وہ مہا وہ قہر کا بچہ مجھے کسی بوجھ کی مانند  
سڑک پر پھینک کر بھاگا تھا فوراً تو مجھ سے اٹھایا نہیں گیا  
تھا۔ میں بھی یہی سمجھی تھی کوئی بڑی ٹوٹ گئی ہے۔ میں نے  
گھبرا کر اس سے بدد کو کہا تھا اس نے شاید حادثاتی طور پر  
میری جان بچائی تھی مگر مجھے چھو کر سہارا دینے کو تیار نہ تھا  
بڑی منتوں کے بعد اس نے سہارا دیا تھا بازو سے اور اتنا  
سستا سمٹا رہا گویا غلطی سے بھی مجھ سے ٹخ ہوا تو پتھر کا  
ہو جائے گا۔ مہا کیا مرد ایسے بھی ہوتے ہیں جو عورت کو  
نگاہوں سے بھی چھو نہا کر بگھتے ہیں؟“ چاندنی ابھی بھی عمر  
کی خوشبو کے حصار میں تھی۔

”ارے میری جان! تم تو ایک ہی ملاقات میں عمر کی  
گر ویدہ ہو گئی ہو اب کے تیرا نا چل گیا ہے۔“ وہ اس کے  
قریب ہی بیٹھی تھیں۔



”میں قمر کو اس کے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتی مہما! میں چکنی مچھلی کی طرح اس کی گرفت سے نکل جاتی۔“



اس نے حماد کو غصے سے دیکھا جس نے بائیک ساحل پر دوک دی تھی۔

”ارے بھئی کب تک اس طرح سھور گھور کر دیکھتی رہو گی؟ مانا کہ بے حد ہینڈ سم و اسٹارٹ بندہ ہوں لیکن خوب صورت ہونے کا یہ مقصد تھوڑی ہے تم نظر لگا کر ہی چھوڑو۔“ وہ اس کی نگاہوں کی پیش کو اپنے شوخ لہجے کی ٹھنڈک میں سمو کر گویا ہوا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگا۔

”ہاتھ چھوڑو میرا عماد! میرے بار بار منع کرنے کے باوجود تم یہاں آئے ہو۔“ مانندہ نے غصے سے کہتے ہوئے اس سے ہاتھ چھڑایا اور وہیں کھڑی ہو گئی۔

”تم سیدھے طریقے سے میرے ساتھ آنے پر راضی کب ہوتی ہو ہر بار مجھے اسی طریقے سے تمہیں لانا پڑتا ہے اور تم بجائے میری احسان مند ہونے کے خفا ہوتی ہو یہ تمہارا برتاؤ ٹھیک نہیں ہے مائی ڈیئر! تم ناراض ہوتی ہو تو میں تمہیں منایا کرتا ہوں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھا ہوا ایک دم ہی سیدھی سے گویا ہوا۔

”مگر یاد رکھنا جس دن میں ناراض ہو گیا تم مجھے منا نہیں پاؤ گی۔“ نامعلوم کیساتھ حزن اتر آیا تھا اس کے لہجے میں ہنستے مسکراتے ہنرے پروردہ سنجیدگی جھانپتی تھی۔

یہ کیا کہہ دیا تھا اس نے مانندہ کا دل پل بھر کو ٹھم سا گیا تھا وہ جہاں تھی وہاں جم سی گئی پھر دوسرے پل اسے لگا سا منے سمندر کی موجوں کا تمام نمک اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا ہوا اور لہریں آنسو بن کر اس کی آنکھوں سے بہنے لگی تھیں۔

”او گاڈ! یہ سمندر اور سمندر جیسی آنکھیں رکھنے والی لڑکی! معاف کر دو مجھے میں جانتا ہوں عورت کے آنسو اور سمندر میں یکساہیت ہے۔ میں مذاق کر رہا تھا تم سے

”بس مہما! وہ جس قدر ہینڈ سم ہے اس قدر ہی بے پروا اور روڈ بھی ہے۔ ایک نگاہ اس نے میری طرف بھر پور انداز میں ڈالنا گوارا بھی نہیں کی۔“

”میری جان! وہ دیکھتا بھی کیسے تم نے اس کے تعارف سے یہ نہیں جانا کہ وہ اس جھٹلی بڈھے کا بیٹا ہے جس نے پورے علاقے میں ہمارے خلاف محاذ کھول رکھا ہے وہ اسی تنگ و دو میں لگا رہتا ہے کسی نہ کسی طرح ہمیں یہاں سے نکال باہر کرے۔ ماہتاب صاحب اور رضوی صاحب جیسے اثرورسوخ والے صاحبان کے بچے ہمارے گرد نہ ہوتے تو ہم کب کے یہاں سے شہر بدر کر دیئے گئے ہوتے اس بڈھے نے ابھی بھی ہار نہیں مانی ہے۔“

”اگر ریٹ آئیڈیا مہما! آپ دیکھئے گا وہ بڈھا اب کس طرح سے اپنی ہی داڑھی میں منہ چھپا کر بیٹھتا ہے اسی کے ہتھیار سے اس کو ایسی ٹھکستے دوں گی کہ وہ جی نہیں پائے گا۔“

”ارے چھوڑو میں کہتی ہوں کیوں آگ سے کھیلتا چاہتی ہو۔“

”مہما! قمر دوبارہ ہاتھ آنے والا نہیں ہے اب لائف اسپنڈ کرنے کے لیے ہم کو کوئی ٹھنڈی آسامی تو چاہیے اور وہ عمر سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی ہے۔“ اس نے مال کو عمر کا دیا ہوا وزینٹنگ کارڈ دکھاتے ہوئے کہا اور فردوس کی جہانمیدہ نگاہوں نے بیٹی کی نظروں میں لوہی جی چاہتوں کی خیاں محسوس کر لی تھی۔ آج انہونی ہوئی تھی کل تک اس شمع پر پروانے جل مرتے تھے آج وہ شمع خود عمر پر پروانہ دار شمار ہو گئی تھی۔

”مہما! آپ کیا سوچ رہی ہیں؟“

”وہ قمر بدمعاش تمہیں ڈنر کے بہانے سے لے کر گیا تھا مکار آدمی نے ذرا بھی احساس ہونے نہیں دیا کہ وہ تمہیں انخوا کر کے لے جانے کا پلان بنا کر آیا تھا اگر بروقت عمر نہیں آتا تو نامعلوم کہاں لے کر جاتا میری بیٹی کو اور نہ جانے کس طرح سے پیش آتا تم سے؟“ وہ ایک جبر جمہری لے کر رہ گئی تھیں۔



”حماد! تم ڈاکٹر کیوں بن گئے ہو؟ تمہیں تو شاعر و  
 دیب ہونا چاہیے تھا۔ ہر موسم کو جس اپنائیت و شدت سے  
 تم محسوس کرتے ہو ایسا کرتے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔  
 گرمی سردی خزاں و بہار اور بارش ہر موسم آتا ہے اور چلا  
 جاتا ہے لیکن تمہارے دل پر ہر موسم اپنا رنگ چھوڑ جاتا  
 ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ حماد کے چہرے  
 سے از حد مسرت عیاں تھی وہ ہر اذان کے ساحل پر موجود  
 تھے جہاں دھوپ سمٹنے لگی تھی۔

”ڈاکٹر اور رائٹر کی ایک قدر مشترک ہے ویسے ایک  
 دوسرے کی ضد ہیں۔“

”اچھا وہ کیا قدر ہے جو مشترک ہے؟“ وہ چہرے پر  
 آنے والی لٹوں کو پیچھے کرتی ہوئی گویا ہوئی جبکہ وہ نغمات میں  
 اڑتے پھجیوں کو دیکھ رہا تھا، بسندہ کی لہروں کے مانند  
 قطار در قطار مجھو پرواز تھے۔

”دیکھو ڈاکٹر جسم کا علاج کرتا ہے اور رائٹر روح کا ڈاکٹر  
 ادویات کے ذریعے اور ادیب اشعار و تحریروں کے ذریعے  
 طمانیت و خوشیاں فراہم کرتا ہے۔ عزم دونوں کا ایک ہی  
 ہے یعنی خلق خدا کی خدمت کرنا۔“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو اس بارے میں میں کوئی  
 کسٹنس پاس نہیں کر سکتی کیونکہ میں نہ رائٹر ہوں نہ شاعرہ  
 ہوں اور نہ ڈاکٹر ہوں۔“

”ایک ڈاکٹر کی لائف پارٹ تو بننے والی ہو۔“  
 ”حمادا اگر ایسی باتیں شروع کریں تو میں دوبارہ  
 تمہارے ساتھ آنے والی نہیں۔“ ماد کو شوق میں دیکھ کر وہ  
 سنجیدگی سے بولی۔

”لو کے بابا! سوری تم تو مذاق میں بھی سیریس ہو جاتی  
 ہو تم سے اچھی میری کولیگز ہیں جو میرے مذاق کا جواب  
 مذاق میں ہی دیتی ہیں اب تم ان سے جیسی لٹل کرو گی۔“  
 وہ ہنستا ہوا بولا۔



وہ رائنگ چیئر کی بیک سے سر نکالے آنکھیں  
 موندے بیٹھا تھا اس کے سنجیدہ چہرے پر کچھ دکھ و کبیدگی

میری کیا مجال جو تم سے خفا ہوں اور اور اگر کبھی ہو بھی جاؤں  
 گا.....“ اسے بے تحاشہ روتے دیکھ کر وہ قدرے بوکھلا کر  
 بے پردہ بول رہا تھا وہ تھی کدوئے جا رہی تھی۔

”ماندہ پلیز..... کیوں میری برداشت کا امتحان لے  
 رہی ہو تم؟“

”اور تم کیا کہہ رہے ہو حمادا! ایسی بات کر کے تم نے  
 مجھے زندگی سے دور کرنے کی سعی کی ہے کیا میں تم سے دور  
 رہنے کا تصور کر سکتی ہوں؟“

”اب تم نے محسوس کیا کس طرح دل بند ہونے لگتا  
 ہے جب کوئی اپنا ہم سے دور ہونے کی سعی کرتا ہے۔ تم  
 نے محسوس کیا نہ اپنوں سے جدائی کے خیال سے کس طرح  
 زندگی سانسوں سے خالی ہونے لگتی ہے۔ مجھے امید ہے تم  
 آئندہ کبھی مجھے دکھی کرنے کی کوشش نہیں کرو گی۔“ وہ  
 سنجیدگی سے گویا ہوا۔ ماندہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے  
 اثبات میں سر ہلا دیا پھر دونوں مسکراتے ہوئے ایک دوسرے پر  
 ہنسنے لگیں تھیں یہ موسم سرما کی ڈھلتی ہوئی دوپہر تھی۔ بسندہ  
 شانت تھا لہرس ہولے ہولے ساحل سے ٹکرا کر لوٹ رہی  
 تھیں ہواؤں میں ٹھنڈک تھی جو سورج کی شعاعوں سے  
 خوش گوار لگ رہی تھی۔

”ایسے سرد موسم میں بھی کوئی ساحل بسندہ پرتا ہے  
 بھلا؟“ اس نے بھولی ہوئی مونگ بھلی کھاتے ہوئے کہا  
 اس وقت وہاں ان کے علاوہ ایک کپل تھا جو نہ اور موجود  
 تھا اور اتنے ہی فاصلے پر ایک جیلی تھی اور چند لوگ تھے اکا  
 ڈکا اونٹ والے تھے ساحل میں طمانیت بھری خاموشی بھلی  
 ہوئی تھی۔

”ایسے موسم میں ہی تو بسندہ پرتا نے کامزہ ہے دیکھ  
 رہی ہو کتنا سکون ہے۔ قدرت کس قدر نزدیک محسوس  
 ہو رہی ہے ہر شے میں رب کی وحدت و نور چمک رہا ہے  
 عام دنوں میں ایسا کہاں ممکن ہے یہ سب محسوس کرنے کے  
 لیے سکون و تنہائی میسر ہونی چاہیے۔“ وہ قدرت کے ہر  
 نظارے کا شیدائی تھا مانک کائنات کی ہر منائی اسے سرد و  
 شاداب کر دیتی تھی۔ وہ ہر موسم کو خوب انجوائے کرتا تھا۔



”اوہ یس! ایم سواری میں آپ کو پہچان نہ سکا تھا۔“ وہ آہستگی سے بولا۔

”اب تو پہچان لیا نہ آپ نے؟“ اپنی گرم جوشی کے جواب میں اس کا سر سری انداز چاندنی کو مضطرب کر گیا جبکہ وہ اسی انداز میں کہہ رہا تھا۔

”جی پہچان گیا ہوں۔“ ”ہے کیسے کال کی آپ نے خیریت ہے؟“ ”چند لمحے خاموشی کے بعد التجا یہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔“

”جی بے حد ضروری کام ہے میں فون پر نہیں بتا سکتی اگر آپ گھر تشریف لے آئیں تو بہت مہربانی ہوگی آپ آئیں گے نا؟“

”ایسا کیا کام ہے جو آپ فون پر نہیں بتا سکتیں؟“ لہجہ سرد تھا۔

”کام ہی ایسا ہے اگر آپ نہ آنا چاہیں تو میں فورس نہیں کروں گی، ہم تنہا عورتوں کی مدد بھلا کوئی مرد کیوں کرنے لگا؟“ اس کا خوب صورت لہجہ ایک دم ہی بھیگ سا گیا اور ساتھ ہی لائن ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ عمر چند لمبے ہاتھ میں موجود موبائل فون دو دیکھا رہا پھر وہ ٹھٹھی ٹھٹھی روٹی روٹی آواز حواسوں پر عذاب آنے لگی تھی وہ کتنی دیر یونہی گم سم بیٹھا رہا پھر اٹھ کھڑا واقعہ۔

”ارے بیٹا چاندنی ونہی بزدل و کمزور دل لڑکی ہے اس کی کال پر آپ اپنا کام چھوڑ کر آگئے میں بے حد شرمندگی محسوس کر رہی ہوں۔“ فردوس معذرتی لہجے میں سامنے بیٹھے عمر سے گویا تھیں جو سیدھا وہاں چلا آیا تھا۔

”بزدلی کی کیا بات ہے مما! رات میں نے خود محسوس کیا تھا کوئی گیٹ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا کسی نے خامی محنت کی تھی وہ تو شاید قسمت اچھی تھی جو ناک کھل نہ سکے اور وہ کئی لوگ تھے میں جو ڈور سے لگی کھڑی تھی ان کے قدموں کی آواز صاف سنی تھی۔“ وہاں موجود چاندنی نے خاصے بھولپن و خوف زدہ لہجے میں کہا۔

”آپ اسی نام کال کر تیں مجھے میں دیکھتا کون لوگ تھے؟“

بھرے تاثرات تھے۔

کئی دنوں سے مما کا اصرار تھا کہ وہ شادی کرے کیونکہ وہ اب اسٹبلشڈ تھا خاندان کے کئی لوگ اسے داماد بنانے میں انٹرنسڈ تھے اور اہم بات یہ تھی ممّا پاپا بھی دل سے خواہاں تھے اس کی خوشیاں دیکھنے کے لیے اور وہ بھی ہامی بھر ہی لیتا اگر ممّا کی پسند کی کوئی لڑکی اس کی ہم سفر بننے کے لیے منتخب کی جاتی مگر یہاں بھی ہمیشہ کی طرح پاپا کی مرضی و پسند مساط کیے جانے کا ارادہ پروان چڑھ رہا تھا۔ ان کی ڈکٹیٹر شپ نے اس کی زندگی کے ہر اس پل کو بے رنگ و بو کر ڈالا تھا جو نوجوان زندگی کے بے فکر لالہ ابالی دکھانڈرے رنگ ہوتے ہیں اب مزید وہ ان خوف زدہ بد اعتماد اور بے کیف رنگوں سے اپنی باقی ماندہ زندگی بے نور نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”عمر! یوسف کے دوست کی بیٹی ہے میں اس کا نام بھول گئی ہوں وہ چاہتے ہیں آپ کی لائف پارٹنر وہ لڑکی ہے۔“

”مما! میں کب تک پاپا کی انگلی پکڑ کر چلوں گا؟ کب تک ان کی آنکھوں سے دیکھوں گا؟ کب تک ان کے ذہن سے سوچوں گا میرے خیال میں اب مجھے پاپا کے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ شادی میرا پرسنل سٹر ہے اور کس سے کرنی ہے یہ فیصلہ میں خود کروں گا پاپا نہیں۔“ ”یک دم ہی سب بچ اٹھا تو وہ چونک کر سوچوں سے باہر نکلا تھا۔“

”ہیلو۔“ اس نے اسکرین پر پکٹے نامانوس نمبر دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہیلو... کیسے ہیں آپ؟ آپ نے پلٹ کر خیریت ہی دریافت نہیں کی؟“ دوسری جانب سے خامی دلکش و مترنم آواز ابھری تھی وہ دم بخود رہ گیا۔ کون تھی وہ جو اتنی اپنائیت سے بات کر رہی تھی؟

”ہیلو... ہیلو مسٹر عمر!“ آواز میں کچھ پریشانی در آئی۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں شاید میں چاندنی ہوں آپ نے میری...“



دو ٹھی کھڑی تھی۔

”ایم سوری میں نے آپ کو کال کی نیکسٹ ٹائم نہیں کروں گی۔“ عمر کو اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ ایک ادائے حقیقی سے گویا ہوئی۔

”کیوں..... آپ شاید بے حد خفا ہیں مجھ سے؟ کیا ہوا؟“ اس کے پُر وقار لہجے میں کچھ کچھ خجالت و تکلف ساتھ۔

”آپ کو احساس نہیں ہے کس قدر روڈ لہجے میں بات کی تھی آپ نے لڑکیوں سے اس طرح بات کرتے ہیں کیا؟“

”میرے سائی ٹیوڈ سے آپ ہرٹ ہوئیں میں گھٹی ٹیل کر رہا ہوں واصل مجھے گرتے سے بات کرنے کے میسرز نہیں ہیں میرا مطلب ہے میں..... میری کسی سے فرینڈ شپ نہیں ہے اس لیے میں حضرت خواہ ہوں۔“ اس کے وجیہہ چہرے پر شرمندگی آمیز دوسری مسکراہٹ ابھرائی تھی وہ اس کے انداز پر ٹھٹھکا کر ہنس پڑی۔

”وعدہ کرتا ہوں اب سبھی آپ سے اس لہجے میں بات نہیں کروں گا۔“ اس کی مسکرائی نگاہوں میں محبت کی قدیلیں لودینے لگی تھیں پھر اس کی بے رنگ زندگی میں چاندنی کرنیں پھیلانے لگی اور وعدے و ملاقاتیں بڑھنے لگیں۔



رضوانہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کڑی نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا تھا جو فون پر باتیں کر رہی تھی ان کو آتے دیکھ کر جلدی سے اوداعی جملے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور کھمرے کشنز سمیٹنے لگی تھی۔

”کب ختم ہوں گی تمہاری لالابالی حرکتیں شرم کرو کچھ حماد لڑکا سے وہ ان نزاکتوں کو نہیں سمجھ سکتا جو تم با آسانی سمجھ سکتی ہو مگر تم ہو کے کچھ سمجھنا ہی نہیں جانتی۔ گھر میں وہ ساتھ ساتھ رہتا ہے اور گھر سے باہر ہو تو تم فون سے دور ہٹنا گوارا نہیں کرتی۔“

”مئی! کیوں آپ ہم پر اتنی نظر رکھتی ہیں؟ حماد کوئی

”ارے اچھا ہوا بیٹا جو اس وقت چاندنی کو کال کرنے کا خیال نہیں آیا۔“

”کیوں کہہ رہی ہیں آپ اس طرح میں اسی لیے کارڈ دے کر گیا تھا کہ پریشانی میں آپ کی مدد کر سکوں۔“ وہ خاصا مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

”وہ چورڈ کیت ہوں گے بیٹا اور ایسے لوگوں کے پاس اسلحا لازمی ہوتا ہے بلا جھجکا فائر کر دیتے ہیں وہ لوگ۔ میں نہیں چاہتی ہماری وجہ سے آپ پر کوئی آج بھی آئے اللہ آپ کو ہمیشہ محفوظ رکھے بہت نیک دے غرض بچے ہیں آپ کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے مجھے۔“ وہ واری صدقے جانے لگیں۔

”آپ بہت نائس ہیں! آئی! میں گاؤڈز آپ کے گیٹ پر لگا دیتا ہوں۔“ وہ ان خوش اخلاقی و سادگی پر اپنے سر دوشک روپے پر نام ہونے لگا۔

”ارے نہیں نہیں بیٹا! یہاں کے لوگ تو پہلے ہی ہم پر انگلیاں اٹھاتے ہیں ہم ماں بیٹی کے بارے میں نامعلوم کیا کیا نازیبا باتیں کرتے ہیں۔ واصل مردوں کے معاشرے میں ہم جیسی بے سہارا عورتوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا ہمیں لوٹ کا مال سمجھتے ہیں اگر ان چاہ پورنی کر دو تو ٹھیک ہے وگرنہ ہم جیسی بد نصیب عورتیں گالی بن کر رہ جاتی ہیں۔“ باوجود ضبط کے ان کی آواز بھر آ گئی تھی۔ چاندنی کے مووی رخساروں سے سفید موتی پھلنے لگے کنول جیسی خوش نما آنکھوں میں طغیانی سی درآئی۔

”آئی! میں خود کو فرشتہ نہیں کہہ رہا لیکن آپ مجھے ان مردوں سے مختلف پائیں گی جو عورتوں کی مجبور یوں سے فائدہ اٹھانے کو مردانگی سمجھتے ہیں۔“

”جگ۔ جگ۔ جیو میرے بچے! آپ نے مردانگی کی لاج رکھی ہے ہمارے لیے تو آپ فرشتہ ہی ہیں۔ ارے نماز کا نام ہونے والا ہے پہلے میں کافی لاتی ہوں پھر نماز ادا کروں گی آج انکار کی گنجائش بالکل نہیں ہے بیٹا۔“ وہ ایک دم ہی وال کلاک دہمکتی ہوئی اٹھی تھیں ساتھ ہی اسے تنبیہ بھی کی تھی۔ چاندنی نے تڑنسوشک کر لیے تھے مگر دوشی



غیر نہیں ہے میرا کزن ہے اور ہم ایک دوسرے کے ہونے والے ہیں یہ آپ لوگوں کا ہی فیصلہ ہے پھر اعتراض بھی آپ لوگ ہی کرتے ہیں ہمارے ملنے جلنے پر؟

”ہاں یہ ہمارا ہی فیصلہ ہے کہ تم دونوں کی شادی کر دی جائے لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ تم خاندانی اقدار کی پامالی کرو۔“

”مہی! میں اور حماد ملنے ضرور ہیں مگر خدا گواہ ہے ہم نے کبھی بھی آپ کی محبت اور اعتماد کو معمولی سا بھی داغدار کرنے کی سعی نہیں کی کبھی بھی۔“ اس کی شفاف نگاہیں و مضبوط لہجہ اس کی بات کی گواہی دے رہا تھا۔

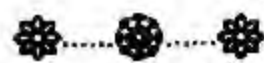
”مانتی ہوں میں تمہاری ہر بات مہی ہے حماد کے اہلی کردار سے بھی میں واقف ہوں مگر جینی! ہم خاندانی لوگ ہیں ہمارے ہاں یہ سب میوہ سمجھا جاتا ہے۔ عارف بھی میرے سگے بھوپتی زاوتے بچپن میں ہی ہماری منگنی کر دی گئی تھی جب ہم ان رشتوں کے معنی سے بھی ناواقف تھے ہمارے درمیان تب سے ہی پردہ حائل کر دیا تھا پھر وہ پردہ شادی پر ہی ختم ہوا تھا۔“ رضوانہ نے مسکراتے ہوئے اس کو رسائییت سے سمجھایا۔

”مہی! وہ سب اس دور میں ممکن تھا جو نزر گیا آپ اس دور کی بات کریں جہاں کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود وہی رشتے قائم ہو جاتے ہیں۔“

”جو ناجائز رشتے کہلاتے ہیں اور ان رشتوں کی گند پورے معاشرے کے بگاڑ کا باعث بن رہی ہے شریف لوگوں کا جینا ہی مشکل ہو گیا ہے۔“

”افوہ مہی! آپ غلط سمجھ رہی ہیں سب جگہ ایسا نہیں ہوتا۔“

”میں صرف تمہاری بات کر رہی ہوں آج ایسی کوئی بات نہیں کرو جو کل تمہیں بچھتانے پر مجبور کر دے۔“ وہ ماں کا منہ دیکھتی رہ گئی۔



یوسف صاحب کی زریک نگاہیں خاموشی سے بیٹے کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں چائے کا گگ جس کے

لیوں سے لگا ہوا تھا مگر نگاہیں بار بار رستہ واضح کوچھوری تھیں۔ لوازمات سے بھری بیٹلیں سے ماں و بہن کے اصرار پر بھی کچھ نہیں لیا تھا نا معلوم ان کے خوف سے یا مرد کا ہاف کپٹی لے لی تھی۔

”برخوردار! کس سے ملنے کی ایسی بے قراری ہے جو کچھنا تم اپنی فیملی ممبرز کے ہمراہ گزرتا بھی محال لگ رہا ہے آپ کو؟“ وہ چٹکیے لہجے میں امر سے مخاطب ہوئے تھے عمر نے ماں کی طرف دیکھا جن کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ کانپ گئی چہرے کا رنگ سپید پڑنے لگا۔

”فرینڈ سے ملنے جا رہا ہوں۔“ اس نے نگاہیں اٹھائے بغیر آہستگی سے کہا۔

”فرینڈ سے..... یہ فرینڈ کون ہے جس کے کتا گھر والوں کی اہمیت صفر ہے۔“

”آپ کہاں جانتے ہیں عمر کے سارے فرینڈ زکو۔“

”جانتی تو تم بھی نہیں ہو صاحب زاوے کے سارے فرینڈ زکو لیکن یہ کوئی نئی دوستی لگتی ہے جس نے تمام ہوش و حواس سلب کر دیئے ہیں میں بھی ملنا چاہوں گا اس نئے فرینڈ سے میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔“ یوسف کی جہاندیدہ نگاہوں نے اس کی بے قراری سے کچھ اخذ کر لیا تھا یا شاید وہ اس میں بغایت کی بوسوگھ چکے تھے۔ عمر کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا تھا اس نے جھٹکے سے گنگ نیبل پر رکھ کر وہاں موجود ملائکہ نے سر اسیمہ ہو کر ماں کی طرف دیکھا جو پہلے ہی بدحواس تھیں۔

”پاپا! اب مجھے آپ کی گائیڈنس کی ضرورت نہیں ہے پلیز میں اچھے اور بُرے کی تمیز کر سکتا ہوں مجھے گائیڈ کرنا چھوڑ دیں آپ پلیز۔“ سالوں کی دل میں بھری کدورت آج زبان پر دہائی گئی ماحول یک دم مکدر ہو گیا۔ فضا گویا ایک دم ہی ساکت ہو گئی مہربانہ اور ملائکہ دہل کر رہ گئی تھیں جبکہ عمر آتش فشاں کی مانند کھڑا تھا۔

”گڈ نیوز ہے..... ماشاء اللہ میرا جینا جوان ہی نہیں عقل مند بھی ہو گیا۔ ہے اہلی فہم و فراست کا مالک۔ بن گیا اور ہمیں خبر ہی نہیں ہوئی۔“ عمر کے اس بدلے ہوئے انداز



”کوئی تو بات ہے جو موڑ اتنا آف ہے کیا شادی کی بات کی ہے؟“

”شادی کی بات.....؟ تم میرے پاپا کی فطرت سے واقف نہیں ہو وہ نیرو ماسٹڈ بیک ورڈ اور بے حد سیلفش ہیں وہ آسانی سے ہماری شادی نہیں ہونے دیں گے۔“ وہ گویا خود سے ہم کلام تھا شدید ذہن پریشانی کے باعث اس کی صاف پیشانی پر سلی رگ ابھرا نا تھی۔



”ارے تم سے ابھی تک یہ پیاز نہیں کائی گئی حد ہوتی ہے نالائق اور پھو بڑ پین کی بچی سورج سر پر چڑھا یا ہے تمہارے بابا اور حماد کے گھر واپسی میں کیا نام رہ گیا ہے ان کو وقت پر کھانا نہ ملے تو گھر سر پر اٹھا لیتے ہیں اور تم ہو کے ذرا سی پیاز کاٹ کر آ نکھیں بند کیے بیٹھی ہو۔“ رضوانہ نے کچن میں قدم رکھتے ہی پیاز کا ڈھیر جوں کا توں رکھا دیکھ کر غصے میں کہا۔ مادہ ایک پیاز کاٹنے کے بعد آنکھوں میں ہونے والی جلن کے باعث، بے حال تھی پیچھے آتی رخسانہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ فگام کر کہا۔

”توبہ بے رضوانہ! کبھی نرمی سے بھی بات کر لیا کرو بچی سے تمہاری زبان جو ریل کی طرح چلتی ہے تو رکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔“

”بابی! آپ اس کی اجازت طرف داری ہر وقت نہ کیا کریں! گیزا حیر سے فارغ ہوئی۔ باب گھر واری سیکھ لیتی چاہیے تاکہ ہم بھی گھر میں نہ ہوں تو یہ کھانا پکا سکے ابھی بھی دیکھیں تو رے کے لیے، پیاز کاٹنے کو دے کر گئی تھی کہ آتے ہی نکالوں گی مگر یہ مہارانی ایک پیاز کاٹ کر آنسو بہانے بیٹھ گئی ہے ایسا بھی ہوتا ہے کیا؟“ وہ بڑبڑاتے ہوئے کام میں لگ گئی تھیں۔

”اپنا دل مت جلاؤ آہستہ آہستہ سب کام کرنا آ جائے گا اور تو رورہ چکن کا پکنا ہے جو منٹوں میں پک جاتا ہے۔“ مادہ کو آ نکھ کے اشارے سے باہر جانے کا کہہ کر وہ لمبی پیاز کاٹنے لگی تھیں۔

”جان بچی سولا کھوں پائے کے مصداق پاؤں دبا کر

سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے تھے۔

”یوسف! آپ بھی بے وجہ کی باتیں کرتے ہیں جانے دیں عمر کو یہ فرینڈ سے ملنے جا رہا ہے جلد واپس آ جائے گا۔“ مہر بانو نے حوصلہ کر کے ان کے درمیان بات کو طول پکڑنے سے روکا تھا۔

”جائے شوق سے جائے لیکن ایک بات تم بھی کان کھول کر سن لو باہر کی دوستیاں باہر ہی رہنی چاہئیں اس گھر میں تمام فیصلے کرنے کا اختیار مجھے ہے اور.....“ وہ عمر کو گھور کر گویا ہوئے۔ ”مجھے ہی رہے گا اپنے حق کے لیے میں کسی کی پروا کرنے والا نہیں ہوں۔“ ان کے لہجے میں عجیب قطعیت و جارحیت تھی وہ گھر سے چلا آیا تھا گھر سے کچھ دور چوک پر چاندنی اس کا انتظار کر رہی تھی وہ احتیاطی تدابیر کے تحت یہی طریقہ کار اپناتے ہوئے تھی۔ شروع میں عمر نے سخت ناپسند کیا تھا اسے اس طرح ایک ایجنڈا رپ کرنے پر ان ماں بیٹی نے بدنامی رسوائی اور لوگوں کی باتوں و طعنوں کا خوف ظاہر کیا تو اس کی سمجھ میں بھی بات آگئی تھی کیونکہ وہ چاندنی کو دل و جان سے چاہنے لگا تھا اور جانتا تھا ماں اور بہن اس کی خوشی میں خوش ہوں گی اس کے برعکس باپ کو سنانا از حد مشکل اور صبر طلب مرحلہ ہوگا کیونکہ وہ خاندان سے باہر بیٹی دینے اور لینے کے بہت مخالف تھے اس دور میں بھی وہ اپنی روایات کے قائل تھے۔

چند ملاقا توں میں وہ چاندنی کے اس قدر قریب آ گیا تھا کہ اب جدائی کا تصور تہی سوہان روح تھا۔ دوسری طرف چاندنی کی بھی یہی خواہش تھی وہ جلد از جلد اس کی بن جانا چاہتی تھی وہ اور اس کی مٹی مل کر اس پر شادی کے لیے دباؤ ڈال رہی تھیں آج بھی وہ ڈنر کرنے اپنے پسندیدہ ہوٹل میں آئے تو چاندنی نے اسے پریشان دیکھ کر وجہ پوچھی۔

”بہت ادا اس لگ رہے ہو، جھگڑا ہوا ہے کسی سے؟“ مینیجہ کارڈ نظر انداز کر کے اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

”ہمیں کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔“ اس نے مخروطی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔



غزل

آنکھوں آنکھوں میں پھنسنے کا اشارہ کر کے  
خود بھی رویا بہت وہ ہم سے کنارہ کر کے  
سوچتا رہتا ہوں تنہائی میں بیٹھ کے انجام خلوص  
پھر اسی جرم محبت کو دوبارہ کر کے  
چمکادی ہیں تیرے شہر کی گھیاں میں نے  
اپنے ہر اشک کو پکوں پر ستارا کر کے  
چلو دیکھ لیتے ہیں حوصلہ اپنے دل کا ہم  
کچھ روز تیرے بغیر گزارہ کر کے  
ایک ہی شہر میں رہنا ہے ملنا نہیں  
چلو دیکھ لیتے ہیں یہ اذیت بھی گوارا کر کے  
اس بار محبت میں خسار نہ ہو شاید  
چلو دیکھ لیتے ہیں اس دل کو پھر سے تمہارا کر کے  
اعتبار ساجد  
سیرا تعبیر..... سرگودھا

ہمارے معاشرے کے فرسودہ رسم و رواج ذات و پات امیر  
ی وغریبی کی بہمانہ چمقلش ان کی راہ کی رکاوٹ بن گئی اور  
ان کو انتہائی موڑ پر لے گئی۔  
”اے..... ایسا کیا ہوا ان کے ساتھ؟“ اس کی پریشانی  
میں وہ بھی شریک ہو گئی تھی۔  
”انہوں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔“ وہ اخطرابی  
کیفیت میں مبتلا تھا۔  
”مائی گاڈ! حناد یہ تو بہت بُرا طریقہ ہے گناہ  
کی موت۔“  
”اس کے ذمہ دار وہ والدین ہیں جو نہ مذہبی اقدار کو  
مانتے ہیں اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے آگے بچوں کی  
خواہشوں کو رو کر دیتے ہیں۔“ کہتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور  
بکھرے بال اور سرخ آنکھیں وہ بکھرا بکھرا لگ رہا تھا۔  
”لڑکی کی ڈیڈ باڈی اس کے گھر والے لے گئے وہ  
جانبر نہ ہو سکی تھی اور وہ لڑکا بیچ گیا ہے ورنہ بعد ہوش آیا ہے  
اسے اور آنکھ کھولتے ہی اس نے اپنی محبوبہ کا پوچھا گھر  
والوں نے جھوٹ کہہ دیا وہ لڑکی گھر چلی گئی ہے اس کے

بھاگ لو یہاں سے تم۔“ وہ اسے دیکھ کر طغنا گویا  
ہوئی تھیں نامدہ جھجک کر رک گئی۔

”لان میں کپڑے سوکھ چکے ہوں گے ان کو پریس  
کر کے پینگ کرو۔“

”جی اچھا مئی!“ وہ کہہ کر بہر نکل آئی اور باہر لگے بیسن  
سے منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں برش کر کے وہ لان کے اس  
حصے کی طرف چلی آئی جہاں پر ماربل کا فرش گھاس و پودوں  
سے خالی تھا۔ سرخ ٹائلز والی چھت اور جدید طرز سے بنایہ  
کبھی گیراج کے طور پر استعمال ہوتا تھا آصف کی وفات  
کے بعد عارف کا روبری کرائس میں ایسے پھنسے کے یکے  
بعد دیگرے دونوں گاڑیاں فروخت کرنی پڑی تھیں پینگ  
پینٹس صفر ہو کر رہ گیا تھا۔

حالات ان تھک محنت کے بعد پہلے جیسے تو نہ ہو سکے  
تھے البتہ بہتر ضرور تھے انہوں نے اپنے استعمال کے لیے  
ایک پرانی شیراز خرید لی تھی۔ حناد نے ان کے لیدر کے  
برنس میں دلچسپی نہ لی تھی وہ ڈاکٹر بننا چاہتا تھا اس کے شوق  
کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے میڈیکل کالج میں  
ایڈمیشن دلایا تھا اور ساتھ ہی بائیک بھی دلادی تھی۔

نامدہ کامرس کا انٹرمیڈیٹ کر فارغ تھی وہ تمام کپڑے  
سمیٹ کر اندر جاتا ہی چاہتی تھی جب اس کی نگاہ شیڈ کے  
نیچے کھڑی حناد کی بائیک پر پڑی تو وہ چونک گئی۔

”ارے تم کس آئے؟“ وہ کپڑے دروم میں رکھ کر اس  
کے دروم میں چلی آئی جو خلاف عادت خاصوش و سنجیدہ بیڈ پر  
نیم دراز گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

”ابھی کچھ ہی دیر پہلے آیا ہوں بیٹھو نا تم۔“ وہ چونک  
کر گویا ہوا۔

”کیا بات ہے حناد! تم خاموشی سے گھر آئے اور اب  
پریشان اور اداس دکھائی دے رہے ہو اس طرح سیریس تو  
تم کبھی نہیں ہوئے۔“ وہ بھی خاصی پریشان ہو کر استفسار  
کرنے لگی۔

”رات ایک کیس آیا ہسپتال میں وہ دونوں گرل بوائز  
محبت کرتے تھے شادی کرنا چاہ رہے تھے لیکن وہ ہی



وہ مجھ سے عزت کرتا ہے۔“

”مردوں کے کئی روپ ہیر، میری جان! یہ سب تم کو عمر گزرنے کے ساتھ معظوم ہوگا میں کہتی ہوں بلاوجہ اس لڑکے کی خاطر ٹائم ضائع نہ کرو، وہ ٹیڑھے مزانج کے باپ کی اولاد ہے اس کے مزانج میں سپرد حیا پن کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ صرف تمہیں الجھا رہا ہے کسی موقع کی تلاش میں ہے جب بھی موقع ملا وہ تمہیں دودھ میں بھیگی کی طرح نکال پھینکے گا۔“

”عمر ایسا نہیں ہے یہ مجھے یقین ہے ماما!“ وہ بکھرے بالوں کو سمیٹتی ہوئی بولی۔

”ہا معلوم تم کن خوش فیروں کی وادی میں گم رہنے لگی ہو چاندنی! عمر کی خاطر تم نے دوسرے فرزند زبردروازے بند کر دیئے ہیں اور محسوس ہوتا ہے تم اپنے ساتھ میرے نصیب پر بھی قفل لگا رہی ہو تمہاری اس بد نظمی سے یہاں آنے والے ہمارے دشمن بن جائیں گے۔ ان لوگوں کی وجہ سے ہم یہاں رہ رہے ہیں وگرنہ سب سے بڑا ہمارا مخالف عمر کا باپ ہے اور اسے کسی روز معلوم ہو گیا عمر سے تمہاری دوستی کا تو نامعلوم وہ کیا کر گزرے گا۔“ اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں بٹھاتے ہوئے اندیشوں بھرے لہجے میں کہا۔

”میں شادی کے بعد لڑکوں کے گھر میں نہیں رہنے دوں گی، ہم تینوں لندن منتقل ہو جائیں گے۔ عمر اپنے والدین کو راضی کر لے گا، ہم یہاں سے شفٹ کر جائیں گے پھر عمر کا باپ بھی ہم و پیمان نہ سکے گا۔“ چاندنی نے بھی سگریٹ سلگاتے ہوئے مستقبل کی باتیں کی تھیں۔

”وہ آج ہی اپنی ممالا رہن سے بات کرے گا۔“

”اچھا جو بھی کرنا ہے جلدی کرو ویسے بھی عمر کے باپ سے ہی ہمیں زیادہ خطرہ ہے اور عمر ہی اس کے غرور کو چکنا چور کر سکتا ہے۔“



مہرمانو بیٹے کی خواہش جان کر سکتے ہیں وہ کئی تھیں دل پر پہاڑ جیسا بوجھ آن پڑا تھا جبکہ وہ ان کی حالت سے بے

صحت مند ہوتے ہی ان کی شادی کر دی جائے گی۔ لڑکا خوش ہے اس کی خودکشی رنگ۔ لائی اب گھر والے پچھتا رہے ہیں ان کی شادی کر دیتے تو اچھا ہوتا اور میں سوچ رہا ہوں چند ہفتے بعد وہ ڈسپارچ ہو کر گھر جائے تو گھر والے کب تک اسے بہلائیں گے؟ جب اس پر یہ انکشاف ہوگا کہ ساتھ جینے و مرنے کی قسمیں کھانے والے ہمیشہ کے لیے چھڑ گئے ہیں جدا ہو گئے ہیں تو وہ کس طرح فیس کرے گا؟“ اس کی آنکھوں میں کی گئی وہ ایک تک ماندہ کو دیکھ رہا تھا۔

”سو سیڈ... لیکن تم ایک ڈاکٹر ہو ماما! اس طرح کیسز کو خود پر حاوی کرو گے تو تم کس کو انجکشن بھی نہیں لگا پاؤ گے ڈاکٹر تو بہت سخت دل ہوتے ہیں اور اس فیلڈ میں سنگ دل ہونا ہی بیسٹ ہے۔“ اس نے رسائیت سے اس کو سمجھانے کی سعی کی تھی۔

”میں اپنے پیسے کی ریکوائرنٹ پوری کرتا ہوں ماما! مگر اس حادثے نے میرے دل پر بے در اثر ڈالا ہے میں نے رات سے کچھ نہیں کھایا یہاں تک کہ کافی تک نہیں لی اس لڑکے کی نگاہوں میں جو ظن کی جوت جلتی میں دیکھ رہا ہوں وہ جوت بجھے گی تو اس کی زندگی ہی اندھیر ہو جائے گی۔“



سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگاتی فردوس تر بھی نظروں سے ہٹتی کو دیکھ رہی تھیں جو سیل کان سے لگائے ہوئے ٹنگو بھی اس کے چہرے کے بنتے بگڑتے زاویوں کے ساتھ ساتھ ان کی نگاہوں کا ارتکاز بھی بدل رہا تھا۔

”ہوں کیا کہہ رہا ہے عمر! بات کی اس نے شادی کی یا محض ٹائم پاس کر رہا ہے دوسرے لوگوں کی طرح جھاتے ہیں دل بہلاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں؟“ اس کے چہرے پر چھائی غم و جھنجلاہٹ دیکھ کر وہ طنزاً گویا ہوئی تھیں۔

”ماما! وہ عام لوگوں جیسا بالکل بھی نہیں ہے اس نے کبھی کوئی ایسی ونسی حرکت نہیں کی ہے بہت محبت کرتا ہے



خبر کہہ رہا تھا۔

”مما! چاندنی نہایت نیک اور حسین لڑکی ہے اور اس کی ممی بھی نفیس و اعلیٰ کردار کی مالک ہیں شوہر کی وفات کے بعد چاندنی کی پرورش انہوں نے بہت مشکل حالات میں کی ہے۔ تمہا عورت ہو کر بھی بڑی بہادری کے ساتھ کٹھن وقت کا مقابلہ کر کے چاندنی کو تعلیم و تہذیب سکھائی ہے۔“

”بیٹا! آپ اپنی پردوں میں رہنے والی ماں بیٹی کی بات کر رہے ہیں؟“ دل میں ایک موہوم سی آس ابھری شاید بیٹا کسی اور کے متعلق کہہ رہا ہو۔

”جی ممی..... فردوس آئی اور چاندنی کی بات کر رہا ہوں۔“ وہ بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے بولا اور ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، سنجیدہ ریزہ و قاریبی نے پہلی بار کوئی لڑکی پسند کی بھی تو.....

”کیا آپ ٹھیک ہیں ممما! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے..... کیا ہوا آپ کو؟“ وہ ان کو پسینہ پسینہ دیکھ کر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ بیڈ پر ڈھے گئیں۔ موسم بے حد سرد ہا ہر تیز دم ہواؤں کے جھکنے چل رہے تھے اس نے تیزی سے پردے ہٹا کر کھڑکیوں کھول دیا تھا، فین آن کر کے لابی میں رکھے ڈسپینسر سے گلاس میں پانی بھر لایا اور قریب بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے پلایا۔

”میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں ابھی۔“ وہ گلاس رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”نہیں! میں ٹھیک ہوں اب۔“ وہ شال سر پر ڈالتی ہوئیں اٹھ بیٹھیں۔

”مما! میں یہ سوچ کر بے حد ایکساٹڈ تھا کہ آپ میری بات سن کر بے حد خوش ہوں گی یہ آپ کی ہی خواہش تھی تاکہ میں کوئی اچھی بیاری سی لڑکی پسند کر لوں مگر آپ کا برتاؤ قاتر رہا ہے آپ کو میری بات سن کر صدمہ پہنچا ہے۔“

”وہ لوگ کون ہیں..... کیا کرتی ہیں؟ محلے میں ان کے بارے میں کیا باتیں پھیلی ہوئی ہیں لوگ ان کے

دعا  
بھلائی کرو گے بھلائی ملے گی  
دعا میں جو دو گے دعا ہی ملے گی  
سچ بولنے کا قصد جو کرو گے  
جھوٹ سے تم کو رہائی ملے گی  
خدمت کرو گے جو دوسروں کی  
باطن کی تم کو صفائی ملے گی  
ہر اک مل پکارو گے جو تم خدا کو  
واللہ رب کی شاکھی ملے گی  
صلی علی کا جو رو کر گے  
صبا سے مدینہ آئی ملے گی  
رضائے محمد ﷺ رضائے خدا ہے  
کلمہ سے تم کو بقائی ملے گی  
شمع ہدایت کی مانگو دعا میں  
ثمرات کی یک جا ملیں گی  
کوثر خالد سر کو جھکاؤ  
پھر ہی تجھے اونچائی ملے گی

کوثر خالد..... جزا نوالہ

بارے میں کیا کہتے ہیں؟ یہ سب آپ نہیں جانتے وہ گھر بسانے والی عورتیں نہیں ہیں۔“

”پلیز ممما! آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں میں نے کبھی بھی آپ کے منہ سے کسی کے لیے برائی نہیں سنی ہے اور

آپ ان پر بہتان تراشی کر رہی ہیں جو ہمارے معاشرے کی ستائی ہوئی مظلوم اور بے سہارا عورتیں ہیں آپ کب

سے دوسروں کی باتوں پر یقین کرنے لگیں لوگوں کا تو کام ہی دوسروں کی عزت نیلام کرنا ہوتا ہے۔“ اس کے لہجے

میں حیرانی و تعجب کی آمیزش تھی۔

”لوگوں کی بات نہیں کر رہی ہوں میں عمر! ان عورتوں کو خود آپ کے پاپا نے دیکھ ہے غیر مردوں کے ساتھ وہ ان کے سخت خلاف ہیں۔“

”اوہ پاپا! ان کو پوری تباہی و بدعوش دکھائی دیتی ہے سوائے اپنے نامعلوم ب خاندانیت کا زعم ان کے دل



سے زائل ہوگا۔“

”ہرگز نہیں۔“

”یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟“

”ہوں..... یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“

”ایک بار پھر سوچ لیں، ما! میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔“ ان کو سخت دے بے لکڑی دیکھ کر اس نے دھمکی دی۔

”جائیں چلے جائیں..... ایک لڑکی کی خاطر ہم کو چھوڑنے کا طرف ہے آپ میں تو ہم بھی آپ کے بغیر جینا سیکھ لیں گے۔“ اس نے جلتی آنکھوں سے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور وہاں سے چلا گیا۔



”حمدا! تم نے کیوں اس لڑکی کی اسٹوری خود پر حاوی کر لی ہے اب تو اسے ڈسپارچ ہوئے بھی کئی دن ہو چکے ہیں، معروف ہو گیا ہوگا وہ اپنی زندگی میں اس دنیا میں مرنے والے کے پیچھے وئی مرنا نہیں ہے۔“ وہ ہسپتال سے آیا تو وہ اس کے لیے کافی دیتے ہوئے بولی۔

”تم کس طرح سے کہہ سکتی ہو؟ وہ ہماری طرح ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، کیا تم میرے بغیر اور میں تمہارے بنا رہ سکتا ہوں، بتاؤ مجھے؟ تمہارے دل سے بھی میری طرح ہی صاف آ رہی ہے، نہیں کبھی نہیں۔“

”خدا کے واسطے حمدا! کیوں اس طرح کی باتیں کر رہے ہو تم؟ ہمارے والدین نے ہمارا رشتہ طے کیا ہے، تعلق جوڑا ہے تم ان سے کپیٹر کیوں کر رہے ہو اپنے آپ کو۔ ہمارا معاملہ تو بالکل مختلف ہے۔“

”میں یہ سوچ کر شاکڈ ہونے لگا ہوں جب اس لڑکے کو معلوم ہوگا وہ لڑکی دنیا میں نہیں ہے، اسے تنہا چھوڑ کر جا چکی ہے تو.....“

”تو کچھ نہیں اس کو چند دن افسوس ہوگا پھر وہ کسی دوسری کو چاہنے لگے گا، اب یہ لیلیٰ مجنوں کا دور تو ہے نہیں جو مجنوں لیلیٰ لیلیٰ چننا صمراؤں میں کم ہو جائے۔ اس دور میں جتنا گہرا زخم لگتا ہے وہ اتنی تیزی سے بھرتا ہے، پلیز تم یہ کافی پر مشنڈی ہو جائے۔“ اس نے موضوع بدلتے ہوئے کافی کا ٹک اس کے ہاتھ میں پکڑا۔

”سمر! یہ کس لہجے میں اپنے باپ کے لیے بات کر رہے ہو آپ؟ ایک تھریڈ کلاس لڑکی کی خاطر باپ کی عزت و ادب فراموش کر بیٹھے ہو؟“ وہ حیرت و دکھ سے اس کی برہمی و نفرت آمیز لہجہ دیکھ رہی تھیں، کچھ دلوں سے وہ بدلا بدلا تھا خشک رویہ اور سب سے بے نیازی کا یہ سبب ہوگا ان کو معلوم نہ ہو سکا تھا۔

”میں کوئی گستاخی نہیں کر رہا ہوں، باپا کی فطرت آپ بھی بتو بی جانتی ہیں کسی کو کبھی ناپسند کرنے کے لیے ان کو وجہ ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، خواہ لوگوں سے دشمنیاں کرنے کا کریز ہے ان کو۔“

”سمر..... عمر میرے بیٹے.....! یہ تم کیا کہہ رہے ہو کوئی اپنے باپ کے لیے اس طرح بولتا ہے انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا تم لوگوں کے لیے؟“ وہ آنے والے وقت سے خوف زدہ ہو کر رونے لگی تھیں۔

”مما! آپ مجھے ایسٹنٹ بلیک میل کرنے کی سعی نہ کریں، میں جانندی کے علاوہ کسی اور لڑکی کو بیوی بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”میرے بیٹے! آپ کو مجھ پر یقین نہیں ہے، یوسف پر بھروسہ نہیں ہے تو جا کر مجھے کے لوگوں سے دریافت کرنا ساری حقیقت سامنے آ جائے گی، آپ مجھے میں کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، اگر رکھتے تو ان جال باز عورتوں کے جال میں نہ پھنستے اس بُری طرح سے جنہوں نے آپ کو ماں و باپ کا احترام ہی بھلا دیا ہے۔“ وہ آبدیدہ تھیں۔

”ایسا کچھ بھی نہیں ہے، ممما! جانندی ٹائٹل لڑکی ہے۔“

”میں بھی جینی کی ماں ہوں اور بیٹیوں کی عزت و حرمت مجھے بھی بے حد عزیز ہے، لیکن اس قسم کی لڑکیاں گھر بنا تو کر سکتی ہیں، بسا نہیں سکتی، آپ اس کو بھول ہی جاؤ تو اچھا ہے۔“ بیٹے کی ہٹ دھرمی و بددعا ہی ان کے اندر سوئی عورت کو چگا گئی۔ بلکتی ممتا کو نظر انداز کر کے وہ سخت لہجے میں گویا ہوئیں۔

”آپ میرا ساتھ نہیں دیں گی؟“



بجائے باہر چھپ کر ان کی باتیں سنتا رہا تھا جب عمر کمرے سے نکلا تو اس نے عمر کو خوب گھری گھری سنائی اور عاق کرنے کی دھمکی دی۔

”اُف یہ تو سراسر گھائے کا سودا ہوا اب عمر کو باپ کی برابری سے پھوٹی کوڑی بھی ملنے والی نہیں ہے ہمیں اس گنہگارے کا کیا کرنا ہے۔“ فردوس کے ارمانوں پر ایک دم اوس پڑ گئی تھی۔

”بائی گاڈ! مرا ہتھی بھی سوالا کھ کا ہوتا ہے ماما! عمر نے اپنی پر اپنی بھی ٹھیک ٹھاک بنائی ہے پھر اس کا اپنا بزنس ہے وہ باپ کے پیسے کا ذرا بھی محتاج نہیں ہے بہت دولت ہے اس کے پاس۔“

”واہ ماں صدقے“ کمال کر دیا چاندنی بڑھاپا سنور جائے گا میرا۔ کان کھول کر سن لو شروع شروع میں نیک بیوی جیسا حلیہ رکھنا ہوگا تا کہ عمر کو کسی بھی قسم کا شک نہ ہو بعد میں سب پینڈل کر لوں گی میں۔ بس ابتدائی دنوں میں کچھ تکلفات ہوں گے۔“ وہ دیوار گیر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی ہوئی بولی۔

”ہاں ہاں فکر نہ کرو کوئی شکایت کا موقع نہیں دوں گی اچھا چلو سامان کیمیں اب یہ گھر چھوڑنا ہوگا۔“ وہ بے حد خوش تھیں مواء اور تیل بچی تو فردوس نے گیٹ کھولا اور خوف سے بچ پڑی تھی۔

(آخری قسط آئندہ ماہ)



”آج ڈنر باہر کرتے ہیں آؤ ننگ سے سوڈ پیچ ہوگا۔“ کئی دنوں بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی تھی۔

”جی نہیں بابا اور می نے سختی سے پابندی لگا دی ہے باہر جانے پر۔“

”ناممکن، تمہیں لے جانے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔“

”صرف چند دنوں کی بات ہے پھر ہمیں کوئی نہیں روکے گا۔“ وہ گردن جھکا کر شرمیلے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

”میں ابھی بھی کسی پابندی کو نہیں مانتا۔“ اس کے معاملے میں وہ اسی طرح جذباتی ہو جایا کرتا تھا۔

”میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی حماد! ہماری شادی میں زیادہ عرصہ نہیں ہے وہ ہی کروں گی جو ہمارے بڑوں کا حکم ہے۔“ وہ کہہ کر رکی نہیں مگر ٹوٹنے کی آواز دور تک آئی تھی۔



”واؤ ماما! چاندنی سیل فون اچھالتے ہوئے ماں سے لپٹ گئی۔“

”ارے بہت خوش لگ رہی ہو کیا عمر نے اپنے والدین کو منالیا؟“

”منالیا ہونہ..... ماما! عمر نے اس بڑھے سے وہ سارے بدلے ایک ساتھ لے لیے ہیں جو ذہنی طور پر ہمیں ہار چر کرتا رہا تھا آج اسی اکڑو کا بیٹا اس کے شملے پر لات مار کر مجھ سے کورٹ میرج کرنے والا ہے۔“

”ارے میں واری میں قربان..... یہ تو بڑی انہونی خبر ہے لیکن یہ سب ہوا کیسے..... یہ خبر سچ تو ہے تم نے غلط تو نہیں سنا؟“ اس کے ساتھ خوشی میں جھومتی وہ دوسے کا شکر ہوتی۔

”ارے نہیں بھئی یہ سب میرے حسن کا کرشمہ ہے“

محبت کا جادو ہے۔ عمر نے بتایا اس کی ممانے ہم ماں بیٹی پر گھنیا الزامات لگائے جو وہ برواشت نہ کر سکا اور ان کے درمیان خوب تلخ کلامی ہوئی اس دوران اس کا باپ بھی کہاں آ گیا تھا مگر کمرے میں آنے کے





میر کی محبوبہ  
راحتیہ

WWW.PAKSOCIETY.COM





تری نگاہ تغافل کو کون سمجھائے  
کہ اپنے دل پہ مجھے اختیار بھی تو نہیں  
تو ہی بتا کہ تری خامشی کو کیا سمجھوں  
تری نگاہ سے کچھ آشکار بھی تو نہیں

### (گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شرمین بے انتہا حسن کی مالک ہے ہر شخص اس کے حسن کے قہیدے پڑھتا ہے۔ وہ ایک فرم میں جا کر رہتی ہے اور وہاں مرزا صاحب نے جمہولی محبت کا راگ لاپ کر اس کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔ چار سال پہلے شرمین کی زندگی میں صبح احمد آیا اور اتنا ہی عرصہ ان کی محبت پروان چڑھی۔ پھر صبح احمد تعظیم مکمل کر کے کراچی واپس چلا گیا اور وعدہ کر گیا کہ وہ جلد ہی رشتے کے لیے اپنی ماں کو بھیجے گا لیکن صبح احمد کی ماں شرمین کے لیے راضی نہیں ہوئی اور صبح احمد کی شادی فریحہ سے کر دیتی ہیں۔

زیست پاشرین کی آرن ہیں ان کا بیٹا بوبی بھی شرمین کے عشق میں گرفتار ہے اور آئے دن شرمین سے اظہار محبت کرتا رہتا ہے جبکہ شرمین عمر کے فرق کے حساب سے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کرتی ہے۔ شرمین پریشان ہو کر صبح احمد کو خط لکھتی ہے اور اسے کراچی آنے کا بتاتی ہے لیکن صبح احمد خود پہلی فلائٹ سے شرمین کے پاس پہنچ جاتے ہیں شرمین سمجھتی ہے کہ شاید اب وہ اس سے شادی کر کے اسے یہاں سے لے جائیں گے لیکن جب صبح احمد شرمین کو اپنی شادی کا بتاتے ہیں تو وہ ششدر رہ جاتی ہے۔ شرمین کا محبت پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے اسے محبت نام سے نفرت ہو جاتی ہے۔

مرزا صاحب پہلے سے شادی شدہ ہونے کے ساتھ بچوں کے باپ بھی ہیں۔ ان کے گھر میں ساس بہو کا روایتی جھگڑا ہر وقت رہتا ہے جس سے وہ کافی پریشان رہتے ہیں لیکن بیوی کو سمجھانے کے بہانے اس کے گمے بچھے جاتے ہیں اور آفس میں شرمین سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔

عارض ایک بزنس میں ہے اس کی نظر میں لڑکیاں صرف وقت گزاری کے لیے بنائی گئی ہیں۔ اس لیے عارض نے ابھی تک شادی نہیں کی لیکن بہت سی لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ عارض کا بہترین دوست صفدر ہے جو ایک فرم میں جا کر رہا ہے۔ عارض کی پہلی ملاقات شرمین سے سڑک کنارے ہوتی ہے اور وہ اس کے حسن کا گرویدہ ہو جاتا ہے لیکن جب وہ شرمین سے اظہار محبت کرتا ہے تو وہ نخوت سے انکار کر دیتی ہے۔

بوبی نے اپنی فضول حرکتوں سے شرمین کو پریشان کر رکھا ہے۔ بلا آخر شرمین کی برداشت سے باہر ہو جاتا ہے اور وہ بوبی کے منہ پر پھینک مار دیتی ہے۔

عارض اپنی سچی محبت کا یقین دلا کر شرمین کو قائل کرنے کو کہتا ہے اور صفدر دوستی کا مجرم رکھتے ہوئے ہامی بھر لیتا ہے۔ صفدر انتہائی شریف انسان ہے صفدر کی ماں (جہاں آرا بیگم) صفدر کی شادی کرنا چاہتی ہیں اور اس سلسلے میں



لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ ایک لڑکی انہیں پسند آتی ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ صفدر بھی اس لڑکی کی تصویر دیکھ لے مگر وہ ماں کی خوشی میں خوش ہے۔

شرمین صفدر کے کہنے پر عارض سے ملتی ہے اور اس سے منگنی کر لیتی ہے شرمین کو لگتا ہے کہ اس منگنی کے بعد سب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے مگر ایسا نہیں ہوتا۔

بوہی بھی انگوٹھی لے کر شرمین کے پاس منگنی کی عرض سے آتا ہے لیکن جب شرمین اسے اپنی اور عارض کی منگنی کا بتاتی ہے تو بوہی کو دکھ ہوتا ہے اور وہ خودکشی کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن بوہی کی ماں (زینت) اسے بروقت ڈاکٹر کے پاس لے جا کر اس کی جان بچاتی ہے اور پھر اپنے اکلوتے بیٹے کی محبت میں مجبور ہو کر زینت آبا ملک چھوڑنے کا فیصلہ کرتی ہیں ان کی نظر میں شرمین سے دوری بوہی کے دل سے شرمین کا خیال نکال دے گی مگر ایسا ممکن نہیں ہوتا کینیڈا جا کر بوہی وہاں کی رنگینوں میں کھڑی ہو جاتی ہے۔

صفدر کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوتی ہے ذیبا جہاں آرا کی پسند ہے صفدر بھی اس شادی سے خوش ہے مگر شادی کی اولین رات اس کے اراٹوں پر اوس پڑ جاتی ہے جب ذیبا اسے اپنی ناکام محبت کی کہانی سناتی ہے صفدر صرف اپنی ماں (جہاں آرا بیگم) کی وجہ سے ذیبا کو اپنے گھر رکھنے پر تیار ہو جاتا ہے وہ دونوں ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لیے اچھی ہیں۔ عارض شرمین سے محبت کے عہد و پیمانے کر کے بزنس کے سلسلے میں امریکا آتا ہے اور یہاں اس کا ایک سیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

شرمین کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کی اماں کی طبیعت دن بدن خراب رہنے لگی ہے زینت آرا بھی بوہی کو کینیڈا چھوڑ کر واپس آگئی ہیں مرزا صاحب نے بھی جموٹی محبت کے اعتبار سے شرمین کو عاجز کر رکھا ہے۔ صفدر کو ذیبا سے شدید نفرت ہو گئی ہے لیکن وہ اپنی ماں کی وجہ سے ذیبا کو گھر سے نہیں نکال سکتا اور نہ ہی اپنی ماں کو ذیبا کی حقیقت بتا سکتا ہے۔

جہاں آرا کو ذیبا کی خراب طبیعت کسی خوشی کا باعث معلوم ہو رہی ہے وہ صفدر کو ذیبا کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کو کہتی ہیں مگر وہ نال جاتا ہے اور خود ایک روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر ڈاکٹر کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ جہاں آرا بیگم اس کے ہاتھ اور سر پر بندھی پٹی دیکھ کر گھبرا جاتی ہیں۔

شرمین سے بے لوث محبت کرنے والی اس کی ماں خالق حقیقی سے جا ملی ہیں وہ تم کہ تصویر بن کر رہ گئی ہے۔ صفدر اور زینت آرا اس کی دلجوئی کر رہے ہیں۔ کینیڈا سے عارض بھی فون کر کے اسے صبر کرنے کو کہتا ہے۔

عارض کا آپریشن بھی کامیاب ہو گیا ہے اور وہ پاکستان آنا چاہتا ہے۔ لیکن جب شرمین سے اپنی بے انتہا محبت کا جواب مانگتا ہے تو وہ ذہنی اٹھن کی وجہ سے ٹھیک جواب نہیں دے پاتی جس سے عارض کو کافی مایوسی ہوتی ہے اور وہ واپس پاکستان آنے کا ارادہ چھوڑ کر وہیں کینیڈا میں مصروف ہو جاتا ہے۔ وہ دن کی چھٹی کے بعد جب شرمین واپس آفس آتی ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی سیٹ کسی اور کو دے دی ہے۔ شرمین اس حرکت کی بابت ان سے پوچھتی ہے تو مرزا صاحب اس کی غیر حاضری کی وجہ بتا کر اسے اپنی پرسنل سیکرٹری کی پیش کش کرتے ہیں جس پر شرمین غصہ سے انہیں سناتی ہوئی وہاں سے چلی جاتی ہے۔

ذیبا کو اپنے اندر ہونے والی تبدیلی خوش آسند لگ رہی ہے۔ وہ سوچ رہی ہے کہ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ صفدر ذیبا کو اپنے گھر میں رہنے کے لیے اس کے سامنے شرط رکھ دیتا ہے۔

زینت آرا شرمین کو لے کر اپنے گھر آ جاتی ہیں اور اب وہ چاہتی ہیں کہ شرمین ہمیشہ وہیں رہے جبکہ وہ بوہی کو



بھی سمجھا کر دیکھ چکی ہیں لیکن اب زینت آپا متا کے ہاتھ مجبور ہو کر شرمین کو بوبی کا ساتھ قبول کرنے کے لیے دل میں دعا کر رہی ہیں۔

بوبی بھی شرمین کے اپنے گھر آنے پر خوش ہے اور اس سے جلد واپس آنے کا وعدہ کرتا ہے وہ اب تک شرمین کو نہیں بھولا تھا شرمین بوبی کے گھر آ کر پریشان ہے جبکہ زینت آپا نے اپنا بزنس بھی شرمین کے حوالے کر دیا ہے۔  
زیبا صفدر کی شرط مانتے ہوئے گھر چھوڑ دیتی ہے اور اتفاق سے اس کی ملاقات اپنی کینیا منھی سے ہوتی ہے جو ایک عرصہ سعودی عرب رہنے کے بعد اب طلاق لے کر واپس آ گئی ہے۔

صفدر عارض کو کچھ حد تک زیبا کی بے وفائی کا تاتا ہے تو وہ بھی ششدر رہ جاتا ہے اور صفدر کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ زیبا کو طلاق دے لیں وہ اپنی ماں کی خراب طبیعت کا تاتا کر اپنی صفدری ظاہر کرتا ہے۔  
منھی صفدر سے فون پر رابطہ کے بعد اس سے ملتی ہے اور اپنی طرف سے اسے سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ زیبا کو معاف کر کے اسے اپنا لے لے مگر صفدر اپنی ضد پر اڑا رہا ہے۔ جس پر منھی کو مایوسی ہوتی ہے۔

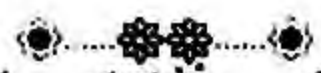
شرمین زینت آپا کی میڈیسن لے کر واپس گاڑی کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہے جب اس کا سامنا ایک بار پھر مرزا صاحب سے ہوتا ہے۔ شرمین انہیں دیکھ کر ناگواری کا اظہار کرتی ہے جس پر مرزا صاحب اپنی بیوی کی موت اور ایک بچی کی پیدائش کا تاتا کر اسے پر پوز کرتے ہیں شرمین غصہ سے انہیں مزید سناتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ جاتی ہے۔

صفدر زیبا کو لینے اس کے گھر آتا ہے لیکن زیبا اس کی شرط ماننے سے انکار کرتے ہوئے گھر جانے سے بھی انکار کر دیتی ہے جس پر صفدر غصہ سے اسے سناتا ہوا گھر سے نکل جاتا ہے اس سے زیبا کی بے ضد برداشت نہیں ہو رہی لیکن ساتھ ہی اسے میڈر بھی ہے کہ کہیں زیبا جہاں آرا کو خود کچھ تاتا دے بوبی بھی امریکہ سے واپس آ جاتا ہے شرمین اس کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے اس کے لیے بوبی کا انداز نیا نہیں ہے زینت آپا کی خوشی بھی دیدنی ہے وہ بوبی کو سمجھاتی ہے کہ جو بات شرمین کو پسند نہیں اس سے گریز کرے۔

عارض ڈاکٹر کو چیک کرانے کے بعد گھر واپسی پر ایک صاحب کو اپنی گاڑی میں لفٹ دیتا ہے وہ صاحب گاڑی میں والٹ بھول جاتے ہیں گھر آنے پر منیجر معید الرحمان والٹ عارض کو دیتا ہے۔ عارض والٹ کو ایک نظر دیکھتا ہے تو چونک جاتا ہے اس میں شرمین کی تصویر موجود ہے عارض ناچاہتے ہوئے والٹ کی تلاش لیتا ہے ایک کارڈ ہاتھ لگتا ہے جس پر صبح احمد کا نام لکھا ہے۔

جہاں آرا خود زیبا کو لینے اس کے گھر جاتی ہیں اور زیبا کی ماں (حاجرہ) انہیں زیبا کی خراب طبیعت کا تاتا کر انہیں خوشخبری سناتی ہیں جہاں آرا بیگم خوش ہونے کے ساتھ صفدر پر حیران بھی ہوتی ہیں کہ اس نے ابھی تک انہیں کیوں نہیں بتایا گھر آ کر وہ صفدر سے سناٹا منگوائی ہیں جس پر وہ حیران ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



میڈیسن کھانے کے بعد اس نے عجیب سی نظروں سے منھی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ رقتاں خوشی کے ہمراہ ملال کے سائے بھی لرزاں تھے۔ یہ نوید حیات جاوداں تھی کہ وہ بیٹے کی ماں بنے گی تو یہ احساس خزن بھی کچھو کے لگا رہا تھا کہ جس کو باپ اپنانے سے انکاری ہو اس کی کیا خوشی؟

”کیوں افسردہ ہو؟“ منھی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔  
”بہنیں، خوش ہوں۔“



”خوشی کے ساتھ دکھی نظر آ رہا ہے۔“

”وہ تو ہمیشہ رہے گا۔“

”منشی نہ سوچو، میں نے فون تو کیا ہے صفدر بھائی کو۔“

”کیا کہا؟“

”فی الحال تو وہ یاد باغصہ ہی تھا فون کاٹ دیا۔“

”پھر..... پھر تمہیں کیا امید رکھنی چاہیے؟“ زبیر نے دکھ سے ہنستے ہوئے کہا۔

”امید تو اچھی رکھنی چاہیے بیٹے کی خوش خبری پر ان کا دل بوجھتا تو چاہیے۔“

”مگر میں صفدر کو جان لئی ہوں وہ دل کے کچھ نہیں مگر اپنی انا کی خاطر ایسا رد عمل ظاہر کر رہے ہیں۔“

”کچھ بھی کہو، کان کو ادھر سے پکڑو یا ادھر سے۔“

”ہنہہ..... مجھے مشکل لگتا ہے۔“

”اچھا خیر، بہت ٹینشن لو سب اچھا ہوگا۔“

”ہو گا یا نہیں، میرا تو بیٹا ہی ان شاء اللہ میرا سب کچھ ہوگا۔“ وہ ایک دم سرور سی ہو کر مسکرانے لگو۔

”ہنہہ، گڈ اور دیکھنا وہ ایک روز اپنے بیٹے کی محبت میں کھینچے چلتے آئیں گے۔“ منشی نے اٹھنائی وٹوق اور یقینی انداز

میں کہا تو وہ کافی مطمئن سی ہو گئی۔

”سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ اس اطلاع پر کیسا رد عمل اختیار کرتے ہیں یا تو آئیں گے یا نہیں، آئیں گے تو صلح

پسندی کا راستہ اختیار کریں گے یا اسی طرح خفا ہوں گے۔ مگر یاد رکھنا اب جو بھی بات کہنا سوچ سمجھ کر کرنا قطعاً کمزور

پڑنے کی ضرورت نہیں۔“ منشی نے سمجھایا اس نے تائید میں گردن ہلائی، لیکن اس میں بہت گہری سوچ موجود تھی۔ وہ

چپ رہی تو منشی نے ہی کہا۔

”دیکھو، اچھی طرح سوچ لو، تم انہیں یہ کہہ کر دیکھ لو کہ اپنے بیٹے کو ہی تسلیم کر لو، زمانے کا خیال کر لو، بیٹا تو

تمہارا ہی ہوگا۔“

”منشی، میرا دماغ خراب نہیں ہے میں ہرگز اس سے یہ بھیک نہیں مانگوں گی۔“ وہ بہت سخت لہجے میں بولی تو منشی

خاموشی ہو گئی۔

”تم خود سوچو کیا یہ اس کے لیے نئی بات ہوگی۔ اسے بیٹے بیٹی سے فرق نہیں پڑتا جب کہہ دیا کہ یہ اولاد وہ تسلیم نہیں

کرتا تو بس پھر کیا گنجائش رہے گی؟ عورت اولاد کے احساس پر اپنا آپ ہار دیتی ہے۔ مرد نہیں، یہ مجھے اب اندازہ ہو رہا ہے

میں صفدر سے کوئی خیرات نہیں مانوں گی، مجھے اس سے خلع چاہیے، مجھے مزدوری بھی کرنی پڑی تو کروں گی۔“

”اللہ نہ کرے تم میرے موٹے کیسی باتیں کر رہی ہو؟“ منشی نے اسے گلے سے لگا لیا۔

”تمہارا بڑا احسان ہے بلکہ تم تو شاید میری مددگار بن کے آئی ہو۔“

”اللہ مددگار ہے میں کیا اور میری ہستی کیا؟ بس اتنی ہی فکر ہے کہ اماں اور باپا کے لیے میری وجہ سے پریشانیاں پیدا ہو گئی

ہیں۔“ اس کا گلہ اٹھ گیا۔

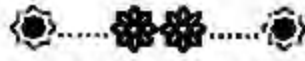
”اندان کے لیے بھی بہتری کا راستہ پیدا کرے گا۔ وہ تو تمہیں ہی قصور وار سمجھتی ہیں۔“

”ہاں، انہیں اور کچھ نہیں پتا وہ معصوم ہیں، نہیں جانتیں کہ ایک لڑکش سے کیسے قیامت پتا ہوئی۔“

”اللہ عافیت کرے اس مردار کو۔“ منشی کی نگاہوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔



”اس کو اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔“  
 ”بے شک شاید مرنے پر بھی گیا ہو۔“  
 ”اللہ مجھے اس بے غیرت کی صورت کبھی نہ دکھائے۔“  
 ”چلو ٹینشن نہ لو، میں تمہارے لیے بخنی بناتی ہوں پھر تمہیں لگائیں گے۔“ ننھی نے اس کے موڈ کو بحال کرنے کے لیے کہا اور اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔



خوشگوار موسم کے پیش نظر آغا جی نے شرمین اور صفدر کے لیے چائے کا انتظام لان میں ہی کر دیا بہت سی چیزیں خانساماں نے کچھ ہی دیر میں تیار کر کے ٹرائی کھوا دی تھی۔  
 ”ننھی، کھاؤ، سب کچھ کھاتا ہے۔“ بابا نے شرمین اور صفدر کو کہا تو شرمین نے مسکرا کر پلیٹ تمام لی کہا، فٹنگ پلٹس پلیٹ میں ڈالنے کے بعد کہا۔  
 ”بابا مجھے تو بہت بھوک لگی ہے آفس سے سیدھے آپ کے پاس آئے ہیں۔ صفدر بھائی کو بھی کوئی مسئلہ درپیش ہے آپ سے شیئر کریں گے۔“  
 ”ہاں..... ہاں کیوں نہیں؟“ بابا نے الجھن میں گرفتار صفدر سے کہا۔ مگر وہ شاید ان سے شیئر کرنے کا ارادہ بدل چکا تھا اس لیے پکڑا کھاتے ہوئے بولا۔

”ارے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بس عارض کی طرف سے ٹینشن ہی ہے۔“  
 ”وہ کیا؟“ وہ تنکڑے سے بولے۔

”کوئی رابطہ نہیں، شرمین سے بھی بات نہیں کرتا۔“

”اچھا میں پوچھوں گا بلکہ میں نے کچھ دیر پہلے اسے سچ کیا ہے کہ آج میری بہو کھرا رہی ہے۔“

”کوئی خاص مصروفیت ہوگی۔“ شرمین نے ٹالا۔

”ہاں شاید مگر پھر بھی۔“ آغا جی بھی فکر مند سے ہو گئے۔

”چھوڑیں میں خود اس سے نیٹ لوں گا۔“ وہ چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولا۔

”بابا، عارض کو کوئی مسئلہ ضرور ہے۔“ اس کا دل ننھی میں لے کر عارض نے بند کر رکھا تھا ذرا سا موقع پا کر دل کی بات کہہ دی۔

”بظاہر تو ایسا نہیں لگتا لیکن شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہو، عارض نے بے پروائی تو اختیار کر رکھی ہے فیجر نے بتایا ہے کہ کھانے پینے سونے جاگنے میں بہت غیر معمولی رویہ اختیار کر لیا ہے۔ میں خود بھی پریشان ہوں لیکن ان شاء اللہ سب بہتر ہوگا۔“ بابا نے اس کی تسلی کی خاطر تفصیل بیان کی۔

”واو، مزہ آ گیا بہت مزے کے کہاب تھے اور چائے بھی میری پسند کی بنائی تھی۔“ شرمین نے بابا کی پریشانی دور کرنے کے لیے گفتگو کا موضوع بدلا۔

”عارض کی پیدائش کے وقت سے آج تک خانساماں کے رحم و کرم پر ہیں اب تم آ جاؤ گی تو کھانے کا اصل لطف آیا کرے گا۔“

”بس اب آپ عارض کو بختی ستا نے کا کہہ دیں۔“ صفدر نے ٹکلا لگایا۔

”کہوں گا..... مگر جوان اولاد دکھا دی کیا کہہ سکتا ہے؟“



”بابا آپ عارض کوختی سے کہہ بھی نہیں سکتے۔“ شرمین نے کہا وہ جانتی تھی کہ عارض سے وہ کتنی محبت کرتے ہیں۔  
 ”ٹھیک کہتی ہو اس میں تو میری ہبان ہے۔“

”بہر حال شرمین کی وجہ سے تو آسٹا ناچاہیے۔“ صفدر نے کہا۔  
 ”ہاں، بالکل مجھے گھر کا سناٹا کھانے کو دوڑتا ہے۔ بچوں کی فلقاریاں سننے کو بے تاب ہوں۔“ صفدر ان کے اس جملے پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس کے کانوں میں امی کی آواز آنے لگی۔  
 وہ بھی تو اتنی ہی بے قرار ہیں اور پھر ان کی تو اللہ نے گویا سن بھی لی ہے۔ ایک میں ہی اس خوشی سے انہیں محروم رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر انہیں پتا چل جائے کہ زبیرا امید سے ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ الٹرا سائوٹڈ رپورٹ کے مطابق ان کا پوتا ہے تو وہ خوشی سے اچھل پڑیں گی اور ایک سیکنڈ بھی زبیرا کو نگاہوں سے دور نہ کریں۔ مگر میں، میں ایسا نہیں کر سکتا۔“

”صفدر کیا سوچنے لگے؟“ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ اور سوچتا پاپا نے چونکا دیا۔

”جی وہ کچھ نہیں بس اب اجازت دیجیے۔“ صفدر نے خفت سے اس کر کہا۔

”جی بابا بس اب اجازت دیں۔“ شرمین بھی بولی۔

”رات ہمیں رہ جاؤ۔“ پاپا نے شرمین سے کہا۔

”نہیں بابا، زینت پائلر مند ہوں گی اور ان کی میڈیسن میں ہی دیتی ہوں۔“ اس نے معذرتی انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے، خوش رہو۔“

”لو کے، اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ۔“

گاڑی گیٹ سے باہر نکالتے ہوئے شرمین نے کھڑکی سے منہ باہر نکال کر صفدر سے پوچھا۔

”آپ تو کچھ پاپا سے شیئر کرنے والے تھے۔“

”ہنہہ۔ لیکن پریشانی اپنے تک ہی رکھنی چاہیے۔“ وہ بھی اپنی گاڑی نکالتے ہوئے با آواز بلند بولا۔

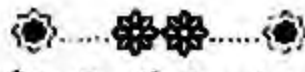
”اس کا مطلب آپ پریشان ہیں۔“

”ہنہہ، شاید۔“

”مجھ سے شیئر کریں۔“

”کریں گے، لیکن اس وقت نہیں دیر ہوتی ہے۔“ صفدر نے کہا اور گاڑی نکال لے گیا۔ وہ بھی کچھ سوچتے ہوئے

اپنے رستے پر چل دی۔



کیمرج میں گاڑی کھڑی تھی کی تھی کہ بوٹی پوری تیاری کے ساتھ اپنی گاڑی کی چابی گھما تا ہوا اس کے سامنے کھڑا

ہوا۔ وہ کچھ حیران پریشان سی اپنی گاڑی سے باہر نکلے تو وہ بولا۔

”یہ قطعاً نہیں کہنا کہ تھک گئی ہوں۔“

”مطلب؟“ وہ اس کی نقالی پر مسکرائی۔

”مطلب یہ کہ ہم باہر جا رہے ہیں کچھ ضروری چیزیں خریدنی ہیں اور پھر چائینرز۔“ اس نے اپنی ترنگ میں کہا اور اس کا

ہاتھ تھام لیا۔

”بوٹی، میں سچ سچ بہت تھکی ہوئی ہوں اور کچھ بھی کھانے کی گنجائش نہیں ہے۔“ اس نے دھیرے سے ہاتھ



چھڑایا اور بولی۔

”ایسا کیا کھالیا کہاں گئی تھیں؟“ وہ پوچھ بیٹھا۔

”کسی سے ملنا تھا بس وہاں چائے کے ساتھ بہت کچھ کھالیا۔“

”کس سے ملنا تھا؟“ بوبی نے ناگواری سے پوچھا۔

”بوبی سہل از دس کہ میں بہت تھکی ہوئی ہوں اور آ رام کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی تو وہ

ہتھے سے اکھڑ گیا۔

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ساری شام میں نے انتظار کیا ہے تمہیں ساتھ چلنا ہے۔“

”بوبی پلیز۔“

”نہیں میں پروگرام نہیں بدل سکتا۔“ وہ اڑ گیا۔

”مجھے نہ سنتا پا کو دیکھنا ہے۔“

”وہ ٹھیک ہیں، سو رہی ہیں۔“

”بوبی، ہر ضد پوری نہیں کی جاسکتی۔“

”اور میں ہر ضد پوری کرنے کا عادی ہوں۔“

”بوبی، کیا بد تمیزی ہے۔“ اسے غصہ آ گیا۔

”مجھجوری ہے اسی بد تمیزی کے ساتھ عمر بھر رہنا ہے۔“ بوبی نے غیر دانستہ انداز میں کہہ دیا تو وہ چڑھ گئی۔

”بوبی میرے ساتھ جانا ہے تو بد تمیزی سے اجتناب کیا کرو۔“

”شرمین کبھی خود کو فرصت سے دیکھنا پھر میری بات بد تمیزی نہیں لگے گی۔“ وہ اس کی ستارہ نما آنکھوں میں جھانکتے

ہوئے عالم جذب میں بولا تو وہ اور زیادہ جھنجھلا گئی۔

”بوبی نہ سنتا پا کو کبھی ساتھ لے چلتے۔“

”وہ پرہیزی کھانا کھاتی ہیں بے آرام ہوتیں اس لیے میں نے مناسب نہیں سمجھا۔“ گاڑی اشارت کرتے ہوئے

اس نے بتایا۔

”مگر میں انہیں ملے بغیر نہیں جاتی۔“ اس نے بھی اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”واپسی پر مل لینے۔“

”باہر رہنے سے تم کافی بے پروا ہو گئے ہو۔“

”وہاں ماحول ہی ایسا ہے کہ آدمی کھو جاتا ہے۔“

”بس پلیز سٹس کراس نہیں کرنی۔“ اس نے ٹوکا۔

”شرمین، میری خوشی تم ہوتی مجھے خوش دیکھنا کیوں چاہتیں۔“

”بوبی! تم کیسے یہ کہہ سکتے ہو؟ تم مجھے جس حیثیت اور مقام پر عزیز ہو، اس پر تم رہنا پسند نہیں کرتے، تمہیں یہ سمجھانا

مشکل ہے کہ میری زندگی کس قدر تلخ ہے۔ وہ کہتے ہیں تاکہ

رخ آتی تھی کہ پینے سے زبان چلتی تھی

زندگی آنکھ کے پانی میں ملالی، ہم نے

اس نے کچھ عجب سے انداز میں حال دل بیان کیا تو وہ خود پر کنٹرول نہ کر سکا۔ ٹھلکے سے گاڑی روکی اور بولا۔



”شرین میری زندگی تو تم ہو میرے اندر جھانک کر دیکھو میں کیا بنا سکتا ہوں تمہاری زندگی کو۔“ وہ کچھ دکھ سے مسکرائی اور بولی۔

”گازی چلاؤ ننھے سے ذہن پر بوجھ نہ ڈالو۔“

”کبھی تو مجھے بڑا سمجھوں میں جنون کی حد تک محبت کرتا ہوں۔“ وہ چلایا۔

”گازی چلاؤ ورنہ میں یہاں اتر رہی ہوں۔“ وہ سخت غصے میں آ گئی۔

”میری بات کا جواب دو۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر کلائی سختی سے تھام کر کہا تو وہ لمبی سانس بھر کر بولی۔

”بونی مجھ میں ایسے نہیں ہوتیں مجھے معلوم ہے محبت کرنے والوں کی حقیقت۔“

”غلط فلسفہ ہے تمہارا۔“

”ابھی چلو پھر بات کریں گے۔“ اس نے دھیرے سے کہا اور کلائی آزاد کرنا باہر دیکھنے لگی، اس نے

گازی اشارت کی۔



اپنی چابی سے باہر سے گیٹ کھول کر گازی اندر لایا۔

گیٹ لاک کیا برآمدے کا انرجی سیور چل رہا تھا۔ امی کے کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ وہ ٹھٹھا مایسا کبھی پہلے نہیں ہوا تھا امی اس کی آمد تک اپنے کمرے کی لائٹ جلا کر اس کا انتظار کرتی تھیں۔ صبح پڑھتے ہوئے اس کی آمد کی منتظر رہتی تھیں پھر آج کیا بات ہو گئی؟ وہ فکر مند سا لڑک کر کمرے میں داخل ہوا۔ لائٹ آن کی تو وہ بستر میں تھیں چہرہ سرخ تھا ہلکی سی آنکھیں کھلیں اور پھر بوجھل ہو کر بند ہو گئیں۔

”امی..... امی.....“ اس نے ان کے قریب بیٹھے ہوئے کہا تو دوبارہ آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی اس نے پیشانی چھوئی تو وہ گویا دھک رہی تھی۔

”امی آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔“

”ہنہہ؟“ وہ بڑبڑائیں۔

”اوہ میرے خدا، امی آپ مجھے فون کرو تھیں۔“ وہ تڑپ اٹھا تھا انہوں نے کچھ نفرت سے دیکھا اور گردن دوسری طرف موڑ لی۔

”امی، ناراض ہیں؟“ وہ اور بے قرار ہو کر ان سے پت گیا۔

”دور..... دور ہو جاؤ۔“ وہ بے شکل ہو گئیں۔

”وجہ..... امی۔“ طیز آپ کو مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔“

”جاؤ نافرمان اولاد سے کچھ نہیں کہنا، جاؤ۔“ جہاں آرا بیگم سخت غصے میں تھیں صندریہ سمجھ گیا کہ مٹھائی نہ لانے پر ناراض ہیں۔

”امی صبح مٹھائی لے آؤں گا۔“

”مٹھائی نہ لانا ماں کا کفن لانا، میں نے نافرمانی کے لیے پالا پوسا تھا۔“ بخار کی شدت کے باوجود وہ کمرخت لہجے میں بولیں۔

”اللہ نہ کرے آپ کو میری عمر بھی لگ جائے۔“ وہ دیوانہ وار ان کا چہرہ چومنے لگا۔

”صندریہ جاؤ یہاں سے بس۔“



”امی، مجھے معاف کر دیں میں بھول گیا تھا آپ کو میڈیسن دیتا ہوں کچھ کھایا بھی نہیں ہوگا۔ بس لاتا ہوں۔“  
 ”نہیں، ہرگز نہیں کچھ نہیں کھانا تم اپنی ضد پوری کرو میری بہو اور بچے کی خوشی سے مجھے محروم نہ کرو۔“  
 ”آپ کو کس نے یہ بتایا؟“ وہ حیرت سے بولا۔

”کیوں، کیا مجھے نہیں بتانا چاہیے تھا۔“ وہ اور غصے سے بولیں۔  
 ”میرا مطلب تھا۔“ وہ ہلکایا۔

”دیکھو، صغیر مجھے راضی رکھنا چاہتے ہو اپنے حق میں خوش رکھنا چاہتے ہو تو میری بہو کو لے دو، وہ امید سے ہے۔“ وہ بولتے ہوئے لہجے معصومیت سے مسکرائیں اسے جھٹکا لگا۔  
 ”مطلب، زبیر نے امی کو بتا دیا سب۔“ وہ سوچنے لگا۔

”کیا سوچ رہے ہو؟“

”جی، سوچتا ہوں۔“

”مطلب؟“

”آپ کے لیے دورہ گرم کر کے لاتا ہوں۔“ اس نے نالا۔

”پہلے بتاؤ۔“

”یہاں نے کہا ہے آپ کو۔“ وہ چھوڑ بے غصے کے ساتھ بولا۔

”تمہاری ساس نے بتایا، میں نہ جانتی تو ہرگز نہ تم بتاتے۔“

”اچھا تو آپ وہاں گئی تھیں۔“

”ظاہر ہے مٹھائی اسی لیے منگوائی تھی۔“

”اچھا، میں دودھ لے کر آتا ہوں آپ میڈیسن لے کر سو جائیں بخار اترے گا تو زنا بات کر لیں گے۔“ وہ ان کا

جواب لیے بغیر باہر نکل آیا وہ بخار کی شدت سے بو جھل نکھیں بند کر کے ٹھہر دیا وہاں فیہا سے بے خبر ہو گئیں۔

﴿.....﴾

نیند آنکھوں میں مسلط نہیں ہونے دیتا

وہ میرا خواب مکمل نہیں ہونے دیتا

آنکھ کے شیش محل سے وہ کسی بھی لمحے

اپنی تصویر کو جھل نہیں ہونے دیتا

رابطہ بھی نہیں رکھتا ہے سر وصل کوئی

اور تعلق بھی معطل نہیں ہونے دیتا

دل تو کہتا ہے۔ ہاں سے لوٹ کے آتا نہیں

یہ دلا سہ مجھے باکل نہیں ہونے دیتا

سر کے بال مٹھیوں میں سختی سے جکڑے وہ مجذوبانہ کیفیت سے دو چار رات کے نیرے پہر تک جاگ رہا تھا۔

آنکھوں میں نیند کی بے درقائی کا سوگ بپا تھا۔ جسم درد کر رہا تھا۔ کانوں میں امی کے الفاظ کی گونج تھی۔ جس کا ڈر تھا وہی

ہو گیا تھا۔ وہ جان چکی تھیں کہ زبیر امید سے ہے ان کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی تھی۔ پہلے انہیں اس کی شادی کی آرزو تھی

اور پھر پوتے پوتی کی خواہش اپنی جگہ فطری اور سچی تھی۔ مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ اصل بات کیا ہے؟ اتنا بے درد اور سفاک تو



میں نہیں تھا کہ آپ کو اتنی بڑی خوشی سے محروم رکھتا۔ اب جبکہ مجھے معلوم ہے کہ میرا بیٹا ہے اس کی کوکھ میں ہے تو بھی میں مغموم ہوں بے حس ہوں لا تعلق ہوں۔ چاہتے ہوئے بھی اس خوشی کو قبول نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی اولاد کے لیے زیبا کی خطا معاف نہیں کی اور نہ ہی کر سکتا ہوں کیونکہ اس کا جرم بہت بڑا ہے۔ آپ کی ضد اور فرمان میرے سر آنکھوں پر مگر میں کیسے خود کو سمجھاؤں؟“ وہ خود سے جنگ لڑ رہا تھا۔

”صفر، تم اپنی بوڑھی ماں کی نافرمانی کیسے کر سکتے ہو ان کی کتنی زندگی بچی ہے؟ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو کس سے معافی مانگو گے، ان کی خوشی کے لیے زیبا کو گھر لے آؤ۔ اس ان کی خوشی میں پڑا رہنے دو تم کوئی تعلق نہ رکھنا۔ تمہاری ماں تو خوش رہیں گی۔ ان کی بات ماننے بنا کوئی چارہ نہیں۔ ماں لو ان کی بات۔“ اسے چاروں طرف سے یہی سنائی دیا۔ مگر وہ ہونٹ چباتا رہا سر کے بالوں پر ستم ڈھاتا رہا۔ طبیعت مائل نہیں ہو رہی تھی۔ امی کی بات مان لینے کا مطلب تھا زیبا کو گھر میں لانا اور بچے کو قبول کرنا اگر بچی قبول کر لیا تو زیبا کو بھی رکھنا پڑے گا۔ ہرگز نہیں، اس نے خلع مانا ہے بچے کے بعد اسے خلع دی جاسکتی ہے اسے نکالنے سے کیا حاصل ہوگا؟ وہ بچی ہی تو چھوڑنا نہیں چاہتی بچے کو دیکھ کر امی اسے نہیں چھوڑیں گی۔“

”اف میرے خدا میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ وہ چلا اٹھا اور بے دم سا اونٹ سے منہ بستر پر گر گیا۔ بنا کسی فیصلے کے بنا کسی نتیجے کے۔



دور سے فجر کی اذان سنائی دے رہی تھی۔

وہ گہری نیند میں تو گیا ہی نہیں تھا جلدی سا تھا دھیان امی کی طرف گیا وہ جانے کیسی ہیں؟ یہ سوچ کر سیدھا ان کے کمرے میں آ گیا۔ وہ تخت پر جائے نماز سیدھی کر رہی تھیں۔

”امی۔“ اس نے محبت سے پکار کر اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ گرم تھیں، سانس بھی حدت آمیز تھی۔ اس کی محبت پر انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔

”اتنی صبح کیوں اٹھ گئے۔“

”آپ کی طبیعت کی وجہ سے اور فجر کا وقت بھی تو ہو گیا ہے۔“ اس نے انہیں آرام سے تخت پر بٹھایا۔

”بس مجھ سے بھرتو غنودگی سی تھی۔ مگر فجر کی اذان پر اللہ نے جگا دیا۔“

”آپ کو اس وقت بھی بخار ہے۔“

”اتر جائے گا جس مالک نے آ رہا ہے وہی آ رہا ہے۔“

”آپ نماز پڑھیں میں بھی پڑھ کر آپ کے لیے ناشتا بناتا ہوں۔“ وہ بولا مگر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

”جی؟“ وہ کچھ نہ سمجھا۔

”پہلے یہ تاؤ کہ میرا حکم مان رہے ہو کہ نہیں۔“

”کو..... کون سا حکم؟“ وہ ہکلا دیا۔

”جاؤ..... جو ماں سے روک کر سوہ میرے نزدیک بلایمان ہے۔“ انہوں نے غصے سے کہا اور نماز کی نیت باندھ لی وہ شرمندہ سا کچھ دیر کھڑا رہا پھر اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔

ماں کی ناراضی اپنی جگہ تھی رب کو راضی کرنے کے لیے نماز کی تیاری کی پھر صبح آؤ وہ اللہ کے حضور رو دیا گزرا یا اور اللہ سے فیصلے کی رہنمائی، نگہا رہا۔ جب جائے نماز سے اٹھا تو دل کو کچھ سکون تھا۔ قرار تھا کہ ماں کی حکم عدولی نہیں کرنی اور



باتیں بعد کی ہیں اللہ کو ماننا اور ماں کو ناراض رکھنا ممکن نہیں۔ اللہ تو ملتا ہی ماں کی دعا سے ہے اس وقت اس کے لیے اللہ اور ماں کو ناراضی رکھنا ضروری تھا۔ وہ فیصلہ کر کے بچن میں آیا چائے بنائی انڈے فرائی کیے سلاسن سینکھا۔ رانی کے پاس آ گیا وہ اب تسلیج پڑھ رہی تھیں۔

”صفدر مجھے کس رشتے سے یہ بنا کر دے رہے ہو؟“ انہوں نے سختی سے پوچھا۔

”اپنی ماں کو ایک بیٹا یہ بتائے گا کیا؟“ وہ مسکرایا۔

”میرا بیٹا اس وقت ہوگا جب میری بات مان لےگا۔“

”آپ کی بات تو میں جان قربان کر کے بھی پوری کروں مگر۔“

”یہ اگر مگر بتا ہے کیا ہوتا ہے دیوار کی چٹائی کرتے ہوئے رہ جانے والی درازیں، جو دیوار کو مضبوطی میں کمزوری پیدا

کرتی ہیں۔“

”آپ کو کیسے یقین ہے کہ رشتے مضبوط ہیں؟“ اس نے ناشتہ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”کمزور تم نے بنا رکھے ہیں تمہیں بیوی اور اپنے بچے سے وابستگی نہیں۔“ وہ سختی سے بولیں تو وہ بڑی ہمت کے ساتھ

ضبط کر گیا کروا سچ نہ بتا سکا۔

”اچھا آپ ناشتہ کریں۔“

”کر لوں گی میرے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں۔“

”اللہ آپ کو سلامت رکھے۔“

”جاؤ، جا کر ابھی زیبا کو لے کر آؤ۔“

”جی دن تو چڑھنے دیر آپ ناشتہ کریں گولی کھائیں۔“ وہ بولا۔

”نہیں پہلے ابھی جاؤ۔“ انہوں نے حکم سے کہا تو اسے ماننا پڑا۔

”ٹھیک ہے پھر جلدی سے یہ ناشتا کریں دو کھائیں تو میں جاتا ہوں۔“ اس نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ

مطمئن ہوئیں خوشی سے چہرہ گل ہاتھا۔



اس کی غیر متوقع آمد ننھی کے لیے حیران کن تھی۔

اسے لیے اندھا کی تو دوسرا حیرت کا جھکاؤ کیا کے لیے تھا جس کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔ بیڈ کی سائیڈ پر رکھ کر وہ

اٹھی اور حیرت زدہ سی اس کے سپاٹ چہرے پر پھیلی غم غصے کی لکیریں دیکھنے لگی۔ ہتلون کی جہیوں میں ہاتھ ڈالے وہ رخ

موڑ کر بولا۔

”کتنی معصومہ دکھتی ہو مگر کس قدر چالاک ہو؟“

”آپ کو بڑی دیر میں پہنچا ہوا آپ اب بتانے آئے ہیں۔“ زیبا کو بھی غصا گیا۔

”صفدر برائی پلیز آپ بیٹھیں میں ناشتہ بناتی ہوں۔“ ننھی نے گرما گرمی کم کرنے کے لیے کہا۔

”میں ناشتہ کر کے آ جاؤں۔“ وہ روکھا سا بولا۔

”اچھا میں چائے لاتی ہوں۔“ ننھی چلی گئی تو وہ بولا۔

”چالاک نہ ہوتیں تو مجھ کو پھانسی کیا؟“ وہ زہر بھری مسکراہٹ سے بولا۔

”صفدر صاحب اگر انکارے برسائے تھے تو آنے کی ضرورت نہیں تھی۔“



”میں مجبور ہو کر بھیجا گیا ہوں۔“

”کیا مجبوری ہے۔“

”خیر..... میرے ساتھ چلو میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا بچے کا فیصلہ بھی وقت کرے گا۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

”مجھاب یہ کہنا پڑے گا خدا را مجھاپنے بچے کے ساتھ رہنے دیں۔“

”بند کرو یہ ڈرامہ، میری ماں کو بلیک میل کر کے اب یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔“ وہ رعونت سے بولا تو

زیبا بھڑک اٹھی۔

”میں نے آپ کی امی کو کچھ نہیں کہا وہ مجھ سے ملتی تھی۔“

”ہنہہ..... بہر کیف تمہارا منصوبہ فی الحال کامیاب ہو گیا۔“

”افسوس کوئی باپ اپنے بچے کو منصوبہ بھی کہہ سکتا ہے۔“

”افسوس تم جیسی عورت ایسا بھی کہہ سکتی ہے۔“ وہ پلٹ کر حملہ آور ہوا تو زیبا کی آنکھیں راڈ بڈا گئیں۔

”اس سے بہتر تھا آپ مجھے قابل رحم ہی نہ سمجھتے۔“

”کیا تمہیں رحم نہیں ملا؟“ اس نے پوچھا۔

”میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ماورجی ہے میرے پاس۔“ وہ فخریہ انداز میں بولی۔

”ہنہہ یہ بھی میرا رحم ہے تم پر۔“

”رحم کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔“ اس نے گریا بولا دیا۔ تو کچھ دیر اس نے چپ رہ کر کہا۔

”اب چلو سامان اٹھاؤ مجھے آفس بھی جانا ہے۔“

”جائے گا اگر مگر.....“ ننھی نے آ کر کہا۔

”شکریہ مجھے جلدی ہے۔“

”صفدر بھائی پلیز بیٹھیں تو اور آپ کو بیٹے کی ایڈوائس مبارک باد دینی ہے۔“

”مہنی سہیلی کو دیں مجھے اجازت دیں بس۔“ وہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

”ننھی کیا کروں؟“ زیبا نے پریشانی سے پوچھا۔

”فوراً جاؤ آگے بھی اچھے کی امید رکھو۔“

”یہ شخص مجھے پتھر مار مار کر لہو لہان کر رہا ہے گا۔“

”کچھ بھی ہو تم اچھائی کی امید اللہ سے رکھو، اب جاؤ سامان میں پہنچا دوں گی۔“ ننھی نے اسے گلے سے لگا کر

دھیرے سے کہا تو وہ رو دی۔

”ننھی میرا دل نہیں مان رہا۔“

”پلیز اب جاؤ صفدر بھائی خود لینے ہیں ناراض ہوں گے۔“

”وہ صرف اپنی امی کی وجہ سے آئے ہیں۔“

”کچھ بھی سہی۔ وہ تمہارے لیے سہارا ثابت ہوں گی۔ اب تم اللہ پر بھروسہ کر کے جاؤ۔“ ننھی نے اسے ہینڈ

بیک، میڈیٹیشن وغیرہ دیتے ہوئے سمجھایا وہ دل کڑا کر کے کمرے سے نکلی وہ بے دردی سے سگریٹ پھونک رہا تھا

اسے دیکھ کر ننھی سے بولا۔

”اگر نخرے میں ہو تو بیٹھی رہو، سمجھا لوں گا میں امی کو۔“



”صنوبر بھائی زیبا کی میڈیسن نہیں مل رہی تھیں۔“ منہمی نے لقمہ دیا۔  
”پہلے یہ بتادیں کہ دھکے دے کر کب نکالیں گے؟“  
”جلد بہت جلد۔“

”تو پھر پڑا رہے دیں مجھے یہیں۔“  
”مرضی ہے۔“ وہ یہ کہہ کر لوجہ بھی نہیں رکھا۔ تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ منہمی پیچھے دوڑی۔ مگر وہ رکا نہیں۔  
”اوہ زیبا نہیں کہتا تھا ایسا کچھ۔“

”منہمی جانے دو مجھے نہیں جانا بس۔“ زیبا غصے سے کہہ کر واپس کمرے میں گھس گئی۔  
وہ اس قدر بھنایا ہوا تھا کہ جہاں آرا بیگم سمیت شرمین نے بھی حیرت سے اسے دیکھا وہ کچھ متاثر بھی ہوا لیکن پھر بھی  
چہرہ نماز تھار لی کیفیت کا۔

”پھر اکیلے چلے آئے؟“ جہاں آرا بیگم پھٹ پڑیں۔  
”اس کے پاؤں پڑ جاتا۔“ وہ پانی کا گلاس بھر کر غناغٹ پی گیا۔  
”تمہارا مسئلہ کیا ہے؟“ جہاں آرا بیگم کو صدمہ جو غصا گیا۔  
”آئی پلیز آپ کی طبیعت خراب ہے غصہ نہ کریں۔“ شرمین نے جلدی سے مداخلت کی۔

”سوری شرمین بہن۔“ صنوبر شرمینگی سے کہہ کر بیٹھ گیا۔  
”صنوبر مجھے تمہاری مافرمائی کی توقع نہیں تھی۔“ جہاں آرا یہ کہہ کر رخ موڑ کر لیٹ گئیں۔  
”امی وہ نہیں آئی آپ جا کر لے آئیے گا۔“ صنوبر نے نرمی سے کہا۔

”بھالی کیوں ناراض ہیں، مسکھ کیا ہے؟“ شرمین نے پوچھا۔  
”کچھ نہیں وہ یہاں رہنا نہیں چاہتی اور میں رکھنا نہیں چاہتا۔“ وہ حیرے سے بولا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟“ شرمین نے حیرت سے پوچھا۔  
”چھوڑیں لمبی داستان ہے آپ سنا میں کیسا نا ہوا؟“  
”صنوبر بھائی میں عارض کے لیے فکرمند ہوں۔“

”خیریت؟“  
”رابطہ نہیں اور میرے حالات کچھ بدل رہے ہیں میں عارض سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ بولی۔  
”تو ابھی بات کر لیتے ہیں۔“ وہ بات کرنے کی غرض سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”آپ کیجیے میرا پیغام۔“ وہ بولی۔  
”میں بات کر کے آتا ہوں آپ بیٹھیں۔“ وہ علیحدگی میں بات کرنے کی غرض سے باہر چلا گیا تو جہاں  
آرا بیگم بولیں۔

”شرمین میں کچھ کھانے کے لیے لاتی ہوں۔“  
”ارے نہیں..... نہیں میں آفس میں سچ کرکائی ہوں۔“  
”بہو کولا تا نہیں میں پیانہ بنے گی ہوں۔“ وہ بولیں۔

”آپ خود چل کر بات کریں۔“  
”اب ایسا ہی کروں گی ویسے میں زیبا کی امی کو تاکید کرتی تھی کہ اسے لے آؤ۔“



”چلیں کوئی بات نہیں آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں، آ جائیں گی۔“ اس نے تسلی دی۔  
 ”صفر کی مرضی نہیں ہے میں جانتی ہوں۔“  
 ”وہ بھلا کیوں ایسا چاہیں گے۔“

”پتا نہیں اب دیکھو یا امید سے ہمتا پنے گھر میں ہونا چاہیے مگر یہ سنتا ہی نہیں۔“  
 ”واہ..... ماشاء اللہ پھر تو بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔“ شرمین نے خوشی سے کہا کمرے میں داخل ہوتے صفر نے  
 سن کر پوچھا۔

”کس بات کی مبارک باد۔“

”صفر بھائی، لہذا حضور بننے کی۔“ شرمین نے شرارت سے کہا۔

”اوہ..... اچھا امی سے صبر نہیں ہوا۔“ وہ سنجیدہ ہو گیا۔

”اس میں صبر کی کیا بات ہے؟“ امی چڑ گئیں۔

”خیر شرمین، بہن، وہ عارض نے فون تو اینڈ کیا ہے مگر وہ مصروف تھا۔ رات میں تفصیل سے بات ہوگی۔“ وہ کچھ بات  
 بجانے کے سے انداز میں بولا۔

”ایسی بھی کیا مصروفیت؟“ اس نے گلہ کیا۔

”وہ خود بات کرے گا تم سے، میں نے سمجھایا ہے۔“

”عارض ایسا کیوں کر رہا ہے؟“

”صفر کے دوست سے ایسی توقع ہی رکھو۔“ امی نے ٹکڑا لگایا۔

”امی کوئی پراہم ہوگی اسے آپ نیکٹیو کیوں سوچتے لگی ہیں؟“

”ٹھیک ہے مجھے اجازت دیں۔“ شرمین نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

”وہ بات کرے تو سب پوچھ لیجئے گا۔“ صفر نے دھیرے سے کہا وہ کچھ نہ سمجھی۔

”اگر نہ کیا تو۔“

”تو آپ کر لیجئے گا بد ضرور کیجیے گا۔“

”کوئی مسئلہ نہ رہا ہے۔“ وہ کچھ خدشات کے پیش نظر بولی۔

”کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں خود الجھ گیا ہوں۔“ صفر نے بہت آہستگی سے کہا۔

”مجھے محسوس ہو رہا ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اللہ کار ساز ہے کیوں، ابوس ہوتی ہیں؟“ صفر نے اٹھ کر کہا۔

”خیر آپ آئی کی خواہش کا خیال کریں۔“

”میں ہی خیال کی وجہ سے اس کے پاس گیا تھا۔“

”آپ آئی کو لے جائیں۔“

”ٹھیک ہے آپ اپنا خیال رکھیے گا۔“ صفر نے باہر چلتے ہوئے کہا۔ شرمین نے کہا ”ابھی تک ہاتھ تھام کر چو، خدا

حافظ کہا کر باہر نکل آئی۔“



مسلسل چارپانچ تیل جانے کے بعد عارض نے فون رہ لیسو کیا۔



”یاد رکھو تم نے مجھے کتنے بہانے بنا کر شرمین بہن کو بھیجنا پڑا کچھ احساس بھی ہے تم کو۔“ صفدر فون ریسیو کرتے ہی اس پر برس پڑا۔  
”سوری۔“

”سوری، فاروہاٹ ایک معصوم لڑکی سے جھوٹ بولنے پر۔“ صفدر مزید تاؤ کھا گیا۔  
”جھوٹ نہیں مجبوری اور مصلحت۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔  
”کیسی مجبوری اور مصلحت؟ اب مجھے تفصیل سے بتاؤ بات کیا ہے؟“ صفدر نے پوچھا۔  
”بتایا تو ہے کہانی ختم ہو گئی بس۔“

”کہانی، مطلب ایک لڑکی سے عہد و پیمانہ باغدادہ کر ملک سے باہر جاؤ اور کہانی ختم کرو اتنا آسان دستور بنایا ہے تم نے۔“

”میں نے کچھ نہیں بنایا میں اس پر مسلط تھا وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی سو میں نے فیصلہ کر لیا کہ کہانی ختم کر دی جائے۔“ عارض نے آہستہ آہستہ بات کی۔

”عارض یہ کیسا بہتان ہے..... اس پر یہ ظلم کیوں کر رہے ہو؟“  
”کیسا بہتان، یہ سچ ہے اسے کسی اور سے محبت ہے۔“

”بیغلط ہے تم اس سے بات کرو مجھ میں تو ہمت ہی نہیں ہے۔“  
”صفدر پلیز میں نے کہا ہے نا کہ اسے میرا پیغام دو۔“

”نہیں پلیز آج رات وہ فون کا انتظار کرے گی اس سے بات کرنا اور پلیز اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو اسے یہ صدمہ نہ دو تم نے محبت کی تھی فلٹ نہیں۔“ صفدر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”میں نے محبت کی ہے یہ محبت ہی ہے کہ اسے کسی اور سے محبت کے لیے آزاد کر دیا ہے۔“ عارض نے ایک طویل سانس بھرنے کے بعد بات مکمل کی۔

”تمہیں غلط نہیں ہوئی ہے۔“ صفدر نے کہا۔  
”میں اس سے بات کر لوں گا، خود کہہ دوں گا۔“

”کیا؟“ صفدر نے دکھ سے پوچھا۔  
”میں کہہ دوں گا جو کہنا ہوگا۔“ عارض نے کہا۔

”عارض تم ٹھیک نہیں کر رہے، ایسا کیا ہو گے؟“  
”جرح نہ کرو بس میں خود اسے سمجھا دوں گا وہ جس سے محبت کرے اس کے ساتھ خوش رہے۔“

”تمہاری محبت یہی تھی کہ بیچ سفر میں دھوکہ دو تمہاری عادت نہیں گئی میں شرمندہ ہوں کہ شرمین سے تمہاری وکالت کی۔“ صفدر کو غصہ آ گیا۔

”دیکھو وہ خود یہ تسلیم کرے گی کہ میرا فیصلہ درست ہے۔“  
”مگر تمہاری محبت تو بھاڑ میں گئی جس کا نام لے..... لے کر مرتے تھے اس طرح دھوکہ دو یہ کہاں کی انسانیت ہے؟“

صفدر نے ایک اور کوشش کی اس کا ضمیر دگانے کے لیے مگر وہ سانی سے بات نہال گیا۔  
”تمہارے مسئلے کا کیا ہوا؟“ عارض نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”وہیں کا وہیں۔ بھندہ گئی جنم بن گئی ہے مگر میرے دادر تمہارے مسئلے میں فرق ہے تم اس پر غور کرو اس سے بات کرنے



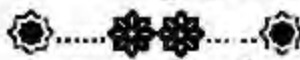
سے پہلے سوچا اور پھر بات سرووہتم سے محبت کرتی ہے۔  
 ”میں بات کر لوں گا تم اسی کی بات کرتے رہنا میرے دل کی کیفیت نہ سمجھنا۔“ عیاض نے زچ ہو کر کہا۔  
 ”میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا کہانی ایسے کیسے ختم ہو سکتی ہے۔“ صفدر نے بھی کچھ ٹھنکی سے کہا۔  
 ”بس ہو ٹھنکی میں ہی ایسا تھا اور ایسا ہوں۔“ وہ اڑ گیا۔

”افسوس، تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔“  
 ”یار، میں نے غلط فیصلہ نہیں کیا وہ کسی اور کی محبت ہے، میں کیسے یقین دلاؤں، میں نے اسے ٹوٹ کر چاہا ہے لیکن پھر  
 میرے اندر سب کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا۔“ وہ کریناک سے لہجے میں کہہ گیا۔  
 ”تو..... تم نے کہانی ختم کر دی۔“

”ایسا ہی ہے۔“  
 ”او کے، اللہ حافظ۔“  
 ”ناراض۔“ اس نے کہا۔  
 ”نہیں ناراض ہونے نہ ہونے سے کیا حاصل؟“ صفدر کا لہجہ شکایتی تھا۔  
 ”میں آج رات بات کر لوں گا۔“  
 ”مرضی ہے۔“  
 ”اللہ حافظ۔“  
 ”اللہ حافظ۔“

اس نے مجھے دل کے ساتھ فون بند کیا اور اپنے سامنے رکھے کافی کے بیخ بستہ گگ کو دیکھا جو کچھ در پہلے گرما گرم  
 بھاپ اڑا رہا تھا مگر اب اس کے دل کے اندر دھواں اڑا رہا تھا اور باہر ایک بیخ بستی سی تھی صفدر کا ایک ایک لفظ نشتر زنی کر رہا  
 تھا وہ صفدر کو کیسے بتاتا کہ ٹرین سے دوری کی کتنی بڑی اور کڑی سزا بھگت رہا تھا۔ اسے دور ہو کر کس حوصلے سے اسے چہا  
 کیا ہے وہ اعتراف محبت نہ کر سکی۔ محض اس لیے کہ وہ کسی اور کی محبت ہے یہ بات وہ پہلے کہہ دیتی تو وہ محبت ہی نہ کرتا۔  
 اس نے ٹھنڈا گگ وہیں چھوڑا ڈور ٹیل سن کر دروازہ کھولا نیجر صاحب بریف کس سے یہ سیتا اندھا گئے۔  
 ”جی نیجر صاحب۔“

”سرآقا صاحب نے پراجیکٹ فائل کے بارے میں دریافت کیا ہے اور آپ کو فون کرنے کی تاکید کی ہے۔“  
 ”ٹھیک ہے اور۔“ وہ اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔  
 ”اور کچھ کاغذات، پراپ کے دستخط چاہیے۔ آپ کے کھانے پینے کے بارے میں بہت فکر مند تھے سر۔“ نیجر  
 صاحب نے بات مکمل کی بریف کس سے کاغذات نکالے تو وہ بے زاری سے بولا۔  
 ”پلیز، ٹیل پر رکھ دیں میں کروں گا۔“ نیجر صاحب نے شفقت سے کاغذات رکھے اور بریف کس بند کر کے چلے  
 گئے تو وہ سونے کی پشت سے سر نکال کر آٹھکھیں موند کر بیٹھ گیا۔



منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر وائش روم سے باہر آئی، بالوں میں برش کیا اور زینت آ پا کے کمرے میں آئی وہ بستر پر درواز  
 تھیں اس نے سلام کیا اسی اثنا میں بوبی کمرے میں داخل ہوا اور بولتا چلا گیا۔  
 ”کہاں تھیں کب سے چائے کے لیے انتظار کر رہے ہیں؟“



”وہ دراصل میں کہیں چلی گئی تھی۔“ شرمین نے کچھ غیر معمولی سنجیدگی سے جواب دیا زینت آپا نے واضح طور پر محسوس کیا۔

”کہاں..... کیا آپ کی کہاں کیا مصروفیت تھی؟“ بوبلی نے لالہ ابالی پن سے پوچھا۔  
 ”بوبلی یہ کیا سوال ہے؟“ زینت نے شرمین کی خاموشی پریشانی محسوس کرتے ہوئے بوبلی کو تہیہ کی۔  
 ”ہاں کیوں نہ کروں سوال، کب سے چائے دم پر رکھی ہے بلکہ اب تو دم بھی نکل گیا ہوگا۔“ بوبلی نے مزید تیزی سے زبان چلائی۔

”میں بابا سے کہتی ہوں اور بتائیں۔“ شرمین نے اٹھتے ہوئے کہا تو زینت نے اس کا ہاتھ دبا کر منع کر دیا۔  
 ”بابا تو اپنے چک گئے ہیں اور چائے بوبلی ہی پلائے گا۔“ زینت نے کہا۔  
 ”جک..... مطلب۔“

”بابا کی بہن فوت ہوگئی ہے اطلاع آئی تو میں نے فوراً بھیج دیا۔“ زینت آپا نے بتایا۔  
 ”اوہ اور پھر کام آپ نے کیے ہوں گے۔“ شرمین نے پوچھا۔  
 ”میں نصیحتیں کھانا تو خانساں ہی بناتا ہے۔“

”آپ کو تو فرصت نہیں ملتی کہ اپنے ہاتھ کا کھانا کھلاؤ۔“ بوبلی نے شرمین کو کہا۔  
 ”ارے، بے چاری کو کام سے فرصت نہیں ملتی، اب جاؤ چائے لے کر آؤ مغرب کی اذان ہونے والی ہے۔“ زینت نے بوبلی کو ڈپٹے ہوئے کہا۔ وہ ہنستا ہوا چلا گیا تو زینت نے شرمین سے پوچھا۔  
 ”شرمین کوئی خاص بات ہے۔“

”نہیں، سب روٹین کی باتیں ہیں۔“ وہ مسکرائی۔  
 ”لیکن فکر مند اور پریشان لگ رہی ہو۔“  
 ”کچھ خاص نہیں۔“

”بتاؤ۔“  
 ”آپا، عارض کی طرف سے کچھ فکر مند ہوں۔“  
 ”کیسی فکر؟“ زینت بھی پریشان ہو گئیں۔  
 ”آج رات بات ہوگی۔“

”بات ہوگی..... مطلب.....!“ انہیں حیرت سی ہوئی۔  
 ”جی جب رشتوں میں بناوٹا جائے تو ان کے لیے فکر مند ہی ہونا چاہیے۔ عارض کو بات نہ کرنا، مصروف رہنا اور یہ کہنا آج وہ بات کرے گا۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے کوئی خوش گواری بات نہیں کرنی۔“  
 ”تمہیں کس نے کہا میرا مطلب ہے کیا وہ تم سے بات ہی نہیں کرتا۔“ زینت نے بہت زیادہ تعجب سے پوچھا۔  
 ”جی، بہت دن سے یہ تو صفحہ بھائی نے بتایا ہے۔“

”تو تم اس کے والد سے بات کرو بلکہ میں کرنی ہوں کیا چکر ہے؟ کیا کوئی اور مصروفیت تو شروع نہیں کر لی۔“ زینت آپا کا جس طرف اشارہ تھا شرمین سمجھ گئی۔  
 ”تو کر سکتا ہے میں کون سا رکاوٹ بنوں گی۔“  
 ”میں نے کہا ہے اس کے بابا سے بات کرو۔“



”وہ اپنی مرضی کا مالک ہے، مجھے پروا نہیں۔“

”پروا کیوں نہیں پروا ہوتی جاوے۔“

”چھوڑیں آپا میں نے محبت کی بے حرمتی پر ان الفاظ ضائع نہیں کرنے۔“

”یہ لیس جناب چائے حاضر ہے دو پکوزاز۔“ بوبلی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو شرمین نے کہا۔

”گھاڑا پاپا کے لیے تو پکھاور بنوا لیتے، یہ کی ہوئی چیزیں نہیں کھاتیں۔“

”او..... نہیں میں نے کھنا لیت کھایا ہے، بس چائے پیوں گی۔“ زینت آپا نے انکار کر دیا۔

”پاپا کی واپسی کب ہوگی؟“ بوبلی نے پوچھا۔

”نہیں معلوم بیوہ، بس آگے تدفین کے بعد بھی نہیں ہی دیکھنا ہوگا۔“ زینت نے جواب دیا۔

”چلیں آجائیں گے۔“ شرمین نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

”ویسے بھی رات ہم باہر ڈنر کریں گے، ماما بھی چلیں گی۔“ بوبلی نے نئی بخ لگائی۔ تو شرمین نے فوراً سنجیدگی

سے معذرت کر لی۔

”میں معذرت چاہتی ہوں روز روز باہر کے کھانے میں پسند نہیں کرتی۔“

”میں تو کرتا ہوں۔“

”تو کرو، اپنے فریڈز کے ساتھ۔“ شرمین نے کہا۔

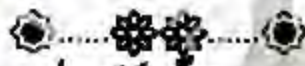
”میرے کون سے فریڈز ہیں میرا سب کچھ تم ہو۔“ وہ مسکرایا۔

”بوبلی شرمین ٹھیک کہہ رہی ہے ویسے بھی وہ تمہاری بہن ہے۔ خانساں سے کہہ کر جو چاہو، خوالو۔“

”باہر صرف کھانا نہیں دوتا۔“

”ماہوکی میرے مزاج میں گنجائش نہیں سوری۔“ شرمین خالی کپ رکھ کے وہاں سے اٹھ گئی۔ وہ آواز میں

دیتا رہا مگر وہ ٹپٹی نہیں۔



حاجرہ بیگم پانی لے کر آئیں تو اسے اپنے ہی خیالوں میں گم دیکھ کر بولیں۔

”دال چاول ٹھنڈے ہو رہے ہیں کھانی کیوں نہیں ہو؟“

”اماں دل نہیں چاہ رہا۔“

”دل چاہے یا نہ چاہے تمہیں کھانے کی ضرورت ہے۔“ حاجرہ قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

”تو کیسے کھاؤں؟“ وہ بے زاری۔

”تمہیں دلی سکون حاصل نہیں ہے کتنی ناشکری ہو اچھا گھر مل گیا ساس بے قراب شوہر لینے آیا اور تمہارے مزاج

ٹھکانے پر نہیں۔“

”اماں مجھے سکون سے یہاں گزارنے دو۔“ وہ برامان گئی۔

”زیادہ تمہارا دماغ گھس چر نے چلا گیا ہے ننھی کو تمہیں سمجھانا چاہیے کیوں نہیں سمجھا تمہیں صند کے ساتھ۔“

”اماں کیوں ننھی کو لڑا رہتی ہو؟ اس نے تو بہت کہا تھا مگر میں نہیں مٹی۔“

”صد ہوگئی جہاں آ رہا بیگم سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں چھوڑاؤں گی۔“

”مجھے نہیں جاتا۔“ وہ برائے نام چاندلوں سے بھوک مٹانے لگی۔



”ان کا بچہ ہے، وقت آگے کی طرف بڑھ رہا ہے، اچھی خود کھانے کا تمہیں چاہیے آ رام چاہیے۔ اپنے گھر جا کر رہو، پھر دیکھنا وہ کس قدر تمہارا خیال رکھتے ہیں۔“ حاجرہ بیگم نے سمجھایا۔

”بہنہ خیال آپ کو کچھ نہیں اندازہ۔“ وہ طنز یہ اُسی۔

”کوئی شکایت ہے تو میں بات کرتی ہوں۔“

”اماں ابھی وہاں نہیں جاسکتی وقت آ یا تو ضرور سوچوں گی۔“

”دیکھو بیٹا تمہارے بابا مستقل بستر کے ہو گئے ہیں میں بوڑھی اور بیمار کمرے کے کرائے پر گزارہ مشکل سے چل رہا ہے اور تمہیں اندازہ ہی نہیں آگے کے اخراجات کا۔“

”آپ غم نہ کریں میں زیور بیچ دوں گی۔ بعد میں نوکری کر لوں گی۔“

”یہ عمل نہیں ہے ان میں ایسے کون سے کیزے نکل آئے؟“

”بس مجھے نہیں جانا۔“ وہ جھٹلائی۔

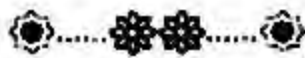
”محلے والے باتیں کرتے ہیں باپ دادا کا نام اچھا لانا ہے تم نے مگر میں تمہیں چھوڑ کر آؤں گی میں صفرہ سے معافی مانگوں گی۔“ حاجرہ نے کافی سختی سے کہا۔

”اس سے کیا ہوگا؟“

”میری بچی ہوئی تمہارا اصل گھر ہے اصل مکان ہے۔“

”اماں خدا کے لیے۔“ وہ چڑ گئی۔

”تم نے کتنا اچھا موقع گنوا دیا۔ میں تو دعائیں مانگ رہی تھی کہ وہ لوگ تمہیں لے جائیں اب خلع کا لفظ منہ سے نہ نکالنا۔“ وہ سمجھا کر برتن اٹھالے گئیں اور وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ آنے والے حالات کے بارے میں تو وہ سوچ سکتا ہے جو گزارے حالات کی پرچھائیوں سے نکل سکے اس کا تو تلخ ماضی اسے رات دن کند چھراہوں سے فزع کرتا رہتا تھا اس کی سزا ہی تو اتنی طویل ہو گئی تھی اسی کی اذیت میں جھٹلائی۔ وہ اماں کو کیسے بتائے کہ خلع اس کی زبان پر کیوں مطالبہ بنا؟ صفرہ کو جو حقیقت معلوم ہے اس کی وجہ سے وہ تو مجھے دنیا سے نکالنے پر آمادہ ہے۔ ہاں میرا کتنا قابل معافی نہیں لگتا۔ یہ صرف میری اولاد ہے صفرہ کی نہیں صفرہ جیسا مسترز اپنی اولاد کے لیے مجھ جیسی ماں قبول نہیں کر سکتا یہاں سے تم بھیجنا چاہتی ہو، وہاں سے صفرہ کی امی بلانا چاہتی ہیں مگر میرا میرے بچے کا جس سے رشتہ ہے وہاں ہمارے وجود سے بھی انکاری ہے۔ وہ تو ہمیں دیکھ کر ماضی نہیں میں وہاں کس کے لیے جاؤں، چلی بھی جاؤں تو بے عزتی کی سانس لے کر کتنے عرصہ وہاں رہ پاؤں گی بچے کی پیدائش تک یا پھر اس سے بھی پہلے۔“ اس نے بے دم سی ہو کر تکیے پر سر رکھا اور بے بسی سے آنکھیں موند لیں۔



رائٹنگ ٹیبل پر کہنیوں پر چہرہ نکائے وہ منتظر تھی۔

حالا نگہ دل کم ٹیم نے اشارہ دے دیا تھا کہ اب عمر نہ موسم نہ وہ رستے کہ وہ چلنے اس دل کی مگر خام خیال کا یہ عالم کہ یہ نہیں جانتی۔

کون ہے معتبر زمانے میں

کس کے وعدے پر اعتماد کریں

بھول جانے کی عمر بیت گئی







”پلیز صفدر بھائی! آپ میرے حوالے سے اب کبھی بھی کوئی بات نہیں کریں گے۔“

”صفدر بھائی! Trust is like a paper! Once it's Crumpled it can't be perfect again! Trust is like a paper!“

”آپ نے ٹھیک کہا۔“ صفدر تو خود اسی قسم کی اذیت بھری زندگی کا سامنا کر رہا تھا اسے کیا کہتا۔  
”آپ قطعاً کچھ نہ سوچیں مجھے حالات سے لڑنا آتا ہے محبت کی سوداگری لوگ ایسے تو کرتے ہیں دنیا میں اگر کوئی

لفظ سب سے زیادہ بے عزت ہو رہا ہے تو وہ محبت ہے میں اس لفظ پر غور نہیں کرتی۔“

”تاہم پھر بھی اس کی ضرورت اور طلب تو رہتی ہے شرمین بہن!“

”طلب بھی بدل جائے گی اعتبار اٹھتا جا رہا ہے۔“ وہ دھیرے سے بولی۔

”بہر کیف! آپ رنجیدہ نہ ہوں میں حالات ٹھیک کرنے کے لیے کوشش کروں گا۔“

”مگر آپ عارض سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔“

”ٹھیک ہے مگر میں اپنے ریفرنس تو بات کر سکتا ہوں۔“

”جی۔“

”اب اجازت دیں آپ کا فون سن کر سیدھا یہاں آ گیا آفس جانا بھی ضروری ہے۔“

”جی شکریہ صفدر بھائی! بس آپ کوئی پکارنا اچھا لگا۔“

”ہمیشہ پکار سکتی ہیں میں بہت شرمسار ہوں۔“

”کس لیے؟ آپ ایسا بالکل نہیں ہیں۔“

”اجازت.....“

”جی ضرور۔“

”اپنا خیال رکھیے گا۔“

”وہ تو رکھنا ہی ہے۔“

صفدر اٹھ کر چلا آیا تو ضبط کے سمندر میں طغیانی کا عمل شروع ہو گیا۔ دڑموٹے موٹے آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر رخساروں پر پھیل گئے۔

ہاں تھا ایک فرض سا غم

وہ بھی مجھ سے قضا ہو گیا

بنا کسی جرم کے بنا کسی خطا کے کتنی آسانی سے زندگی میں آیا اور کتنی آسانی سے رخصت ہو گیا۔ یہ تھی اس کی طوفانی محبت، نفرت سی ہونے لگی ہے اس کم بخت محبت نے کیسے قطرہ قطرہ بوندوں کی صورت نگاہوں سے کتنی ہے اور تڑپنے کو چھوڑ دیتی ہے۔

”شرمین! اب تو اس کو چھوڑ دے فریب دینا سیکھ جا۔ محبت کو دوسروں کا خسارہ، ہادے لپی جا یہ درد بھرے آنسو۔ اس نادر سانی کی آگ میں جھنسنے سے کیا حاصل؟ وہ بہنورا تھا اس کی فطرت ہر جانی سے۔ اسے بھول جا نکال دے دل سے۔ کچھ وقت دے اسے دل مضطرب! کہ میں اسے فراموش کر دوں۔“ وہ بند آنکھوں میں مضبوط منصوبے محفوظ کر رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور بوٹی دروازہ ہول کر اندر آ گیا۔ اس کی آنکھوں کی کہانی شاید اس نے پڑھنی جھک کر بولا۔

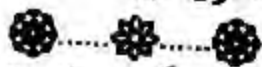
”خوب صورت آنکھوں پر سارے جہاں کو اردوں کیوں نم ہیں یہ۔“



”پلیز بولی! مجھے ڈسٹرب مت کرو۔“ وہ جلدی سے فائلیں کھولنے لگی۔  
”ڈسٹرب تو آپ ہیں۔“

”نہیں، ہینھو کافی منگواؤں۔“ وہ نال گئی۔  
”نہیں، جوس پیتے ہیں مگر باہر جا کر۔“

”سوری! ضروری اسائنمنٹ ہیں آج ہی انہیں کیلئے کرنا ہے۔“  
”بھارت میں گئیں آپ کی اسائنمنٹ! زندگی کی خوشیاں ضروری ہیں، چلیں انہیں۔“ بولی نے فائلیں ہاتھ سے پرے  
دھکیل کر کہا تو وہ چند منٹ اسے دیکھنے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔



بولی نے دو تین گھنٹے سڑکوں پر گاڑی دوڑانے کے بعد گھر کا رخ کیا تو وہ بولی۔

”بولی! ابھی سے گھر آفس میں ضروری کام کرنے والے ہیں۔“  
”کام تو زندگی بھر چلتے رہیں گے، لائف میں کچھ اور بھی کرنے کے لیے ہونا چاہیے۔“ گیٹ سے اندر گاڑی لاک  
کر کے وہ بولا تو شرمین نے خاموشی سے اندر جانے میں عافیت بھی۔

”شرمین! مسئلہ کیا ہے؟“ وہ پچھے ہوتا ہوا آیا وہ پٹلی چند لمحوں کے بعد دیکھا اور پھر دھیرے سے کہا۔

”بولی! کبھی کبھی کچھ کہنا اور سننے کو دل نہیں چاہتا، میں اس فیر سے نکل کر بتاؤں گی۔“

”کچھ تو ہے مجھے بتاؤ۔“ وہ بضد ہو گیا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔“ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھی تو وہ پھر سامنے آ گیا۔

”شرمین! میری طرف دیکھو، میں نے محسوس کیا ہے کہ تم اپ سیٹ ہو۔“

”قارگا ڈسک! میں ٹھیک ہوں۔“ وہ جھنجھلا آئی مگر وہ مستعمل ہو کر آگے بڑھا اس کی کلانی تمام کر کھینچتا ہوا صوفے کے

قریب لایا اور جھٹکے سے اسے بٹھا کر بولا۔

”جب میں کہہ رہا ہوں کہ تم اپ سیٹ ہو تو ہو۔“

”بولی! اگر ایسا ہے کبھی تو تمہاری اس بحث سے مزید اپ سیٹ ہو رہی ہوں۔“ اس نے نرمی اختیار کی۔

”بتاؤں گی نہیں۔“

”نہیں، بس مجھے ریٹ کرنا ہے۔“

”اوکے، لیکن کھانا ہم نے ساتھ کھانا ہے۔“

”لوہ! اچھا یاد دلا یا، باہر تو ہیں نہیں کھانا میں دیکھتی ہوں۔“

”کچھ نہیں، دیکھنا کھانا تقریباً تیار ہے۔ خانساں فز فرانی کر رہا ہے۔“ زینت اسی طرف آ گئیں۔

”واہ فرانی ش۔“ بولی خوش ہو کر چلا یا۔

”دونوں ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔“

”زینت! آپ کیوں کام میں لگ جاتی ہیں؟“ شرمین نے کہا۔

”کہاں سارا کام تو خانساں نے کیا۔“

”یہ بابا کچھ لمبی چھٹی پر نہیں چلے گئے۔“ بولی بولا۔

”آ جائیں گے ہوگی کوئی وجہ ورنہ غفلت نہیں برت سکتے۔“ زینت نے کہا۔



”میں چیخ کر کے آتی ہوں۔“ شرمین نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جبکہ بوہا نے زینت سے اس کے متعلق کہا۔

”ماما! شرمین کے ساتھ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔“  
”کیسا مسئلہ؟“

”وہ اپ سیٹ ہے اس کی آنکھیں تر تھیں۔“

”ہو سکتا ہے اس بے چاری کی زندگی میں ہے ہی کیا؟“ زینت افسردہ سی ہوئیں۔

”ماما! اسی لیے تو میں چاہتا ہوں کہ شرمین کو سارے جہاں کی خوشیاں دے دوں۔“

”خوشیاں مقدر سے ملتی ہیں اور تم اس سے اسکی کوئی بات نہ کرنا جس سے وہ مزید پریشاں ہو جائے۔“

”ماما! شرمین کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”میں پوچھوں گی کیا بات ہے؟“

”آپ آگئیں تو میں نے اس کی جان چھوڑ دی ورنہ پوچھ کر رہتا۔“ بوہی نے بڑے وثوق سے کہا تو

زینت نے سمجھایا۔

”بوہی! اسے زچ نہ کرنا ورنہ وہ یہاں سے چلی جائے گی بڑی مشکل سے میں نے اسے سنبھالا ہے وہ جس طرح میرا

خیال رکھتی ہے شاید ہی تم بھی رکھ سکو۔ مجھے اس کی موجودگی سب سے زیادہ پیاری ہے۔“ زینت نے دھیرے دھیرے

بڑے سامان سے کہا تو بوہی کو بہت اچھا لگا۔

”بس تم اسے تنگ نہ کیا کرو۔“

”ماما! میں اس سے محبت کرتا ہوں عشق ہے وہ میرا۔“ وہ بھوم کر بولا تو زینت نے تنبیہ کی۔

”بس چپ کھانا لگواری ہوں آ جاؤ۔“ زینت یہ کہہ کر چلی گئیں تو بوہی نے ان کی بات کا جواب بڑا اہمٹ کے

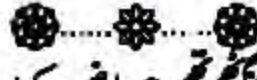
ذریعے دیا۔

”ماما! آپ کیا جانو شرمین کی محبت میری روح میں کیسے سمائی ہے؟ وہ میرے خون میں گردش کرتی ہے میری پلکوں

میں اتر کر میرے ساتھ سوتی ہے۔ میری کھلی آنکھوں سے نکل کر مجھے تسخیر کرتی ہے اس لیے سب خود نہیں معلوم کردہ

میری ذات کا حصہ ہے وہ اب تک عمروں کے فاصلوں میں میری محبت کو محصور کیے ہوئے ہے۔ شرمین! کاش..... کاش

شرمین..... تم کبھی یقین کر سکو۔“



جبکہ شرمین کی نمناک نگاہوں کے سامنے وہ انگوٹھی تھی جو عارض کے اور اس کے دل کی دلیل تھی وہ اتار کے اس نے

عارض کے فیصلے کو تسلیم کر لیا تھا۔ دل کڑا کر کے خود کو پھر سے محبت کے فریب سے الگ کر لیا تھا۔

”شرمین! کتنی احمق ہو تم اس رشتے پر بھروسہ کرتی ہو جو لوگوں کے کاروبار سے زیادہ اہم نہیں جسے زمانے میں لوگوں

نے سب سے کمتر اور غیر قیمتی رشتہ بنا دیا ہے۔ صبیح احمد کتنی دور تمہیں محبت کے سہارے اپنے ساتھ کھینچے رہے تم انتظار کی

سوئی پر چڑھ کر ان کے ساتھ وابستہ رہیں پھر اپنے مادی نفع کی خاطر انہوں نے تمہیں انتظار کی سوئی سے اتار دیا تب بھی

انگوٹھی ایسی ہی کسی اندھی درواز میں قید کر دی۔ صبیح احمد کی نام نہاد محبت دولت کے ترازو میں تل گئی پھر تم نے عارض پر کیوں کر

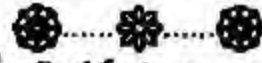
انتہار کر لیا کیوں اپنی تقدیر میں ایک اور محبت کی گردش لکھی؟ کیا کافی نہیں تھا صبیح احمد کی نارسائی کا دکھ اب کس طرح

عارض کی بے وفائی کا صدمہ برداشت کرو گی ایسا صدمہ جس میں نہ تمہیں اپنا گناہ پتا ہے اور خطا کا علم ہے کس قدر مختصر ہے



تمہاری تحقیر کی کہانی دوسطروں میں اس نے تمہیں نکال باہر کیا۔ تمہاری ذات کے پندار کو بیکناچور کر دیا۔ کچھ نہیں بچا تمہارے پاس کچھ نہیں۔ ایک بار پھر تم نے دھوکہ کھالیا..... مگر بھول جانے کی عادت اپنا نہیں گے ہم بھول جائیں گے عارض بالکل اپنی پہلی چاہت فتح احمد کی طرح۔“

ایک بار پھر دراز کی تار کی میں انگوٹھی اتر گئی وہ اٹھی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ کچھ حوصلا کٹھا کیا بال بڑش کیے اور پوری ہمت کے ساتھ قدم اٹھائے اسے بوٹی کی نظروں کا سرمنا کرنا تھا۔ اس کے سوالوں کی رود سے خود کو محفوظ رکھنا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ درد بتانے سے نہیں سہہ جانے سے کم ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پوری طرح خود کو طاقور بنا چکی تھی۔ بوٹی سے نظریں ملانے کا حوصلہ کٹھا کر چکی تھی اندر بے شک طوفان تھا زلزلہ تھا بھونچال تھا مگر باہر سکون مسکراتا چہرہ تھا۔ آنکھوں میں کا جل کی لکیر تھی اور لہجوں پر چمکیلا گلابی رنگ بہاؤ دکھلا رہا تھا۔



دو تین دستک دینے کے بعد دروازہ کھلا۔ زیبا جہاں آراہ کو دیکھ کر متحیر رہ گئی سلام کیا اور دروازے سے ایک طرف ہو کر اندر آنے کا راستہ دیا انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

”آئیں بیٹھیں۔“ اس نے گھن میں بچھے پنگ کی طرف اشارہ کیا۔

”ماں کہاں ہے تمہاری؟“

”جی ابا کے ساتھ ہسپتال میں ہیں۔“

”خیریت؟“ جہاں آراہر مند ہو گئیں۔

”ابا کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔“

”تو..... تم نے ہمیں بتایا تک نہیں اور کیا تمہارا شوہر اس قابل بھی نہیں۔“ جہاں آراہ کو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی کہ انہیں اطلاع تک نہیں دی گئی۔

”انہیں ہم سے کوئی نسبت نہیں ہے۔“ زیبا کے لہجوں سے لگا۔

”انہیں یا تمہیں؟ وہ لینے یا اور تم نے انکار کر دیا۔“ وہ ہلکی سی سختی سے بولیں۔

”بس آپ اسی پر اعتبار کریں جو صدف کہتے ہیں۔“

”دیکھو بیٹا! اللہ نے ہمیں خوشی دی ہے۔ اسے بد بختوں میں ضائع نہیں کرتے اب سب شکوے شکایت بھول کر میرے ساتھ چلو۔“ جہاں آراہ نے بڑی محبت سے اسے سمجھایا۔

”ابا ہسپتال میں ہیں میں کیسے جاسکتی ہوں؟“

”تو صدف بھی اس گھر کا بیٹا ہے وہ دیکھ بھال کرے گا تم گھر چلو یہاں تمہارا کر کیا کر سکتی ہو؟ میری بیٹی! سب بھول جاؤ صدف کی میں خوب کھچائی کر چکی ہوں۔“

”آپ کے لیے چائے بنائی ہوں۔“ زیبا بولی۔

”میں اس کی ضرورت نہیں بس تیاری کرو اپنی حالت دیکھو۔ کیسے ہلدی جیسی رنگت ہو گئی ہے۔“

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”کہاں ٹھیک ہو؟ ان دنوں صحت کا اچھا ہونا ضروری ہوتا ہے۔“

”بس یہ میرا مقدر ہے۔“ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ گئی۔

”اللہ خیر کیا ہوا مقدر کو۔“ جہاں آراہ نے ایک دم ہی اسے بڑھ کر سینے سے لگایا۔



”امی! فی الحال تو میری جان بامیں بھنسی ہے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ نہیں چہ ہتی تھی کہ بے کار میں اس موضوع پر ان سے بات کرے کیونکہ کوئی فائدہ نہیں تھا صفر کا ذہن بدلنا اس کا اختیار میں نہیں تھا۔ بہتر تو یہی تھا کہ اس کا نام بھی نہ لیا جائے۔

”زیبا! فون ملاؤ صفر سے میری بات کراؤ۔“ انہوں نے کہا۔  
 ”وہ امی..... بیلنس نہیں ہے۔“ اس نے نظریں چمائیں۔  
 ”کوہ پھر.....“

”میں چائے بنا کر لاتی ہوں آپ آرام سے بیٹھیں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔  
 ”جا رہا ہے گی گھر۔“

”چائے نہیں بنا کی طبیعت کی وجہ سے ان کو تنہا نہیں چھوڑیں گی۔“ اس نے بتایا۔  
 ”میری بات مانو میرے ساتھ چلو صفر کو ہسپتال بھیج دیں گے۔“ جہاں آ رہا نے خیال ظاہر کیا۔  
 ”اور گھر میں کون رہے گا؟“

”ہاں یہ بات بھی ہے پھر شہر چھوڑ دیاں ہوں۔“

”جی ٹھیک ہے میں چائے لاتی ہوں اور کھانا بھی بناتی ہوں۔“ زیبا نے دھیرے سے کہا۔ ابھی اس نے دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ دروازہ پوری قوت سے ہڑو ہڑاٹھا اس کا دل اچھل کر طوق میں آ گیا۔  
 ”اللہ خیر.....“ بے اختیار کہہ کر وہ تیز قدموں سے دروازے کی طرف بھاگی دروازہ بنا پوچھنے کھول دیا تو ہونق رہ گئی۔ وہ دروازے کے عین وسط میں سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ ایک دم ایک طرف ہو کے گھڑی ہو گئی وہ جھٹکے سے اندر آتے ہوئے بولا۔

”امی! یہاں آئی ہیں نا۔“

”جی اندر ہیں مگن میں۔“ اس نے مدہم لہجے میں بتایا۔

”اوہ اچھا ویسے ایک بات بتاؤ میری امی پر کون سا جادو کر رہی ہوں؟“ وہ خامی نظریں سے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ سنگ آئی۔

”جناپ نہیں کیا۔“

”وہ تو مجھ پر چل بھی نہیں سکتا۔“ وہ ہنسی سے سکرایا۔

”مجھے چلانا بھی نہیں بس میرا چچا چھوڑ دیں۔“ وہ یہ کہہ کر آگے کے چل دی وہ دنگ۔ اٹھا اس کا لہرانا اڑو پکڑ کر سختی سے بولا۔

”تم میرے دستے میں کہیں ہو ہی نہیں۔“

”پلیز چھوڑیں میری کلائی۔“ وہ بھی سختی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ لہو لہو مگر مگن کی طرف آ گیا جہاں آ ما سے دیکھ کر کھل آئیں۔

”ارے صفر! اچھا کیا تم آگے میں دعا کر رہی تھی۔“

”آپ کو یہاں آنے کی اتنی جلدی تھی؟“

”اور کتنی دیر کرتی تھی؟“ انہوں نے الٹا سوال کیا۔

”امی! مجھے بتا کر آ جاتیں ضروری کاغذات لینے گھر گیا تو وہ لاک تھا۔“ وہ بے حد بے غصے کے ساتھ بولا۔



”تمہیں بتانے کا مطلب تھا کہ مجھے نہیں آتا تھا۔“ جہاں آرانے زیبا کو اشارہ سے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔

”آپ کو بس ضد تھی۔“

”صفر! زیبا ہمارے گھر کی بہو ہے، میں لینے آئی ہوں۔“

”آپ کا جو دل چاہے کریں، ان کا بھی پلان تھا۔“ اس نے براہ راست زیبا کو گھورا۔

”آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔“ زیبا نے کہا۔

”یہ کہانی انہیں سناؤ۔“ وہ جملہ اور ہوا۔

”صفر! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اصل جھگڑا کیا ہے؟“ جہاں آرا چلا انھیں۔

”یہ ان سے پوچھیں، میں جلدی میں ہوں آفس پہنچنا ہے، بس آپ کی فکر تھی اسی لیے یہاں آیا۔“

”صفر! زیبا کے والد ہسپتال میں ہیں، تم ہمیں گھر لے چلو اور خود ہسپتال جاؤ، ہتا کرو۔“ انہوں نے حکم سے کہا تو وہ

بٹھنا اٹھا۔

”امی! مجھے آفس پہنچنا ہے۔“

”رہنے دیں امی!“

”نہیں، صفر! جو کہا ہے وہی کرو۔“

”امی! کیا کروں؟“

”ہمیں گھر چھوڑو اور ہسپتال جاؤ۔ زندگی کے سب کام ملتے رہتے ہیں۔“

”یہ آپ کا فیصلہ ہے، یہ آپ کی بہو بیگم کا؟“ وہ لفظ چبا چبا کر بولا۔

”ہم دونوں کا اسے اپنے گھر میں ہونا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے چلئے۔“ اس نے ہتھیار پھینک دیئے۔

”چلو، زیبا! ضروری سامان اٹھا لو۔“

”تھوڑا سا وقت دیں۔“ وہ حالت مجبوری میں اٹھ کر کمرے میں گئی تو وہ پیچھے ہی آگے۔

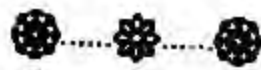
”دادو جی! ہوں تمہاری ہوشیاری کی۔“

”صفر! آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔“

”میں ٹھیک سمجھا ہوں، پولو گریا اور کھنا کاتھوں پر ٹھینوں کا تمہیں۔“

”میں جانتی ہوں۔“ وہ کپڑے سمیٹتے ہوئے بولی۔

”ہونہہ.....“ وہ پھنکار کر چلا گیا۔



دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اس نے آٹھ نکھیں موندے موندے کہہ دیا۔

”آ جاؤ۔“ دروازہ کھلا اور زینت آ پاندر آ گئیں، وہ ایک دم پیر سمیٹ کر اٹھ بیٹھی۔

”آپ..... مجھے بالالیا ہوتا۔“

”ایک ہی بات ہے، بس گھننے میں درد بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ تھوڑا بہت تو چلنا چاہیے۔“ وہ بائیں گھننے کو ہاتھ سے دباتے

ہوئے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں۔



”تو ڈاکٹر سے ٹائم لے لیتے ہیں۔“  
”ارے نہیں ڈاکٹر صاحب نے بتایا تو تھا کہ شوگر کی وجہ سے درد ہے۔“

”تو آپ شوگر پر کنٹرول کیا کریں۔“  
”کرتی تو ہوں پھر بھی بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔“  
”بس خیال رکھا کریں۔“

”چھوڑو یہ تاؤ تم ٹھیک ہو۔“ انہوں نے محبت سے اس کی ویران آنکھوں میں دور تک جھانکا۔  
”میں..... میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔“ وہ اس اچانک کے سوال پر گڑبڑ اٹھی۔

”نہیں..... ٹھیک نہیں ہو، ہمیں غیر سمجھتی ہو۔“ انہوں نے شکوہ کیا۔  
”ارے آہ! ہرگز نہیں میرا تو آپ کے سوا کوئی نہیں۔“

”تو پھر اپنا ٹائم پریشانی شیئر کیوں نہیں کرتیں؟“  
”آہ! ایسا کچھ نہیں ہے۔“

”ایسا ہے پہلے بوبلی کے کہنے پر مجھے یقین نہیں تھا مگر اب تمہیں غور سے دیکھنے کے بعد یقین آ گیا ہے۔“ انہوں نے  
ڈوق سے کہا۔

”بوبلی تو پگلا ہے۔“

”نہیں اب ایسا بھی نہیں کہو تمہیں نہ سمجھے۔“  
”ٹھیک کہتی ہیں آپ۔“

”بات کیا ہے؟“

”کچھ خاص نہیں آہ! بس زندگی میں تغیر تو آتا رہتا ہے خاص کر میری زندگی تو ہے ہی عالم خیر۔“  
”یہ تو زندگی کا حسن ہے ایک جگہ تو کھڑے رہنا کمال نہیں۔“ زینت نے اس کی بات کو حوصلہ دیا۔

”اس لیے میری زندگی پر زوال کے بادل چھائے رہتے ہیں۔“

”شرمین! بھروسہ کھو تاؤ کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں عارض نے مجھ سے معذرت کر لی ہے۔“ اس نے دھماکہ خیز مواد کو بڑی نرمی سے ان کے سامنے اٹھرایا۔  
”کیا مطلب؟“ وہ چونکی۔

”مطلب یہ کہ اس نے مجھے آزاد کر دیا ہے اپنی قسموں سے اپنے وعدوں سے اور اپنے دعوؤں سے۔“ وہ کب سے  
مسکرائی تو شدید چونکنے کی باری اب ان کی تھی۔

”عارض..... عارض نے کیا کہا؟“

”آہ! اپنی اتنی ہی واپس لے لی ہے؟“

”کیوں..... کیوں بھئی..... کیا مسئلہ ہو گیا جا سے اب؟“ وہ ایک دم مشتعل ہو گئیں۔  
”نہیں معلوم۔“

”مگر یہ کوئی کھیل تھا تاہا ہے ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ۔“

”کر سکتا تھا تو ایسا کر بھی لیا خیر آپ ٹینشن نہ لیں۔“

”شرمین! صرف ٹینشن..... مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے خود اس کے بارے میں جاننے کی کوشش



کیوں نہیں کی؟“

”اس سے کیا ہو جاتا؟ چہرے تو انسان دیکھ لیتا ہے، روح کی اصلیت کیسے جانی جاسکتی ہے۔“

”لیکن شرمین! یہ معمولی بات تو نہیں ہے۔“

”آپا! پلیز غم نہ کریں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”غم تو نہیں مگر اسوس بہت ہے اس نے اچھا نہیں کیا۔“

”اب چھوڑیں اس کو ہمیں آپ کے لیے چائے بنا کر لانی ہوں۔“ وہ ٹالتے ہوئے اٹھی مگر زینت آپا نے منع کر دیا۔

”چائے تو بن رہی ہے بابا آگے ہیں۔“

”اچھا بابا آگے۔“

”ہاں آگے ہیں مگر اپنے ساتھ اپنی بھانجی بھولی کو بھی لائے۔“

”بھولی..... یہ کون ہے؟“ شرمین نے حیرت سے پوچھا۔

”بابا کی بھانجی ہے چاری اکیلی رہ گئی تھی۔“

”اوہ تو آپ نے اجازت دے دی۔“

”دینی ہی تھی بابا پرانے خدمت گار میں لڑکی بہت اداس اور سہمی ہوئی ہے۔“

”ظاہر ہے لیکن بابا کے ساتھ رہے گی؟“

”ہاں لیکن زیادہ وہ تمہارے کام کاج دیکھے گی۔ ایک تو لڑکی ہے دوسرا تمہارے ساتھ اس کا دل بہلا رہے گا۔“

”ٹھیک سے میں ابھی ملتی ہوں اس سے۔“

”فی الحال تو کوائر میں ہے تمہکی ہوئی ہے میں نے ہی بھیج دیا۔“

”اچھا کیا۔ وہ بولی۔“

”بس بولی تاکہ منہ چڑھا رہا تھا۔“

”ہیں وہ کیوں.....؟“

”کہ کیوں رکھا ہے اس کا رکھ رکھاؤ بہت اجڈ سا ہے۔“

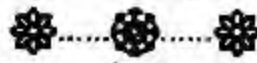
”یہ تو اس کے ماحول کی وجہ ہے خیر میں بولی تو سمجھا دوں گی۔“

”اچھا اب کوئی سوچ نہیں ہوئی چاہیے آؤ باہر اسو بونو میرے ساتھ۔“

”آپا! میں نے پہلی بار ریڈیو برداشت نہیں کی۔“

”جانتی ہوں اصل تو اس گم ذلت صبح احمد نے اذیت دی تھی۔“ زینت آپا کا منہ کڑواہٹ سے بھر گیا اس نے کرناک

مسکراہٹ سے انہیں دیکھا اور طویل سانس بھر کے رہ گئی۔



وہ بازار سے گوشت بھری اور امی کے کتا رزور پر بطور خاص پھل اور مختلف جوسز لایا۔ کچن میں سب کچھ رکھ کے بے

دھیانی سے اپنے کمرے میں آ گیا مگر اگلے ہی لمحے اسے بیڈ پر سویا دیکھ کر ٹھٹکا اور ساتھ میں تھلا کر بیڈ کے قریب پہنچ کر

و بے لہجہ اور دمہما واز میں چیخا۔

”مہارانی! یہ تھا تمہارا منصوبہ میرے کمرے میں میرے بستر پر کس رشتے سے آرام فرما رہی ہو۔“ وہ

بڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔



”وہ آپ نے سونا ہے تو میں باہر چلی جاتی ہوں۔“

”اور پھر..... پھر آ جاؤ گی رہو گی تو میرے سر پر مسلط۔“

”تو مجھے نکال دیں پھر۔“ وہ کچھ سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔

”ہنسیہ! تم نے چال ہی بڑی چلی ہے۔“ وہ گھور کر بولا۔

”کوئی چال نہیں چلی میں تو کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔“ اس نے بھی تریخ کر کہا تو وہ غصے سے پھٹ پڑا۔

”تو پھر کیوں آئیں؟ اور آتا تھا تو میری شرط کیوں نہیں مانی۔“

”آپ کی شرط تو کبھی نہیں مانی جاسکتی مجھے آپ کے ساتھ رہنے کا کوئی شوق نہیں۔“ وہ بولی۔

”اچھا..... اچھا اب جاؤ یہاں سے۔“ وہ چڑسا گیا۔

”آپ سو جائیں میں پھر ویرا می کے پاس چلتی ہوں۔“

”اور امی کو رو رو کرتا تا کہ میں نے کمرے سے نکال دیا ہے۔“ اس نے بستر پر رازہ ہوتے ہوئے کہا تو وہ ہلکی اور بولی۔

”میں اب نہیں روتی صدف صاحب۔“

”کیوں اب تم نے تاج کا ہن لیا ہے؟“ وہ طنزیہ بولا۔

”یہی سمجھا ہے میں نے میرے پاس ایسا ہی لعل ہے کہ میں اب روتی نہیں۔“ اس نے صدف کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ اُپے سے باہر ہو گیا۔

”اس لعل سمیت ہی بے عزت ہو کر باہر جاؤ گی۔“

”اگر اس کے اور میرے مقدر میں ایسا ہی لکھا ہے تو کیا ہو سکتا ہے؟“

”اس کا مقدر تمہاری وجہ سے خراب ہوا ہے۔“

”آپ کون ہوتے ہیں اتنی بڑی بڑی باتیں کرنے والے لائف کا خوف نہیں ہے کیا؟“ وہ بہت بے بس ہو کر بولی تو وہ اعتراف کر بیٹھا۔

”مجھے انسان سے حیوان بنا دیا محبت کا ایسا چہرہ دکھایا کہ نفرت کے شعلوں میں مسلسل جل رہا ہوں۔“

”آپ کو وہ قول بھول گیا تھا آپ نے کہا تھا۔“ وہ دہکی ہو گئی۔

”سب بھول گیا ہوں جب سامنے آئی ہو تو پاگل ہو جاتا ہوں۔“ وہ رخ موڑ کر بلا کمرے میں جہاں آرا داخل ہوئیں تو کچھ عجیب سا حوالہ دیکھ کر بولیں۔

”کیا ہوا..... تم کھڑی کیوں ہو؟“

”وہ بس لیٹے لیٹے تھک گئی تھی۔“ زیبانے جلدی سے وضاحت کی۔

”اور صدف! ہمیں تو ہسپتال جانا تھا جاؤ۔ شہد کیوں نہیں لائے؟“ انہوں نے کئی باتیں ایک ساتھ کہہ ڈالیں تو وہ جل گیا۔

”امی پلیز بہو۔ بے عشق میں دیوانی نہ ہو جائیں میں تھکا ہوا ہوں۔“

”خیال کرو ہسپتال میں حاجرہ بہن اکیلی ہیں کھانا لے جاؤ۔“

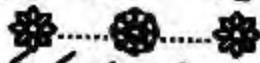
”امی تمھی جان کے پاس۔“ زیبانے کہا تو وہ بولیں۔

”بنتھی بے چاری کوئی مر نہیں ہے اسے جاؤ چاہیے۔“

”چلا جاتا ہوں آپ کو میرا احساس نہیں۔“ وہ سبل پھینک کر اٹھا اور جوتے پہنے لگا۔



”ہی! میں بھی چلی جاؤں۔“ زبانی ڈرتے ڈرتے پوچھا۔  
 ”ارے نہیں بیٹا! اس حال میں ہسپتال نہیں جانا تم آرام کرو۔“ جہاں آ رہا یہ کہہ کر باہر چلا گئیں جبکہ صفدر نے یہ موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔  
 ”ہنہہ! تم آرام کرو میں ہوں ہاتھ مارا نوکر۔“ یہ کہہ کر وہ چلا گیا تو وہ سر تمام کر بیٹھ گئی۔



ریستورنٹ کے گرم اور خواب آگیز ماحول میں آرکسٹرا کی ہلکی ہلکی موسیقی میں سب خوش و خرم کھانے پینے میں مصروف تھے۔ ایک وہی کانٹے چھری سے کھیل رہا تھا کئی روز سے بڑھی شیوے پر تریب بال سیاہ کوٹا الجھا الجھا میز کی سطح پر کھڑا کچھ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ لڑکیوں کے دلوں کو پوری قوت سے کھینچ لینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ اپنی نیبل سے شہی اور اس کے پاس آ کر مسکراتے ہوئے بولی۔  
 ”کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟“ اس نے سرخ انگارے آنکھوں سے دیکھا اور اثبات میں گردن ہلا دی۔  
 ”شکر یہ میرا نام سبزار اٹھور ہے۔“ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

”میں مسلمان ہوں۔“

”کوہ..... کہاں کے رہنے والے ہیں؟“

”پاکستان۔“

”پھر تو ہم بہت اچھے دوست بن سکتے ہیں۔“ وہ گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولی۔ سانولے رنگ پتکے نقوش کے ساتھ شارٹ کٹ میجر اسٹائل میں وہ خاصے نشئی لیکن اس نے سرسری ہی نگاہ ڈال کر اپنی سر دکافی کے گک پر نظریں مرکوز کر لیں۔

”آپ نے بتایا نہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”کیا.....؟“

”آپ کا نام؟“

”عارض۔“

”واؤ بیوٹی فل نیم۔“

”میکسکو یومی؟“ وہ یہ کہہ کر اٹھنٹا تو وہ جلدی سے بولی۔

”یو تیری ہات۔“ سناپ مجھے تہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔“

”سوری! میرا لڑکیوں سے دوستی نہیں کرتا۔“

”نہ کیچینی احوال ایک سب چائے تو ساتھ پی سکتے ہیں۔“ اس نے بہت دلنشین انداز میں کہا کہ وہ واپس نکل گیا اور

ویٹر کو قریب بلا کر چائے کا آرڈر دے دیا۔

”شکر یہ آپ یہاں روناتے ہیں؟“

”چند دنوں سے۔“

”میں بھی اکثر اسی ریستورنٹ میں آتی ہوں۔“

”آپ یہاں..... میرا مطلب ہے یہاں رہتی ہیں؟“



”نہیں نہیں میری بڑی بہن اور بہنوئی یہاں رہتے ہیں۔ میں دوسری بار یہاں آئی ہوں ہم کلکتہ کے رہنے والے ہیں۔“

”اوکے۔“ وہ مختصر سا کہہ کر خاموش ہو گیا چائے آگئی۔  
”کتنی شوگر۔“

”ون ٹی اسپون۔“

”آپ کافی ڈسٹرب دیکتے ہیں آنکھیں بھی سرخ ہیں۔“ وہ کپ اس کی طرف بڑھانے ہوئے بولی۔  
”یہ میرا پرسل معاملہ ہے، سوری۔“

”سوری آپ یہاں۔۔۔“

”برنس کرتا ہوں۔“

”پلیز مجھے غلط نہ سمجھئے، آپ کو ڈسٹرب سادیکہ کر میں رہ نہ سکی۔“ وہ وضاحت کرنے لگی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

”آپ سے مل کر اچھو لگ۔“ وہ پھر چائے اپنے اندر اٹھیل کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا ہم دوبارہ مل سکتے ہیں؟“

”ممکن نہیں ہی۔“

”میں یہاں تنہا بوری ہو جاتی ہوں۔“ اس نے برابر کھڑے ہوتے ہوئے بتایا۔

”مس سنجنا بائے۔“ وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بولا آگے بڑھ گیا۔



چھٹی کا دن تھا وہ کافی دیر سے سو کر اٹھا تو بھوک کا شدید احساس ہوا ہاتھ منہ دھو کر فوراً کچن کی طرف آیا۔ شرمین اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔ بھولی سنگ میں جمع ناشتے کے برتن دھوری تھی، برنی اندر آ کے فوراً ابکائی لیتا چنگلی سے ناک دبا کر باہر نکلا۔ شرمین کچھ نہ سمجھ کر باہر نکلی تو وہ برس پڑا۔

”تم پاگل ہو یا تمہاری ناک بند ہے کس قدر گندے تیل کی بو آ رہی ہے اور تم اس کے ساتھ کچن میں ہو۔“

”کون سی بو کس کے ساتھ؟“

”وہی جو بیا تھلا لائے ہیں مس بھولی!“

”ہش..... ایسی کیا بات ہے تیل اس نے لگایا ہوا ہے تمہیں کیا؟“ شرمین نے ہنس کر ڈانٹا۔

”اور سارا گھر سڑ رہا ہے جہاں سے گزرتی ہے گندے تیل کی بو آ رہی ہے اور کپڑے بھی کتنے گندے ہیں؟“

”اچھا اچھا تم بتاؤ کیا کرنے آئے تھے؟“ شرمین نے دھیرے سے اس سے بریک ڈائی کی کہ کہیں بھولی سن نہ لے۔

”ناشتا کرنا ہے باہر لان میں۔ آف میرا سر چکر رہا ہے۔“ وہ کہتا ہوا باہر سے ہی لان کی طرف چھا گیا وہ اندر آئی تو

بھولی ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”ہوں تو برتن دھل گئے۔“

”جی ہاجی!“

”بھولی! تم پریشان نہ ہونا بس یہ چھوٹے صاحب ذرا نازک مزاج ہیں۔“

”جی ہاجی!“ وہ نازک مزاج کا مطلب تک نہیں جانتی تھی بس ویسے ہی کہہ دیا۔



”اچھا دیکھو کچھ دیر بعد میرے کمرے میں آنا اب بڑی بیگم صاحبہ کے پاس جاؤ ان کو کوئی کام ہے تو کرو۔“ شرمین نے بہت نرمی سے کہا۔

”میں کوشش کروں گی کہ آپ کی باتیں سمجھ جاؤں۔“ وہ بظہر ظہر کر بولی تو شرمین کو اس کی معصومیت پر ہنسی آ گئی۔

”ہاں! بالکل سب سمجھ میں آ جائے گا فکر نہ کرو خوش رہو۔“

”مجھے ماں یاد آتی ہے اپنا گھریا آ رہا ہے۔“ وہ ایک دم ہی رونے لگی۔

”ارے ایسے تھوڑا کرتے ہیں کیا یہ گھر نہیں ہے؟ تمہارے ماموں ہیں ہم سب ہیں اپنا دل لگاؤ۔ مرنے والوں کے ساتھ مرنے نہیں سکتے۔“ شرمین نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر سلی دی۔

”میں یہاں رہنے کے قابل نہیں۔“

”کیوں؟ میں تمہیں طریقہ بتاؤں گی ابھی تم جاؤ میں چھوٹے صاحب کا ناشتا بنا لوں پھر بات کریں گے۔“

”بی بی جی! آپ بھی جا میں بابا کے لیے ناشتا میں بنا کر لاتا ہوں۔“ اسی وقت خانسا ماں آ گیا۔ شرمین نے ان کے کہنے پر اپنا چائے کا کپ لیا اور باہر لان میں بوبلی کے پاس آ گئی وہ اخبار پڑھ رہا تھا۔

”خانسا ماں ناشتہ لارہا ہے۔“

”لو کے۔“ بوبلی نے دلچسپ نظروں سے اس کے نکمرے نکمرے سادہ سے چہرے کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اپنے خیالوں میں محو چائے کی چسکی سے تھی کسی عارض کا چہرہ نظروں میں تھا۔ بوبلی کے لیے ناشتا آ گیا تو وہ بولا۔

”میرا ساتھ نہیں دو گی؟“

”کوں ہونہہ..... نہیں بس ایک مرتبہ ناشتا کر چکی ہوں۔“

”تو کیا ہوا؟“

”تو یہ کہ مزید کی گنجائش نہیں۔“

”پلیز تھوڑا سا۔“

”بوبلی! ہر بات کی ضد نہیں کرتے۔“

”تو پھر مان کیوں نہیں جاتیں۔“ وہ ناشتا چھوڑ کر بیٹھ گیا اور وہ مزید غصے میں آ گئی۔

”ہر بات ماننے کی نہیں ہوتی۔“

”مجھے تمہاری ہر بات ماننا اچھا لگتا ہے۔“

”تمہاری اپنی مرضی ہے اور میری اپنی۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”شرمین! اگر تم کہیں تو میں سارے برتن توڑ دوں گا۔“ اس نے دھمکی دی۔

”توڑ دو اس طرح تم مجھے تہوڑ کرتے ہو۔“ وہ بھی ضد پر اڑ گئی۔

”تو پھر یو۔“ بوبلی نے ٹرے اٹھا کر فرش پر دے ماری اور منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

”بوبلی! مجھ سے اب بات مت کرنا۔“ وہ غصے سے کہہ کر چلی گئی تو اسے اور زیادہ غصہ آ گیا پیچھے سے چلایا۔

”کچھ نہیں کھاؤں گا بھوکہ مر جاؤں گا سن لو۔“ مگر وہ رکی نہیں۔



بوبلی نے جیسا کہا ویسا ہی کرنا تھا شرمین کو اندازہ تھا مگر پھر بھی وہ ذہن جھٹک کر بھولی کے لیے اپنے پرانے ذرا چھوٹے سا تڑوالے کپڑے تلاش کر کے نکالتی رہی۔ بھولی آنکھیں پھاڑے اس کے کمرے کو دیکھ رہی تھی اس نے ایسا



کرہ صرف فی دی ڈراموں میں دیکھا تھا۔

”کیا دیکھ رہی ہو؟“ شرمین نے پوچھا۔

”ہاں! آپ کا کمرہ آپ کی طرح خوب صورت ہے۔“

”ارے تم تو بڑی اچھی باتیں کرتی ہو۔“

”ہاں! مجھے باتیں نہیں آتیں۔“

”آجائیں گی۔“

”آپ سے سیکھ جاؤں گی۔“

”اچھا یہ لو کپڑے تمہارے لیے ہیں اور بھی بازار سے لا دوں گی۔“

”یہ بہت اچھے ہیں۔“

”ہاں لیکن میری بات توجہ سے سنو اچھی طرح نہانا بالوں کو شیمپو کرنا اور یہ تیل اب نہیں لگانا بڑی گندی سی بو ہے۔“

”اچھا جی۔“

”اور یہ اتنا سرمہ بھی نہیں لگاتے۔“

”یہ کچل ہے (کا جل ہے)۔ اس سے تھکھیں مٹائیں۔“

”کچل بھی ہے یہ اتنا نہیں لگاتے۔ اس نے سمجھایا۔“

”میری آنکھیں اچھی نہیں ہیں؟“

”اچھی ہیں تم بہت اچھی ہو بس اب کچھ تھیدی لاؤ۔ اس نے اپنے دو پلیپر بھی اسے نکال کر دیئے۔“

”بس جاؤں؟“

”ہاں پہلے نہاؤ صاف ستھری بنجی بن کر آنا۔“

”جی اچھا۔“ وہ مسکراتے ہوئے نکلے تو شرمین نے کہا۔

”اپنے ماموں کو میرے پاس بھیج دو۔“

”ماموں تو باہر گئے ہیں۔“

”جب آجائیں تب۔“

”ٹھیک ہے بس کمرہ صاف کرنے کب آؤں؟“

”نہا کر صاف ستھری ہو کر آ جاؤ۔“ وہ چلی گئی تو وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ بونی ابھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا

اس کے لیوں پر۔ بے ساختہ مکان نکھیل گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)







آپ کے دل میں

تھک گیا ہے دل وحشی مرا فریاد سے بھی  
جی بہلتا نہیں اے دوست تری یاد سے بھی  
اے ہوا کیا ہے جو اب نظم چمن اور ہوا  
صید سے بھی مراسم ترے، صیاد سے بھی

”نزاکت بیٹا کہاں ہو؟ بھائی آ گیا کھانا لگا دو۔“  
نی وی پر اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھتے ہوئے نزاکت کے  
کانوں میں امی کی آواز آئی تو وہ منہ بناتے ہوئے اٹھ  
کھڑی ہوئی۔  
”چلو خیر ہے میں روپیٹ ٹیلی کاسٹ میں دیکھ لوں  
گی۔“ اس نے سوچتے ہوئے پگن کی راہ لی۔  
کھلے برآمدوں اور مچن پر مشتمل یہ چار کمروں کا گھر  
کینوں کے لیے کافی تھا اگرچہ PECHS میں لوگوں  
نے پرانے گھر توڑ کرنے اسٹائش گھر تعمیر کر لیے تھے مگر  
نزاکت کی امی عالیہ بیگم کو یہ گھر بے حد عزیز تھا جس کی  
مالیت ہی کروڑوں روپے تھی۔ مرنے سے پہلے ان کے  
سسر نے وہ کام کیا تھا جتنا زیادتی کوئی نہ کر سکا اور اپنا گھر  
اپنی بہو کے نام کر دیا بیٹے کو دیکھا کر انہوں نے باقاعدہ  
اجازت لی۔



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)







چھپ گیا۔  
 ”خالہ مجھے اس بلڈوزر سے بچائیے۔“ وہ گھگھیا کر  
 مسکین سی شکل بنا کر بولا۔

”نزاکت پاگل ہوئی ہو احتشام تم سے بڑا ہے کیوں  
 ہاتھ پائی پر اترا آئی ہو؟“

”امی سمجھالیں اس کالے دیو کو میرے منہ نہ لگے  
 ہر وقت میرے کھانے کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔“  
 نزاکت چمچ پھینک کر رونے لگی اور عالی بیگم کے ہاتھ  
 پاؤں پھول گئے۔

انہوں نے بڑھ کر نزاکت کو گلے سے لگایا اور احتشام  
 کو کمر پر لٹکا کر دھڑ دھڑا کر لے گئے۔

”بہت تنگ کرتے ہو میری بیٹی کو آنے دو تمہارے  
 خالو کو میں شکایت کروں گی میری نازک پدمنی کو تم موٹی  
 کہتے ہو۔“ عالی کی شرارت محسوس کر کے احتشام نے ان  
 کے گلے میں ہاتھیں ڈالتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”میں کہاں تنگ کرتا ہوں اس بارہ من کی دھوبن کو۔“  
 نزاکت نے گھور کر دونوں کی طرف دیکھا اور غصے سے  
 واگ آؤٹ کر گئی۔

”کیا بدمعاشی ہے احتشام۔“ خالہ نے قہر آلود نظروں  
 سے اسے گھورا تم جانتے ہو، تمہارے ساتھ کھانے کے  
 لیے بھوک پیٹھی تھی اور تم نے مارا من کر دیا۔ جانتے ہو وہ  
 بھوک کی کتنی کچی ہے۔“ نزاکت کمرے میں آ کر پھوٹ  
 پھوٹ کر رونے لگی۔ احتشام جو اس کے من میں مدتوں  
 سے بسا تھا جس کی ہر بات اس کے سینے میں محبت کے  
 سونے جذبات میں آگ لگا دیتی تھی وہ جب اس کو مذاق  
 کا نشانہ بنانا تو وہ اللہ سے شکوہ کرنے لگی کہ اللہ تو نے مجھے  
 موٹا کیوں بنایا اور امی نے زیادہ کھانے کی عادت کیوں  
 ڈالی؟“ وہ جب بھی ڈانٹنگ کرنے لگتی اس کے ہاتھ  
 پاؤں پھول جاتے اور پینٹ میں آنکھوں سے ہونے لگتی  
 آج بھی وہ روتے روتے سو گئی اور خواب میں اپنے  
 شہزادے کے ساتھ محبت کی دادیوں میں گھومنے لگی۔

”کھٹ کھٹ!“ اس کا سینہ پھٹا ٹوٹ گیا۔

کی گوری رنگت لے لے گئے بال اور بڑی بڑی آنکھیں اس  
 کے منہ پرے میں چھپ سی گئی تھیں۔ اس کا منہ سارا دن چلتا  
 رہتا تھا اور برگر اور جنک فوڈ اس کی کمزوری اسے اس بات  
 کی کوئی پروا نہیں تھی کہ لوگ کس طرح اس کے منہ پرے کا  
 مذاق اڑاتے ہیں مگر جب احتشام اسے ”موٹی“ کہہ کر  
 بلاتا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ آج بھی  
 جب اس نے کھانے کی ٹرے احتشام کے سامنے رکھی تو وہ  
 کراہ کر بولا۔

”نزاکت خدا کے لیے تم آلو تم پکایا اور کھایا کرو ورنہ کھا  
 کھا کر کسی دن پھٹ جاؤ گی خدا جانے خالہ نے تمہارا نام  
 ”نزاکت“ کیوں رکھا تمہارا نام تو میرے حساب سے  
 ”برکھم کی آخری توپ“ ہونا چاہیے تھا بھلا تمہارا ”گوشت  
 کے پہاڑ“ کا نام نزاکت۔“ اس نے حرا سے بریانی  
 کھاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”احتشام بھائی!“ نزاکت زور سے دھاڑی آپ  
 کون ہوتے ہیں مجھے ٹوکنے والے خود کو دیکھا ہے کبھی  
 آئینے میں اونٹ رے اونٹ تیری کون سی گل سیدھی  
 شروع کر دو تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔“ نزاکت نے  
 براسمانہ بنایا تو احتشام کا لٹک شکاف قہقہہ بلند ہوا کیونکہ  
 یہ حقیقت تھی کہ اپنے ۶ فٹ ۳ انچ قد اور کسرتی جسم کے  
 ساتھ وہ بے حد سمارٹ اور نمایاں لگتا تھا لیکن رنگ اس کا  
 کافی دیتا ہوا تھا جس پر اکثر نزاکت چوٹ کستی رتی تھی۔

”تم جلتی ہو میری اسٹارٹس سے۔“ اس نے  
 پھر چھیڑا۔

”میری جلتی ہے جوتی۔“ نزاکت بھنا کر بولی۔  
 ”بھلا کالے کو۔۔۔ سے میں کیوں جلوں گی۔“ وہ بھی

اس کی رنگت پر چوٹ کرنے سے باز نہیں آئی۔  
 ”خیر مجھے گندی رنگ بے حد پسند ہے بلکہ لڑکیاں تو  
 مرتی ہیں میرے رنگ پر تمہاری طرح تھوڑی ”پھیکا شلجہ“

یا ”ماش کی دھلی وال۔۔۔۔۔“ اس نے جملہ چست کیا جو  
 نزاکت کی برداشت سے باہر تھا وہ چمچ لے کر اس کے  
 پیچھے دوڑی تو وہ کمرے میں داخل ہوئی خالہ کے پیچھے



”آ جاؤ بھئی کون ہے؟“ وہ بیزاریت سے بولی اور اٹھ کر بیٹھ گئی تب احتشام اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی اس نے گھبرا کر دوپٹے اپنے شانوں پر پھیلا لیا۔

”آپ کیوں آئے ہیں میرے کمرے میں؟“ وہ تلخی سے بولی۔ ”تمہیں کھانا اٹھانے پتہ ہے جب تم بغیر کھائے اٹھ گئیں تو مجھ سے بھی کھایا نہیں گیا۔“ احتشام پیار سے بولا۔

”مجھے نہیں کھانا آپ کھالیں۔“ وہ روٹھ کر کرسی پر آ بیٹھی۔

”ناراض ہو.....؟“ اس نے پیار سے پوچھا۔

”میں بھلا حسن کے دیوتا سے کیوں ناراض ہونے لگی موٹی بھدی گوشت کا پہاڑ۔ آپ پر تو لڑکیاں مرنی ہیں تو انہیں کے پاس جائیں۔“ آخر میں اس کی آواز بھرا گئی اور احتشام کو ہنسی آ گئی وہ اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لیتے ہوئے جذب کے عالم میں بولا۔

”میں تو تم سے مذاق کرتا ہوں نزاکت تم جیسی بھی ہو خدا کی قسم میری جان ہو میں تو تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بس تمہارا روٹھنا اور منہ پھلانا اچھا لگتا ہے اس لیے چھیڑتا ہوں۔“ نزاکت نے بے ساختہ نظریں اٹھائیں اس کی نگاہوں میں محبت کا ایک ٹھاسے مارتا سمندر تھا اور الفاظ میں سچائی اور گہرائی اس کی نگاہیں جھک گئیں۔

”خدا کے لیے نزاکت اب مان بھی جاؤ کتنی بد ذوق اور کوڑھ مغز ہو جس مزاج بالکل کہیں مٹاپے میں چھپ گئی۔“ وہ پھر چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

”بھرمذاق۔“ نزاکت بھنا گئی۔

”حد ہو گئی۔“ احتشام کراہ کر بولا۔ ”یہاں چوہوں نے پیٹ میں قیامت مچا رکھی ہے باقاعدہ ریس ہو رہی ہے اور تمہیں احساس ہی نہیں۔ روٹھنے سے فرصت نہیں۔“

”بلی چھوڑ دیجیے!“ وہ شرارت سے بولی پھر ٹرے کی

طرف ہاتھ بڑھا دیا اور دونوں ہاتھوں میں کھانا کھانے لگے۔

”اب تو ناراض نہیں ہونا موٹی بھینس۔“ نزاکت نے تڑپ کر نگاہیں اٹھائیں وہ مسکرا رہا تھا اور ایک خوب صورت مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر اجالا سا بکھیر دیا تھا اس کی روشن آنکھیں نہیں رہی تھیں نزاکت نے پہلے غصے سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی پھر اس کے سحر سے متاثر ہو کر نظریں جھکا لیں پھر اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی ہوئی ٹرے اٹھا کر باہر نکل آئی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور من میں مدھر نعشوں کی گونج تھی۔



دن یونہی گزر رہا ہے تھے نزاکت اور احتشام کی ٹوک جھونک اور لڑائی جھگڑ۔ جاری تھے سارا دن عدالت لگی رہتی اور عالیہ بیگم دونوں کو سمجھا سمجھا کر عاجز آ جاتیں اسی دوران علیم الدین کے آہے بچھڑے بھائی جو انہیں گئے بھائیوں کی طرح عزیز تھے مدھی کے چھٹیاں گزارنے لاہور سے آ گئے۔ ان کی اکلوتی بیٹی بے حد گھدی اور اسماٹ تھی نزاکت کو خواہوا اپنے مٹاپے کی وجہ سے احساس کمتری ہونے لگی۔ وہ تھوڑی سی خود سزا اور خیر ملی بھی تھی۔ ”خدا جب حسن بنا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔“ اس کو اپنی خوب صورتی پر غرور بھی بہت تھا اس لیے جانے کیا کیا چہرے پر لگائی اور کھائی رہتی تھی۔ قیمتی قیمتی لوہنڑ پر فومز اور ڈائمنٹ جارن۔ ہر وقت وہ انہی کی ٹکر میں رہتی تھی اس کے لیے کھانا بھی ایک مسئلہ تھا گھر اس کے باوجود جو تازگی نزاکت کے چہرے پر تھی ابھر وہ مفقود تھی۔ نہ اس کی رنگت میں گلابوں جیسی مہک تھی نہ شبنم جیسی تازگی۔ ڈائمنٹ کر کے اس نے اپنا رنگ روپ اور چہرے کی تازگی دکھا کر ختم کر دیا تھا۔ برخلاف اس کے اس کا بھائی عالیان بے حد خوش مزاج اور خوش اخلاق تھا اور جلد ہی اس کی احتشام سے دوستی ہو گئی تھی اگرچہ علیم الدین کے یہ کزن ٹھیک ٹھاک متمول تھے لاہور ڈیپارٹمنٹس میں ان کا ہزار گز کا گھر ان کی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھا لیکن غرور و تکبر ان میں نام کو نہیں تھا۔ شروع شروع تو نزاکت کے امی ابو





آج کل نزاکت سخت پریشان تھی۔ عالیان کا انتقال اس پر دن بدن بڑھتا جا رہا تھا وہ جس طرح مجسم لہوں سے اس کی طرف دیکھتا اس کا دس چاہتا اس کی آنکھیں نوج لے پا زمین پھٹے اور وہ اس میں سا جائے شہرینہ کو ڈاکٹر بننا دیکھ کر اب اس کو اپنے سابقہ فیصلے پر افسوس ہو رہا تھا۔ عظیم الدین ڈاکٹر تھے اور ان کی شروع سے خواہش نزاکت کو ڈاکٹر کے روپ میں دیکھنے کی تھی مگر وہ بے حد ڈر پوک اور بزدل تھی مینڈک کی چر بھاڑ اور ارتھ وارم دیکھ کر اس کا جی مٹلانے لگتا۔ اس کے باوجود اچھے نمبروں سے پاس ہونے کے اس نے میڈیکل لائن اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا اور بی کام میں داخلہ لے لیا لیکن اپنے خالو کی اس خواہش کا احترام احتشام نے کیا اور اب وہ ہاؤس جاب کے بجائے USMLE کی تیاری کر رہا تھا ساتھ ہی خالو کے پرائیویٹ کلینک میں بھی بیٹھتا تھا جو وہ صبح سرکاری ملازمت کے بعد شام کو چلاتے تھے جب احتشام اور شہرینہ اس پیشے سے متعلق گفتگوں باتیں کرتے تو نزاکت کے سینے پر سانپ لوٹ جاتے اسی دوران جب عالیہ نیگم سے جھٹائی نے نزاکت کے لیے عالیان کے دستے کی بات کی تو انہوں نے شوہر کو بتانا ضروری سمجھا اور وہ سوچ میں پڑ گئے۔

”نیگم میرا تو خیال احتشام اور نزاکت کے رشتے کے لیے تھا ہمارے سامنے کا بچہ ہے پھر اس طرح نزاکت بھی ہماری نظروں کے سامنے رہے گی یعنی کہ ”ہلدی لگی نہ پھکری رنگ بھی چو کھا آئے.....“ وہ ذرا بھی سنجیدہ نہ تھے اس رشتے پر۔

”سوچا تو میں نے بھی۔ ہی تھا لیکن دونوں جس طرح ایک دوسرے سے لڑتے ہیں مجھے نہیں لگتا کہ ساری زندگی ایک دوسرے کو برداشت کریں گے۔“

”خیر لڑنے جھگڑنے کی تو بات ہی مت کریں ہم تم نہیں لڑتے کیا؟“

”عظیم الدین صاحب، ہم میاں بیوی ہیں ایک

اپنا گھرانہ کے شایان شان نہ ہونے کی وجہ سے کچھ شرمندگی کا شکار رہے لیکن ان کے کزن کے رویے نے جلد ہی یہ احساس زائل کر دیا۔ خاص طور پر عالیان بالکل اپنے والدین کا پرتو تھا سنجیدہ پرکشش اور عاجزی کا بیکر جبکہ اس کی بہن شہرینہ بالکل الٹ تھی۔ عالیان کو حیرت ہوتی تھی جب سارا دن احتشام و نزاکت کا مذاق اڑاتے دیکھتا کیونکہ اس کی گلابی رنگت، ٹھیکے نقوش، بھرا بھرا گداز بدن اور گٹاؤں جیسی زلفیں اس کے دل پر اثر کرنے لگی تھیں اور آنکھوں میں بس گئی تھیں۔ اس کو یقین تھا کہ سچی جان نزاکت کے لیے احتشام کو ہی زندگی کا ہم سفر جنس کی مگر احتشام اور نزاکت کی سارے دن کی نوک جھونک نے اس کو قدرے اطمینان دلایا کہ نزاکت کو اپنانے میں کوئی رکاوٹ حاصل نہیں۔ اسی دوران احتشام دوستوں کے ساتھ بارون امپریاز گھومنے چلا گیا تو نزاکت کو لگا اس کا دل ہی نہیں پورا گھرویراں ہو گیا۔ ایک دن موقع دیکھ کر عالیان ماں سے لپٹ گیا۔

”اماں مجھے نزاکت چاہیے۔“

”باؤلا ہوا ہے نزاکت نہ ہونی کوئی کھلونا ہو گیا۔“ وہ بگڑ کر بولیں پھر کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئیں۔ ”میرا خیال ہے بھابی نزاکت کی شادی احتشام سے کریں گی گھر کا اور دیکھا بھالا بچہ ہے۔“

”پہلے میرا بھی یہی خیال تھا لیکن آپ نے خود بھی دیکھا ہے دونوں سارا وقت لڑتے رہتے ہیں ایک منٹ ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتے اور پھر شادی تو ساری زندگی کا فیصلہ ہے۔“ عالیان جلدی سے بولا۔

”کہہ تو تم ٹھیک، تم رہے ہو نزاکت مجھے بھی پسند ہے مگر.....“ وہ شرارت سے بولیں۔

”ذرا سوچی ہے مگر خیر شہر اور بکری جب ایک گھاٹ پر پانی نہیں کے تو وہ خود خود بخود ملتی ہو جائے گی۔“

”مگر اماں یہ تو آپ کے ساتھ زیادتی ہوگی۔“ عالیان نے احتجاج کیا۔ ”آپ تو پہلے ہی بہت دہلی پتی ہیں۔“ عالیان کے جوانی حملے پر چچی کی ہنسی چھوٹ گئی۔



احتشام کی باہر کی تعلیم کا پورا خرچہ خود اٹھائیں گی بلکہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے میں اس کی پوری پوری مدد کریں گی۔ عالیہ بیگم خوش ہو گئیں مرنوم بہن بہنوں کے آگے سرخرو ہو جائیں گی جب احتشام کو ایک اونچا مقام مل جائے گا مگر جب انہوں نے اپنے شوہر سے رشتے کی بات کی تو خرچے کی بات گول کر گئیں کیونکہ وہ جانتی تھیں احتشام کو وہ بے حد چاہتے ہیں انا بہت اور خود دار بھی بہت ہیں خرچے کی بات سن کر ہنسنے سے اکھڑ جائیں گے۔



نزاکت رات کا کھانا تیار کر رہی تھی کہ عالیان دبے پاؤں اندر آیا گیا وہ گھبرا گئی۔

”آپ باہر چلیں گے کچھ چیز کی ضرورت ہے تو کہہ دیں میں دے دوں گی۔“

”آخر تم مجھ سے اتنی کتراتے کیوں ہو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ چچی جان نے تمہارے رشتے کے لیے ہاں کر دی ہے بلکہ احتشام بھی میرا بہنوئی بن جائے گا۔“ اس کا لہجہ خنما اور نود ہو گیا۔

”بس چند دن کی دہری ہے پھر تم ہمیشہ کے لیے میری بنادی جاؤ گی اور شہرینہ کو بھی اس کی خوابوں کی تعبیر مل جائے گی وہ بھی احتشام کو بہت پسند کرتی ہے۔“ وہ باہر جا چکا تھا سینے میں ایک گنگا کرنزاکٹ کولگا اس کا وجود شعلوں کی زد میں ہے اس کے کانوں نے یہ کیا سنا تھا کیا محبت کی عمر اتنی مختصر تھی کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ خواب دریا برد ہو گئے۔

”جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے۔“

وہ بری طرح رونے لگی تب عالیہ بیگم نے کچن میں قدم رکھتے ہوئے خوشی خوشی اس کے کانوں میں زہرا نڈیلا۔

”نزاکت میں نے تمہاری بات عالیان سے اور احتشام کی شہرینہ سے طے کر دی ہے اب میری بیٹی راج کرے گی۔“ انہوں نے بے اختیار اسے گلے سے لگانا۔

دوسرے کا لباس ایک دوسرے کی عزت ایک دوسرے کی ضرورت..... ہمیں نامہ ساتھ رہنا ہے کیونکہ نکاح کا بندھن اگر فریقین چاہیں تو سب سے مضبوط..... ورنہ دھماگے سے بھی زیادہ تازک بندھن ہوتا ہے اور اس رشتے کو مضبوطی صبر ایثار اور قربانی، تحمل و برداشت دیتا ہے۔

ہزاروں اختلافات کے باوجود ہم اسے دل میں نہیں رکھتے۔ کیونکہ محبت تو اس پانی کی طرح ہوتی ہے جو کھڑا رہے تو بدبو دیتا ہے سڑ جاتا ہے اور ناپاک ہوتا ہے اور بہتا رہے تو پاک اور صاف ہوتا ہے اور جس رشتے میں پہلے ہی اتنی دراڑیں ہوں وہ نکاح کے بعد کیا بھر جائیں گی؟“

”بات تمہاری ٹھیک ہے مگر میں چاہتا ہوں تم ایک مرتبہ نزاکت اور احتشام سے پوچھ ضرور لو ورنہ نساہت ہو بعد میں پچھتا پڑے۔“ عالیہ بیگم سوچ میں پڑ گئیں اور نزاکت کی ماں بن کر تھوڑی سی خرد غرض بھی۔ مالی طور پر احتشام کا عالیان سے کوئی مقابلہ نہیں تھا احتشام کو مستقبل بنانے میں نام لگنا تھا جبکہ عالیان وکیل ایشیاء تھا۔ سی اے کے بعد وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھا۔ تین لاکھ کی پرسنل تنخواہ کے ساتھ گاڑی بولس علیحدہ پھر اپنی باپ کی جائیداد کا تباہ وارث۔

ان کے میاں بھی ڈاکٹر تھے ساری زندگی وہ تمہائی کا شکار رہیں۔ ان کے پاس گھر کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا تھا وہ تو اتوار کو بھی اپنے پرائیویٹ کلینک جاتے تھے تب جا کر عزت سے گزر رہے ہوتی تھی۔ ہر قریب میں عام طور پر وہ تنہا ہی شریک ہوتی تھیں اور انہیں اکثر علیم الدین سے اس کی شکایت بھی رہتی تھی۔ اور بھانجا بھی ڈاکٹر بن رہا تھا وہ کیسے اپنی بیٹی کو اس غیر محسوس آگ میں جھونک دیتیں جس کا شکار وہ ساری زندگی رہیں وہ تو اکثر مذاق مذاق میں کہتی بھی تھیں کہ خدا نہ کرے کہ کسی کی شہادی ڈاکٹر سے ہو۔“ ان کو احتشام سے بے حد محبت تھی مگر بیٹی کی مانتا اس پر غالب آگئی اور انہوں نے نزاکت سے پوچھے بغیر ہاں کر دی تب جھٹانی نے جھکتے ہوئے شہرینہ کے لیے احتشام کا رشتہ مانگ لیا ساتھ ہی انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ



”امی.....!“ نزاکت زور سے چیخ پڑی۔ ”یا آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ مگر انہوں نے اس کے تاثرات جانے بغیر سلسلہ کلام جاری رکھا۔

”مجھے یقین ہے کہ تم بے حد خوش رہو گی، ٹھیک ٹھاک دیکھے بھالے جانے پہچانے اور پیسے والے لوگ ہیں پہلے میرا ارادہ احتشام کے لیے تھا لیکن تم دونوں کو توڑنے ہی سے فرصت نہیں میں نے سوچا اپنی مرضی تم دونوں پر مسلط کرنا ٹھیک نہیں احتشام بھی سوچ سکتا تھا خالہ نے اس سے اساتوں کا بدلہ لے لیا، پھر ہم اس کو کیا دے سکتے تھے جو شہرینہ سے شادی کر کے اس کو طے والا ہے۔“

”امی مجھ سے پوچھو لیتیں یا آپ نے کیا کر دیا آپ اور ابو تو گھر کی ایک معمولی چیز بھی مجھ سے پوچھے بغیر نہیں خریدتے اور میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی طے کر دیا آپ نے کب مٹی کو دولت کے پیچھے بھاگتے دیکھا تھا؟ کب زندگی میں ادوی چیزوں کو میں نے اہمیت دی، میری دنیا تو بڑی محدود اور میرے خواب تو بڑے سادہ تھے آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ دولت میری ترجیحات میں شامل ہے آپ نے دولت کے ترازو میں میری خوشیاں تول لیں امی آپ نے یہ کیا کیا؟“ وہ بغیر ماں سے کچھ کہے دل ہی دل میں سوچتی ہوئی کمرے میں آگئی اور کمرہ بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی آج اسے احتشام شدت سے یاد آ رہا تھا اور شاید یہ اس کی محبت کی شدت ہی تھی کہ احتشام اپنا دورہ مختصر کر کے آ گیا اور حیران رہ گیا۔

”نزاکت یہ تم ہو؟“ اس نے حیرت سے اس کے سر پر ہاتھ لگاتے ہوئے کہا جو جل جل کر اور کوڑھ کوڑھ کتا دھا بھی نہیں رہا تھا اس کے سامنے نزاکت کی شکل میں ایک نازک دھان پانسی دو شیزہ کھڑی تھی جس کی آنکھوں میں دکھ کے سائے لگورے۔ لہہ تھے اور چہرہ حسرت و یاس کی تصویر بنا ہوا تھا۔

”موتی تم نے میری بات کو سیریس لے لیا۔ پار مجھے تو اپنی وہی گول منول ہنسی کھٹکھٹاتی نزاکت ہی پسند ہے

### غزل

بھلا دوں گی تجھے میں ذرہ دل پر اختیار ہونے دے  
سب کی دوا کروں گی زخموں کو بے شمار ہونے دے  
رنجشوں کے سوا تو نے دیا بھی کیا اے زندگی!  
اب اجل کو ہی میرا طلب گار ہونے دے  
قبل اس کے کہ ہر سانس اٹکوں میں ڈوبے  
مت باندھ باندھ دل پر آنکھیں اٹکھار ہونے دے  
اب کرنے کو اس ہر جائی پر بچا ہی کیا تھا  
بے وفائی پر اپنی اس کو شرمسار ہونے دے  
تیری آغوش میں ہی بکھروں گی یہ ارمان زندہ رکھ  
بس میرے درد کی حدوں کو پار ہونے دے  
حیرا قریشی..... لاہور

لڑتی جھکڑتی غصہ کرنی اور برے برے منہ بتاتی۔  
نزاکت کا دل چاہ رہا تھا جھاڑے مارنا کر روئے۔  
”کیا بات ہے وزن کے ساتھ ساتھ قوت گویائی بھی  
رضت ہوئی لگتا ہے میری جدائی کا زیادہ ہی اثر ہو گیا۔“  
دوشوئی سے بولا اور نزاکت جواب دے بغیر پلٹ گئی۔



رات اس نے خال کو جالیا۔

”خالہ امی کوئی خاص بات ہے کیا مہمان بھی اب  
تک نہیں ہیں کہیں ان کا دل آپ کے خور و بیئے پر تو  
نہیں آ گیا۔“ اس نے شرارت سے کالر جھاڑے۔ اور  
وہ ہنس پڑیں۔

”شریر کہیں کا اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا ہے دراصل  
تیری تانی نے نزاکت کو عایان کے لیے مانگا ہے اور  
شہرینہ کے لیے تجھے پسند کیا ہے اور میں نے ہاں کر دی۔“  
پیدیکھے بغیر کہ احتشام کے ماتھے پر انگنت ٹکٹوں کا جال تن  
گیا ہے اور شرمیا آنکھوں میں نگاہ بونکنے لگے ہیں۔

”بیٹا عالیان بہت بڑی پوسٹ پر کام کر رہا ہے پھر تانا  
تانی بھی کافی متمول ہیں گاڑی بنگلہ لو کر چا کر روپے پیسے  
کی ریل ہیل میری بیٹی عیش کرے گی پھر شہرینہ سے رشتہ



ہے اب تو بھائی کہنا چھوڑ دو اور سنو آئندہ میرے سامنے مرنے کی باتیں مت کرنا میں کیا تمہارے بغیر زندہ رہ سکوں گا ہم دونوں ہی ان شاء اللہ ایک ساتھ زندہ رہیں گے کس کی ہال جو میری موتی بھینس کو مجھ سے جدا کرے۔ "نزاکت کو ہنسانے کے لیے اس نے چھیڑا مگر اس کے آنسو نہ تھے۔

"بے شک آپ ٹھہرینہ سے شادی کر لیں وہ خوب صورت بھی ہے اور دولت مند بھی لیکن اگر میری شادی عالیان سے کی گئی تو میں خودکشی کر لوں گی۔" اس نے دھمکی دی۔

"خبردار" وہ خفا ہو گیا۔ "اب اگر تم نے مرنے مارنے کی باتیں کیں تو پٹ جاؤ گی اور رہا شہرینہ سے شادی کا سوال تو بھی مو ملہ دل کا ہے دل گدھی پر آئے تو پری کیا۔ ہمیں تو اپنی یہ بھینس ہی پسند ہے جو جل جل کر اب سچ سلانی ہو گئی ہے اور بالکل اچھی نہیں لگ رہی بس تم خوش رہو اللہ کے بعد مجھ پر بھروسہ کھو میں اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں۔"



خالو کا کینک عموماً احتشام ہی کھولتا تھا آج اس نے خاص طور سے اینڈنٹ ٹوٹا کید کی تھی کہ جیسے ہی خالو ابو آئیں انہیں اندر بھیج کر کسی مریض کو اندر نہ آنے دینا۔ جب تک کہ وہ مریض کو خود نہ بلائے۔ آج کل سب ہی بہت مسرور تھے شہرینہ کی نئی رو کے نہیں رک رہی تھی عالیان کی آنکھیں اندرونی مسرت کے احساس سے دک رہی تھیں ایک احتشام ہی تھا ہویا کھریا لڑا لڑا اور خالو ابو کی جہاندیدہ نظریں اس کا بغور مطالعہ کر رہی تھیں ادھر ان کی بیٹی کو جانے کیا ہوا تھا جب سے اس کی بات طے ہوئی تھی وہ دن بدن گھٹتی جا رہی تھی انہیں چہرے کی شادابیاں اور گلابیاں زردیوں میں ڈھل گئی تھیں جس کو سب "گول مٹول" کہتے تھے خطرناک حد تک سوختی جا رہی تھی جیسے کسی نے خون نچوڑ لیا ہو۔ ڈری ڈری یہی سبھی ایک خوف زدہ ہرنی کی طرح یہ ان کی وہ بیٹی تو تھی جو سارا دن چپھاتی بلبل کی

ہونے پر تمہارے خوابوں کی بھی تکمیل ہو جائے گی تمہاری اہلی تعظیم کا خرچہ ہی لوگ ٹھائیں گے۔"

"خالہ امی اپنی بیٹی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا آپ کو پورا حق ہے لیکن آپ نے میرے بارے میں اتنا بڑا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کیسے طے کر لیا؟" وہ غصے سے دھاڑا۔

"بیٹا مجھے تم پر اعتماد تھا کہ تم انکار نہیں کرو گے بے شک تم میرے بھانجے ہو لیکن ماں بن کر پالا ہے تمہیں۔ کیا ماں ہونے کی حیثیت سے میرا اتنا بھی حق نہیں۔" آخر میں ان کی آواز گلو گیر ہو گئی اور احتشام نے جھپٹ کر انہیں گلے لگالیا۔

"خالہ امی میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا آپ کو سارے حقوق حاصل ہیں آپ کسی فقیرنی یا چمارن سے بھی میرا رشتہ طے کر دیں گی تو مجھے انکار نہ ہوگا میں ذرا جذباتی ہو گیا تھا لیکن ایک بات میں واضح کر دوں تاہی امی کو بتادیں میں کوئی بکاؤ مال نہیں میری بولی نہ لگائیں ابھی میرے بازوؤں میں اتنا دم ہے کہ میں اپنا خرچہ خود اٹھا سکوں۔" وہ تیزی سے اٹھ کر باہر چلا گیا اور عالیہ بیٹیم کو لگا کچھ گڑ بڑ ضرور ہے۔



رات کے کھانے پر سب موجود تھے سوائے احتشام کے پھر نزاکت سے بھی کھانا نہیں کھایا گیا سب سو رہے تھے اور نزاکت احتشام کے انتظار میں جاگ رہی تھی اس نے آتے ہی پہلا سوال کیا۔

"تم نے کھانا کھایا؟"

"آپ نے کھایا؟" نزاکت نے سوال کے جواب میں سوال کیا احتشام کا دل گداز ہو گیا۔

"آؤ دونوں مل کر ساتھ کھاتے ہیں۔" نزاکت کھانا کھاتے کھاتے رو پڑی۔

"احتشام بھائی میں مرجاؤں گی اگر میری شادی عالیان سے ہوئی تو۔"

"اف پاگل لڑکی یہ سارا فساد احتشام بھائی کہنے کا



طرح ان کے آنگن میں چبکتی رہتی تھی۔



ہفتے کی شام مگنی کے لیے مقرر ہوئی۔ نزاکت کی امی نے بہت کم لوگوں کو مدعو کیا تھا، نزاکت اور احتشام نے ایسے ہی اپنے دوستوں کو بلانے سے انکار کر دیا تھا، رسم شروع کرنے سے پہلے احتشام کا انتظار تھا جس کو امی نے صبح سے گھرے لینے بھیجا تھا اور اب شام ہو رہی تھی، عظیم الدین بھی بے چینی سے ٹہل رہے تھے اس کا موبائل بھی بند تھا، نزاکت تو ویسے ہی برسوں کی بیمار لگ رہی تھی، قیمتی کپڑوں میں اب اور زیورات نے بھی اس کا حزن و ملال ختم نہیں کیا تھا، اچانک عظیم الدین کا موبائل بج اٹھا، وہ اسے لے کر کونے میں چلے گئے، ان کے چہرے سے پریشانی ہو رہی تھی اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، کچھ بولے بغیر وہ تیزی سے سب کو حق وق چھوڑ کر جا چکے تھے اور عالیہ بیگم کے دل کو پتھ لگ گئے تھے، نزاکت کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں رنگ میں بھنگ پڑ گیا تھا، مہمان آنا شروع ہو گئے تھے اور ان دونوں کی کوئی خبر نہ تھی، اچانک ایسی بولنے کے شور سے محلہ گونج اٹھا۔

”اللہ رحم کرے۔“ عالیہ بیگم کے منہ سے نکلا، تب ہی کئی لوگ احتشام کو اسٹریچر پر ڈالے اندر داخل ہوئے جو سر سے پیر تک پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا، اس کا ایک جگری دوست اور کلاس فیلو ڈاکٹر بھی اس کے ہمراہ تھا جس نے ڈرب پکڑی ہوئی تھی۔ نزاکت اور عالیہ بیگم ایک ساتھ چیخنے لگیں، نزاکت جو کمزوری سے پہلے ہی بے حال تھی یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی اور بے ہوش ہو کر ماں کی بانہوں میں آ رہی، جس کو فوراً ہی ڈاکٹر حماد نے سکون کا انجکشن لگایا، نزاکت کی بے ہوشی پر سب سے زیادہ تشویش عالیان کو تھی۔

”کیا ہوا میرے بچے کو۔“ خالہ نے بے قراری سے پوچھا۔

”پھول خرید کر دوڑ کر اس کو رکھا تھا کہ گاڑی نے ٹکرایا، دی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، ڈاکٹر تو چھوڑ نہیں رہے

### ردا فاطمہ

میری طرف سے آنچل اسٹاف۔ اور آنچل کی پیاری سی قارئین کو خلوص دل سے استلام! بیگانہ! میرا نام ردا فاطمہ ہے۔ میرا تعلق نکال کے چھوٹے سے گاؤں ڈھوک لس سے ہے۔ ہم تین بہن بھائی جیسا سب سے بڑی میں اس سے چھوٹا سا مد اور سب سے چھوٹا فیضان ہے۔ میں 10 جولائی 1996ء کو پیدا ہوئی، نرسٹ انیر کی طالب علم ہوں۔ آنھویں بہنات میں تھی سب میرے اباؤں دنیا سے چل بسے۔ نیچر اور رائٹرز بننے کا شوق ہے۔ آنچل کی تمام کہانیاں میری فیورٹ ہیں، فیورٹ ناول نگار میرا شریف طونز، زیہ کنول، مازی ہیں۔ آنچل سے میرا تعارف کمزور سے ہوا تھا، آنچل کے علاوہ کوئی اور ڈائجسٹ ایچا نہیں لگتا، صرف میں آنچل ہی پڑھتی ہوں۔ آنچل کی میں جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔ میری فیورٹ فرینڈ عائشہ سردو، ماریہ، صبا، فائزہ اور سارو ہے۔ میری چار پھوپھی ہیں جو دنیا کی میسٹ پھوپھی ہیں۔ ہورت نیچر، مس صائمہ، مس رومانہ، مس فائقہ، مس شامین (جیسا کہ میری پھوپھی بھی نیچر ہیں)۔ فیورٹ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فیورٹ کلاس نیو کائنات اور کھٹوم ہیں۔ میری کمزور ترین تالیف مولا اور صفائی سارے فیورٹ ہیں۔ اللہ میرے مانا کو لمبی زندگی دے اور میرے پوچھنی دادا دادوی اور نانو کو جنت میں جہد عطا فرمائے آمین۔ اب آپ کو زیادہ پور نہیں کروں گی اللہ آنچل کو ترقی دے آمین۔

تھے ڈاکٹر سدیم اپنی ذمہ داری پڑھا کر کرا کر لائے ہیں ویسے کوئی سیریس چوٹ نہیں صرف دماغ پراثر ہوا ہے اور یادداشت صحیح طور پر کام نہیں کر رہی، ساتھ ہی ڈر ہے کہ کہیں پیرنکا کاٹنا پڑے؟“

”پھر ہوسپتال میں رکھنا تو مانا گھر کیوں لائے؟“ خالہ بے قراری سے بولیں۔

”کیسے رکھتا آج اس کی مگنی جو ہے“ ڈاکٹر عظیم الدین دکھ سے بولے۔

”ارے بھاڑ میں جائے مگنی بیٹے کی زندگی سے



زیادہ تھوڑی ہے۔“ وہ بے قراری سے رونے لگیں۔  
اسی دوران احتشام کو ہوش آ گیا اور وہ اجنبی نظروں  
سے خالہ کو گھورنے لگا۔

”میرے چاند یہ کیا ہو گیا اس گھر کی خوشیوں کو کس کی  
نظر لگ گئی۔“ وہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے  
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

”آپ کون ہیں؟“ بڑی وقت سے اس نے  
سوال کیا۔

”بیٹا خالہ ہوں تمہاری۔“ وہ روتے ہوئے بولیں۔

”خالہ! کیسے خالہ کون تو خالہ میں نہیں جانتا کسی خالہ  
والا کو بس مجھے۔ بے ابوائی کے پاس جانا ہے ابھی بھیج  
دیں۔“ وہ جانے کی ضد کرنے لگا اور سب پریشان ہو گئے  
جو نئی نزاکت کو ہوش آ یا وہ تیر کی طرح اس کے پاس پہنچی۔  
”احتشام بھائی! میں نزاکت پہچانا آپ نے آپ  
جس کو سارا دن موٹی بھیجیں کہتے تھے۔“

”موٹی بھیجیں!“ وہ زریب بڑبڑایا۔ ”جاؤ یہاں سے  
نہیں جانتا میں تمہیں دفع ہو جاؤ سب کے سب اور مجھے  
اپنے ماں باپ کے پاس بھیج دو ورنہ میں کیس کروں گا۔“  
وہ بری طرح چیخا پھر کراہنے لگا۔

”پلیز آپ لوگ اسے تنگ نہ کریں میں اپنے  
رسک پر ڈسچارج کرا کر لایا ہوں۔ مجھے لگتا ہے  
اسے alzheimer کی بیماری ہو گئی ہے۔“ ڈاکٹر  
سدیم نے سنجیدگی سے کہا تو سب ہوتے ہو کر اس کی  
شکل دیکھنے لگے۔

”اس بیماری میں انسان اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے جو  
کبھی بحال ہو جاتی ہے۔ کبھی یادداشت ختم ہو جاتی ہے۔“  
اس نے وضاحت کی اور شہرینہ کا منہ بن گیا نزاکت کے  
آنسو نہیں ٹھہر رہے تھے اور سسکیاں حلق میں پھنس رہی  
تھیں ساتھ کھڑے لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

”بچائے اس کے کتا آپ لوگ شکر کریں کہ احتشام کی  
جان بچ گئی سب لوگ رورہے ہیں مجھے یقین ہے آج  
نہیں تو کل یادداشت بھی بحال ہو جائے گی۔ لیکن ناگہ

ٹھیک بھی ہو گئی تو لنگ باقی رہے گا۔“ سدیم کی آواز بھرا گئی  
اور اس نے آنکھوں پر دو مال رکھ لیا۔ شہرینہ اس کے امی ابو  
اور عالیان ایک دوسرے کو عجیب نظروں سے دیکھ رہے  
تھے اور خوب صورت فیروزئی جدید تراش خراش کے لباس  
میں نزاکت کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ عالیہ بیگم  
بدر حواس ہو کر دکھ سے بولیں۔

”جانے کس کی نظر لگ گئی میرے چاند کو۔“ نزاکت  
نے احتشام کے سارے کام اپنے ذمے لے لیے تھے  
کھانا کھلانا پانی پلانے، لے کر دو اٹھلانے تک ہر کام  
وہ بڑی محنت اور چابک دستی سے کر رہی تھی ملاں کا کوئی  
رنگ اور تھکن کا کوئی احساس اس کے چہرے پر نہیں تھا  
جیکہ شہرینہ کھڑے کھڑے آتی اور طبیعت پوچھ کر چلی جاتی  
تھی۔ ڈاکٹر سدیم کمرہ بند کر کے جب اس کی سینڈویچ  
کرتے تو اس کی کراہوں سے ماں کا دل بھی بری طرح  
کنٹے لگتا۔ ایک دن شہرینہ سرے ہی میں تھی جب احتشام  
نے ایک دم پوچھا۔

”یہ لڑکی کون ہے؟“

”تمہاری منگیتیر ہے بیٹا شہرینہ اسی سے تو اس دن  
تمہاری منگیتیر ہو رہی تھی جب تم زخمی ہوئے تھے۔“ عالیہ  
بیگم دکھ سے بولیں۔

”تو اب کر دینا کون سی دیر ہو گئی ہے لڑکی تو مجھے بہت  
پسند ہے بس آپ آج ہی اسے انگوٹھی پہنا دیں۔“ احتشام  
ضد کرتے ہوئے بولا۔ عالیہ نے بے بسی سے شہرینہ کی  
طرف دیکھا جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

”اوہ! لنگڑا کہیں کا یادداشت سے فارغ کیا  
میرے لیے یہی رہ گیا۔ ہما پانچ۔“ وہ دوسرے کمرے میں  
آ کر آواز بلند بڑبڑائی۔

”بری بات ہے شہرینہ ایسے نہیں کہتے وہ آج نہیں تو  
کل ٹھیک ہو جائے گا۔“ عالیان نے تنبیہ کی۔

”بس بس آپ تو رہنے ہی دیں آپ کو اپنی فکر پڑ گئی  
تا مگر میں بتا دیتی ہوں آپ کی شادی نزاکت سے ہو یا نہ ہو  
میں اس دماغی فارغ سے شادی ہرگز نہیں کروں گی“



پتلی ساز

پتلی ساز کے من میں  
کوئی نہ جانے  
کیا سامی  
ہنا میں کمال مہارت سے  
حسین و خوبرو  
ماہ رخ و ماہوش  
پتلیاں  
جن میں زندگی کی رمت

نقطہ  
پتلی ساز کی ڈوریوں کی جنبش سے ہے  
جونہ جانے  
کب کہاں کہیں وقت  
تھم جائے  
تماشا گاہِ زیست میں  
تماشا دکھانی  
حسین پتلیاں  
پتلی ساز کے اسٹور روم میں  
ابدی نیند سو جاتی ہیں  
وہ پھر نئی پتلیاں بنا کر  
منظر عام پر لاتا ہے  
اور بلا آخر.....

انہیں بھی اپنے اسٹور روم کی زیست بنا لیتا ہے  
سیرا اتول مغل..... شاہ کوٹ

کی؟“علیم الدین نے صاف صاف بات کی۔  
”ایسا نہیں ہے علیم الدین۔“ تایا شرمندگی سے  
بولے۔ ”ہم تم سے شرمندہ ہیں شہرینہ راضی نہیں لیکن  
نزاکت کے لیے ہم تیار ہیں۔“  
”کوئی بات نہیں بھائی صاحب جس طرح نزاکت  
میری بنی ہے اسی طرح احتشام بھی میرا ہی بیٹا ہے بہتر  
یہی ہے کہ اس بات کو یہیں ختم کر دیں ہمیں بھی نزاکت  
بہٹی کی شادی کی کوئی جلدی نہیں۔“ علیم الدین نے بڑی

”کیا بات ہے بیٹا کیوں چیخ رہی ہو۔“ تائی نے اندر  
داخل ہو کر حیرت سے کہا۔  
”بس امی کل ہی واپس چلیں مجھے نہیں رہنا کیا پتہ  
آپ بیٹے کی خاطر بیٹی کو بھی لنگڑے لو لے کے پلے  
باندھوں۔“ وہ بگڑ کر بولی۔  
”پانگل ہوئی ہو آنکھوں دیکھی کبھی کون لگتا ہے ذرا  
صبر کر لو عالیان کی منگنی ہو جانے دو پھر میں کوئی مناسب  
وقت دیکھ کر نکال کر دوں گی۔“



عالیان حیران تھا کہ کتنی عجیب لڑکی ہے نزاکت  
میرے تو سائے سے بھی گھبراتی ہے اور سارا دن احتشام  
کی خدمت میں لگی رہتی ہے جو اس سے کتنا چڑتا ہے واقعی  
بڑی خوبیوں کی مالک ہے نزاکت نیک خدمت گزار اور  
سامر۔ اس کی نظر میں نزاکت کی اہمیت اور بڑھ گیا۔  
صبح ناشتے کے بعد جب احتشام کے سوا سب میز پر  
تھے تائی نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”عالیہ میں اب واپس جانے کا سوچ رہی ہوں بہت  
دن رہ لیے تم آج اجازت دو تو عالیان نزاکت کو انگوٹھی  
پہناوے؟“ نزاکت کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور اس  
سے بیٹھا نہیں گیا۔

”میرا خیال ہے دونوں کام ایک ساتھ ہی  
ہو جائیں تو اچھا ہے احتشام سے بھی کہے ہیں  
شہرینہ کو انگوٹھی پہنادے جو کام کل ہوا تھا وہ آج  
ہو جائے تو اچھا ہے۔“ علیم الدین نے مسرت سے  
کہا تو تائی ایک دم بول پڑیں۔

”دیکھو بھئی شہرینہ کی تو میں ابھی دو تین سال تک  
شادی کروں گی نہیں پھر منگنی کا قاعدہ؟ ہاں عالیان کے  
لیے میں تیار ہوں۔“

”لیکن بھائی پہلے تو آپ نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا؟“  
عالیہ کی آواز بھرائی۔

”کیونکہ پہلے ہمارا بیٹا تندرست و توانا اور لنگڑا نہ تھا  
اب ایک لنگڑے سے بھائی اپنی بیٹی کی شادی کیوں کریں



بیروں پر کھڑا تھا نزاکت کی چیخ نکل گئی اور عالیہ دوڑی دوڑی آئیں اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔  
احتشام نے ایک دم ان کو گود میں اٹھا لیا۔

”ہاں میری خالہ آپ کے اور نزاکت کے لیے ہٹا کٹا ہوں اور باقی سب کے لیے لنگڑا قارغ الدماغ۔“ پھر کھانے کی میز پر علیم الدین صاحب نے ڈرامے کا پس منظر بتایا جو انہوں نے اس کے دوست ڈاکٹر سدیم کے ساتھ مل کر کھیلا تھا انہیں آج بھی وہ دن یاد تھا جب ان کے کلینک میں احتشام ن کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا اور ان کو لگا تھا اگر وہ چپ نہیں ہوتا تو ان کا دل بند ہو جائے گا انہیں احتشام سے اپنی اولاد کی طرح محبت تھی ان کے اصرار پر جب اس نے سمجھتے ہوئے اپنا مسئلہ بتایا تو ان کے چہرے پر لنگرات کا جال بن گیا پہلے تو انہوں نے اسے خوب ڈانٹا پھر سینے سے لگا کر پیار سے بولے۔

”اپنے خالو ابا پر بھروسہ ہے نا اس لیے بے فکر ہو جاؤ اور سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو وہ بہتر کرنے والا ہے۔“ بس پھر احتشام کے دوست سدیم کی مدد سے ڈرامہ پایا تکمیل تک پہنچا۔

رات بچپنی جا رہی تھی اور احتشام اس کے بالوں سے اٹھتی ہوئی بھینسی یعنی خوشبو کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”میری موٹی بھینس۔“ احتشام نے سرگوشی کی دھیرے دھیرے نزاکت کی کانٹیں اٹھیں اس کی نگاہوں سے ٹکرائیں اور پھر شرم سے جھک گئیں منزل سامنے تھی اب ڈرکیسا۔



سہولت اور وقار سے اٹکار سویا پھر احتشام کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے بولے۔

”بیٹے تمہیں ہر چیز وقت پر تو مل رہی ہے نزاکت تمہارے داری میں کوئی کسر تو نہیں چھوڑ رہی۔“

”نہیں جی نرس تو ضرورت سے زیادہ ہی خیال رکھ رہی ہے۔“ وہ زندہ دلی سے مسکرایا تو نزاکت خاموشی سے اٹھ کر بچن میں آگئی اور رونے لگی احتشام کی بے بسی کا احساس کر کے آہٹ پر وہ مڑی تو عالیان رخصت ہونے کے لیے کھڑے تھے۔

”کیوں رو رہی ہو بے وقوف احتشام بالکل ٹھیک ہے اس کو یہ نہیں معلوم کہ جو محبت کرتے ہیں وہ چھینتے نہیں بلکہ دان کرتے ہیں اور پھر میری محبت کا پودا تو ابھی بڑھ بھی نہیں پکڑ سکا تھا اس نے تو محبت کی نرم و نازک کیاری میں ابھی صرف زندہ رہنے کی کوشش ہی کی تھی لیکن احتشام کی محبت تمہارے لیے ایک تناور درخت کی سی ہے جس کی جڑیں دور دور تک پھیل چکی ہیں ایسے درخت کو اکھاڑیں تو پھر وہ زندہ نہیں رہتا مر جاتا ہے خدا تم دونوں کی محبت کو سلامت رکھے اس کو کہنا کہ زندگی کوئی ڈرامہ یا فلم نہیں کہ چوٹ لگنے سے یادداشت چلی جائے اور چوٹ لگنے ہی سے واپس آ جائے۔ ویسے بھی وہ اتنا اچھا لیکر نہیں تمہیں دیکھ کر جو اس کی آنکھوں میں چمک اور دلہانہ پن نمایاں ہوتا ہے وہ مجھ سے نفی نہ تھا میں ڈاکٹر نہ سمجھ لیکن جانتا ہوں Alzheimer کی بیماری چوٹ لگنے سے نہیں ہوتی اور اس عمر میں تو بالکل بھی نہیں۔“ نزاکت سمجھ ہی نہیں سکی کہ عالیان کا کیا مقصد ہے وہ ٹرے اگا کر کمرے میں کھانا لائی۔

”احتشام بھائی کھانا کھا لیں۔“  
”آج میں امی ابو کے ساتھ میز پر بیٹھ کر کھانا کھاؤں گا۔“ اس نے نعرہ لگایا اور انہیں سے سدیم بھی نکل کر آ گیا۔

”اٹھ بے سالے بہت ڈرامہ ہو گیا میں تو زبردستی کی پٹی کر کے تھک گیا تھا۔“ دوسرے ہی لمحے احتشام اپنے





وقت کا سہل بہا لے گیا سب کچھ ورنہ  
 پیار کے ڈھیر لگے تھے مرے کھلیانوں میں  
 شاخ سے کٹنے کا غم ان کو بہت تھا لیکن  
 پھول مجبور تھے بنتے رہے گل دانوں میں

جلدی جلدی بھاپ اڑانا گرم آپیٹ اس نے  
 پلیٹ میں نکالا۔

”اسوہ..... ناشہ لے آؤ یار میں لیٹ ہو رہا  
 ہوں۔“ ارتضیٰ کی ڈانٹنگ نیکل سے آتی آواز نے  
 اسوہ کے ہاتھوں میں مزید توانائی بھروی۔ چائے  
 کپ میں انڈیل کر آپیٹ پراٹھا اور کس سبزی کا  
 سالن ٹرے میں سجا کر بڑے کور سے تمام لوازمات  
 ڈھانپ کر اس کی دوسری پکار سے قبل ہی وہ  
 ڈانٹنگ نیکل تک پہنچ چکی تھی۔

”حذیفہ کو تو میں بعد میں دیکھ لوں گا ہاں اگر اس  
 کی می ناراض ہے تو یہ خطی میں ابھی دور کر سکتا  
 ہوں۔“ شرارت سے اس کی سماعتوں میں سرگرمی  
 انڈیل کر وہ اس کے تپے ہوئے چہرے سے مظلوظ  
 ہونے لگا۔ اسوہ کو اس سے اس قدر دلیری کی امید  
 نہ تھی لہذا بری طرح شیشائی، اس میں اتنی ہمت بھی  
 نہ تھی کہ اس کا حصار توڑ پاتی۔

”اف کتنی ہز بونگ چائے ہیں آپ۔“ ٹرے اس  
 کے سامنے رکھ کر اس نے دیوار گیر گھڑی پر نظر دوڑائی تو  
 ساڑھے پچیس کو چھوتے ہند سے کو دیکھ کر اس کا موڈ  
 سخت آف ہو گیا اس کے پھولے ہوئے چہرے پر ایک  
 نظر ڈال کر وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے رغبت  
 سے ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔



اولاد جیسی نعمت کی۔

پانچ سال کے جاں نسل انتظار کے بعد خدا نے انہیں اولاد دینے سے نوازا۔ تب ہی شاید حذیفہ ماں کی غیر معمولی توجہ اور چاہت کا حق دار ٹھہرا مگر اسوہ کی ہمتا کی پیاس تھی کہ بڑھتی تھی جاتی وہ کبھی اس احساس سے سیر نہ ہوتی۔

حذیفہ اس کا پانچ سالہ بیٹا فرسٹ اسٹینڈرڈ کا طالب علم بلا کا حاضر جواب اور ذہین و فطین جس نے اس کی گود کو ماما کی گرمی سے گرنا دیا اور درو دیوار کو اپنی معصوم قفقاریوں کی سہک سے مہکا دیا اس کی کل کائنات اس کے گرد گھومتی تھی وہ اس کی سب سے قیمتی متاع تھا۔ انہی سوچوں میں گھری وہ نہایت دلکش رنگوں سے مزین حذیفہ کے کمرے تک پہنچ چکی تھی۔ سامنے ہی بیڈ پر دراز سفید اور چائنی امتزاج کے کبل میں محو استراحت حذیفہ پر کسی سلطنت کے شہزادے کا گماں ہوتا تھا یا شاید برماں کے لیے اس کا بیٹا شہزادہ ہی ہوتا ہے۔

اس کی سیاہ آنکھوں کے خلاف قدرے ابھرے اور عالم خواب میں بھی بے حد نمایاں تھے کمرے میں بیٹرا آن ہونے کے سبب پر حدت سالس چہرے پر گلابی بیت کا گہرا غصہ بکھیر رہا تھا اور اس کے بے حد گلابی ہونٹ باہم پیوست۔ بے تحاشہ خوب صورت لگ رہے تھے۔ وہ عالم خواب میں اس قدر وجہ دکھیل لگ رہا تھا کہ اسوہ اس کی نیند میں خلل برپا کر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے محبت پاؤں لگا ہوں سے وہ تک رہی تھی جب دامن گیر ہو۔ تھی کے احساس نے اسے حیران کر ڈالا۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ بے ساختہ رخساروں تک گئے اور گیلی سطح پر پھیلے تو خود ساختہ اور لایعنی سوچیں نے اس کے شعور کو جکڑ لیا اس کا دل بری طرح ٹھہرا اٹھا۔ دامن میں سر پختی منفی

”چھوڑیں مجھے، حذیفہ کا پیپر ہے آج مجھے اسے اٹھا کر پیپر ریوائرز بھی کرانا ہے پھر اس کو اسکول کے لیے ریڈی کرنا ہے۔“ متمالی رنگت اور لچایا گھبرایا انداز نظریں جھکائے وہ جلدی سے بولی، ارتضیٰ نے رحم کھاتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔

”اسوہ۔“ اس کی آواز پر اس کے قدم زنجیر ہو گئے۔

”حذیفہ اور تم میری زندگی کی اولین ترجیحات میں سے ہو بہت اہم براجیسٹ پر کام کر رہا ہوں اس لیے جناب تھوڑی حق تلفی ہو رہی ہے آپ کی اس کے لیے آئی ایم ریٹلی ویری سوری۔“ اس کے ہاتھ تھام کر وہ محبت سے گداز لہجے میں بولا۔

”پلیز ایسا مت کہیں میں آپ کی مصروفیت سمجھتی ہوں۔“ وہ لہجوں میں نادم ہوئی تو ارتضیٰ نے بغور اس کی گلابی پزنی رنگت کا جائزہ لیا اور ایک عیب سے سرشاری و طمانیت سے اس کے رخسار کو ہولے سے چھوتا وہ اندر کی سمت بڑھ گیا۔ اسوہ چند لمبے وردی میں سجا اس کا کسرتی وجود مشاق نگاہوں سے بکتی رہی اور پھر مسکراتی ہوئی حذیفہ کے کمرے کی طرف چل دی۔

ارتضیٰ آری آفیسر تھا۔ آری میں سردس کے سبب اس کا ٹرانسفر مختلف شہروں میں ہوتا رہتا تھا تین ماہ قبل اس کا تبادلہ پشاور میں ہوا اور وہ پشاور کے کینٹ میں کینٹنر کی رہائش کے لیے مخصوص بنگلے میں رہائش پزیر تھے۔ اس کے ہمراہ اس کا پانچ سالہ بیٹا حذیفہ اور خوب صورت سی بیوی اسوہ بھی تھے۔ اسوہ میں حسن و جمال کے ساتھ ساتھ وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جن کی کوئی بھی مرد خواہش کر سکتا ہے۔ دس سال قبل اس کی زندگی میں بطور شریک حیات شامل ہونے والی لڑکی اسوہ زیاد نے اس کی زندگی کو جنت بنا دیا۔ ذہنی و قلبی اطمینان حد سے سوا تھا۔ ہاں کی تھی تو بس



ساتھ پشاور سے شہداء کے نام

میرے خون سے کھیلنے تجھ کو مٹائے گا میرا خون  
ایک دن بوئے گا اور رگت لائے گا میرا خون  
میری بہادری تو دیکھ تیرے سامنے میں ڈٹ گیا  
اک سپاہی کی اولاد ہوں سپاہی بتائے گا میرا خون  
میری شہادت کی قسم روز قیامت نہ معاف کروں گا تمہیں  
میرے والدین کے بے بس آنسوؤں اور استہلا خدا کو سنائے گا میرا خون  
میرے ملک میں امن پیار مثبت ہوگا ایک دن دشمنوں  
تجھے تیرے انجام تک پہنچائے گا میرا خون  
میں پھول کھلا تھا اک حسیں باغ میں تو کیوں مجھے لوج لیا  
خدا کی قدرت سے لود پھول اس باغ میں کھلائے گا میرا خون  
بدلہ ضرور لیس گے خدا کی مدد سے تیرا میرے زین  
رائیگاں نہیں جانے دے گی یہ قوم تیرا خون  
صبا الیاس..... ماہندر

سوچوں سے سر جھکتے ہوئے حذیفہ کے بیڈ کے قریب  
دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ بہت محبت سے اس کے بالوں  
میں انگلیاں پھیریں اور اپنے ہونٹ اس کی پیشانی پر  
ثبت کیے۔

”حذیفہ میری جان۔“ محبت سے لبریز ماما کے  
بے اختیار کرتے جذبوں سے گندھے الفاظ اس کے  
لبوں کی قید سے آزاد ہونے تو وہ بھی ماما کہتا ہوا اس  
سے لپٹ گیا۔ شاید ماما کی لمس کی تمازت محسوس  
کر کے وہ کمی بے دار ہو چکا تھا۔

”حذیفہ کیا آج اٹھنے کا موڈ نہیں آپ نے پچھرا  
بھی ریوا تڑ نہیں کیا۔ نام رکھا ہے سات بج رہے  
ہیں۔“ اسے یوں ہی خود سے لپٹائے وہ بولی۔

”ماما میرا آج اسکول جانے کا بالکل موڈ نہیں۔“  
اس سے الگ ہوتے ہوئے وہ منہ بسور کر چھٹی کرنے  
کی خواہش دل میں لیے چل اٹھا۔

”آج آپ کا پچھرا ہے اینڈ چھٹی ناٹ الاؤڈ،  
اسکول نہیں جائے گا میرا بیٹا تو پڑھے گا کیسے اور پڑھے  
گا نہیں تو پاپا کی طرح ملک و قوم کی خدمت کیسے کرے  
گا۔“ اسوہ نے اس کے گلابی اور نازک چہروں میں  
سلپہ پہنائے۔

”اوکے میں اسکول جاؤں گا مگر ایک شرط پر۔“  
”کون سی شرط۔“ اس نے شرط عائد کی تو اسوہ کی  
استفہامیہ نگاہیں اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

”آج پک اینڈ ڈراپ کی ڈیوٹی پاپا کی ہوگی میں  
ڈرائیور کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔“ اسوہ نئی مشکل میں  
پھنس گئی ارتضیٰ تو خود جلدی نکلنے والا تھا وہ اسے کیسے  
روکتی۔ اتنے میں ارتضیٰ بھی وہاں آ گیا۔ وہ کبھی حذیفہ  
سے ملے بغیر باہر نہیں جاتا تھا۔

”اٹھ گیا میرا پرنس.....“ ارتضیٰ نے کہا تو وہ دوڑ کر  
اس سے لپٹ گیا۔

”پاپا۔“

”جی پاپا کی جان۔“ ارتضیٰ نے بیڈ پر بیٹھ کر اسے  
گود میں بیٹھا لیا جب وہ لاڈ سے بولا۔

”پاپا آج آپ مجھے اسکول چھوڑنے جائیں نا۔“  
”حذیفہ پاپا لیٹ ہو رہے ہیں وہ آج نہیں جاسکتے

کل پکا والا پرائس، میں خود اپنے بیٹے کو ڈراپ کر دوں  
گا۔“ ارتضیٰ نے محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

”کل کس نے دیکھی ہے مجھے آج آپ کے ساتھ  
جانا ہے تو مطلب آج ہی جانا ہے۔“ حذیفہ کی بات

سن کر اسوہ کا دل کسی نے ٹھی میں جکڑ لیا اور اس کے  
مسکراتے لب لہجوں میں سکڑ گئے۔

”کیا ہو گیا ہے ارتضیٰ آپ میرے بیٹے کی اتنی  
سی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔“ وہ تڑپ کر آگے

بڑھی اور قدرے ٹھی سے گویا ہوئی ساتھ ہی آنکھوں  
سے نمی چھلکتے کو بے تاب تھی۔ اسوہ کے جذباتی  
انداز اور بچے کے سامنے اس قدر تلخ آواز پر ارتضیٰ



شیت پر اس کی شب خوابی کے سبب پڑی سلوٹوں کو بھر پور محبت سے درست کرنے کی نیت سے آگے بڑھی جب لینڈ فون کی چنگھاڑتی بیل نے اس کی توجہ کے ارتکاز کو توڑ ڈالا۔ وہ کام ابھورا چھوڑ کر فون کی سمت متوجہ ہوئی اور جو خبر اس کی سماعتوں سے گزری وہ قیامت سے پہلے قیامت برپا کرنے کو کافی تھی۔ دل پر ہاتھ رکھتی پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیوار کو کھتی رہی۔ دل و دماغ بس سائیں سائیں کر رہا تھا۔

سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں مفلوج ہو گئیں اس کی بند ہوئی آنکھوں میں حذیفہ کا چہرہ ابھرا اور پھر ہر شے عیسق تاریکی میں محو ہو گئی۔



ظلم و بربریت کی ہولناک داستان جس نے خون ریزی کا جاں نسل کھیل کھیلایا۔ معصوم کلیوں کو کھلنے سے تیل ہی خاک میں ملا دیا۔ سفاکیت اور بے حسی کی ایسی الم ناک تحریر جس نے تاریخ کو دہلا دیا۔ ماؤں کے کیچے چیر کر دل نکال لیا ایسا تاریخ ساز واقعہ جس نے عالم اسلام کے سینے میں خنجر گھونپ کر آہوں کا طوفان برپا کر دیا۔ خاک ڈالتے ان چاند چہروں میں ایک چہرہ اسوہ کے دل کا چین پانچ سالہ حذیفہ کا بھی تھا۔ وہ حذیفہ جس نے اسے ماں کے درجے پر فائز کر کے اسے دلکش اور کیف آگئیں جذبے کے حصار میں قید کیا۔ تب اس کی زندگی کو اپنی معصوم مسکراہٹوں سے مزین کیا جب وہ مکمل طور پر مایوس ہو چکی تھی۔ وہ اس کی خوشیوں کا محور تھا جس نے اسے ہمہ وقت کی معصروفیت سے دوچار کیا۔ اسے مقصد حیات عطا کیا وہ اس کا نور نظر تھا اور اس کی وجہ ایک یہ بھی ہو سکتی تھی کہ حذیفہ کی پیدائش کے بعد وہ مزید بچوں کو جنم دینے کی صلاحیت کھو چکی تھی تب ہی اس کا تمام پیار اور توجہ صرف حذیفہ میں ہی سمٹ آئی تھی کبھی کبھی حذیفہ کے

اچھا خاصا شاکی ہوا جو اپنے بیٹے کے لڑو پیار میں اکثر ہی غیر معمولی جذباتیت کا شکار ہو جاتی تھی جبکہ ارتضیٰ کی گھورتی اترامیہ نگاہوں کا مفہوم پڑھ کر اسوہ اچھا خاصی خائف ہوئی۔

”نو میٹنگ کینسل..... آج ارتضیٰ حیدر صرف اپنے بیٹے کی ڈیوٹی پر مامور ہے۔ چلو اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“ اس کے نرم رخسار کو ہولے سے چھو کر اس نے کہا۔

”آپ ورلڈ کے بیسٹ پاپا ہیں۔“ اس کے گلے میں بانہیں ڈالے وہ لاڈ سے بولا اور ہرن کی طرح قلائچیں بھرتا کمرے سے ملحقہ واش روم میں محسوس کیا۔ جبکہ ارتضیٰ موہاگل کان سے لگا کر میٹنگ کا شیڈول چیلنج کرنے کی ہدایت جاری کرتا کمرے سے نکل گیا۔

”گڈ بائے ماما۔“ اسکول کے لیے بالکل تیار کھڑے حذیفہ نے اس کے رخسار کو چومتے ہوئے کہا اور کب سے گاڑی میں محو نظار ہارن پر ہارن بجاتے ارتضیٰ کی سمت لپکا۔ لمحوں میں گاڑی کا انجن غرایا اور دائیں بائیں پھیلے سبزے کے سمندر کو چیرتے بھورے چمک دار سنگ مرمر سے مزین روش پر پھسلتی گاڑی داخلی گیٹ عبور کر گئی تو ایک ٹھنڈا سانس فضا کے سپرد کرتی وہ واپس لاؤنج میں آگئی۔ عروسہ (ملازمہ) کو کام سمجھا کر اس نے عمر (بیٹ مین) کو بلایا اور سامان کی لسٹ تھمائی۔ آج حذیفہ نے چکن منچورین اور چائینیز رائس کی فرمائش کی تھی۔

”بی بی جان کیا حذیفہ بابا کے کمرے کی صفائی کر دوں۔“ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے عروسہ نے استدعا کیا تو وہ ٹہنی میں سر ہلانی اٹھ گئی۔

”نہیں عروسہ تمہیں پتا ہے کہ حذیفہ کے کمرے کی دیکھ بھال میں خود کرتی ہوں۔“ حذیفہ کے کمرے میں پہنچ کر اس نے بھری چیزیں سمینا شروع کیں۔ بیڈ



## سمیرا راجہ

السلام علیکم تو آل آج کل فیملی کیسے ہیں آپ سب؟ میرا نام سمیرا ہے تک نیم بلوائنڈ ٹومی ہے۔ میں نے 19 ستمبر کی پیاری سی صبح اس دنیا میں رنج و قدم فرمایا، میرا ایک بھائی ہے، ہم سات بہنیں تھیں پر اب صرف چھ ہیں۔ میری بڑی بہن اب اس دنیا میں نہیں رہیں دعا ہے کہ اللہ پاک ان کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب کریں۔ میں آزاد کشمیر کے کیوٹ سے گاؤں نعمانپورہ میں رہتی ہوں میں اور میری کزن انم آج کل باقاعدگی سے پڑھتی ہیں میں بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ ”جنت کے پتے“ میرا فوریٹ ناول ہے در یہ ناول مدتوں میرے ذہن پر نقش رہے گا، نمرہ احمد از مانی موسٹ فوریٹ رائٹر۔ مدیحہ اور صنم میری فرینڈ ہیں مدیحہ کی شادی ہو چکی ہے۔ میری فوریٹ ڈش بریانی ہے سویت میں چاکلیٹس پسند ہیں۔ رنگ مجھے سبھی اچھے لگتے ہیں رنگوں سے کھیلنا میرا مشغلہ ہے۔ ڈریسز میں لائٹ شرٹ چوڑی دار یا جامہ اور ساتھ لبا سا دوپٹہ اور فرانس تو سارے ہی اچھے لگتے ہیں۔ جیلری میں کانچ کی چوڑیاں اور کنگن پسند ہیں موسم بہار کا اچھا لگتا ہے پھول سارے ہی اچھے لگتے ہیں۔ بارش کی تو میں دیوانی ہوں۔ خواہشیں یوں تو بہت ساری ہیں پر سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت اللہ شریف کی زیارت نصیب ہو جائے۔ مجھے خود خاموش رہنا اور دوسروں کو سننا اچھا لگتا ہے اپنی سسٹر حمیرا کے ساتھ بہت اٹیچ ہوں۔ میری خامیاں یہ ہیں کہ اعتبار کرنے میں بالکل دیر نہیں لگاتی، خمیاں یہ ہیں کہ جوٹ نہیں بول سکتی چاہوں بھی تو نہیں۔ مجھے ایسے لوگ قطعاً پسند نہیں جو ہوتے کچھ ہیں اور نظر کھماتے ہیں۔ تمام ریڈرز کو یہی کہوں گی خوش رہیں خود بھی اور آپ سے وابستہ تمام لوگوں کو بھی خوش رکھیں۔ اللہ پاک آپ سب کا اور میرا حامی و ناصر ہو، اللہ حافظ۔

بارے میں اس کی حد درجہ حساسیت اور جذباتیت پر ارتضیٰ اچھا خاصا چڑ جاتا مگر وہ بے بس تھی اس جذبے کے سامنے جس عرف عام میں ”مامتا“ کہتے ہیں۔ وہ بے اختیار اور لاچار تھی اس رشتے کے سبب جسے ”ماں بیٹے کا رشتہ“ کہا جاتا ہے۔

آرمی پبلک اسکول آف پشاور پر دہشت گردی کے صفریت اور خون میں لہتی خونچکاں حکایت کا سن کر وہ ہوش کھو بیٹھی تھی اور آکھ کو لے لے ہی اسے ارتضیٰ نظر آیا تھا جو اس پر جھکا کچھ کہ رہا تھا۔

”حذیفہ۔“ اس کی آواز سرگوشی سے بلند نہ تھی۔

”حذیفہ کو انوداع کہوتا کہ وہ اپنی آخری پناہ گاہ میں جا سکے۔“ سرخ ڈوروں سے بھر پور نگاہیں لٹھے کی مانند سفید پڑی رنگت اسوہ پر جما کر ضبط کے کڑے مراحل طے کرتا ارتضیٰ اسے کونٹوں کی بمٹی میں دھکیل گیا۔ جواباً وہ لٹی میں سر ہلاتی اٹھ بیٹھی دو آنسو خاموشی

سے اس کے رخساروں پر لڑھک آئے ایسے ہی بے آواز آنسو جو صبح حذیفہ کو بے دار کرتے سے بن بلائے اس کے عارض بھگو گئے۔

اس کا دل کسی نے منہ میں بھیج لیا۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا وہ بھاگتی ہوئی بے تابی سے لان میں آئی سامنے ہی چھوٹے سے تابوت میں اس کا لخت جگر موت کی گود میں سر رکھے ابری نیند سو رہا تھا موت کا سفاک منظر اس کی مامتا سے جیت گیا۔ دائیں بائیں خاک کی وردی میں ملیس کٹنے ہی سپاہی سر جھکائے مؤدب سے کھڑے تھے۔ اس کی ناگوں سے جان ختم ہو گئی اور وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

”مما آج چکن منچورین اور چائینیز رائس بنا لیجیے گا۔“ حذیفہ کی نٹ کھٹ اور نرم آواز اس کے شعور میں گونجی۔ اذیت کا کرب ناک کھیل اس کی سانسوں پر چلنے لگا۔



درست نہیں تھا۔ میرے جڑی بیٹے میری خواہش تھی میرے جنازے کو تم کندھا دیتے تمہیں بڑھتے دیکھنا میری اولین آرزو تھی۔ مگر قسمت ہم دونوں کے لیے بے رحم نکلی۔ تمہارا جنازہ میرے کندھے پر ہے اور تمہیں لحد میں میں خود اتار دوں گا۔ میرے بہادر بیٹے مجھے ناز ہے تم پر تم نے کس قدر بے باکی سے موت کا مقابلہ کیا مگر یہ سچ ہے تمہارے جانے کے بعد جسم میں تمکاوٹ اتر آئی ہے تمام توانیاں دم توڑ گئیں ہیں تمہارے باہا کا خوشیوں سے ناطہ ٹوٹ گیا الوداع میرے بیٹے خدا تمہارا دینی سفر آسان کرے۔“

تابوت کا ایک کنارہ پکڑے دھیرے دھیرے چلتے ہوئے کیپٹن ارتضیٰ حیدر ضبط کھو بیٹھا۔ گرم گرم پانی کے قطرے لہو بہ لہو اس کی آنکھوں سے پھلنے لگے کلمہ شہادت کی صدائیں ہر سونف ماؤں میں بلند ہونے لگیں اور ان صداؤں سے اس کا سینہ شق ہونے لگا۔

سرسام اترتی دھند، گھروں کو لوتے پرندے، شام میں ملتی شب فضاؤں میں اترتی ٹھنڈک، افق کے کناروں پر پھیلتی سندھوی رنگت، آسمان کے سینے پر پھیلی تاریکی، ہواؤں سے سرسراتے پتوں، درود یوار میں اترتی ویرانی، آنسو سے تر چہرے، انسانیت کو لٹکارتے وحشت ناک سنانے، سفاکیت کی تحریر کا اقرار کرتی ویران گودیں اور شب گزیدہ سحر ہراک کے لبوں پر ایک ہی جین کر لارہا تھا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

الوداع ننھے شہیدوں الوداع

✽

”کل کس نے دیکھا ہے۔“ ایک اور سرگوشی بے بسی کا شدید اور بے کل کرتا احساس اس کا سینہ چھلنی کرنے لگا۔

”حذیفہ.....“ درو آواز کی صورت اختیار کرتا آسمان کا سینہ شق کرتا فضاؤں میں اتر گیا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

”حذیفہ انھو میری جان۔ میری گود کو سونا مت کرو، یہ آنگن تو تمہارے دم سے آباد تھا۔“ گرتی پڑتی وہ اس کے تابوت تک پہنچی اور سر رکھ کر بے ساختہ چلائی۔

”اسوہ سنبھالو خود کو..... حذیفہ کا سفر مشکل مت کرو۔“ ارتضیٰ نے پیچھے سے آکر اسے تھاما جو اس معصوم موت پر خود بھی ٹوٹ گیا تھا۔

”حذیفہ کا سفر..... ارتضیٰ میرا بچہ اس قابل ہے کہ منوں مٹی کا بوجھ برداشت کر سکے۔ کیا اس کی صراحتی ہے کہ وہ مجھ سے پہلے اس سفر پر گامزن ہو۔“ اس کے لہجے میں عجیب سے گرلا نہیں تھیں۔ ارتضیٰ نے بے بسی سے دیوانوں کی طرح چلائی اسوہ کو دیکھا اور آرمی کے سولجرز کو تابوت اٹھانے کا اشارہ کیا۔

”نہیں..... میرے حذیفہ کو مت لے جاؤ، ارتضیٰ اسے میرے پاس رہنے دو، وہ اندھیرے میں ڈر جائے گا ارتضیٰ یہ چلا گیا تو مجھے ماما کون کہے گا میرے آنگن کی رونقیں کون آباد کرے گا۔ میں دعا کس کے لیے مانگوں گی۔“ وہ روتی ہوئی اس کے قدموں میں گر گئی۔ عروس نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا وہ بے تاب ہو کر دوڑی مگر وہ لہو بہ لہو اس سے حذیفہ کو دور لے جا رہے تھے وہ دھاڑیں مارتی ہوئی سبز گھاس سے بچھے فرش پر بیٹھ گئی۔ اس نے بڑی حسرت سے اپنی سوتی گود کو دیکھا۔

”حذیفہ زندگی اور موت کے سودے کا یہ وقت





عربی

# تمسار دل

نادیہ فاطمہ رضوی

WWW.PAKSOCIETY.COM





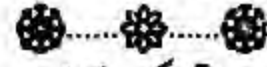
بلا کی دھوپ سے آئی ہوں میرا حال تو دیکھو  
بس اب ایسا کرو تم سایہ دیوار ہو جاؤ  
ابھی پڑھنے کے دن ہیں لکھ بھی لینا حال دل اپنا  
مگر لکھنا تبھی جب لائق اظہار ہو جاؤ

سورج کی کرنیں چہار سو پھیلیں آسمان کو حسین تر بنا  
رہی تھیں دن بھر کا تھکا ماندہ سورج اپنی گود سے تمام  
روشنیوں کے جگنو آسمان کو سو بپ کر غروب ہونے کی  
تیار یوں میں محو تھا۔ چہچہاتے سر الہ پتے پرندے اب  
اپنے اپنے آشیانوں کی جانب سر درو شاداں لوٹ رہے  
تھے شام کی شہزادیاں خراماں خراماں رخصت ہوتی رات کی  
پریوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں وہ روز اپنے کمرے کی  
واحد کھڑکی سے ڈھلتی شام اور آتی سیاہ رات کا منظر بہت  
توجہ اور گہرائی سے دیکھتی تھی اور ہمیشہ ان اڑتے پرندوں کو  
اپنے اپنے ٹھکانوں کی جانب لوٹتے ہوئے دیکھ کر سوچا  
کرتی کہ کتنی خوش نصیب مخلوق ہے جو اپنے بے سکون  
گھونسلوں میں جا کر چین کی نیند سوتی ہے ہر طرح کی فکر و  
اضطراب سے بے نیاز اپنوں کے سنگ سوچ کے سراغر  
میں ڈبکیاں لگاتے لگاتے ہمیشہ کی طرح رات کے آٹھ بج  
نے دیکھتے ہی دیکھتے فلک کو اپنی سیاہی سے جانب لیا تھا  
اور اب آسمان میں ستارے نیا جہاں آباد کیے چاند کی آمد  
کے منتظر تھے جو بادلوں کی اوٹ میں چھپا اپنا جلوہ دکھانے  
کے لیے کسی شوخ محبوب کی طرح آنکھیں میاں کر رہا تھا  
رامیہ نے ایک تھکی تھکی سانس فضا میں خارج کی اور کھڑکی  
سے ہٹ کر اپنے بستر پر بیٹھ کر بیڈ کراؤن سے سر ٹکا کر  
آنکھیں موند لیں جب ہی ہلکی سی دستک دے کر کوئی  
خاموشی سے اندر چلا آیا۔  
رامیہ بخوبی جانتی تھی کہ اس وقت اس کمرے میں کون  
آیا ہے وہ چند لمبے سے ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا دیکھتا

رہا پھر سامنے دھری کرسی پر بیٹھ کر آہستگی سے گویا ہوا۔  
”لگتا ہے آج بہت تھک گئی ہو۔“ ذیشان کی آواز  
کمرے میں گونجی تو ناچار اس نے اپنی آنکھیں کھول کر  
اسے دیکھا پھر سر ہلا کر نرمی سے کہا۔  
”ہاں شاید بہت تھک گئی ہوں اب دل چاہتا ہے کہ  
ڈھیر سا آرام کروں گہری نیند ہو جاؤں تاکہ میرے روم  
روم میں رہتی یہ ٹھکن اتر جائے۔“  
”رامیہ تم کیوں خود کو دوسروں سے الگ تھلگ رکھتی ہو  
عائشہ نامہ اور نازش کی طرح کیوں سب سے کھل کر  
نہیں رہتی ہنسنا بولا کہ۔ اس گھر کی سرگرمیوں میں حصہ لیا  
کرؤ آخر تم اور رومیوں سے الگ تھوڑی ہو۔“ وہ ہمیشہ کی  
طرح اسے پھر جھانے بیٹھ گیا تھا۔  
”میں الگ ہوں ذیشان! یہ گھر میرا نہیں ہے  
یہاں رہنے والے لوگ میرے اپنے نہیں ہیں اور نہ ہی  
اس گھر کے کیمونوں کے دلوں میں میری حیثیت نامہ  
نازش اور عائشہ جیسی ہے۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح  
جانتے ہو پھر مجھ سے جھوٹ کیوں بولتے ہو۔“ رامیہ  
اسے بغور دیکھتے ہوئے کھیلے لہجے میں بولی پھر سخت  
سے سر جھٹک کر گویا ہوئی۔  
”مجھے بھی اس گھر اور یہاں کے رہنے والوں کو اپنا  
کہنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔“ رامیہ کی بات پر وہ محض اسے  
خاموشی سے دیکھتا رہ گیا وہ کچھ نہ بھی نہیں کہہ رہی تھی یہ  
حقیقت تھی کہ اس گھر کے لوگوں کے لیے وہ ناپسندیدہ ہستی  
تھی وہ ابھی کچھ کہنے کا ارادہ کرتی رہا تھا کہ اچانک دستک



وے کر غراب سے نام نہ اندر داخل ہو کر دکھائی سے بولی۔  
 ”اگر یہاں سے فرصت مل جائے تو نیچے ڈرائنگ روم  
 میں تشریف لے آئے پھوپھو اور ارمان بھائی آئے ہوئے  
 ہیں۔“ رامیہ ایسے طنزیہ جملوں کی عادی تھی لہذا نام نہ کی  
 بات پر اسے کوئی فرق نہیں پڑا البتہ ذیشان تیزی سے اٹھ کر  
 کمرے سے باہر چلا گیا۔



”یا اللہ یہ اچھی صورتیں کس کے نصیب میں ہوتی ہیں  
 ایک آدھ برس پلیز مجھے بھی دے دیجیے ناں آف کیا  
 غضب کی شخصیت ہی کاش یہ شخص میرا مقدر بن جائے۔“  
 عقیفہ حسب معمول اپنا آگ الاپ رہی تھی جب کہ نوٹ  
 بک پر تیزی سے قلم چلاتے ہوئے رامیہ کے ہونٹوں پر  
 مسکراہٹ بھی بکھر رہی تھی جبکہ ایسا شازو اور ہی ہوتا تھا  
 طوبی رامیہ کو مسکراتے دیکھ کر خود بھی مسکرا دی اسے اپنی یہ  
 انوکھی اور دنیا سے ناراض سبکی دل و جان سے عزیز تھی۔

”رامیہ یہ اپنی عقیفہ تھی دل پھینک زمین حراج اور فلرٹی  
 لڑکی ہے کہ ہر نیا بندہ دیکھ کر اس کی آنکھیں ماتھے تک کھل  
 جاتی ہیں اور پورے تیس دانت فوراً باہر آ جاتے ہیں۔ خدا  
 کے واسطے لڑکی کچھ تو حیا کا دامن پکڑ لے آخر اس سمجھو روری  
 لڑکی سے ہم نے کیوں دوستی کر لی رامیہ! آخراً میں طوبی  
 مصنوعی پشیمانی سے بولی تو رامیہ کھل کر مسکرا دی پھر کمن  
 انداز میں گویا ہوئی۔

”تم فکر مت کرو یہ ایسا بادل ہے جو گر جتا ہے برستا  
 نہیں بس یہ صرف دور سے بیٹھ کر آجیں بھرنے اور وہائیاں  
 دینے کے علاوہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتی۔“

”تو کیا کروں رامیہ مجھے کوئی لفٹ ہی نہیں دیتا۔“  
 عقیفہ روٹی صورت بنا کر بولی اس وقت وہ اپنے کسیپس  
 کے لائن میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

”تمہیں کس سے لفٹ لینے کی چاہت ہو رہی ہے؟  
 وہ تمہیں ڈی پارٹمنٹ کا اظفر فیکل یا پھر انکس ڈی پارٹمنٹ  
 کے عمر کاگھی کی توجہ چاہیے۔“ طوبی اسے چھیڑنے کے  
 انداز میں بولی تو عقیفہ براساٹ بنا کر بولی۔

”افویار! یہ دونوں تو پرانے ہو گئے تم نے شاید اس کو  
 دیکھا نہیں آج میں نے اسے کسیپس کی پارکنگ پر دیکھا  
 تھا آف کیا بتاؤں طوبی میں تو اسے دیکھتے ہی دل ہار  
 بیٹھی۔“ بولتے بولتے عقیفہ آخر میں اپنے دل پر ہاتھ  
 رکھ کر لہک کر بولی۔

”دیکھا رامیہ! تم نے کتنی کمینٹی لڑکی ہے یہاں سناپنے  
 فکرت پن میں اس نے لڑکوں کو بھی مات دے دی ہے۔“

طوبی اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے رامیہ  
 سے مخاطب ہو کر بولی جو ہنوز نوٹ بک پر جھکی ہوئی تھی۔

”ہاں ہاں خود کے پیروں میں تو مگنی کی زنجیر پڑی  
 ہوئی ہے نا تب ہی میری آ زاوی سے جلتی ہو۔“ عقیفہ اس  
 پر چڑھ دوزی اور پھر حسب معمول دونوں میں تکرار شروع  
 ہو چکی تھی۔ رامیہ نے اطمینان سے نوٹ بک بند کی اس کا  
 کام مکمل ہو چکا تھا۔

”تم دونوں پلیز بعد میں لڑ لینا مہلے کینٹین چلو مجھے  
 بہت بھوک لگ رہی ہے آج ناشتا بھی گولی ہو گیا تھا۔“

”کیا..... تم نے ناشتا نہیں کیا ارے پاگل پہلے کچھ کھا  
 لیتی اب تو ایک بجنے والا ہے تم اتنی دیر سے بھوئی ہو۔“  
 طوبی حیران ہوتے ہوئے چار بھرے لہجے میں بولی تھی  
 عقیفہ بھی رامیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

”اٹس اوکے یار مجھے، وقت ہے اکثر میں کھانا بھی  
 گول کر جاتی ہوں اب پلیز کینٹین چلو مجھ سے مزید بھوک  
 برداشت نہیں ہو رہی کل رات بھی ایسے ہی سو گئی تھی۔“

”رامیہ میری جان! تم اپنا خیال کیوں نہیں  
 رکھتیں۔“ رامیہ کی بات سن کر طوبی اور عقیفہ انتہائی مغموم  
 سی ہو گئیں وہ دونوں رامیہ کے گھر کے ماحول اور ان  
 کے کینٹنوں کے سلوک سے، بخوبی واقف تھیں جب ہی  
 عقیفہ دل گرگی سے بولی۔

”ارے تم دونوں فکر کیوں کرتی ہو بہت سخت جان  
 ہوں میں اتنی آسانی سے نہیں مر سکتی۔“ رامیہ طنزاً بولی تو  
 عقیفہ اس سے تیزی سے لپٹ گئی۔

”اگر ایسی بات آئندہ کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا



لہذا آرام سے ٹھیکل پڑا کر بیٹھ جاؤ۔“ مسز ابراہیم اپنے بیٹے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں تو اس نے دوسرے منہ بنانا ہوا کر سی بہنک گیا۔

”مما یہاں میرے کوئی دوست نہیں ہیں اور کیسپس میں پہلے ہی دن سب ایک دوسرے سے دوستیاں کر لیتے ہیں پھر وہ کسی کو اپنے گروپ میں شامل نہیں کرتے۔“ اس نے اپنے جلدی جانے کا جواز بتانے ہوئے بولا۔

”مائی بیک سن! بن جائیں گے تمہارے دوست تم اس بات کی فکر مت کرو۔“ ابراہیم صاحب اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولے تو چار اس نے دودھ کا گلاس ہاتھ میں تھام لیا۔

آج پورے کیسپس میں بڑی گہما گہما رہی نیا سیشن شروع ہو چکا تھا لہذا ہر جگہ نئے چہرے بے فکر انداز میں قہقہے بکھیرتے اور ایک دوسرے پر شوخ جملے اچھالتے نظر آ رہے تھے عقیفہ صاحبہ ہر پہرے پر نگاہ ڈالتی کہ شاید وہ پارکنگ والا ڈرائیونگ بندہ اسے دکھائی دے جائے مگر ہر بار وہ ناکام ہو جاتی۔

”ہوسکتا ہے وہ یہاں کا اسٹوڈنٹ نہ ہو ایسے ہی کسی کام سے آیا ہو۔“ طوبی اس کا بے چینی دیکھ کر بولی۔

”ہوسکتا ہے مگر کاش وہ... وہ دیکھو... وہ کھڑا ہے۔“ مایوسی سے بولتے بولتے اچانک عقیفہ فرط جذبات و خوشی سے مغلوب ہو کر اچھل کر بولی۔ بے ساختہ رامیہ اور طوبی نے بھی عقیفہ کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا اور جینوز پر رف سی اسکن رنگ کی ٹی شرٹ آنکھوں میں بلیک گلاسز لگائے واقعی وہ شخص بہت سی نگاہوں کا مرکز بننے کا اہل تھا جب کہ یوگن ویلا کی کنج، قریب کھڑے عاقین علی شاہ کی تیز نگاہوں نے ان تینوں کو خود پر نگاہ مرکوز کیے بخوبی دیکھ لیا تھا۔

”اچھا اب دیکھ لیا تاں نے اپا لو کو کیا خیال ہے اب گھر چلیں۔“ طوبی عقیفہ سے بول کر اپنے موبائل سے ڈرائیور کو فون کرنے لگی۔

”بھئی۔“ وہ گلو کیر لہجے میں بولی تو طوبی کی آنکھوں میں بھی نمی پھیل گئی رامیہ بھی جیسے چپ سی ہو گئی پھر مسکرا کر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولی۔

”اچھا بابا!..... اب پلیز کینٹین چلو۔“

”ہاں بھئی چلو ورنہ یہ بھوکی کہیں ہمیں ہی نہ کھا جائے۔“ طوبی ہنستے ہوئے اٹھ کر بولی تو رامیہ اور عقیفہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ابراہیم صاحب تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آئے تو ہمیشہ کی طرح مسز ابراہیم کو انتہائی فریش موڈ میں ملازم کے ہمراہ ناشتے کی میز سجاتے ہوئے دیکھا انہیں دیکھ کر ابراہیم صاحب اندر تک تروتازہ ہو گئے۔

”صبح بخیر مسز ابراہیم!“ وہ ہمیشہ اپنی بیوی کو اسی طرح مخاطب کرتے تھے مسز ابراہیم نے بھی مسکرا کر انہیں ”صبح بخیر“ کہا کہ اسی دم اس نے بھی جگت میں ڈائننگ ہال میں داخل ہوا اور دونوں کو گنڈ مارنگ کہہ کر ہائے بول کر جانے لگا۔

”ارے ارے بر خوردار! ہوا کے گھوڑے پر کیوں سوار ہو یونیورسٹی کہیں بھاگی نہیں جا رہی ہے چلو پہلے ناشتا کرو۔“ ابراہیم صاحب اسے ٹوکتے ہوئے بولے تو وہ رک گیا۔

”پاپا پلیز مجھے جانے دیجیے آج یونیورسٹی میں پہلا دن ہے مجھے کافی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔“ اس روض ہو کر بولا۔

”شاباش بیٹا یوں لڑکیوں کی طرح گھبرا شرمنا کر تم اپنے باپ دادا کا نام خوب روشن کرو گے غالباً آج عاقین کا بھی پہلا دن ہے وہ موصوف کہاں ہیں۔“ ابراہیم صاحب گویا ہوئے۔

”پاپا! عاقین بھائی تو اس دنیا میں بہت اٹو کھا ہیں ہیں وہ تو پورا اسٹبل بیچ کر سو رہے ہیں مگر مجھے وقت پر جانا ہے۔“ وہ بار بار اپنی گلانی پر بندھی رسٹ واچ کی جانب دیکھ رہا تھا۔

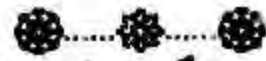
”بیٹا ہم تمہیں خالی پیٹ ہرگز نہیں جانے دیں گے



”اس بندے کو دیکھ کر دل تو نہیں چاہ رہا مگر گھر تو چلنا ہے۔“ عقیقہ لا چاری سے بولی۔

”او کے طوبی عقیقہ میں بھی نکلتی ہوں ورنہ پوائنٹ مس ہو جائے گی۔“ رامیہ عجلت میں بولی۔

”یار میں تمہیں ہر بار کہتی ہوں کہ میرے ساتھ گاڑی میں چلو مگر تم ہر بار منع کر دیتی ہو۔“ یہ کہہ کر وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر نکل گئی تو عقیقہ اور طوبی دونوں ایک دوسرے کو محض دیکھتی رہ گئیں۔



وہ منتشر سوچوں میں گھری پراگندہ ذہن اور تھکے وجود سمیت مہک دلا میں داخل ہوئی تو نازش اور عائشہ کو بادام کے درخت کے نیچے کھے کٹڑی کے جمولے پر بیٹھے پایا جو انتہائی خوش چہروں میں مصروف تھیں اسے یاد دیکھ کر نازش نے عائشہ کے کان میں کچھ کہا تو دونوں ہلکے سا کر ہنس پڑیں۔ ہمیشہ کی طرح رامیہ نے ان کے رویوں کو نظر انداز کرنا چاہا مگر اس بار وہ ایسا نہیں سکی اشتعال و ناگواری کی تند لہر اس کے اندر سے اٹھی تھی جس نے پوری طرح سے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا وہ تنگانی ہوئی ان کے سروں پر جا پئی۔

”کیوں میرے چہرے پر کوئی لطیفہ لکھا ہوا ہے جسے پڑھ کر تم لوگ یوں تہمت لگا رہی ہو یا پھر تم دونوں کا دماغی توازن خراب ہو گیا ہے۔“

”شٹ اپ رامیہ! دماغی توازن ہمارا نہیں تمہارا خراب ہو گیا ہے ہم بھلا تمہیں دیکھ کر کیوں ہنسیں گے۔“ عائشہ بدتمیزی سے صاف مکر کر بولی۔

”میں اچھی طرح جانتی ہوں تم دونوں کو دوسروں کی ذات پر کچھ بچھاڑنے اور غیبتوں کے علاوہ آسانی کیا ہے؟“ رامیہ بہت کم کسی سے الجھتی تھی اور جب وہ الجھتی تھی تو پھر مقابل کو اپنی جان چھڑانا مشکل ہو جاتی تھی۔

”جب کسی کی ذات عیب دار ہو تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے اس پر کچھ بچھاڑنے کی۔“ عائشہ نے اسے مزید تیلیا اور پھران کے درمیان شدید تحریک شروع ہو گئی۔

”تمہیں کس نے حق دیا ہے کہ تم یوں کسی کے کردار کی دجیاں اڑاؤ کسی کی ٹیک نامی پر اٹھانا گناہ کبیرہ ہے تمہیں۔“ رامیہ طیش کے عالم میں تقریباً چلا کر بولی۔

”اونہہ پارسائی کا دعویٰ کرنے والے اکثر منہ کے بل گرتے ہیں رامیہ بی بی!“ عائشہ بوبہ بوبی تو رامیہ کو یاد چلتے تو دس جا گری۔

”بہت خوب دوسروں کے دامن میں کچھڑے کے چھیننے ڈھونڈنے سے بہتر ہے کہ تم اپنے گریبان میں جھانکو۔“

رامیہ تنکا کر بولی۔

”عائشہ تم اس کے منہ کیوں لگ رہی ہو زمانے بھری بدتمیز اور تیز زبان کی لڑکی ہے، یہ“ نامہ اسے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی تو ان لوگوں کا شور سن کر صالحہ چچی اور اسماء تائی اندر سے برآمد ہوئیں جنہیں دیکھ کر عائشہ اور نازش اور بھی شیر ہوئیں۔

”بائی امی! آپ اس رامیہ کو سمجھا لیں کہ یہ ہم سب سے بات مت کیا کرنے، یہاں انسان رہتے ہیں اس جیسے جنگی نہیں اگر یہاں رہنا۔ یہ تو انسانوں کی طرح رہے ورنہ جنگل میں چلی جائے۔“ نازش ہر خند لہجے میں بولی۔

”ہاں ہاں چلی جاؤں گی مجھے بھی تم جیسے انسانوں کے درمیان رہنے کا کئی شوق نہیں۔“ وہ لفظوں کو چبچبا کر بولی تو اسماء تائی انتہائی غضب ناک ہو گئیں۔

”کیوں اپنی ماں کی طرح چاند چڑھانے کا ارادہ ہے کیا خبر دار جو اس گھر سے جانے کا سوچا بھی ورنہ تمہارے تایا سے کہہ کر تمہاری ٹانگیں تڑا دوں گی سمجھیں۔“ وہ تھملا کر بولیں جب کہ رامیہ تائی کے منہ سے لفظ ماں سن کر یوں خاموش ہوئی جیسے کسی نے چلتی مشین کا بٹن اجا تک بند کر دیا ہو وہ پھر وہاں رکی نہیں تیزی سے پلٹ کر چلی گئی جب کہ چاروں خواہشیں اونہہ کر کے کہہ گئیں۔

”بھائی مجھے تو زیٹان کے مستقبل پر خوف آتا ہے نجانے بھائی صاحب کو کیا ہو گیا ہے کہ اس دو گز کی لمبی زبان کی لڑکی کو اپنی بہو بنانے پر بھند ہیں۔“ سب سے پہلے صالحہ چچی نے ہرا گلا تھا۔



آئی مگر وہ ان سنی کر کے وہاں سے نکلتی چلی گئی کہ اچانک ایک لڑکی جو کسی سے بات کرنے میں مصروف تھی فوراً پلٹی اور بے ساختہ رامیہ سے لکرائی۔ رامیہ کے ہاتھوں میں موجود کتابیں زمین بوس ہو چکی تھیں۔

”اوہ آئی ایم سوری۔۔۔۔۔“

”اندھی ہو کیا یا پھر نظر کم آتا ہے محترم آپ کو۔“ رامیہ چیخ کر بولی تو وہ لڑکی اسے شہنشاہ کر دیکھنے لگی۔

”نجانے کہاں کہاں سے چلے آتے ہیں۔“ رامیہ زمین پر بیٹھ کر کتابیں سمیٹتے ہوئے مسلسل بڑبڑا رہی تھی بیک جنیئر پر بیک گرتے ہیں اسی رنگ کا اسٹارف لیے اپنے تھکے نقوش اور گورے رنگت کی بنا پر رامیہ بہت خاص لگ رہی تھی۔

”مس میں آپ کو سوری تو کہہ رہی ہوں۔“ وہ لڑکی بُرا مانتے ہوئے بولی۔

”اس لفظ سے مجھے نفرت ہے، مندرہ بڑی سے بڑی خطا کر دے اور پھر یوں دے سوری۔“ نجانے وہ کس کا غصہ کس پر نکال رہی تھی طوبی اور عقیقہ اپنی جگہ شرمندہ سی کھڑی تھیں۔ عافین علی شاہ کو مزہ اس لڑکی کی بدتمیزی برداشت نہیں ہوئی تو وہ اس معاملے میں کودی پڑا۔

”آپ تو کافی بدتمیز لڑکی ہیں میری فریڈ آپ کو سوری کہہ رہی ہے اور اٹنا آپ مسلسل ان کی بے عزتی کر رہی ہیں۔“ وہ ٹھنڈے مگر تھکے لہجے میں بولا تو رامیہ نے عافین کی جانب بغور دیکھا۔

”اوہ تو آپ ان کے نمائی ہیں یا پھر بہت بڑے ہم درو۔“ رامیہ اتنی بدتمیزی سے بولی کہ وہ رے طیش کے عافین کی کپٹیاں جھنجھٹا گئیں۔

”گنتا ہے آپ کو کہتا ہے میرا نہیں سکھائے، بیٹھے یقین نہیں کہ اس یونیورسٹی میں آپ جیسے لوگ بھی پڑھتے ہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا مسٹر! آپ جیسے لوگ۔۔۔۔۔“ عافین کے یہ الفاظ سن کر رامیہ جیسے بالکل ہی آؤٹ آف کنٹرول ہوئی آہستہ آہستہ ادھر ادھر کھڑے اسٹوڈنٹس

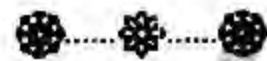
”ارے میں کیا کروں صالحہ! تم تو ان کی ضد سے واقف ہو اپنے مرتے بھائی سے وعدہ کر لیا تھا کہ اس آفت کی پرکالہ کو اپنے سر پر بٹھالیں گے اونہہ کم بخت اپنے ماں کے اپوارڈے لے کر یہ بنا ہے گی یہی کہاں۔“ اسماہ تائی جلد دل کے پھپھولے پھونڈتے ہوئے بولیں۔

”مگر بھائی یہ ذیشان کے ساتھ نا انصافی ہوگی یہ تو آنکھوں دیکھی تھی ننگے والی بات ہوئی ناں۔“ صالحہ چچی تاسف سے بولیں۔

”ایک لڑکی کے دل میں اپنی بھائی کو لے کر کتنے ارمان ہوتے ہیں امی اور یہ کتنا بھڑی رامیہ۔۔۔۔۔ رامیہ کیا ہماری بھائی بننے کے لائق ہے۔“ نازش نے بھی زہرا لگایا تھا۔

”اب میں کیا کر سکتی ہوں وہ ذیشان بھی تو دل و جان سے راضی ہے۔“ اسماہ تائی چڑ کر بولیں۔

”اونہہ۔۔۔۔۔ اپنے پیچھے زیوانہ جو ہمارا کما ہے اس رامیہ نے ذیشان جیسے سیدھے سادھے لڑکے کو۔“ عائشہ نخوت سے بولی۔



رامیہ کی آنکھوں کی سرخی اور چہرے کا سُستا پن بتا رہا تھا کہ یقیناً وہ بہت ڈسٹرب ہے طوبی اور عقیقہ اسے صبح سے ہی نوٹ کر رہی تھیں کہ بیٹھے بیٹھے وہ کسی غیر مرئی نقطے کو گھورے چلی جاتی ہے۔ سر عامر کی کلاس لے کر وہ تینوں باہر نکلیں کہ اچانک عقیقہ جوش سے بولی۔

”ہوئی وہ سامنے دیکھو کل والا ابیرو۔۔۔۔۔ اومائی گاڈ آج تو بالکل نام کروڑ لگد بند ہے۔“

”رامیہ کیا خیال سے کینٹین نہ چلیں مجھے لگد ہا ہے کہ آج بھی تم نہار منہ ہی کیہ پس آگئی ہو۔“ طوبی عقیقہ کی بات نظر انداز کر کے بولی۔

”نہیں میرا موڈ نہیں ہے میں لاہریری جاری ہوں تم لوگ کینٹین چلی جاؤ۔“ وہ سپاٹ بیچے میں بولتی آگے بڑھ گئی تو دونوں تقریباً اس کے پیچھے بھاگیں جو تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔

”ارے رامیہ! سنو تو سہی۔“ طوبی کی عقب سے آواز



گلے لگ کر اتنا بلک بلک کر رونا کہ عقیقہ اور طوبیٰ کو سنبھالنا ہی مشکل ہو گیا۔



رات کے کھانے کی میز پر ابراہیم صاحب نے عافین کو نادر پا کر انس سے استفسار کیا۔

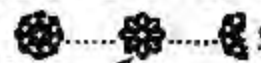
”بیٹا! عافین کہاں ہے کھانے پر کیوں نہیں آیا؟“  
 ”میں ان کے کمرے میں گیا تھا پا پا! وہ کہہ رہے تھے کہ انہیں بھوک نہیں ہے۔“ انس کھانے میں مصروف ہو کر بولا۔

”ارے ایسے کیسے بھوک نہیں ہے اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“ مسز ابراہیم فکر مندی سے گویا ہوئیں۔  
 ”رینیکس ماما! بھائی اکید ہے تھے کہ شام کو انہوں نے اپنے دوست کے ساتھ کافی بیوی اسٹیکس لے لیے تھے لہذا بالکل بھوک نہیں ہے۔“ انس ہنوز لہجے میں بولا تو ابراہیم صاحب اور مسز ابراہیم کچھ مطمئن ہو گئے۔

عافین اپنے کمرے میں بڑی بے چینی سے چکر لگا رہا تھا بار بار نگاہوں کی اسکرین پر اس کی لڑکی کا چہرہ سامنے آ رہا تھا عافین کو اس لڑکی کے رویے سے اپنی بے پناہ بے عزتی محسوس ہو رہی تھی جب اس کی سہیلی اسے وہاں سے لے گئی تھی تو کتنے عمو چہروں نے آنکھوں میں معنی خیز مسکراہٹ لیے اس تڑشے کی وجہ پوچھی تھی وہ اور اس کی دوست مناشہ کتنے شرمندہ ہو رہے تھے۔

”آخر کیا سمجھ کر اس جنگلی لڑکی نے مجھ سے اتنی بد تمیزی کی میری توجہ حاصل کرنے کے لیے یا بھر کوئی اور وجہ ہے؟“ عافین تھک کر صوفے پر بیٹھ کر خود سے بولا پھر انتہائی سلگ کر خود بے گویا ہوا۔

”وجہ جو بھی ہو ہمیں مجھ سے اپنے سلوک کی معافی چینی ہوگی تم ابھی رافین علی شاہ سے واقف نہیں ہو۔“ پھر ہنہ کر ہاتھ لینے کی غرض سے وائس رووم میں چلا گیا۔



رامیہ چائے کی طلب میں چٹن میں آئی تو وہاں بیٹھانی کے نو کروں گویا ایک بل کوٹنگی پھر سر جھٹک کر چوہے

بھی ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

”رامیہ پلیز کول ڈاؤن چلو یہاں سے پلیز۔“ طوبیٰ اس کا بازو تھام کر لچاچت سے بولی مگر رامیہ نے تو جیسے طوبیٰ کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

”تم ہوتے کون ہو مجھ پر انگلی اٹھانے والے کیا سمجھتے ہوہاں بولو آخر تمہیں امت کیسے ہوتی میرے کردار.....“

”رامیہ خدا کے واسطے یہاں سے چلو۔“ طوبیٰ حیرتی سے اس کی بات کاٹ کر رامیہ سے بھی اونچی آواز میں بولی۔

”مس! اپنی فریڈ کو یہاں سے لے جائیے اور کسی اچھے سائیکلائسٹ کو رکھائیے۔“ عافین علی شاہ استہزائیہ آ میز لہجے میں بولا تو طوبیٰ تقریباً اسے ٹھٹھتی ہوئی وہاں سے لائبریری کے عقب کے نہایت پرانے گوشے میں لے آئی وہ دھپ سے زمین پر بیٹھ گئی تو طوبیٰ نے اسے تشویش بھری نگاہوں سے دیکھا۔

”تم ٹھیک تو ہونا رامیہ!“

”مجھے کیا ہونا ہے۔“ وہ چڑ کر بولی۔

”رامیہ! تمہیں ہو کیا گیا تھا کیوں خواہو اس لڑکے سے الجھ گئی تھیں۔“ عقیقہ نے استفسار کیا تو وہ جیسے پھٹ پڑی۔

”وہ لڑکا میری ذات کی دھجیاں اڑا رہا تھا اور تم کہہ رہی ہو کہ میں اس گھٹیا انسان سے الجھ رہی تھی۔“

”رامیہ اس نے تمہاری ذات پر انگلی نہیں اٹھانی تھی وہ تو یہ کہہ رہا تھا کہ.....“

”بس طوبیٰ اس کہنے کی طرف داری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ رامیہ نے تلملا کر طوبیٰ کی بات کاٹی۔

”جس کا جب دل چاہتا ہے میری ذات کو دو کوڑی کا سر کے چلا جاتا ہے کیوں آخر کیوں میں ہی سب کی بد سلوئیاں سہوں طنز طعنے برداشت کروں کیا میں عزت و ارزگی نہیں ہوں..... یو طوبیٰ کیا میں اچھی لڑکی نہیں ہوں؟“

”نہیں میری سستی دغ دار ہے؟ کیا میرا دامن میلا ہے.....“ وہ اس کا بازو جھٹوڑ کر بولی پھر اس کے



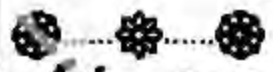
ہو۔“ ڈیشان پریشانی سے بولا۔  
 ”ابو تو خود زندگی سے ناٹھ توڑ گئے مگر مجھے اس بربخ  
 میں جلنے کے لیے چھوڑ دیا۔ انہوں نے کبھی میرے بارے  
 میں نہیں سوچا ہمیشہ میرے ساتھ نا انصافی کی اور آخری  
 وقت میں بھی مجھے وہ اس خاندان سے منتھی کر گئے۔“ رامیہ  
 زخمی لہجے میں بولی تو ڈیشان نے اسے پریشان کن نگاہوں  
 سے دیکھا۔

”رامیہ تم اس وقت بہت ڈسٹرب ہو، ہم کسی اور  
 موضوع پر بات کرتے ہیں۔“ ڈیشان ہلکے پھلکے انداز میں  
 ماحول کے تناؤ کو کم کرنے کی غرض سے بولا۔

”تم نیچے جاؤ ڈیشان! اس وقت وہاں سب کو تمہاری  
 ضرورت ہوگی مگر میں یہ بات اپنے پورے ہوش و حواس  
 میں کہہ رہی ہوں۔“ رامیہ انتہائی سنجیدگی سے بولی تو ڈیشان  
 نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔

”رامیہ اب تم مجھے ڈسٹرب کر رہی ہو۔“  
 ”ہم پھر بات کریں گے ڈیشان! اس وقت پلیز نیچے  
 جاؤ ورنہ یہاں کوئی آ جائے گا تو مجھے ہی مستوب ٹھہرائے  
 گا۔“ رامیہ اس وقت درست کہہ رہی تھی نا جاؤ ڈیشان رامیہ  
 پر ایک ٹاٹہ ڈال کر تھکے تھکے قدموں سے مڑ گیا تو چپکے سے  
 اس کی آنکھوں میں نمی دنائی۔

”مجھے معلوم ہے ڈیشان! تمہیں میری بات سے  
 بہت دکھ پہنچا ہے مگر یہی ہمارے لیے بہتر ہے۔“ وہ  
 خود سے بولی تھی۔



کیسپس میں آج خوب رونق لگی ہوئی تھی فائزل انر  
 والے نئے آنے والے سٹوڈنٹس کو ویکم پارٹی دے رہے  
 تھے۔ رنگ و نور کا جیسے سیلاب لٹ رہا تھا بے فکرے  
 مسکراتے چہرے ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں  
 مصروف تھے۔ کیسپس۔ کراسے یاد آیا کتا آج پارٹی ہے  
 لہذا کلاسز نہیں ہوں گی۔ طوبی اور عقیقہ اسے مخصوص حلے  
 میں دیکھ کر چلائی پڑیں۔

”خدا کو مانو رامیہ! یہ کیا تم سر جھامٹ منہ پھاڑ کیسپس

پر چائے کا پانی رکھا اور وہیں رکھی کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گئی  
 جب ہی انتہائی عجلت میں نامہ اندر آئی انتہائی تک سک  
 سے تیار وہ اسے بھر پور انداز میں نظر انداز کر کے فریج میں  
 سے کچھ نکالنے لگی پھر جاتے جاتے پلٹ کر اسے دیکھ کر  
 اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔

”تم پلیز اس حلے میں ڈرائنگ روم میں مت آ جاؤ  
 تازہ کے سسرال والے بہت مہذب اور سلیقے کے لوگ  
 ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ جھپاک سے باہر نکل گئی جبکہ رامیہ کے  
 اندر آگ سی لگ گئی۔

”اونہہ..... میں کون سا شوق میں مری جا رہی  
 ہوں۔“ وہ جل کر خود سے بولی پھر چائے کا کپ تیار  
 کر کے خاموشی سے چہت پر آ گئی۔ شفاف نیلگوں  
 آسمان پر اجلا چاند اور افشاں کی مانند کمرے ستارے  
 ماحول کو سحر انگیز بنا رہے تھے، میلی وشنڈی ہو اس پہل  
 بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی یہاں آ کر رامیہ کے  
 اعصاب کو یک گونہ سکون محسوس ہوا وہ گہری گہری  
 سانس لے کر تازہ ہوا اپنے اندر اتارنے لگی جب تو  
 ڈیشان دبے پاؤں اس کے برابر میں آن کھڑا ہوا۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو نیچے تازہ کی سسرال والے  
 اس کا منہ میٹھا کرنے آئے ہیں اور کھانا بھی آ گیا ہے پلو  
 نیچے آؤ۔“ ڈیشان نرمی سے بولا تو رامیہ ایک گہری سانس  
 کھینچ کر رہ گئی۔

”وہاں کسی کو میری ضرورت نہیں ہے اور نہ مجھے ان  
 سب کے پاس بیٹھنے کی عادت ہے۔“ وہ آہستگی سے  
 جذبات سے عاری لہجے میں بولی تو ڈیشان اسے چند لمبے  
 دیکھا رہ گیا۔

”ڈیشان! کیا تم میری ایک بات مانو گے؟“ رامیہ کسی  
 سوچ میں غلطاں ہو کر بولی ڈیشان نے اسے سوالیہ نگاہوں  
 سے دیکھا۔ ”یہ بندھن تو زود یہ منگنی ختم کرو ڈیشان۔“

”کیا..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو رامیہ! تم جانتی ہو کہ یہ  
 منگنی چچا کی خواہش ہے۔ یہ ہوئی تھی اور یہ بات تم کیسے سوچ  
 سکتی ہو اپنے مرحوم باپ کا جو ارشہ توڑنے پر کیوں آمادہ



سوچوں میں گم چلی جا رہی تھی جب اچانک ہی وہ سامنے آ گیا اگر رامیہ بروقت اپنے پیروں پر بریک نہ لگاتی تو زور سے اس کے کشادہ سینے سے ٹکرا جاتی۔ بلو جنیز پر قیمتی وائٹ شرٹ پہنے وہ اسے سخت بُرا لگا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے۔“ وہ چلا کر بولی۔

”محترمہ یہ کیا آپ ہر وقت بد تمیزی بد تمیزی کی رٹ لگائے رکھتی ہیں ابھی تو میں نے آپ سے کوئی بد تمیزی کی تھی نہیں۔ بہت مہذب طریقہ سے بات کر رہا ہوں اور آپ کے لیے بھی بہتر ہے کہ آپ بھی میری بات مان جائیں۔“ وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

”کون سی بات مان جاؤں؟“ رامیہ نے حیرت سے اپنی پوری آنکھیں کھول کر اتنا تسلسل کیا۔ عاقین علی شاہ پہلے تو ایک لمبے گھٹکا پھر اپنے ساہنہ انداز میں بولا۔

”اس دن کیپس میں آپ نے جو بنا ٹکٹ کے سب کو تماشہ دکھایا تھا اس کے لیے آپ مجھے سوری بولیے۔“

”کیا..... میں کیوں سوری بولوں آپ کو؟“ رامیہ انتہائی ناگواری سے بولی۔

”دیکھیے میں اس وقت بہت شرافت سے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ مجھے سوری بولیے ورنہ.....؟“

”ورنہ.....“ وہ شدید لیش میں آ کر بولی۔ ”ورنہ کیا..... مجھے قتل کر دیں گے آپ ارے آپ کہاں کے خدائی فوج دار ہیں بٹھے میرے راستے سے۔“

”رامیہ! مان خان! آپ شاید مجھے جانتی نہیں میں اپنی ضد کا بہت پکا ہوں۔“

”اور شاید آپ مجھے نہیں جانتے کہ میں کیا ہوں۔“ وہ عاقین کی بات پر حیزی سے بولی تو عاقین انتہائی بے پروائی سے شانے اچکا کر بولا۔

”مجھے آپ کے بارے میں جاننے کی کوئی چاہت نہیں ہے بلکہ آپ جیسے معمولی لڑکی کو تو میں دو منٹ بھی نہیں دیتا۔“

”اور میں آپ جیسے لڑکیوں کو ایک منٹ بھی نہیں دیتی۔“ وہ اس کے تھوڑا قریب آ کر انتہائی دلیری سے اس کی

آنکھیں ارے آج کے دن تو ڈھنگ سے کپڑے پہن لیتیں۔“ طوبی بے حد امان کر بولی۔

”اگر مجھے یاد آ جاتا کہ آج کلاسز نہیں ہوں گی تو میں آتی ہی نہیں۔“ وہ خود بھی بہت بے زار دکھائی دے رہی تھی۔

”اچھا تمہارے کپڑے اب اتنے بُرے بھی نہیں لگ رہے میرے پاس میک اپ کت اور لپ اسٹک ہے بس تم اپنا چہرہ درست کر لو۔“ عقیقہ جلدی سے بولی کہ مبادا رامیہ واپس ہی نہ جاتی۔

”مجھے ان چیزوں سے قطعاً دلچسپی نہیں ہے میں لائبریری جا رہی ہوں۔“ گمر کا مکدر ماحول اسے غصہ میں مبتلا رکھتا تھا۔ کیپس آ کر اسے کھٹا کیپس میں سر آتی تھی وہ واپس گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔

”پلیز رامیہ! یہ فنکشن اینڈ کر لو نا دیکھو نا سب آڈیٹوریم میں جا رہے ہیں۔“ طوبی اس کا بازو تھام کر لجاجت سے بولی جو کاسنی اور آف وائٹ رنگ کے احتجاج کے سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی جب کہ عقیقہ نیلے اور اورنج رنگ کے سوٹ میں بہت پُرکشش دکھائی دے رہی تھی۔

”تم دونوں اینڈ کر لو! میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا۔“

رامیہ ہنوز لہجے میں بولی تو دونوں باقاعدہ منتوں پر اتر آئیں تو ناچار وہ جانے کو رضامند ہوئی جون ہی رامیہ نے آڈیٹوریم میں قدم رکھا تماشہ سے باتوں میں مصروف عاقین نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پھر انتہائی ناگواری سے رخ دوسری طرف موڑ لیا۔

فنکشن شروع ہو چکا تھا عقیقہ اور طوبی بہت اکیسائینڈ ہو رہی تھیں، فنکشن کافی دلچسپ تھا مگر رامیہ کافی بوریت محسوس کر رہی تھی وہ سیٹ سے اٹھی تو دونوں نے اسے سوائے نظروں سے دیکھا۔

”واش روم جا رہی ہوں یارا“ رامیہ جھنجھلا کر بولی پھر بیگ اٹھا کر آڈیٹوریم سے باہر نکل آئی۔ کیپس میں اس لمبے بالکل سانا تھا سب فنکشن اینڈ کر رہے تھے وہ اپنی



”ڈونٹ ویری میم! میں چلا لوں گا آپ کا بہت بہت شکر۔“ انس نرمی سے بولا تو رامیہ مسکرائی۔  
 ”انس اوکے مگر اب دھیان سے چلانا اوکے۔“  
 ”آپ کا حکم سہرا نکھوں پر۔“ انس شوخی سے بولا تو رامیہ بھی ہنس دی پھر اس سے خدا حافظ کہہ کر بائیک لے گیا تو رامیہ نے بے ساختہ اس کے خیریت سے پوچھ جانے کی دعا کر ڈالی۔



”اب تم بالکل بچا بائیک کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے سمجھے میں تو پہلے ہی خلاف تھی۔“ مسز ابراہیم انس کو دودھ کا گلاس ٹھماتے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں جو یونیورسٹی سے سیدھا کلینک جا کر خود ہی بینڈیج کروا آیا تھا۔

”مما میری غلطی نہیں تھی وہ سڑک پر آکل پڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے، بائیک سلپ ہو گئی۔“ وہ دودھ کا گلاس منہ تک لے جاتے ہوئے بولا تو مسز ابراہیم مسکرا کر گویا ہوئیں۔

”میں جانتی ہوں بیٹا سب یہی کہتے ہیں مگر یہ میرا آخری فیصلہ ہے کہ اب تم بائیک بالکل استعمال نہیں کرو گے۔“

”مما.....“ انس نرمے پن سے بولا مگر مسز ابراہیم پیار سے اس کے بال بگاڑ کر اس کے بینڈ سے اٹھ گئیں وہ جو تکی بستر پر سیدھا سو کر لیٹا پریشان سا عافیانہ کمرے میں داخل ہوا۔

”انس حد ہوتی ہے بے پردائی کی تم مجھے کال نہیں کر سکتے تھے کہ آخر میں وہیں تو موجود تھا۔“ وہ اس کی پیشانی کا جائزہ لیتے ہوئے بولا جس پر بینڈیج کی گئی تھی۔  
 ”ریٹیکس بھان میں ٹھیک ہوں اور ویسے بھائی یہ نیورسٹی میں ایک بہت پیاری سی میم نے میری مدد کی پہلے تو، نہوں ڈانٹا پھر اسے خلوں سے آ کر مجھے اٹھایا۔“ انس جیسے تصویر میں رامیہ جو کھتے ہوئے چھوئے ہوئے لہجے میں بولا تو عافیانہ نے چونک کر اسے بخور دیکھا اور اس کے

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تو عافیانہ اس کے اس انداز پر حیران رہ گیا جو اب اطمینان سے پلٹ کر کیسپس کے باہر والے لمباستے کی جانب انتہائی خود اعتمادی سے قدم بڑھا رہی تھی۔

”دیکھ لوں گا میں تمہیں رامیہ امان خان! وہ جیسے پھنکا رہا تھا۔“

رامیہ کیسپس سے باہر نکلی ہی تھی کہ پاس سے گزرتی بائیک آگے چل کر بڑے زور سے پھسل گئی اور اس پر سوار لڑکا لڑھکتا ہوا بالکل رامیہ کے سامنے گرا تھا شوخی قسمت اس وقت سڑک پر اکاڈ کا ہی لوگ تھے جو اس جگہ سے کافی دور تھے رامیہ کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس لڑکے کے پاس پہنچی پھر اسے کراہتے دیکھ کر اس نے اطمینان کی سانس لی۔

”یہ تم بائیک کو کیا ہوائی جہاز سمجھ کر اڑانا چاہ رہے تھے اب گر گئے نا کیوں مڑا آیا؟“ وہ چڑ کر بولی تو ہیلمٹ کے اندر سے ٹحیف سی آواز برآمد ہوئی۔

”میم آپ پلیز مجھے بعد میں ڈانٹ لیجیے گا پہلے یہ تربوز میرا مطلب ہے یہ ہیلمٹ اتار دیجیے میری ہنسی میں بہت درد ہو رہا ہے۔“ یہ سن کر رامیہ جلدی سے سڑک پر گھنٹوں کے بل بیٹھی اور سہولت سے ہیلمٹ اتار لیا، اکیس بائیس سال کا نو عمر لڑکا اس بل کافی تکلیف کا شکار تھا۔

”زیادہ درد ہو رہا ہے تمہیں دکھاؤ کہاں لگی؟“ رامیہ اب باقاعدہ اس کے زخموں کا معائنہ کر رہی تھی اسی اثناء میں کچھ اور اسٹوڈنٹس بھی وہاں آگئے تھے۔ بازو اور ہنسی سے خون نکل رہا تھا جب کہ گھنٹے کی طرف سے اس کی چھتر بھی پھٹ گئی تھی پھر روٹروں کی مدد سے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بہت کر کے دوبارہ بائیک سنبھال لی اسٹوڈنٹس اس کے اطمینان دلانے پر چلے گئے تھے جب کہ رامیہ اب بھی ایس تھڑکی تھی۔

”تم ایسی حالت میں بائیک کیسے چلاؤ گے؟“ رامیہ نرمی سے بولی تو اس مسکرا دیا۔



کوئی مستقبل نہیں ہے، اسماء تائی مجھے کبھی اپنی بہو کے  
روپ میں قبول نہیں کریں گی۔ مجھے کبھی وہ مقام و مرتبہ  
اس گھر میں نہیں ملے گا جس کی میں مستحق ہوں، آج یہ  
لوگ اس گھر کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے مجھے ہمہ وقت  
رسوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو بہو بن کر تو وہ  
مجھے..... اتنا کہہ کر وہ جملہ امور اچھوڑ گئی پھر اسے  
سمجھانے والے انداز میں بولی۔

”ذیشان میرے ساتھ ساتھ تمہاری زندگی بھی جہنم  
سے بدتر ہو جائے گی، میں جب اپنے پیروں پر کھڑی  
ہو جاؤں گی تو پہلی فرصت میں اس گھر سے چلی جاؤں گی  
میں اس رشتے میں بندھ کر ہر شے ان لوگوں کے سامنے  
ذلیل و حقیر بن کر ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔“ وہ  
قطعیت سے بولی تو ذیشان فوراً دلا۔

”ہم باہر سیٹ ہو جائیں گے رامیہ! اس گھر سے دور  
چلے جائیں گے۔“

”میں خود غرض لڑکی نہیں ہوں ذیشان! تم اسماء تائی کے  
انگوتے تے بیٹے اور نام نہان لڑکی۔ نے واحد بھائی ہو اور پھر ایک  
ناپسندیدہ بہو اور بھائی بننا مجھے نفعاً گوارا نہیں ہے۔“

”تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے رامیہ! ذیشان اس کی  
بات پر پُر سوچ انداز میں استفسار کر رہا تھا رامیہ کی بات  
سے وہ سو فیصد اتفاق کر رہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کے گھر  
والوں کے لیے رامیہ کی ذلت انتہائی ناپسندیدہ تھی وہ اس  
گھر میں رہ کر کبھی خوش اور سکون زندگی نہیں گزار سکتی تھی  
اور ذیشان کو ہر قیمت پر اپنی ناپسندیدہ بیوی کی خوشیاں  
عزیز تھیں۔

”ٹھیک ہے رامیہ! مجھے تمہارا فیصلہ منظور ہے مگر تم خود کو  
کیا! امت سمجھنا میں ہمیشہ ایک دوست کی طرح تمہارے  
ساتھ رہوں گا۔“ ذیشان تھکے تھکے انداز میں بولا تو رامیہ  
نے بے ساختہ اس کی جانرہ دیکھا۔

”تم نے میری بات سمجھ کر اسے مانتے ہوئے واقعی  
ایک اچھے دوست کا کردار ادا کیا ہے، میں تمہاری شکر گزار  
ہوں ذیشان!“ وہ ممنون آ میز لہجے میں بولی تو ذیشان

بالکل سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

”ہوں تو تم کافی متاثر ہو ان میم سے۔“

”واقعی بھائی وہ مجھے بہت اچھی لگیں بہت خاص اور  
سب سے منفرد۔“ وہ ہنوز لہجے میں بولا تو عافین نے سینے  
پر بازو باندھ کر اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے  
استفسار کیا۔

”اچھا آپ کی اس منفرد خاص اور بہت اچھی میم کا نام  
کیا ہے؟“

”اوہ..... میں نے تو ان سے نام ہی نہیں پوچھا۔“ وہ  
چمک کر خود کو کمر لٹش کرتے ہوئے بولا۔

”چلو چھو نے بھائی دوبارہ ملے تو پوچھ لینا اب تم  
آرام کرو سبجے۔“ عافین نرمی سے بولا تو انس نے  
اشارات میں سر ہلا دیا۔



وہ کلاس لے کر نکلی تو سامنے کسیپس کے لان میں سٹی  
نچ پر بیٹھے ذیشان کو اپنا منتظر پایا وہ اس کو یہاں دیکھ کر کچھ  
حیران ہوئی پھر طوطی اور عقیقہ سے ایک سکیو زکر کے وہ اس کی  
جانب آ گئی اسے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

”تم یہاں..... سب خیریت تو ہے نا۔“

”ہوں سب ٹھیک ہے، دراصل گھر میں تم سے بات  
کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا، دراصل رامیہ میں اس دن  
سے تمہاری بات سے بہت الجھا ہوا ہوں۔“ ذیشان واقعی  
اس پہلے بہت پریشان لگ رہا تھا رامیہ ایک گہری سانس  
بھر کر رہ گئی جب کہ کسیپس میں داخل ہوتے ہی عافین کی  
نگاہیں سب سے پہلے رامیہ اور ذیشان کی جانب اٹھی  
تھیں۔ رامیہ ذیشان کو نے کر کسیپس کے گراؤنڈ کے ایک  
کونے میں آ گئی اور پھر زمین پر ہی اتنی پائی مار کر بیٹھ  
گئی۔ ذیشان بھی اس کے سامنے دھپ سے بیٹھ گیا تو  
رامیہ نے اسے پُر سوچ نظروں سے دیکھا۔

”دیکھو ذیشان! میں اس دن تمہیں یہ صرف بتانا ہی  
نہیں بلکہ سمجھانا چاہتی تھی کہ.....“ وہ پہل کی پہل رکی پھر  
تیزی سے بولی۔ ”ہم دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ

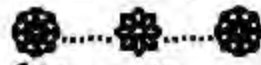


نگاہوں سے دیکھا۔

دھیرے سے مسکرایا۔

”آپ سب جانتے ہیں ابراہیم! اس شہر میں شاید وہ بھی سانس لیتی ہو اس کے وجود کی تھک مجھے ان ہواؤں میں محسوس ہوتی ہے اس شہر کے ماحول میں اس کے لمس کا گداز پن میرے دل میں جلتے لالہ پر پھوار سا برسا دیتا ہے۔“ وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولیں تو ابراہیم صاحب قدرے ناراضگی سے بولے۔

”اب تمہیں میرے لیے دعا کرنی ہے کہ اللہ مجھے تمہاری جیسی لڑکی دلو اور۔“  
”مجھ سے بھی اچھی لڑکی ڈیشان اور دیکھ لینا کہ تمہیں دنیا کی سب سے پیاری لڑکی ملے گی کیوں کہ تم خود بہت اچھے ہو۔“ وہ پُر خلوص لہجے میں پوری سچائی سے بولی تو ڈیشان ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔



”تو خود پر اتنے پہرے کیوں اٹھائے ہوئے ہیں شمع اس بات کو بائیس سال ہو گئے ہیں اب تو بہت کچھ بدل گیا ہوگا بائیس سال کسی کو بدلنے کے لیے کافی نہیں ہوتے“ آپ کیوں اس نام نہاد قسم کی بنا پر خود پر اتنا ظلم کر رہی ہیں۔“

بدلتے موسم نے ماحول کو خاصا خوش گوار بنا دیا تھا جاتی گرمیوں اور زرموٹکی سردیوں کی چاپ نے جہاں گرمی کی شدت کو ختم کیا وہاں کچھ دلوں کی منڈیر پر اداسی و خاموشی کے پردے اسنے پر پھیلا کر بیٹھ گئے۔ سزا ابراہیم اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی لان میں لگے مرہائے پھولوں اور ٹوٹے پتوں کو بغور دیکھ رہی تھیں جب سی ابراہیم صاحب کمرے میں داخل ہوئے مگر کسی گہری سوچ میں گم سزا ابراہیم کو ان کی آمد کا علم نہیں ہوا چند لمبے ابراہیم صاحب نے اپنی وفا شعار بیوی کی طرف دیکھا پھر آہستگی سے قدم بڑھا کر چپکے سے ان کے پہلو میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ موسم ہمیشہ ان کی عزیز از جان شریک حیات کے لیے اداسی کی سوغات لے کر آتا تھا جبکہ ابراہیم صاحب انہیں ایک پل کے لیے بھی متحمل و شکتہ حال دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

”آپ شاید اسے جانتے نہیں ابراہیم! بائیس سال تو کیا وہ چالیس سال میں بھی بدلنے والا نہیں اپنی زبان کی خاطر جان دینے والا جو کہہ دیا وہ کر دکھانے والا میں خود پر تو ظلم کر سکتی ہوں مگر اس پر نہیں۔“ کہتے کہتے انہوں نے کھڑکی کی گرل سے سزا دیا تو ابراہیم صاحب اس پل خود کو انتہائی بے بس محسوس کر کے انہیں محض دیکھ کر رہ گئے۔



”عافین یہ لڑکی مجھے نفسیاتی لگتی ہے بس یہ دو لڑکیاں اس کے ساتھ رہتی ہیں اور نہ پوری کلاس سے بالکل الگ تھلک رہتی ہے البتہ سنا ہے ہر سمسٹر میں پوزیشن لاتی ہے۔“ عافین اور سناشہ کینے ٹیرا کے خوش گوار ماحول میں بیٹھے چائے اور سموں سے لطف اندوز ہو رہے تھے جب ہی رامیہ اپنی سہیلیوں کے ہمراہ وہاں آن پہنچی گی۔ بلیک ٹراؤزر پر نیوی بلو لائٹ شرٹ پر بلیک اسکارف میں وہ ہمیشہ کی طرح دنیا سے بے زار نظر آئی جب کہ حسب معمول اس کی دو نور سہیلیاں خاصی چپک رہی تھیں۔ عافین رامیہ کو دیکھ کر نجانے کیوں سلگنے لگا تھا۔

”آج آپ پھر اداس ہیں۔“ بالکل قریب سے ابراہیم صاحب کی آواز ابھری تو انہوں نے چونک کر گردن موڑ کر دیکھا پھر جلدی سے آنکھوں کے کنارے پرانے موٹیوں کو اپنی انگلیوں سے صاف کر ڈالا۔

”ہوں..... کچھ خاص نہیں۔“ وہ مختصر ا بولیں مگر ہنوز کھڑکی کے باہر کا منظر دیکھتی رہیں۔

”ہمیں لندن سے آئے تقریباً ایک سال ہو گیا ہے اور آپ نے ایک مرتبہ بھی اس سے ملنے کی خواہش ظاہر نہیں کی اسے ڈھونڈنے کی تمنا نہیں کی۔“ ابراہیم صاحب سنجیدگی سے بولے تو سزا ابراہیم نے انہیں شکوہ کناں

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو سناشہ! ایسی لڑکیاں محض دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے یہ فضول کی ٹونٹکیاں کرنی پھرتی ہیں۔“ ایسے اٹکارے نکلتے ہوئے بولا کہ



freedom to live happily!



Freedom®

KNACK

H P

03778 8111 Karachi 75700 Pakistan Ph: 25609113 Fax: (92-21) 2561570 2560511 www.freedomforwomen.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM  
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY  
FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY



”ہا یہ ہے زندگی کا فلسفہ ساری زندگی انسان رعونت و زعم میں مبتلا ہو کر دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے اس سے بدسلوکی کرتا ہے اور پھر ایک دن دوسروں کے کندھوں پر سوار ہو کر منوں مٹی تلے غائب ہو جاتا ہے اور پھر قصہ پارینہ ہو جاتا ہے۔“ رامیہ سوچتی چلی گئی۔



سوئم کے بعد مہمانوں نے اپنے گھر کی راہ لی دنیا کسی کے چلے جانے سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکتی۔ دوسرے دن سب اپنی اپنی مصروفیات میں مگن ہو گئے وہ بھی آج دو دن بعد کہیں آئی تھی مگر جلد ہی گھر آ گئی تھی آج اس کا دل کچھ گھبرا رہا تھا اور اس کی گھبراہٹ کی وجہ بھی سامنے آ گئی تھی اسامہ تائی نے تمام گھر والوں کے سامنے ذیشان اور رامیہ کی منگنی توڑنے کا اعلان کر دیا تھا منگنی تو وہ پہلے ہی ختم کر چکی تھی مگر اسامہ تائی نے اس کی ماں کی ذات کے جو بیٹے اوجیز سے تھے رامیہ کو ایسا لگ رہا تھا کہ ان کے جملوں سے اس کی خود کی کھال گوشت سے الگ ہو رہی ہو۔ وہ دواؤں کا لول پر ہاتھ رکھ کر جلا اٹھی۔

”بس کیجیے تائی ان! کچھ اللہ کا خوف کیجیے وہ سب دیکھ رہا ہے مت لگائیے میری پاک دامن ماں پر تہمت..... میری زندگی برباد کر کے میری ماں مجھ سے جھین کر اب بھی آپ کے دل کو سکون میں ملا۔“ وہ جلا کر بولی۔

”اونہ تمہاری دل پاک دامن تھی..... ارے پوری رات وہ گھر سے غائب تھی تمہارے باپ کو کبھی پسند کیا اس نے ہمیشہ اپنے حسن پر نازاں رہتی تھی وہ حسن پرست عورت..... تائی اسے جاہل عورتوں کی طرح بولیں۔“

”تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جاتی ماں کم از کم ہماری جان تو چھوٹ جاتی۔“ صاحبہ چچی نے بھی زہرا گلا۔

”ارے سارا دن اور ساری رات وہ گھر سے باہر رہی اچھا کیا اس نے جو مڑے کھڑے اسے طلاق دے دی ارے غیرت مند جو تھا۔“ تائی اسامہ ہنوز لہجے میں بولیں تو اس پل رامیہ کو لگا جیسے اس کا دل بند ہو جائے گا دونوں ہونٹ آپس میں یوں اچوست ہوئے جیسے اب کبھی حرکت

اسی دوران نجانے کہاں سے انس کی میز پر بے تابی سے آیا جسے دیکھ کر رامیہ تو پہلے چونکی پھر دھیرے سے مسکرائی۔ اتنی دلکش مسکراہٹ جیسے مٹھنکو گھٹاؤں کے چھٹنے کے بعد سورج کی پہلی کرن اپنا جلوہ دکھاتی ہے وہ رامیہ کو مسکراتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کیسے میں شور اور میز قافلے پر ہونے کی بدولت وہ ان کی باتیں سن نہیں پا رہا تھا مگر لگ رہا تھا کہ وہ انس کی باتوں سے کافی محفوظ ہو رہی ہے جب اس کی سہیلیاں ہاتھوں میں مختلف اسٹیکس لیے میز پر آئیں تو انس صاحب کی ہاتھیں کانوں تک جا پہنچیں پھر چاروں نے مل کر چائے کے ساتھ دیگر لوازمات اڑائے اور اس تمام وقت میں رامیہ کے چہرے پر ایک خوش گوار رنگ چھایا رہا جو بہت دلکش اور انوکھا لگ رہا تھا۔ نتاشہ کے ساتھ کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر بغور ان لوگوں کو دیکھا جو ہنوز خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

رامیہ کیپس سے گھر آئی تو غیر معمولی سناٹے اور پراسرار خاموشی نے اس کا استقبال کیا ابھی وہ اپنے کمرے میں پہنچی تھی کہ نامہ اور صالحہ چچی کے رونے کی آوازوں نے اسے اچھا خاصا بوکھلا دیا۔ وہ سرعت سے بیگ بستر پر رکھ کر باہر کی جانب لپکی نامہ چچی سے لپٹی دہاڑے مار مار کر رو رہی تھی۔

”کیا ہوا سب خیریت تو ہے؟“ رامیہ نے تھاشا گھبرا کر صالحہ چچی سے بولی مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”چچی! ابو ہمیں چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں؟“ نامہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر رامیہ جیسے ساکت سی رہ گئی بے ساختہ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

”اوہ تو تائی ابو یہ دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔“ رامیہ کے اندر سے کوئی بولا اس پل اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے آج تک ایسا لمحہ یاد نہیں تھا کہ کبھی انہوں نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا یا پھر عائشہ کی طرح اسے پیار کیا ہمیشہ اسے دیکھ کر ان کی تیرہوں میں مل پڑ جاتے تھے۔



کے پیچھے چل دیا۔



مسز ابراہیم کا بی بی خطرناک دھڑک شوٹ کر گیا تھا ابراہیم صاحب اور عافین کے تو گویا اتھو پھوپھول گئے تھے انس تو باقاعدہ رو رہا تھا انہیں فوری طور پر ہسپتال میں داخل کر دیا تھا ورنہ کوئی بڑا حادثہ رونما ہو جاتا۔ ڈاکٹرز نے کافی سنبھال لیا تھا مگر انہیں مکمل آرام اور پرسکون ذہن رکھنے کی سختی سے ہدایت کی گئی۔ عافین انس اور ابراہیم صاحب تینوں اس وقت پرائیوٹ روم میں موجود تھے مسز ابراہیم اب بہتر تھیں مگر کافی کمزوری محسوس کر رہی تھیں عافین انہیں سیب کاٹ کر زبردستی کھلا رہا تھا۔

”بتا ہے ماما انس بالکل بچھا کی طرح رو رہا تھا۔“ عافین انس کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اسے چھیڑنے کی غرض سے بولا تو انس مسز ابراہیم کے کندھے پر سر رکھ کر منہ بسورنے لگا۔

”ہاں یہ بچہ ہی تو ہے چھوٹا سا۔“ مسز ابراہیم اس کو خود سے اگاتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

”خدا کے واسطے ماما! میں بچہ نہیں ہوں یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ ہوں۔“ وہ منہ پھلا کر بر مانتے ہوئے بولا۔

”لب دیکھو تمہارے لاڈ۔! نے کیسے منہ بنا لیا ہے بالکل لڑکیوں کی طرح۔“ ابراہیم صاحب انس کو دیکھ کر ہنس کر بولے تو انس سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”ویسے ماما مجھے لڑکیاں بہت پسند لگتی ہیں کاش ہماری بھی کوئی بہن ہوتی۔“ انس اپنی دونوں ہاتھوں میں بولا تو عافین اور ابراہیم صاحب نے انتہائی گھبرا کر مسز ابراہیم کی جانب دیکھا جن کا چہرہ اس بل لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔

”چلو انس اور عافین! اب آپ دونوں گھر جاؤ آپ کی ماما آرام کی ضرورت ہے بہت باتیں کر لیں۔“ ابراہیم صاحب جلدی سے بولے تو آٹا، آٹا، آٹا میں ڈاکٹرز کے ہمراہ چیک اپ کی غرض سے اٹھ گیا تو دونوں بھائی مسز ابراہیم سے مل کر کمرے سے باہر آ گئے کارڈیوگرسٹیشن کے استفسار پر انس نے اسے بتایا تھا کہ رامیہ وہی

نہیں کر سکیں گے۔ وہ قالمین پر بیٹھتی چلی گئی اسی دم ڈیشان اور چچا لاؤنج میں داخل ہوئے تھے رامیہ کی دیگرگوں حالت دیکھ کر ڈیشان جیسے تڑپ اٹھا تھا۔ صالحہ چچی کی زبان ابھی بھی چل رہی تھی۔

”خدا کے واسطے آپ لوگ بس کریں کیوں اس لڑکی کو جین سے جینے نہیں دیتے آخر قصور کیا ہے اس کا۔“ ڈیشان چیخ کر بولا تو تانی اسماء بڑی طرح ترخ گئیں۔

”مجھے اس کی وکالت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”ابھی میں نے تیرا رشتہ اس کے ساتھ ختم کر دیا ہے۔“

”اوپہ..... آپ کے رشتہ ختم کرنے سے پہلے ہی رامیہ نے میرے ساتھ مفقوت توڑ دی ہے۔“ ڈیشان استہزائیہ لہجے میں بولا تو تانی اسماء ہانسی اور عاتشہ کے ساتھ ساتھ تانی اسماء اور صالحہ چچی بھی خاصی حیران ہوئیں۔

”تم بالکل ٹھیک کہتی تھیں رامیہ! یہ لوگ ہمیں کبھی نہیں دسکون سے جینے نہیں دیں گے اچھا ہوا جو تم نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا اس گھر سے باہر جا کر رہی تمہیں تمہاری خوشیاں ملیں گی۔“ ڈیشان اپنی ماں چچی کو طنز سے دیکھتا ہوا رامیہ سے نرمی سے گویا ہوا جو کم مسمی قالمین پر روزانوہی بیٹھی تھی۔

”اچھا لڑکی گھر سے باہر کہاں جائے گی جہاں اس کی خوشیاں اس کی منتظر ہیں؟“ تانی اسماء استہزائیہ لہجے میں بولیں مگر ڈیشان ان کا سوال نظر انداز کر گیا اور رامیہ سے مخاطب ہو کر بولا۔

”رامیہ چلو اٹھو اور اپنا سامان پیک کر ڈیں آج ہی تمہیں گریٹر ہوسٹل چھوڑنا تاہوں۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو ڈیشان! رامیہ گریٹر ہوسٹل میں کیوں رہے گی؟“ اعتصام چچا نے پہلی بار لب کشائی کی مگر پھر بی بی کے گھونٹے پر بیک دم خاموش ہو گئے صالحہ بی بی کے مضبوط منہ کے اپنے بزنس میں ساموں کے شیئرز اور صالحہ کی بان کے سامنے وہ منمننا بھی نہیں سستے تھے ڈیشان نے یہ نگاہ چچا کو دیکھا جو اپنی بات کہہ کر اب بغلیں جھانک سے تے وہ طنزاً مسکرایا پھر رامیہ کے اٹھنے کے بعد اس



حاضری سے پریشان، طوبی اور عقیقہ سے صحیح سلامت آتا دیکھ کر چڑھ دوڑیں۔

”رامیہ کی بیٹی! تمہیں کچھ ہماری پروا ہے بھی یا نہیں تم دو دن سے کیسے نہیں آ رہیں، موبائل تمہارا آف جا رہا تھا یہاں تمہاری پریشانی میں ہمارا آدمے سے زیادہ خون خشک ہو گیا۔“ طوبی اسے بے نقط سناتے ہوئے بولی تو رامیہ شرمندہ ہوئی۔

”آئی ایم سوری یار اور اصل.....“ وہ اتنا کہہ کر چند ٹاپے رکی پھر ساری بات بتاتی چلی گئی۔

”وہ رامیہ یہ اچھا نہیں ہوا اب تم اکیلی ہوسٹل میں رہو گی۔“ عقیقہ فسوس و پریشانی کے عالم میں گھر کر بولی۔

”میں اپنے باپ کے گھر میں بھی اکیلی تھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ رامیہ بے پروائی سے بولی ابھی وہ باتیں کر رہی تھیں کہ انس دہان آن پہنچا۔

”لو آ گیا جو کر۔“ عقیقہ اسے چھیڑتے ہوئے بولی تو طوبی اور رامیہ مسکرائیں انس نے آتے ہی تان اشاپ بولنا شروع کر دیا تو تینوں ایک دوسرے کو گھنٹے بے بسی سے دیکھتی رہ گئیں اسے خاموش کر دانا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

کلاس سے فارغ ہونے کے بعد وہ طوبی اور عقیقہ سے رخصت ہو کر رلز ہوسٹل کی جانب آئی تو اچانک عاقین علی شاہ اس کے سامنے آ گیا جسے دیکھ کر اس کا حلق تنک کر ڈوا ہو گیا۔

”مس رامیہ س دن کے لیے آپ مجھے سوری بولیں۔“ عاقین کے اس تقاضے پر اس نے حیرت سے اسے دیکھا وہ واقعہ تو کب کا بھلا چکی تھی۔

”آپ کا دامنی تو وزن اگر ٹھیک نہیں ہے تو جا کر علاج کروائے میرا راستہ روک کر میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ رامیہ ہنسی بولا۔

”اونہا آپ جیسی بد تمیز لڑکی سے مجھے منہ لگنے کا کوئی شوق نہیں جو ایسی اچھی حرکتیں کر کے دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔“ عاقین سلگ کر بولا تو

لڑکی تھی جس نے اس دن اس کی مدد کی تھی جب وہ بائیک سے پھسل گیا تھا اور یہ کہ اب اس کی رامیہ سے بہت اچھی دوستی ہو گئی ہے۔

”انس کل میرے ساتھ یونیورسٹی چلنا دو دن سے تم یہیں پر ہو اب تو ممانٹیک ہیں پڑھائی کا کافی حرج ہو رہا ہو گا۔“ اسپتال کی عمارت سے باہر آتے ہوئے عاقین سنجیدگی سے بولا تو انس ایک دم اچھل پڑا۔

”کیا ہوا.....؟“ عاقین نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

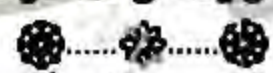
”اوہ میں نے رامیہ باجی کو تو بتایا ہی نہیں کہ ماما کی طبیعت خراب ہے۔“ وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے انسوں سے بولا تو عاقین کی بھنویں تن گئیں۔

”کیوں اسے کیا ضرورت ہے بتانے کی یہ وہ ڈاکٹر ہے یا پھر ہماری فیملی ممبر؟“ وہ ٹرا سامنے بتاتے ہوئے پارکنگ لاٹ کی جانب آ گیا۔

”آف کورس وہ ڈاکٹر نہیں ہیں مگر میری دوست تو ہیں ہاں میں ابھی انہیں فون کرتا ہوں۔“ اس نے موبائل نکال کر نمبر ڈائل کیا مگر دوسرے ہی پل اس کا منہ لٹک گیا۔

”موبائل سوچ آف ہے۔“ وہ مایوسی سے بولا تو عاقین نجانے کیوں چڑھا گیا۔

”اس وقت تم گھر چلو کل مل لیتا اپنی دوست سے۔“ یہ کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھ کر زن سے بگڑی لے لڑا۔



ذیشان نے فی الفور یونیورسٹی کے رلز ہوسٹل میں اس کے رہنے کا انتظام کر دیا تھا وہ اسے اب مزید تکلیف میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں چھوٹا پارہا تھا ہوسٹل کے کمرے میں فی الحال اکیلی رامیہ ہی تھی یہاں آ کر اسے ایک گونہ سکون محسوس ہوا تھا گوکہ یہ ٹھکانہ عارضی تھا مگر یہاں رہ کر وہ یکسوئی اور اطمینان سے اپنے مستقل ٹھکانے کے بارے میں سوچ سکتی تھی وہ دو دن سے کیسپس بھی نہیں جا رہی تھی اور اس کا موبائل بھی آف تھا۔ اس نے بیٹری کوری چارج نہیں کیا تھا تیسرے دن وہ کیسپس آئی تو اس کی غیر



پہلے اپنے خالہ زاد سے منسوب ہوئی تھی۔ خلاف معمول رامیہ کا موڈ بھی آج خوش گوار تھا۔ تبوں کئی میرا میں اس وقت جاٹ سموسوں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

”مجھے تو پورا یقین ہے رامیہ نا پوزیشن تو رکھی ہے۔“  
عقیفہ سمو سے کھاتے ہوئے بولی: اچانک طوطی کو کچھ یاد آیا تو وہ رامیہ کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔  
”رامیہ آج جو تیس تاریخ ہے۔“

”ہاں ہے پھر۔“ وہ کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے نارل لہجے میں بولی۔  
”آج ذیشان کی شادی ہے نا؟“

”ہاں آج میرے سب سے اچھے دوست کی شادی ہے جس نے مجھے اس جہنم سے نجات دلائی بس میری تو یہی دعا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش رہے۔“ رامیہ خلوص سے بولی تو عقیفہ طوطی دونوں حیرت زدہ رہ گئیں۔

”رامیہ تمہیں ذیشان کو کھو دینے کا کوئی دکھ نہیں ہے؟“ طوطی نے الجھ کر استفسار کیا تو وہ ایک گہری سانس بھر کر گویا ہوئی۔

”جب اسے پایا نہیں تھا تو سے کھو دینے کا کیا دکھ؟“  
ذیشان بہت اچھا لڑکا ہے مگر یہ بات مجھے ہمیشہ سے معلوم تھی کہ ذیشان میرے لیے نہیں بنا اور نہ میں اس کی منتدیر ہوں۔“

”تو کیا تمہیں اس سے کوئی دلی لگاؤ نہیں تھا۔“ عقیفہ نے تیزی سے پوچھا۔

”میرے پاس دل اور جذبات نام کی چیز شاید ہے ہی نہیں بس بہت سا غبار ہے دھوؤں ہے وہاں ایسے لطیف جذبات کہاں پختے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ دل کے معاملے کیا ہوتے ہیں؟“ وہ گہری سنجیدگی سے بولی تو یہ بات جان کر طوطی اور عقیفہ کو اطمینان ہوا کہ ذیشان سے اس کا کوئی دل کا معاملہ نہیں تھا اور نہ اس کی شادی پر اس کی پیاری سہیلی اندر سے ٹوٹ جاتی۔

”تو میری جان اس غبار اور دھوؤں کو نکال باہر کرو اور کسی سے دل لگا لو ج میں زندگی اتنی خوب صورت اور حسین لگنے

رامیہ کے اندر جیسے بھانجری جل رہی۔  
”تم جیسے دو ٹکے کے لڑکے کی توجہ حاصل کرنے کی نہ کوئی چاہت ہے مجھے نا رزو۔“

”شٹ اپ۔“ وہ تقریباً دہاڑا کلاسز آف ہو جانے کی بدولت یہ جگہ بالکل سناں تھی۔  
”تم ہوتی کون ہو تمہاری اوقات کیا ہے دو ٹکے کی لڑکی ہوتی۔۔۔۔۔“

”شٹ اپ یو۔۔۔۔۔“ انتہائی طیش کے عالم میں نجانے کب اور کیسے رامیہ کا ہاتھ اٹھا جو عاقبت کے کال پر اپنا نشان ثبت کر گیا عاقبت رامیہ کی اس قدر جرأت پر دوگ سا کھڑا رہ گیا تھا۔

”آئندہ میرے راستے میں آنے کی کوشش مت کرنا گھنیا انسان۔“ اپنی انگشت شہادت اٹھاتے ہوئے انتہائی نفرت سے کہہ کر رامیہ تیزی سے اس کے قریب سے نکل گئی۔ رفتہ رفتہ اس کا سکتہ ٹوٹا تو عاقبت مارے اشتعال و نفرت سے تاج اٹھا۔

”تمہیں اس تھپڑ کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔“ وہ زہر خند لہجے میں خود سے بولا پھر لہجے لہجے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔



دن سرعت سے گزرتے چلے گئے سمسٹر کا بھوت ان کے کیپس میں آ کر سب کے سروں پر ناپنے لگا ہر کوئی اب لاہیریری اور کلاس میں زیادہ دکھائی دیتا۔ رامیہ عقیفہ اور طوطی کا آخری سال تھا وہ تینوں بھی سخت محنت کر رہی تھیں۔ رامیہ سمسٹر کے بعد طوطی کے انکل کی کہنی جو ان سرنے والی تھی جنہوں نے طوطی کی سفارش پر اسے اچھی پوسٹ دے دی تھی اور اس بات سے رامیہ کافی مطمئن تھی۔ آج ان تینوں کا آخری پیمبر تھا وہ پیر دے کر نکلیں تو جوش و خروش کے ساتھ ساتھ اس تھی تھیں کیوں کہ اب ان کی اسٹوڈنٹ لائف کا اختتام ہو گیا تھا اور اب وہ تینوں پگھڑنے والی تھیں۔ اگلے ماہ طوطی کی شادی طے ہو گئی تھی اور عقیفہ بھی جلد ہی پیادیس سردھار نے والی تھی جو دو ماہ



”واؤ طوبی باجی! میں تو آپ کی شادی میں ضرور آؤں گا۔“

”مجھے بہت خوشی ہوگی۔“ طوبی انس کی بات پر خلوص سے بولی پھر رامیہ سے استفسار کرنے لگی۔ ”تم انکل کی کہنی کب جوآن کر رہی ہو؟“

”ان شاء اللہ! ملے ہفتے سے دراصل میں ہاسٹل سے دو دن ہاسٹل شفٹ ہو رہی ہوں اس لیے تھوڑی تاخیر ہو جائے گی۔“

”کیا..... رامیہ باجی آپ ہاسٹل میں کیوں رہتی ہیں؟ کیا آپ کی ٹیملی نہیں ہے؟“ انس کما ج اس حقیقت کا علم ہوا تھا کہ رامیہ ہاسٹل میں رہتی ہے لہذا انتہائی اچھے سے اسے دیکھتے ہوئے حیرت سے استفسار کیا لفظ ٹیملی پر رامیہ کے چہرے پر ایک ایسے سا لہرا گیا۔

”اچھا انس! تم اپنی ٹیملی کو بھی میری شادی میں ضرور لانا۔“ طوبی جلدی سے بولی تو انس سمجھ گیا کہ معاملہ کچھ سنگین ہے لہذا فوراً اپنی جون میں آتے ہوئے بولا۔

”ضرور لاؤں گا اور ہاں آپ کا ولیمہ بھی ضرور کھاؤں گا۔“

”تم تو ہو ہی سہا کے بیٹو۔“ عقیفہ ہنستے ہوئے بولی۔ وہ تیز تیز قدموں سے ہاسٹل کی جانب جا رہی تھی کہ ایک بار پھر عاقین بنی شاہ اس کے راستے میں حائل ہو گیا تھا شیارٹ کٹ پہنے کے چکر میں رامیہ ہمیشہ یہی راستہ اپناتی تھی اور آج تو غیر معمولی سناٹا تھا کیوں کہ کمپس میں ابھی کلاسز کا آغاز نہیں ہوا تھا بلکہ جنرل پر پبلک شرٹ پہنے وہ آج اسے کافی یسر معمولی لگا۔ وہ اسے نظر انداز کرتی آگے بڑھی ہی تھی کہ اچانک وہ اس کے بالکل سامنے آ گیا اتنا کہ رامیہ سر اس کے کشادہ سینے سے جا لگرایا۔

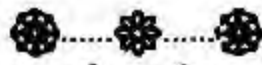
”یہ کیا ہے ہوئی.....“ وہ فقط اتنا ہی بولی تھی کہ انتہائی بدبودار چیز اس کی ناک کے قریب آئی اور وہ عاقین کی باہوں میں جھول گئی عاقین نے بڑے سنون سے اسے بازوؤں میں اٹھا اور بالکل پاس کھڑی گاڑی کی کچھلی سیٹ پر جس کے تیشوں پر سن شینڈل تھے اس میں ڈال

گئی جیسے جنت زمین پر آ گئی ہو۔“ عقیفہ شوخی سے بولی تو طوبی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”مجھے کوئی شوق نہیں ہے کسی سے دل لگانے کا ان حالتوں چیزوں کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

رامیہ بے پروائی سے بولی تو دونوں نے اپنا سر تھام لیا۔

”تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا تمہیں سمجھانے سے بہتر ہے کہ ہم پتھر سے سر پھوڑ لیں۔“ عقیفہ جھنجھلا کر بولی تو رامیہ مسکرا دی۔



عاقین کلب سے آ کر اپنے کمرے میں لیٹا تھا اس نے نیم دراز ہو کر جونکی اپنی آنکھیں بند کیں وہی چبھتا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا جب رامیہ نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا بے ساختہ عاقین نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بے قراری و اضطراب کے عالم میں اٹھ کر بیٹھ گیا جب سے یہ واقعہ ہوا تھا ہمہ وقت یہی منظر اس کے ذہن سے چمٹا رہتا تھا جو اسے دن و رات ان دیکھی آگ میں جلانے رکھتا تھا۔

”رامیہ! ان خان! تم نے مجھ جیسے انسان کو ورغہ بننے پر مجبور کر دیا اب تم میرا وہ روپ دیکھو گی جس سے میں خود بھی واقف نہیں تھا۔“ عاقین سرد لہجے میں خود سے بولا اور پھر غیر مرنی نقطے کو گھورے گیا۔

ہمیشہ کی طرح رامیہ نے پوزیشن لی تھی طوبی اور عقیفہ اپنی ٹیملی کی کامیابی پر بہت خوش تھیں اور انس بھی بہت جذباتی دکھائی دے رہا تھا۔

”رامیہ باجی اتنی بڑی خوشی میں آپ ہم سب کو ٹریٹ دیں گی وہ بھی کسی اچھی سی جگہ پر۔“

”ہاں رامیہ! کچھ نہ کچھ سلیمہ ریشن تو ہونی چاہیے۔“ عقیفہ بھی انس کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولی تو اچانک طوبی کو یاد آیا۔

”ارے گاڑ میں اپنی شادی کے کارڈز تم لوگوں کو دینے کے لیے لائی تھی اور وہ بھو بیٹا ہی بھول گئی۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے جلدی سے بیگ کھولا اور تینوں کو تھمایا۔



کراٹھینان سے گاڑی اشارت کر دی۔



کے وقت وہ سوتی نہیں تھیں مگر آج سب نے کیسان کی آنکھ لگ گئی تھی ابراہیم صاحب ابھی ابھی آفس سے گھر آئے تھے انہیں یوں دیکھ کر پریشان سے ہو گئے۔

”آپ ٹھیک تو ہیں ناں! کیا کوڑا ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے؟“ ابراہیم صاحب ان کے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولے تو مسز ابراہیم نے گھبرا کر ان کا بازو پکڑ لیا۔

”ابراہیم پلیز میری بیٹی کو ڈھونڈ لیں میری رانی سے مجھے ملا دو۔ میں اس کے بناب ایک پل بھی جی نہیں سکتی۔“

ابراہیم صاحب پریشان سے ہو گئے۔

”ریلیکس ہو جائیں شمع! میں ضرور آپ کی بیٹی سے آپ کو ملواؤں گا یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔“ مسز ابراہیم کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ دروازے پر دستک دے کر انس اندر چلا آیا جس کی آنکھوں میں اس پل سرخی دوڑ رہی تھی جسے دیکھ کر دونوں ہی پریشان ہو گئے۔

”انس بیٹا کیا ہوا..... کیا تم رورہے تھے بیٹا؟“ ابراہیم صاحب پریشان سے ہو کر انھیں اس کی جانب آئے تو انس بے ساختہ ابراہیم صاحب کے گے لگ گیا اور سسک اٹھا وہ ہمیشہ سے دل کا چھوٹا رہا تھا مسز ابراہیم بھی اپنی کیفیت بھول بھال کر اس کی جانب لپکیں۔

”کیا ہوا ماما کی جان!“

”مما! بابا! آپ وعدہ کریں آپ دونوں میری بات ضرور مانیں گے۔“ وہ بچوں کی طرح بولا تو دونوں نے بیک وقت اثبات میں سر ہلایا۔

”کیوں نہیں مانیں گے بیٹا تم بات تو بتاؤ۔“ مسز ابراہیم اس کا ہاتھ تھام کر بھر بھرا اعتماد دلاتے ہوئے بولے تو اس نے آہستہ آہستہ رامیہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا جسے سن کر دونوں سکتے میں آ گئے۔ مسز ابراہیم اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بستر پر ڈھسے سی گئیں تو اس ایک دم پریشان ہو گیا۔

”مما آپ ٹھیک تو ہیں نا۔“ وہ جلدی سے ان کے پاس آ کر فکر مند سے بولا۔

”انس! رامیہ کا پورا نام کیا ہے؟“

گھر آ کر انس سیدھا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا اس وقت وہ کسی کا بھی سامنا کرنے کے موڈ میں نہیں تھا بار بار اس کی آنکھیں نم ہوئے جا رہی تھیں نجانے کیوں اتنے کم عرصے میں اسے رامیہ سے بے پناہ اپنائیت اور لگاؤ ہو گیا تھا اسے پہلے ہی دن سے رامیہ بہت اچھی لگتی تھی اپنی اپنی سی وہ جب بھی رامیہ سے ملتا اسے نامعلوم سی خوشی اور سکون حاصل ہوتا تھا اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ رامیہ کو اپنے گھر میں ہی لے آئے آج جب اسے یہ معلوم ہوا کہ رامیہ ہاسٹل میں رہتی ہے تو اسے شدید حیرت ہوئی پھر رامیہ کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر اس نے بھی جلدی سے موضوع کو تہدین کر دیا مگر رامیہ کے جانے کے بعد اس کے بے پناہ اصرار پر طوبی نے رامیہ کے بارے میں بتایا تو اس کی حالت انتہائی غیر ہو گئی۔ رامیہ اسے دل و جان سے عزیز ہو چکی تھی اور رامیہ کے دکھ اسے بھی رولا سے تھے کہ کس طرح اس کے باپ نے اس کی ماں پر شک کر کے اس کے سردار کی دھجیاں اڑا کر طلاق دے کر گھر سے نکال دیا تھا اور پھر اس کی ماں ایک گاڑی کے نیچے کر زندگی سے ہاتھ تیز تیز ہٹ گئی اور پیچھے رہ گئی صرف رامیہ جس کے دوھیال والوں نے اس کی ماں سے متعلق طعنوں کیساتھ اس کی پرورش کی تھی جس کا باپ جو انتہائی سنگ دل اور کھنور تھا پچھلے سال ہی داغ مفارقت دے گیا تھا اور پھر کن حالتوں میں گھر کر وہ اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر اس ہاسٹل میں آ گئی تھی۔

”مجھے نہیں معلوم تھا رامیہ باجی! آپ اندر سے اتنی زخمی اتنی شکستہ حال ہیں! مجھے نہیں معلوم تھا۔“ خود سے کہتے کہتے وہ بے اختیار رو دیا پھر خود سے مضبوط انداز میں بولا۔

”مما! آپ کو یوں زمانے بھر کی ٹھوکرین کھانے ہرگز نہیں دل کا اچھی آپ کا یہ بھائی زندہ ہے۔“ پھر وہ آگے کا لائحہ عمل سوچنے لگا۔

مسز ابراہیم اچانک گہری نیند سے جاگی تھیں عمو ما دن



”رامیہ امان خان۔“ مسز ابراہیم کے یقین پر مہر ثبت ہوئی تو ان کے لبوں سے ایک سسکی بھاگتی ہوئی۔

”رامیہ کی ماں زندہ ہے بیٹا! اس کے باپ اور دوھیال والوں نے اس سے بہت سنگین جھوٹ بولا ہے۔“ اس دم ابراہیم صاحب کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آئی تو اس نے ناگہجی کے عالم میں اپنے باپ کو دیکھا۔

”کیا مطلب پایا؟“

”بیٹا آج سے بائیس سال پہلے میں ایک گلی سے گزر رہا تھا تو کچھ نقاب پوش لڑکے تمہاری ماما سے زیور اترا کر پرس چھین کر فرار ہوتے ہوئے ان کے سر پر پستول کا بٹ مار گئے تھے تاکہ وہ شور نہ مچا سکیں، میں نے انہیں بے ہوش ہو کر گرتے ہوئے دیکھا تو انسانی ہمدردی کے تحت فوراً ان کو گاڑی سے نکلا اور اپنی گاڑی میں ڈال کر اپنے دوست کے پرائیویٹ کابینک چلا گیا۔“ ابراہیم صاحب جیسے ماضی میں کھو گئے تھے اس بے تحاشا حیرت سے یہ انکشاف سن رہا تھا۔

”تمہاری ماما کو ساری رات ہوش نہیں آیا شدید خوف اور سر پر اندرونی چوٹ کے باعث یہ بے ہوش تھیں اور میرے پاس ان کے گھر والوں کا کوئی رابطہ نمبر بھی نہیں تھا پھر صبح انہیں ہوش آیا تو یہ بے تحاشا گھبرائی ہوئی تھیں اور جب انہیں معلوم ہوا کہ تقریباً پارہ کھٹے بند انہیں ہوش آیا ہے تو یہ سخت حواس باختہ ہو گئیں اور مجھ سے منت کرنے لگیں کہ میں انہیں فوراً ان کے گھر لے جاؤں۔ راستے میں انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کا شوہر بہت سنگی مزاج اور غصیلہ انسان ہے اور جب میں انہیں لے کر وہاں پہنچا تو وہاں ایک عدالت کھڑی تھی تمہاری ماں بتاؤ کسی ثبوت اور گواہی کے محتوب گھبرائی گئی اس پر طرح طرح کے الزامات لگا کر اس کے شوہر اور خاص طور پر ان کی جثمانی دیورانی نے گھر کے دروازوں کو بند کر دیا اور اس سنگی القلب انسان نے طلاق کے تین بول اد کر کے اور مجھ کو ان کی ذات سے نفی کر کے ان کے اچھے دامن کو داغ دار کر دیا اور ظلم کی انتہا تو اس وقت ہوئی جب اس سنگ دل انسان نے اپنی دو سالہ

بچی کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر زندگی میں بھولے سے بھی تمہاری ماما نے اپنی بچی سے ملنے کی کوشش کی تو وہ اس بچی کو اپنی ولدیت سے خارج کر کے اسے کسی یتیم خانے میں پھینک آئے گا اور یوں میں تمہاری ماما کو اپنے ساتھ لے آیا۔“ ابراہیم صاحب بولتے بولتے تھک سے گئے تھے وہ خاموش ہوئے تو اس کو نے آواز گھٹ گھٹ کر روتے ہوئے پاپا مسز ابراہیم بھی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں وہاں ہسکتی سے گویا ہوئیں۔

”میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی باپ تو بچپن میں ہی گزر گئے تھے اور ماں میری شادی کرنے کے محض ایک سال بعد ہی دنیا سے منہ موڑ گئی تھیں۔ امان ایک روایتی سنگی مزاج انسان تھے جو احساس کمتری میں مبتلا تھے مجھ پر ہمیشہ شک کرتے اپنی بھابی کے بہکانے اور خود اپنی فطرت کے ہاتھوں ہمہ وقت مجھے ذہنی اور جسمانی اذیت میں مبتلا رکھتے تھے۔ میری زندگی کی خوشی صرف رامیہ تھی میری جان سے پیارنا بیٹی مگر اس حادثے نے مجھ سے میری بچی کو چھین لیا۔ میں امان کی دھمکی سے ڈر گئی کہ اگر رامیہ کو اس نے اپنی ولدیت سے خارج کر دیا تو لوگ اسے..... اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوئیں پھر مزید بولیں۔

”میں یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ میری وجہ سے میری بچی کی زندگی ایک کالی بن جائے میں رامیہ سے جدا ہونے کے بعد شاید مرجانی مگر تمہارے پاپا نے مجھے سہارا دیا جن کی پہلی بیوی فوت ہو چکی تھیں ایک سات سالہ بیٹا تھا عافین جسے ماں کی ضرورت تھی تمہارے پاپا سے میں نے شادی کر لی اور ہم یہ ملک ہی چھوڑ گئے پھر لندن میں تمہاری پیدائش ہوئی ہم یہ ملک ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے تھے مگر رامیہ کی کسک مجھے یہاں لے آئی مگر اس خوف سے میں نے اس سے کبھی ملنے یا ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔“ آخر میں انہوں نے سسکی کر کہا تو اس بے ساختہ ان سے لپٹ گیا اور دونوں ماں بیٹے زار و قطار رونے لگے ابراہیم صاحب کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں۔





مسکراہٹ دوڑ گئی پھر انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں اس کے مزید پاس آ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔  
 ”میں تم جیسی لڑکی کی قربت تو دور کی بات اسے چھوٹا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے جس نفرت بھرے انداز میں اس کی کلائی کا آڑا کیا تھا رامیہ کو ایسا لگا تھا کہ عافین کے الفاظ اور لہجے کا زہر اس کے وجود کی کس کس میں اتر گیا ہو اور اس کے خون کو نیلا رو دیا ہو اس قدر رہائش و توہین پر اس کی ساکت آنکھوں کو جھیل میں ایک دم تلاطم سا اٹھا تھا بے ساختہ آنسوؤں کی لڑوں نے اس کے گانوں کو بھگودیا تھا۔

”کیا چاہتے ہو تم؟“ وہ اپنا نچلا ہونٹ انتہائی بے دردی سے دانتوں سے کھلتے ہوئے بولی تو عافین نے چونک کر اسے دیکھا آنسو بہانی پڑکی جو اس میں اتنی بے بس ولاچار دکھائی دے رہی تھی اس لڑکی سے کس قدر مختلف تھی جس نے اس کی مردانگی کو چوٹ پہنچائی تھی وہ چند لمحوں کے لیے گم صمہ گیا۔

”تم چاہتے تھے نا کہ میں تم سے معافی مانگوں۔“ وہ بھیگی آواز میں بولی پھر سرعت سے اس کے پیروں پر گر کر اس کے جوتوں پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئی۔

”مجھے معاف کر دو میں اپنی بے بدسلوکی کی تم سے معافی مانگتی ہوں۔“ اس میں عافین کا کلمہ چمن سے نواتا تھا وہ تیزی سے پیچھے ہٹا تھا۔

”تم چاہو تو اس پھٹے کے بدلے مجھے مار مار کر ادھ موا کرو مگر پلیز مجھے یہاں سے جا۔ نے دو۔“ وہ زمین پر دوڑا نو بیٹھی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی تو عافین کی پوری ہستی ڈول گئی اس نے بے ساختہ اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بانوں کو فوج ڈالا۔

”یا خدا یا یہ کیا کر دیا میں نے فصیح اور طیش کے عالم میں ایک لڑکی کی عزت سے کھیل گیا۔“ وہ خود سے بولا پھر رست و اج پر نگاہ دوڑا کر گویا ہوا۔

”تم فوراً ہر آؤ۔“ یہ کہہ کر وہ نیزی سے داغلی دروازے کی جانب بڑھا تو رامیہ زندگی کا پیغام سن کر غیر یقینی کی

رامیہ کی آنکھیں تیز چبھتی روشنی محسوس کر کے بڑی مشکل سے کھلی تھیں چند لمحوں کے بعد اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے کافی دیر وہ یونہی بی حس و حرکت بیٹھی رہی پھر یکدم شعور کے دائرے میں وہ داخل ہوئی تو بجلی کی تیزی سے اٹھ بیٹھی اور جب سامنے کرسی پر بیٹھے عافین علی شاہ کو دیکھا تو تحیر کی زیادتی سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا جواب نہایت اطمینان سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ گھنیا حرکت کرنے کی۔“ رامیہ چیخ کر بولی مگر اس میں اسے زور کا چکرا آیا تو بے ساختہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھما لیا۔

”میں تو ہوں ہی گھنیا انسان تو گھنیا انسان سے یہی توقع کی جاسکتی ہے نا۔“ وہ اتنی خوشی سے بولا جیسے اپنی تعریف کر رہا ہو اس میں رامیہ کو سخت طیش آیا مگر اچانک اسے کچھ احساس ہوا تو اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا جو شام کے پانچ بج رہی تھی اس کا مطلب ہے وہ تین گھنٹے سے یہاں موجود ہے۔

”دیکھو تم..... مجھے یہاں کیوں لائے ہو میں تو تمہیں ٹھیک سے جانتی بھی نہیں ہوں پھر کیوں مجھے اس طرح اغوا کر کے یہاں لائے ہو۔“ رامیہ کے دماغ نے جب اسے باور کرایا کہ وہ اغوا ہو چکی ہے اور اس وقت وہ اس شخص کے رحم و کرم پر ہے تو سارا غم مظنہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اس وقت اسے صرف اپنی عزت کی بقا کا خیال تھا۔

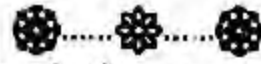
”آپ کی یادداشت کمزور ہے یا پھر آپ کی آنکھیں اب تک مجھے پہچانی نہیں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کر بستر پر بیٹھا تو رامیہ بڑی طرح الجھل کر بستر سے اٹھی مگر عافین علی شاہ نے کمال سرعت سے اس کی کلائی تھام لی۔

”اتنی جلدی تھی کیا ہے دور چہ نے کی۔“ وہ دل کشی سے مسکرا کر بولا تو رامیہ کا خون خشک ہو گیا۔

”دیکھو تم..... میرے پاس آنے کی کوشش مت کرنا ورنہ میں اپنی جان لے لوں گی۔“ رامیہ تھوک نلگتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں بولی تو عافین کے لبوں پر جان دار



کیفیت میں گھر کر جلدی سے دوپٹہ سنبھال کر اس کے پیچھے لگی۔



”ہم ابھی اور اسی وقت رامیہ کو لینے ہاسٹل چلتے ہیں۔“ ابراہیم اب مجھ سے ایک پل کے لیے بھی اس کی دوری برداشت نہیں ہو رہی۔ ”مسز ابراہیم بے قراری سے بولیں تو ابراہیم صاحب نے انہیں سہولت سے بستر پر دو بارہ بٹھا دیا۔“

”شعاع ابھی انس نے ہمیں بتایا تا کہ رامیہ کے دوھیال والوں نے اسے یہ بتایا ہے کہ اس کی ماں۔“ اتنا کہہ کر وہ خود دہل کر جب ہو گئے پھر قدرے ٹھہر کر گویا ہوئے۔ ”رامیہ کی زندگی اور شخصیت اس وقت بہت ڈسٹرب ہے اس طرح اچانک آپ اس کے سامنے جائیں گی تو اسے گہرا صدمہ پہنچ سکتا ہے ہمیں آہستہ آہستہ اس کے ذہن کو اس سچائی کے لیے تازہ کرنا ہے۔“

”پاپا! بالکل ٹھیک بہہ رہے ہیں ماما رامیہ باجی بہت بکھری ہوئی ہیں۔“ انس کو رامیہ کے ساتھ گزارے ہوئے پل یاد آ گئے جب کبھی وہ بہت اٹکے ہوئے اور کبھی بالکل خاموش اور کبھی بہت روؤ۔

”مگر آپ لوگ مجھے اس سے ایک بار ملو تو دس۔“ وہ بے قراری سے بولیں تو انس ان سے لپٹتے ہوئے بے تحاشا خوشی سے بولا۔

”مما کل میں خود آپ کو ہاسٹل لے کر چلوں گا اس وقت کافی دیر ہو گئی ہے ان کو شک ہو جائے گا۔ کل میں کوئی بھی بہانہ کر کے آپ کو ان سے ضرور ملواؤں گا۔“ انس یہ حقیقت جان کر خوشی سے پھولے نہیں سارہا تھا رامیہ اس کی ماں جانی اس کی حقیقی بہن ہے پھر مسز ابراہیم انتہائی اشتیاق سے انس سے رامیہ کے بارے میں پوچھیں لگیں کہ اس کی آنکھیں کیسی ہیں اس کے ہونٹ کیسے ہیں وہ کیسے ہنستی ہے اور انس مسکراتے ہوئے انہیں ایک ایک بات بتانے لگا جب کہ اس پل ابراہیم صاحب نے گہری علمائیت محسوس کی۔

عافین نے اسے ہاسٹل کے گیٹ پر ڈراپ کیا تو وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں باہر نکلے اور بے جان قدموں سے ہاسٹل کی عمارت کی جانب بڑھی جب وہ اندر چلی گئی تو عافین نے گہری سانس لی گاڑی اشارت کر دی۔

وہ کمرے میں آ کر بنوڑا سی کیفیت میں بستر پر ڈھے گئی اور خلاؤں کو گھورنے لگی یونہی خلاؤں میں تکتے تکتے اسے اچانک جیسے گہرنے نیند سے ہوش آیا تھا اس نے سرعت سے خود پر نگاہ ڈالی پھر اپنے صحیح سلامت واپس آنے کا یقین کر کے رو: شروع ہو گئی۔



عافین نے گاڑی جونہی گھر کے گیٹ کے سامنے روک کر گاڑی کا ہارن بجایا تو چونکدار نے دروازہ کھول دیا وہ زن سے گاڑی اندر آیا اور گاڑی سے اتر کر جونہی وہ گھر میں داخل ہوا سب سے پہلے انس سے ہی سامنا ہوا جو اس پل بے حد خوش اور بے جوش دکھائی دے رہا تھا۔

”بھائی میرے پاس ایک زبردست بریکنگ نیوز ہے بلکہ بہت بڑی خوش خبری ہے۔“ وہ لہک کر بولا تو شدید ترین ذہنی ابتری کے باوجود عافین نے اسے کافی چونک کر دیکھا تھا۔

”بھائی ماما کو ان کی بیٹی مل گئی..... میرا مطلب ہے میری بڑی بہن مل گئی۔“ وہ اس سے لپٹتے ہوئے بولا تو عافین نے نا سمجھے وا۔ نانا نماں میں اسے الجھ کر دیکھا تھا پھر ذہن پر زور دیا تو یاد آ گیا کہ انس ماما کی پہلے شوہر سے ہونے والی بیٹی کے متعلق بتا رہا تھا جب مسز ابراہیم کی شادی ابراہیم صاحب سے ہوئی تو عافین سات سات سال کا بچہ دار بچہ تھا اس حقیقت سے وہ پہلے ہی آگاہ تھا کہ ماما کی دوسری امی ہیں اور ان کی ایک بیٹی بھی ہے جو ان کے پہلے شوہر کی ماس ہے اور وہ ان کی دھمکی کی بدولت اپنی بیٹی کو جیسے بھول گئی ہیں۔ یہ انکشاف اس کے لیے بھی حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ خوش گوار بھی تھا۔

”اچھا واقعی یہ تو بہت بڑی خوش خبری ہے کہاں ہے





ایک سپرو  
مکمل سکویہ

# لگاتار

تھنڈے سے علاج ہے  
فولڈ، زکام اور کھانسی سے



اشرف لیبس لیمیٹڈ  
پرائیویٹ لمیٹڈ

041-8847601-2 Fax: 041-8847607

info@ashraflabs.com www.ashraflabs.com

WWW.PAKSOCIETY.COM





وہ؟“ یہ کہتے ہوئے عافین نے ادھر ادھر گردن موڑ کر دیکھا تو اس مایوسی سے بولا۔

”یہاں نہیں ہے ناصحل وہ بہت ڈسٹرب ہیں ان کے دوھیال والوں نے بتایا کہ ممالئہ نہ کرے اس دنیا میں نہیں ہے۔ بھائی وہ بہت الجھی ہوئی ہیں اگر ابھی آئیں حقیقت معلوم ہوئی تو ان کا رد عمل بہت سخت بھی ہو سکتا ہے۔“ آخر وہ سنجیدگی سے بولا تو عافین نے اسے اچنبھے سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”تم جانتے ہو اسے؟“

”ہاں نا بہت اچھی طرح ناصحل رامیہ باجی ہی میری حقیقی بہن ہیں۔“

کوئی بلا سٹ ہوا تھا عافین کے سر پر اور کئی ہفت اقلیم اس پر گر پڑے تھے عافین بھونپکا سا کھڑا اس کے ہلٹے ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا جو نجانے مزید کیا کہ رہا تھا۔



ذیشان اپنی بیوی کو لے کر رامیہ سے ملنے آیا تھا مگر اسے بخار میں بے سدھ پڑا دیکھ کر اس کی ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے فوراً ڈاکٹر کو بلا لیا جس نے انجکشن دے کر اور ٹھنڈے پانی کی پٹیاں ماتھے پر رکھنے کی ہدایت کر کے دو اؤل کا پرچہ تھما دیا تھا اب اس کی بیوی اور ذیشان اس کے ماتھے پر پٹیاں رکھ رہے تھے وہ دل ہی دل میں خود کو اس بات کے لیے ملامت کر رہا تھا کہ جذبات میں آ کر اس نے اسے گڑبھاشل میں لاپٹا تھا۔

بخار کچھ ملکا ہوا تو رامیہ نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں ذیشان کو دیکھ کر وہ قدرے چونکی پھر اس کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر وہ سب کچھ جان کر سسکرائی اور اٹھتے ہوئے بولی۔

”ذیشان یہ تمہاری وائف ہے نا بہت پیاری ہے۔“

رامیہ جبا کو دیکھ کر خلوص سے بولی تو جبا قدرے شرمائی۔

”ویسے رامیہ! تمہارا بھی جواب نہیں تم یہاں بخار میں پھک رہی ہو اور مجھے ایک فون بھی کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور تو اور میرا فون بھی نہیں اٹھا رہی

تمہیں۔“ ذیشان اسے تادیبی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ناراضگی سے بولا تو رامیہ کو یاد آیا کہ اس کا بیگ معہ موبائل فون کے کہیں ادھر ادھر رہ گیا ہے وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

”آئی ایم ویری سوری رامیہ! مجھے تمہیں یوں تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔“ وہ عنایت سے پور لہجے میں بولا پھر تیزی سے سر اٹھا کر گویا ہوا۔

”تم ابھی اور سی وقت ہمارے ساتھ گھر چل رہی ہو۔“

”باگل مت بنو ذیشان! میں کہیں نہیں جا رہی بس ذرا سا بخار تو ہوا ہے۔“ رامیہ اپنے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے بولی تو ذیشان اسے محض دیکھ کر وہ گیا پھر دھیرے سے بولا۔

”ان چند دنوں میں رامیہ بہت کچھ بدل گیا ہے میں نے عائشہ سے شادی سے انکار کیا کیا صالحہ چچی اور عائشہ تو جیسے آگ بگولہ ہو گئے تھو چچا ویسے ہی چچی کے آگے دم بھی نہیں مارتے تھے۔ ای نے مجھے بہت راضی کرنے کی کوشش کی مگر میں پھر بھی نہیں مانا تو چچی کھل کر سامنے آ گئیں اور امی اور چچی میں خوب جھگڑا ہوا جس کے نتیجے میں گھر کا پارٹیشن ہو گیا۔ چچی نے مجھے نچا دکھانے کی خاطر ایک بٹھے کے اندر رائدر عائشہ کی شادی اس کے ماموں زاد سے کر دی جو اول درجے کا آوارہ اور عیاش لڑکا ہے میرے ویسے والے دن نائمہ کی بھی رخصتی ہوئی مگر وہ اپنی سسرال میں خوش نہیں ہے اور ناش.....“

”پلیز ذیشان مجھے اس گھر کے کینوں سے کوئی سروکار نہیں ہے میں ان کے بارے میں کچھ جانتا نہیں چاہتی۔“

رامیہ نے انتہائی بے زاری سے ذیشان کی بات قطع کر کے کہا تو ذیشان یک دم چپ ہو گیا پھر رامیہ جبا سے باتیں کرنے لگی تو ذیشان بگنی سر جھٹک کر ان دونوں کی جانب متوجہ ہو گیا۔



”عافین! میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں؟“ نتاشہ انگلیاں مردڑتے ہوئے کچھ کہنے کے لیے اپنے آپ کو تیار



کرتے ہوئے بولی تو عافین اپنے وہمیان سے بری طرح

چوٹا آج ناشا اس سے ملنے اس کے گھر آئی تھی اور اب وہ لان کی کرسیوں پر بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر بار بار عافین کا وہمیان بھٹک کر رامیہ کی طرف چلا جاتا تھا وہ اپنی حرکت پر سخت پشیمان تھا اتنا کہ خود سے بھی نکال دینے کی ہمت نہیں کر پاتا تھا اور جب سے اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ ماما کی بیٹی ہے تو گویا جیسے ایک پر زاس کے سر پر مسلط ہو گیا تھا۔

”ہاں بولو کیا کہنا چاہتی ہو۔“ وہ پوری توجہ ناشا کی جانب مبذول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔  
”دراصل عافین میرے والدین چاہتے ہیں کہ میرا رشتہ بکا ہو جائے۔“ وہ پلاس جو کا آہستگی سے بولی۔  
”اچھا کوئی رشتہ ہے ان کی نظر میں۔“ وہ چمکے کا گھونٹ لیتے ہوئے بولا تو جو اب ناشا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اچھا لڑکا کیسا ہے کیا کرتا ہے تمہارے خاندان کا ہے؟“ وہ سیدھا ہو کر بیٹھے ہوئے دلچسپی سے پوچھنے لگا تو ناشا نے ایک نگاہ اس کی جانب دیکھا۔  
”میں تم سے..... عافین میں تم سے اپنے بارے میں رائے جاننے آئی تھی۔“ بلا آخر ناشا کہہ گئی تو عافین اس کا اشارہ بخوبی سمجھ گیا وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

”ناشا تم ایک بہت اچھی لڑکی ہو اور یقیناً جو تمہارا لائف پارٹنر ہوگا وہ بہت خوش نصیب ہوگا مگر..... میں نے تمہیں کبھی اس نگاہ سے دیکھا نہیں تمہارے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں پلیز ناشا! تم مائنڈ مت کرنا۔“ عافین اسے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتا تھا لہذا وہ کھل کر کہہ گیا تو ناشا کے دل میں چمن سے کچھ ٹوٹا مگر وہ فوراً اپنے آپ کو سنبھال کر بولی۔

”انس او کے عافین! میں نے بُرا نہیں مانا اپنی پسند کی لڑکی سے شادی تمہارا حق ہے۔“ وہ ہنس مکھ مسکرا کر بولی تو عافین خاموش سا ہو گیا پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے ناشا چلی گئی تو ایک بار پھر عافین رامیہ کے بارے میں

سوچنے لگا۔



وہ گریز ہائل چھوڑ کر وومن ہاٹل شفٹ ہونے کے لیے پینٹنگ میں مصروف تھی جب ہی اولڈن نے اسے کسی کے آنے کی اطلاع دی تو وہ ڈیٹان کا خیال کر کے جونہی ملاقات والے کمرے میں آئی انس کے ہمراہ کافی گریس فل فمض کو دیکھ کر تھوڑا حیران رہ گئی۔

”رامیہ باجی! کیسی ہیں آپ؟ یہ میرے پاپا ہیں ہم آپ سے ملنے کل بھی آئے تھے آپ سوری تھیں۔“ انس بے تحاشا چپک کر بولا تو رامیہ انس سلام کر کے اوپ سے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ ابراہیم علی شاہ کو رامیہ میں شیخ بیگم کی کافی شبہت نظر آئی وہ اتنے دیکھ کر دھیرے سے مسکرا رہے تھے اور انس ادھر ادھر کی باتیں کر کے رامیہ کا دماغ کھار رہا تھا۔

”بس رامیہ باجی آپ ہمارے ساتھ چل رہی ہیں ہماری انیکسی خالی ہے وہ کرائے۔“ بطور پرہم آپ کو دے رہے ہیں۔“ آخر میں انس حتمی لہجے میں بولا تو رامیہ نے حیران کن نگاہوں سے ابراہیم صاحب کی جانب دیکھا جنہوں نے نائیدی اعجاز میں مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔  
”یہ کیسے ہو سکتا ہے سر! میں کیسا آپ کے گھر رہ سکتی ہوں۔“ وہ متعجب ہو کر بولی۔

”آپ کیوں نہیں رہ سکتیں بنا ویسے ہمیں اپنی انیکسی کرائے پر کسی نہ کسی کو تو دینی ہے۔“ ابراہیم صاحب بات بناتے ہوئے سہولت سے بولے مگر رامیہ متذبذب سی ہو گئی۔

”اچھا ایسا کرتے ہیں آپ ہر رے ساتھ چلے انیکسی دیکھ کر فیصلہ کر لیجیے گا کہ آپ یہاں رہنا چاہتی ہیں یا نہیں۔“ ابراہیم صاحب جلدی۔ بولے تو رامیہ کچھ الجھ سی گئی پھر ان دونوں کے شدید اصرار پر پناچار ان کے ساتھ چل دی۔ رامیہ نے جونہی لاؤنڈ میں قدم رکھا اور وہاں بیٹھیں مسز ابراہیم نے پہلی بار اپنی بیٹی کو دیکھ تو بے ساختہ انہوں نے اپنا دل تھام لیا۔ تیکھے بین نقوش پر گوری رنگت



”بیٹا آپ پریشان مت ہو اُس آپ کو ڈرائیور کے ساتھ چھوڑ کر آ جائے گا۔“ ابراہیم صاحب نرمی سے بولے تو رامیہ خاموش سی ہو گئی جب کہ مسز ابراہیم ”ابھی آئی“ کہہ کر کمرے میں چلی گئیں اور ابراہیم صاحب باہر ڈرائیور کو دیکھنے کی غرض سے لاؤنج سے نکل گئے۔

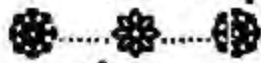
”رامیہ باجی آپ وعدہ کریں آپ ہماری انیکسی میں شفٹ ہو جائیں گی نا۔“ اُس ماں بھرے انداز میں بولا تو رامیہ کچھ سوچ کر گویا ہوئی۔

”مگر میں انیکسی کا اتنا ہی کرایہ ادا کروں گی جتنا تم کسی دوسرے سے لیتے۔“

”بالکل پکا ہمارے سے گھڑا کرایہ وصول کریں گے۔“ وہ خوشی و خوشی سے بولا اور اس دن لاؤنج میں جو شخص داخل ہوا اسے دیکھ کر رامیہ اُسے کی مانند پتھر کی ہو گئی۔

”ارے عافین بھائی..... یہ ہیں رامیہ باجی!“ اُس عافین کو دیکھ کر اشارہ ابولا مگر وہ تو اچانک رامیہ کو یوں سامنے دیکھ کر شپٹا گیا تھا اُس نے کہا کیا بول رہا تھا جب ہی رامیہ کے اندر جان آئی تھی وہ انتہائی نفرت بھری نگاہ عافین پر ڈال کر تیزانی لہجے میں بولی۔

”اُس! مجھے تمہاری انیکسی نہیں چاہیے۔“ یہ کہہ کر وہ بیک سنبال کر تیزی سے اُٹھی اور داخلی دروازے سے باہر نکل گئی جب کہ اُس ”ارے ارے“ کرتا رہا گیا مسز ابراہیم ہاتھ میں گفٹ باکس لیے باہر آئیں تو رامیہ کے چلے جانے کا سن کر ماہوں سی ہوئیں۔ ابراہیم صاحب بھی رامیہ کے آٹھمی طوفان کی طرح چلے جانے سے حیران نظر آ رہے تھے جو ڈرائیور کو اس کے کوارٹر سے بلانے گئے تھے اور عافین اپنی جگہ شرمندگی سے گڑھا جا رہا تھا واپس آ کر اُس نے عافین کو انتہائی مشکوک نگاہوں سے دیکھا تو وہ خفیف سا ہو کر اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔



سامنے ڈرائنگ روم کے سنکھل صوفے پر چہرے پر گہری سوچ کی لکیریں لیے چچا خاموش سے بیٹھے تھے جب کہ ڈیشیاں بھی کچھ پریشان دکھائی دے رہا تھا جب ہی

اور چیکلی دوڑتے ہیں مگر نہ سوچ نکاہیں اور نازک سا سراپا لیے وہ بائیس سال کے طویل عرصے کے بعد ان کے سامنے بھی وہ بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر اٹھ کھڑی ہوئیں رامیہ نے انہیں سلام کیا تو بے ساختہ انہوں نے رامیہ کو اپنے سینے سے لگالیا اور اس بل بجانے کیوں رامیہ کو محسوس ہوا جیسے اس کی تڑپتی روح کو فراموش کیا ہو جیسے اس کے اندر سکتی دھجی آج پر کسی نے ٹھنڈی پھوار برسا کر اسے بجھا دیا ہو جیسے برسوں سے بھرا غبار دھواں یک لخت اس کے اندر سے خارج ہو گیا ہو اور جیسے سینے میں موجود دل زندگی محسوس کر کے دھڑکنے شروع ہو گیا ہو کافی دیر وہ دلوں ایک دوسرے سے بے خودی کی عالم میں لپٹی کھڑی رہیں۔

”مما! رامیہ باجی میری سب سے اچھی دوست ہیں آپ پلیز ان کے لیے کچھ لے کر آئیے نا۔“ عقب سے اُس کی آواز ابھری تو رامیہ جیسے ہوش میں آ گئی وہ نرمی سے ان سے الگ ہوئی جن کی بیسٹ پلیس دیکھ کر وہ کچھ الجھ سی گئی۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں میں اپنی بیٹی کے لیے ابھی لے کر آتی ہوں۔“ فرط مسرت میں گھر کر مسز ابراہیم بولتی ہوئی کچن میں چلی گئیں تو ابراہیم صاحب جلدی سے بولے۔

”دراصل اُس کی ماما کو لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں اس لیے ہر بچی کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھتی ہیں۔“ یہ سن کر رامیہ مطمئن سی ہو گئی پھر تقریباً دو گھنٹے بعد اس نے ان لوگوں سے اجازت چاہی اس تمام وقت میں مسز ابراہیم اور اُس ہی بولتے رہے تھے رامیہ محض ہوں ہاں میں جواب دے رہی تھی۔

”اُس اب میں چھٹی ہوں بہت دیر ہو گئی ہے۔“ وہ گھڑی دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولی تو اُس جلدی سے بولا۔

”ارے آپ انیکسی تو دیکھ لیں۔“

”ابھی نہیں اُس! اس وقت کافی شام ہو گئی ہے۔“ چپھلے ذوں عافین نے اس کے ساتھ جو گھنٹیا حرکت کی تھی اس کے بعد رامیہ کو اندھیرے سے ڈر لگنے لگا تھا۔



”کیا.....“ وہ بھونچکا سی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ”یہ..... یہ کیا کہہ رہے آپ..... میری ماں..... یعنی میری ماں زندہ ہے۔“ وہ انتہائی بے یقینی کے عالم میں اپنی انگشت شہادت سینے پر رکھ کر گویا ہکلا کر بولی۔ ”مگر پچپن سے لے کر آج تک دلوں آپ سب نے تو مجھے یہی بتایا تھا کہ میری ماں اس دنیا.....“ تھیر و دکھ کی زیادتی سے اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

”جموٹ بولا تھا ہم سب نے تم سے تمہارا باپ احساس کمتری کا مارا انسان تھا ہمیشہ اپنی کمزوریوں کو چھپانے کی غرض سے وہ بھابی پر زیادتی کرتا تھا وہ تو انتہائی نیک و پارسا خاتون تھیں اس دن بھو بی کسی کام کے لیے مارکیٹ تک گئیں مگر رات گئے تک واپس نہیں آئیں تو تمہارا باپ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا اور اس جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام تمہاری چچی اور تائی نے بخوبی کیا اور جب وہ صبح آئیں تو تمہارے باپ نے ان سے ایک بھی لفظ سنے بنا، کھڑے کھڑے طلاق دے دی اور یہ کہہ کر دھکے مار کر گھر سے نکال باہر کیا کہ اگر انہوں نے کبھی بھی تم سے ملنے کی کوشش کی تو وہ تم سے تمہاری ولدیت چھین کر تمہیں کسی نیم خانے میں پھینک آئے گا اور یوں تمہاری زندگی ایک گالی بن کر رہ جائے گی اور پھر بھابی چلی گئیں۔“ وہ ندامت سے سر جھکا کر بولے تو رامیہ نے بے ساختہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخوں کا گلا کھوٹا تھا وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے چچا جان کو تنگے جا رہی تھی۔

”میری ماں زندہ ہیں.....“ وہ خود سے بولی جیسے خود کو یقین دلانا چاہ رہی ہو۔ ”میری ماں..... کہاں ہیں وہ..... بتائیے چچا جان میری ماں کہاں ہے؟“ وہ چلا ہی پڑی تو ذیشان اس کے قریب پہنچوں کے بل بیٹھتے ہوئے بولا۔

”پلیز رامیہ خود کو سنبھالو۔“  
 ”کیسے سنبھالوں خود کو ذیشان! نہیں سال کے طویل عرصے کے بعد مجھے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس ماں کے لیے میں نے ساری زندگی یہ سمجھا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے وہ زندہ سلامت ہے مجھے میری ماں سے دور رکھ کر انہیں مردہ

تیزی سے کچھ حیران سی رامیہ اندر داخل ہوئی وہ اس کے گھر سے جو نمی لگی تھی اس کے موبائل پر چچا کی کال آئی تھی جنہوں نے ابھی اور اسی وقت اسے گھر آنے کا کہا تھا۔ ”خیریت تو ہے نا چچا جان! آپ نے مجھے اتنی ایمر ہنسی میں کیوں بلایا؟“ وہ گھبرا کر استفسار کر رہی تھی جب کہ ذیشان محض اسے دیکھ کر رہ گیا۔ رامیہ کو دیکھ کر چچا جان کی آنکھوں میں بے ساختہ نمی دما آئی۔

”بیٹا! انشا اہتال میں ہے۔“  
 ”کیوں..... وہ ٹھیک تو ہے نا؟“ یہ سن کر رامیہ کچھ پریشانی سے بولی۔

”نہیں بیٹا وہ ٹھیک نہیں ہے اس کے شوہر نے اسے نشہ میں دھت ہو کر بہت مارا بیٹا ہے اور اسے طلاق بھی دے دی۔“ چچا گہرے صدمے کے زیر اثر بولے تو رامیہ محض خاموشی سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

”اس کا شوہر بہت خراب انسان تھا بہر حال جو ہونا تھا وہ اچھا دراصل بیٹا.....“ وہ بولتے بولتے تھک کر رہ گئے۔ ”میں تمہیں تمہارے باپ کا حصہ دینا چاہتا ہوں اور اپنے سلوک کی معافی کا بھی خواست گار ہوں۔“ وہ دھیمے لہجے میں بولے تو اس بار بھی رامیہ خاموش رہی پھر گہری ندامت و شرمساری سے گویا ہوئے۔

”رامیہ میں..... میں تمہیں ایک سچائی بتانا چاہتا ہوں یہ شاید بلکہ یقیناً ہمارے گناہوں کی سزا ہے جو ہماری اکلوتی بیٹی آج موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہے۔“

”چچا جان! عائشان شادا اللہ ٹھیک ہو جائے گی آپ نا امید نہ ہوں۔“ رامیہ سنجیدگی سے بولی پھر دھیرے سے استفسار کیا۔ ”کون سی سچائی آپ بتانا چاہ رہے ہیں۔“

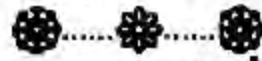
”بیٹا وہ..... وہ ہم نے تم سے جموٹ بولا تھا۔“  
 ”کیسا جموٹ؟“  
 ”بہت سنگین جموٹ۔“

”چچا پلیز کھل کر بتائیے کیا جموٹ بولا تھا۔“ وہ اچھڑ کر بولی۔  
 ”رامیہ تمہاری ماں زندہ ہے۔“



قرار دے کر مجھے احساسِ محرومی اور تنہائی میں مبتلا کر کے آج مجھے یہ سچائی بتائی جا رہی ہے کہ میری ماں....." بولتے ہوئے اس کا سانس دھونکی کی طرح چلنے لگا تو وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"آپ لوگوں نے رامیہ اور چچی جان کے ساتھ بہت ظلم و زیادتی کی ہے پچھا جان!" ذیشان انہیں شکایتی لگا ہوں سدیکھتا سانس سے بولا تو چچا جان نے نعمت و شرمندگی سے سر جھکا لیا جب کہ ذیشان رامیہ کو سنبھالنے لگا جو اس انکشاف کی زد میں آ کر رُی طرح کھمگئی تھی۔



عافین نے انس کے بے حد استفسار پر تمام باتیں اسے بتا ڈالی تھیں سوائے رامیہ کے تھپڑ اور اسے انہیں کرنے کے وہ اپنی اس شرمناک حرکت کو انس سے چھپا گیا تھا۔

"بھائی آپ کو رامیہ باجی کی ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں تھا لہذا آپ نے انہیں ایک نارمل لڑکی کی طرح ٹریٹ کیا جب کہ وہ انتہائی ذہنی ظہان اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار تھیں۔" انس پُر سوچ انداز میں انتہائی سمجھ داری سے بولا تو عافین نے اس کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"ہاں انس! میں رامیہ کو پونیورسٹی کی ایک عام لڑکی کی طرح سمجھا تھا مگر مجھے یہ ہرگز نہیں معلوم تھا کہ وہ کس قدر نامساعد حالات کا سامنا کرتی بہادری سے کر رہی ہے۔" عافین کو یہ جان کر نجانے کیوں بہت کون محسوس ہوا کہ رامیہ کو اپنے سابقہ معجزے سے کوئی قلبی لگاؤ نہیں تھا جو عافین کی زبانی انس کو معلوم ہوا تھا۔

"مگر بھائی اب رامیہ باجی کی زندگی میں کسی دکھ کسی تکلیف کی پر چھائی تک نہیں آئے گی۔ میں اپنی بہن کو زندگی کی ہر خوبی دوں گا۔" انس بالکل بڑے بھائیوں کی طرح گہری سنجیدگی سے بولا تو عافین اسے محبت سے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

آج طوبی کی شادی تھی وہ اس کی مایوں مہندی میں بھی شریک نہیں ہو سکی تھی بس تین دن سے پاگلوں کی طرح بکی سوچے جا رہی تھی کہ اپنی ماں کو تلاش کرے تو کیسے؟ چچا

جان نے بتایا تھا کہ کوئی شخص اس کی ماں کو چھوڑنے آیا تھا وہ شخص کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ کیا اس کی ماں اسی شخص کے ساتھ چلی گئی تھی؟ یہ سب کچھ وہ نہیں جانتے تھے اسے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا جس پر چل کر وہ اپنی ماں کو ڈھونڈ سکے موبائل کی بھتی بپ پر اس نے بے زاری سے کال پک کی تھی۔

"رامیہ باجی! آپ کہاں عافین ہیں طوبی اور عافین باجی آپ سے بہت ناراض ہو رہی تھیں۔" انس چپک کر بولا تو رامیہ نے بے ادب سے سنا۔

"آج شادی میرا پتا رہی ہیں نا۔"

"انس میں....."

"بس مجھے کچھ نہیں سننا آپ کو بچے تیار رہے گا میں آپ کو پک کر لوں گی۔" وہ حتی انداز میں کہہ کر لائن ڈس کنکٹ کر گیا تو رامیہ مناسب دماغی سے ہنسی رہ گئی۔

طوبی کی سنگین دھمکیوں اور انس کے پُر زور اصرار پر رامیہ شادی میں آ تو گئی تھی مگر اس کا ذہن بُری طرح الجھا ہوا تھا۔

"اف رامیہ باجی! طوبی باجی تو آسمان کی حور لگ رہی ہیں۔" کس گہرے رنگ کی بدولت انس چپکتے ہوئے اس کے ساتھ والی رسی پر آ کر بیٹھا تو رامیہ کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا رامیہ کی طرف سے بیکسر خاموشی محسوس کر کے انس نے بغور دیکھا پھر کچھ سوچ کر دھیرے سے اس کے بازو کو چھوا تو رامیہ چانک یوں ہز بڑا کر سیدھی ہوئی پیسے نے اسے گہری نیند میں سوتے ہوئے شخصہابی گرا کر جگا دیا ہے۔

"اف او انس! کیا مصیبت ہے تم نے تو مجھ ڈرا دیا۔" ایک دم انس نے اس کے سکتے کی کیفیت کو توڑا تو رامیہ چڑ کر اسے تازئی۔

"کیا ہو گیا ہے رامیہ باجی آپ کو اتنی خوب صورت محفل میں ہوتے ہوئے بھی آپ نجانے کہاں گم ہیں۔" انس ادھر ادھر دیکھتے ہوئے تھوڑا ناراضی سے بولا تو رامیہ نے اپنے آپ کو سنبھالا۔



بس ایک بار مجھ پر بھروسہ تو کر کے دیکھئے۔“ اس نے اتنے ہی یقین لہجے میں بول رہا تھا کہ۔ بے ساختہ رامیہ کی آنکھیں جل جھل ہو گئیں۔

”اس میں اپنی پوری زندگی بھی سمجھتی رہی کہ میری ماں.....“ اتنا بول کر وہ سسک اُٹھی۔ ”مگر میری ماں زندہ ہے۔“ رامیہ کے اس جملے پر۔ بے ساختہ اس کا ہجر بریک پر جا پڑا اور گاڑی جھٹکے سے رکی۔ ”اس جس ماں کو میں سمجھتی تھی کہ وہ مجھے چھوڑ کر اس دنیا۔ سے چلی گئی ہے وہ زندہ ہیں اس..... میری ماں زندہ ہے۔“ آخر میں بولتے ہوئے وہ اس کا بازو شدت جذبات سے منجوز گئی۔

”آپ ملنا چاہتی ہیں ان سے۔“ اس گہری سانس بھرتے ہوئے بولا تو رامیہ نے انتہائی تحیر کے عالم میں اس کی جانب دیکھا۔

”نت..... تم کو معلوم ہے، وہ کون ہیں کہاں رہتی ہیں؟“ رامیہ کی بات پر اس نے اپنا سر اثبات میں ہلایا اور گاڑی اشارت کر کے فل اسٹیج پر دوڑانے لگا جب کہ رامیہ گہری سانس لیتے اس کو دیکھ لہجے گئی۔



وہ ابھی ابھی اس کے ہر او اس کے گھر میں داخل ہوئی جو اب اسے اپنی اما کے بیڈ روم کی جانب لے آیا تھا۔ ”اس تم مجھے یہاں کیوں لے آئے ہو تم تو مجھے میری ماں کے پاس.....“ بولتے بولتے اچانک دروازہ کھل جانے پر وہ یک دم خاموش ہوئی مئی۔

”اس بیٹا! سب خیریت ہے نا رامیہ اس وقت یہاں.....“ مسز ابراہیم اپنے کمرے سے نکل کر دروازے پر آئیں تھیں۔

”رامیہ باجی! آیا آپ کی ماں ہیں وہ ماں جو بائیس سال آپ کے ابو کی وجہ سے آپ سے دور رہیں۔“ اس کے الفاظ پر یک دم مسز ابراہیم نے ہنر دکھتے کا سہارا لیا تھا۔

”اس! یہ کیا مذاق سے یہ تو نہاری مہا ہیں مجھے تمہاری یہ گھنیا حرکت بالکل پسند نہیں آئی۔“ انتہائی ناگواری سے بولتی رامیہ جانے کو پلٹی ہی تھی کہ ابراہیم صاحب کی آواز نے

”یہ عقیقہ کہاں رہ گئی۔“ رامیہ نے ایک طائرانہ نگاہ ماحول پر ڈال کر استفسار کیا تو اس ہنستے ہوئے بولا۔

”وہ تو طوبی باجی سے بالکل بڑ کر بیٹھی ہیں کہہ رہی تھیں ذہن کے ساتھ بیٹھنے سے جلدی شادی ہو جاتی ہے۔“ اس کی بات پر رامیہ کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ چمکی تو اس نے موقع غنیمت جان کر فوراً کہا۔

”رامیہ باجی! آپ ہماری انیکسی میں کب شفٹ ہو رہی ہیں؟“ یک دم رامیہ نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے ایک ناگواری پر چھائی اس بل ذہن کے پردے پر ابھری تھی۔ ایک سخت اس کی طبیعت اس ماحول سے مدد ہو گئی تھی۔ وہ تیزی سے اپنی نشست سے اُٹھی اور باہر کی جانب بڑھی۔ اس کا بدلتا رویہ دیکھ کر یک دم پریشان ہو کر اس کے پیچھے لپکا تھا۔

”کیا ہوا رامیہ باجی! شادی کا فکشن اس وقت عروج پر ہے اور آپ جا رہی ہیں؟“ اسے جانے کے لیے پرتوتا دیکھ کر وہ گھبرا کر بولا تو رامیہ مٹھی مٹھی آواز میں بمشکل بولی۔

”اس مجھے یہاں بہت وحشت ہو رہی ہے پلیز مجھے کہیں لے چلو ورنہ میرا دم ٹھٹ جائے گا۔“ اس بل اندر کی گھن اس حد تک بڑھی تھی کہ اسے اپنا سانس رکنا ہوا محسوس ہوا تھا اس کی کیفیت دیکھ کر تیزی سے پارکنگ لائٹ کی جانب لپکا اور گاڑی میں رامیہ کو بٹھا کر وہاں سے نکل آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شکر ہے کہ کریم دین ڈرائیور اپنے گاؤں گیا ہوا تھا ورنہ پاپا سے یوں اکیلانہ بھیجتے۔

گاڑی کے اسے سی نے اس کے اعصاب کو کچھ پرسکون کیا تو وہ ٹڈ حال سی آنکھیں موندھ کر سیٹ کی بیک سے سر نکالی۔ اس خاموشی سے ڈرائیوگ کر رہا تھا اس پہلے وہ رامیہ کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

”رامیہ باجی میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی بہن صرف سمجھا ہی نہیں بلکہ دل و جان سے بڑی بہن ماننا بھی ہوں آپ پلیز اپنے دل کا بوجھ مجھ سے کہہ کر ہلکا کر سکتی ہیں۔ آپ دیکھئے گا میں بھی آپ کا حقیقی بھائی بن کر دکھاؤں گا



اس کی قدموں کو بڑی طرح جکڑا لیا تھا۔

”انس مذاق نہیں کر رہا بیٹا!“ وہ بھونچکا سی پلٹ کر شمع بیگم کو دیکھے مٹی جو بے تازہ زارو قطار رو رہی تھیں۔

”آپ سب کو شرم آئی چاہیے یوں میرے جذبات کے ساتھ کھیل کر مجھے آپ لوگوں سے یہ امید نہیں تھی۔“  
رامیہ بے ساختہ سسک اٹھی اور انتہائی دکھ سے بول کر فوراً وہاں سے پلٹ گئی جب کہ ابراہیم صاحب اور انس اس کے پیچھے پیچھے لپکے۔

”رامیہ بیٹا! ہماری بات کا یقین کرو وہی عورت تمہاری ماں ہے جس نے تمہیں جنم دیا جو بائیس سال تمہاری جدائی کی آگ میں جھلس کر تڑپتی سسکتی رہی خدا کے واسطے اسے یوں چھوڑ کر مت جاؤ ورنہ.....“

”نہیں.....“ وہ تڑپ کر پلٹتے ہوئے بولی۔ ”میں اب اپنی ماں کو کہیں نہیں جانے دوں گی انہیں کچھ نہیں ہونے دوں گی۔“ وہ زور سے چلاتے ہوئے بے تحاشا روتے ہوئے بولی اور دوڑ کر شمع بیگم کے سینے سے پلٹ گئی جو انس کے پیچھے زارو قطار رو رہی تھیں۔ دونوں ماں بیٹی کو یوں تڑپ کر ملے دیکھ کر انس بھی رو دیا جسے ابراہیم صاحب نے نہم آنکھوں سمیت سینے سے لگا لیا۔

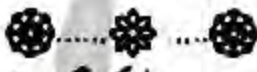


عافین ایک ہفتے بعد اپنے خال زاد کی شادی اٹینڈ کر کے لاہور سے واپس آیا تو انس کی زبانی تمام باتوں کا علم ہو گیا اس وقت رامیہ مسز ابراہیم کے ہمراہ کہیں باہر گئی ہوئی تھی عافین تھکن کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ رامیہ کا سامنا کرنا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا مسز ابراہیم کو معلوم ہوا کہ عافین آ گیا ہے وہ فوراً اس کے کمرے کی جانب چل دیں انس اور عافین میں انہوں نے کبھی کوئی فرق نہیں رکھا تھا وہ اپنی مٹی اولاد کی طرح اسے چاہتی تھیں۔

رات کو کھانے کی میز پر اس کا رامیہ سے سامنا ہوا جو اسے بھر پور طریقے سے نظر انداز کر رہی تھی ایک اس کے علاوہ سب ہی بے حد خوش اور بے سکون دکھائی

دے رہے تھے۔

”رامیہ باجی مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ آپ اتنے مزے دار کھانے پکا سکتی ہیں۔“ انس شامی کباب کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے مزے سے بولا تو رامیہ مسکرا دی جب سے اسے اس کی ماں ملی تھی اس کے اندر کی بے گلی بے قراری وہ بے سکونی بھانپ بن کر اڑ گئی تھی اس پل رامیہ کی مسکراہٹ اتنی خوب صورت لگی کہ بے ساختہ عافین اسے دیکھتا رہ گیا ایک دم رامیہ کی نگاہ اس پر پڑی تو انتہائی ناگواری سے اس نے عافین کی طرف سے منہ موڑ لیا عافین کا دل بچھ سا گیا۔



ذیشان اور حبا اس سے مل کر گئے تھے اور ساتھ میں یہ پیغام بھی دے گئے تھے کہ مہک دلا کے یقین ان دونوں سے مل کر اپنے ظلم و زیادتی کی معافی مانگنا چاہتے ہیں مگر رامیہ نے قطعیت سے ان لوگوں سے ملنے سے انکار کر دیا تھا جب کہ مسز ابراہیم اور مسز ابراہیم دونوں ہی اسے سمجھا رہے تھے۔

”بیٹا تم نے یہ قول نہیں سنا کہ ”معافی سب سے اچھا انتقام ہے“ غصے اور انتقام ن آگ انسان کو کسی بل سکھ نہیں لینے دیتی اگر تم ان لوگوں سے نفرت کرتی رہو گی ان کی زیادتیوں کو سوچ سوچ کر رٹھتی رہو گی تو تمہاری زندگی بھی بے سکون اور منتشر ہی رہے گی۔ ایک ہاتھ ان لوگوں کو معاف کر کے دیکھو پھر دیکھنا کیسی ٹھنڈک اور سکون تمہاری روح میں اترے گا۔“ ابراہیم صاحب اسے تلاوت سے سمجھاتے ہوئے بولے تو گرم گرم آنسو اس کی آنکھوں سے گرنے لگے جسے دیکھ کر مسز ابراہیم تڑپ اٹھیں۔

”اور جو آنسو جو تکلیفیں انہوں نے مجھے دیں میرے دل کو چوٹ پہنچائی میری روح کو زخمی کیا اس کا کیا.....؟“ وہ روٹھے ہوئے بیچ کی انتہا انتہائی معصومیت سے بولی تو کاؤچ پر بیٹھے عافین کو اس پر بے ساختہ پیمانہ گیا۔

”اللہ تعالیٰ بہترین نصف ہے وہ تمہارے ساتھ پورا انصاف کرے گا تمہارے آنسو تمہاری تکلیفیں جن پر تم



سامحہ پشاور: ایک پرسوز نظم

میرے مولا!

تیری ارض پاک پہ یہ ماہز کیا ہے؟  
تیری کائنات میں فتنہ و ساد کا سلسلہ کیا ہے؟  
کہیں پر ہے ظلمتوں کی نیند میں تڑپتی بنت حوا  
کہیں پر ہیں اثری لاشوں کی ریزہ ریزہ بوٹیاں  
کہیں پر ہیں درندے نو نیز پھولوں کو مسلتے ہوئے  
رنگ حیاتی کو بدرنگ کرتے ہوئے  
گلشن حیات کو غم کی آگ لگاتے ہوئے  
خون کی بہتیس بہاندیاں بہاتے ہوئے  
باپ کے بازو کاٹتے ہوئے  
میرے مولا!

حالات دہر پہ غمزدہ ہے ہر آنکھ  
بے چین پد ر مادر کا دل ثلثت میں کرتا ہے  
چھترے ہوئے پھولوں سے ملنے کو تڑپتا ہے  
امیر سلطنت سے قوت و یابی سے محروم زبان پر  
فریاد کرتی ہے

اور بار بار کرتی ہے  
ہمارے گلشن حیات کے، نوخیز گلوں کی کلکاریاں  
واپس لا دو  
ہماری اجڑی بھیجی آنکھوں میں امید کی لوجلا دو  
ہمارے بچے ہمیں واپس لا دو  
آہ! ہمارے بچے ہمیں واپس لا دو  
میرے مولا! میری اتر دھرتی کو پھر سے گہوارہ  
اسن بنا دے  
خوشیوں و مسکراہٹوں کا بہن بنا دے آمین  
سامعہ ملک پرویز..... خان پور ہزارہ

عافین کو غصہ سا آ گیا۔

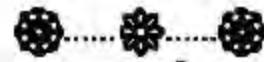
”رامیہ آپ میری بات سننے بنا یہاں سے نہیں  
جاسکتیں۔“ وہ اس کے مقابل آتے ہوئے بولا۔

”آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔“ رامیہ کو  
بھی طیش آ گیا تھا اسی دوران اپنی جون میں آٹانس ٹیرس

نے برداشت کیا وہ بلاشبہ رائیگاں نہیں جائے گا وہ تمہیں  
اس کا بہترین صلہ عطا کرے گا۔“ ابراہیم صاحب اس کے  
سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولے تو رامیہ نجانے کون سی  
طاقت کے زیر اثر فوراً کہنا لگی۔

”ٹھیک ہے پاپا! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے گا کہ  
امی کے ساتھ میں نے ان سب کو معاف کیا۔“ یہ کہہ کر وہ  
واقعی خود کو بادل کی مانند ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ نفرت و  
بد لے کا جذبہ انتہائی طاقت ور ہوتا ہے مگر اس سے کہیں  
زیادہ طاقت جذبہ ایمان میں ہوتا ہے جو انسان کو حیوان  
بننے سے روک دیتا ہے اور اسے سکی اور بھلائی پر اکسا کر  
انسانیت کی معراج پر پہنچا دیتا ہے وگرنہ نفرت و بد لے کی  
خاقت سے مغلوب ہو کر انسان انسان کو ہی نیست و نابود  
کرنے پر تیار ہوتا۔

”شاہاش میری گڑیا! تم نے ہمیں خوش کر دیا۔“ ابراہیم  
صاحب مسکرا کر بولے تو مسز ابراہیم نے اٹھ کر رامیہ کو  
اپنے سینے سے لگا لیا۔



کافی دنوں سے عافین رامیہ سے بات کرنے کی  
کوشش میں لگا ہوا تھا مگر رامیہ اسے ایسا کوئی موقع فراہم  
نہیں کر رہی تھی تھوڑی دیر پہلے عقیقہ طوبی اس سے مل کر  
گئی تھیں وہ اس کے لیے بہت خوش تھیں وہ ان سے فارغ  
ہو کر ٹیرس میں رہی چیز پر بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگی جب ہی  
عافین نے اسے وہاں جانیا۔

”رامیہ مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“  
وہ اس کے سر پر آ کر بولا تو رامیہ نے قطعیت سے کہا۔  
”مگر مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی آپ یہاں سے  
جاسکتے ہیں۔“

”مگر میں اپنی بات پوری کیسے بنا یہاں سے ہرگز نہیں  
جاؤں گا۔“ اتنے دنوں کی محنت اور بے زاری اس پل عمود کر  
اس کے لہجے میں آسانی تھی۔

”ٹھیک ہے اگر آپ نہیں جا رہے تو میں چلی جاتی  
ہوں۔“ وہ کتاب بند کر کے کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی تو



کر دیا تھا میں اہانت کے احساس میں بُری طرح جل رہا تھا۔ وہ گہری سانس بھرتے ہوئے ایک نگاہِ رامیہ کے جھکے سر پر ڈالتے ہوئے بولا جو بہت خاموشی سے کیاری میں لگے پھولوں پر نظر س، جمائے بیٹھی تھی۔

”میں اپنے عمل کو درست قرار دینے یا خود کو بے قصور ٹھہرانے کے لیے یہ بات ہرگز نہیں کہہ رہا کہ جو انداز جو رویہ تم نے میرے ساتھ روا رکھا وہ ایک مرد کی مردانگی پر کاری ضرب تھا مگر میں نے پھر بھی بہت بُری حرکت کی تھی مجھے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے تھا ہو سکے تو پلیز مجھے معاف کروینا۔“ یہ کہہ کر عافین پلٹ کر لمبے لمبے ڈنگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا جب کہ رامیہ نے بے ساختہ گردن موڑ کر اس کی پشت کو دیکھا تھا۔



آج ای نے رامیہ سے ڈھیروں باتیں کی تھیں جن میں زیادہ تر وہ عافین کا ہی تذکرہ کر رہی تھیں ابراہیم صاحب کی محبت و خلوص کی وہ پہلے سے قائل تھیں مگر امی کے بتانے پر وہ ان کی اعلیٰ ظرفی اور شرافت پر دل و جان سے ایمان لے آئی تھی اور پہلے سے زیادہ ان کی عزت کرنے لگی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ اگر امی کو ابراہیم صاحب جیسے حلیم فطرت اور ہمدرد انسان نہ ملتے تو نجانے ان کا کیا حشر ہوتا اس کے باپ اور دوھیال والوں نے تو انہیں تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی وہ واقعی فرشتہ صفت انسان تھے ان کے اصرار پر ہی وہ انہیں پاپا کہتی تھی۔

”عافین نے مجھے بالکل اپنی سگی ماں کی طرح عزت و محبت دی ہے ہمیشہ میرا ہٹانا ہے میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے ابراہیم جیسے شریک سفر اور عافین جیسا فرماں بردار اور مجھ پر جان چھڑکنے والا بیٹا ملا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے میری لخت جگر سے بچی ملا دیا۔“ امی بولتے ہوئے آخر میں اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں تو اچانک اس کی بسورتی آواز ابھری۔

”اچھا اس پپی ٹیبل میں میرا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔“

میں داخل ہوا اور رامیہ کے بگڑے تیور دیکھ کر حیرت سے استفسار کیا۔

”کیا ہوا رامیہ باجی کس کی شامت آپ کے ہاتھوں آئی ہے۔“

”اس اپنے بھائی سے کہو کہ فوراً یہاں سے چلے جائیں اور آئندہ مجھ سے مخاطب ہونے کی کوشش بالکل نہ کریں ورنہ.....“ وہ قصداً اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے سکتی نظروں سے دیکھنے لگی جو اسے زچ کر رہا تھا۔

”اس رامیہ باجی سے کہہ دو انہیں میری بات سننی ہی ہوگی۔“ رامیہ کے قریب آنے کے لیے اسے اس کی مدد کی اشد ضرورت تھی مگر یہ لڑکی کم از کم اس زندگی میں تو اسے قبول کرنے والی نہیں تھی۔

”ہائے عافین بھائی! رامیہ باجی آپ سے پانچ سال چھوٹی ہیں آپ انہیں باجی کیوں کہہ رہے ہیں۔“ اس مصنوعی حیرت سے بولا۔

”لا حول ولا قوتہ۔“ وہ بے مزہ ہو کر جلدی سے بولا پھر مزید گویا ہوا۔ ”میں بھلا باجی کیوں کہوں گا یہ صرف تمہاری باجی ہیں۔“

”اچھا صرف میری بہن.....“ اس نے صرف کو خاصا لمبا کھینچتے ہوئے بولا تو رامیہ حسب توقع تلملا اٹھی۔

”اس بکواس بند کرو اپنی اور شو میرے راستے سے۔“ یہ کہہ کر رامیہ یہ جا وہ جا جب کہ اس اور عافین محض ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔



عافین شام کو کلب سے نونا تو لان میں رامیہ کو اس سے باتیں کرتے دیکھا اس عافین کو یہاں آتا دیکھ کر کوئی بہانہ کر کے فوراً وہاں سے کھسک لیا۔

”رامیہ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے ہرگز معاف کرنے کی روادار نہیں ہو مگر میں پھر بھی تم سے معافی کا خواست گار ہوں۔ اس دن غصے اور جوش میں آ کر میں نے وہ حرکت کر ڈالی جو بھی میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچی تھی یونہی میں تمہارے رویے نے مجھے بہت ڈسٹرب



”ارے یتیم صاحب! آپ اس معاملے میں ہلکان بالکل مت ہوں انس اور میں نے عافین کے لیے لڑکی ڈھونڈ بھی لی ہے اور اسے پسند بھی کر لیا ہے۔“ مسز ابراہیم کتاب بند کرتے ہوئے ڈرامائی انداز میں بولے تو انہوں نے بے حد چونک کر دیکھا۔

”کیا واقعی.....؟ مگر انس نے مجھ سے اس لڑکی کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔“ وہ الجھ کر رویا ہوئیں۔

”کیوں کہ آپ لڑکی کی ماں ہیں ناں۔“

”لڑکی کی ماں..... کیا مطلب.....؟“ تاہم سچی کے عالم میں استفسار کرتے کرتے یک دم بات ان کی سمجھ میں آئی تو مسز ابراہیم نے انتہائی بے یقینی کے عالم میں اپنے مجازی خدا کو دیکھا۔

”مطلب انس اور میں نے رامیہ کو عافین کے لیے پسند کیا ہے اور ہماری اس پسند میں عافین کی پسند بھی شامل ہے۔“ مسز ابراہیم ان کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مسکرا کر بولے تو مارے خوشی و احساسِ شکر کے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”ابراہیم اگر ایسا ہو جائے تو میری بچی کے ایک ایک آنسو اور ہر تکلیف کا ازالہ ہو جائے گا۔“

”ایسا ہی ہوگا عافین اتنی اپنی چٹکوں پر بٹھا کر رکھے گا۔“ ابراہیم صاحب کی آواز کمرے سے ابھری تو دروازے کی اوٹ پر کھڑی رامیہ خاموشی سے وہاں سے پلٹ آئی وہ جو کسی کام سے مرنے کی جانب آئی تھی مگر ابراہیم صاحب کے منہ سے اپنا نام سن کر بے ساختہ رک گئی تھی۔ اس دن عافین نے معافی مانگنے پر اور اس کے سابقہ رویے کا احساس دلا۔ نے پر جب اس نے اپنے رویوں کو یاد کیا تو بہت جگہ وہ خود کو غلط دکھائی دی۔ واقعی عافین کے ساتھ اس کا سلوک ایک دشمن کی طرح تھا حالانکہ عافین نے اس سے کبھی کوئی بد تمیزی نہیں کی تھی ماسوائے اس حرکت کے جس کا ذمہ دار خود اس کا رویہ تھا وہ کچھ سوچ کر عافین کے کمرے کی جانب آ گئی۔ عافین کتابوں میں سر دیئے تھے۔ بے کمرے میں آتا دیکھ کر اچھا

بے ساختہ دونوں نے دروازے کی جانب دیکھا جہاں وہ روٹھا سا کھڑا تھا امی اور رامیہ ہنسنے لگیں۔

”ارے میرا انس تو سب سے اچھا بچہ ہے۔“ امی جلدی سے بولیں۔

”ہاں ہاں اب تو ایسا ہی بولا جائے گا ناں۔“ پھر معاً اسے کچھ یاد آیا تو بولا۔ ”مما وہ عافین بھائی لندن جانا چاہ رہے ہیں ابھی پاپا کی اسٹڈی میں وہ ان سے یہی بات کر رہے تھے۔“

”کیوں..... اتنا اچانک پروگرام کیسے بنا لیا عافین نے ایسے کیسے جاسکتا ہے وہ۔“ امی حواس باختہ سی ہو کر بولیں۔ رامیہ بس خاموشی سے انہیں دیکھے گئی۔

”کچھ دنوں کے لیے لاہور جانے سے بھی وہ اتنا گھبرا رہا تھا کہ آپ لوگوں کی یاد آئے گی اب ایسے کیسے ہمیں چھوڑ کر چلا جائے گا۔“ امی یہ کہتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی تھیں ان کے جانے کے بعد رامیہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔



عافین پہلی بار ضد پر آ گیا تھا کسی کے کہنے پر بھی وہ رکنے پر آمادہ نہیں تھا یہاں تک کہ وہ اپنا ایم بی اے بھی دھورا چھوڑ کر جا رہا تھا اس کی ضد دیکھ کر مسز ابراہیم اور مسز ابراہیم نے بادلِ نحواستہ اسے اجازت دے دی تھی مگر انی نے یہ شرط اس کے سامنے رکھ دی تھی کہ جانے سے پہلے اس کی منگنی یا نکاح کر دیا جائے جس پر ابراہیم صاحب جس کر بولے تھے کہ آپ کو یہ خوف ہے کہ وہ کوئی گوری میم اپنے ساتھ نہ لے جائے تو انہوں نے اس بات کا برملا اقرار بھی کیا تھا جب کہ یہ سن کر عافین نے مارے بے بسی کے اپنے بالوں کو نوج ڈالا تھا۔

”ابراہیم! لیجئے کی بنی عاتزہ ہمارے عافین کے لیے کیسی رہے گی؟“ آج کل ان کے ذہن پر صرف لڑکیاں ہی سوار تھیں عافین سمسٹر دینے پر بمشکل راضی ہوا تھا اس کے فوراً بعد وہ لندن روانہ ہونے والا تھا اور مسز ابراہیم اس دوران کوئی لڑکی ڈھونڈ لینا چاہتی تھیں۔



وہ بے ساختہ بولا تو جو بار میہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا جس پر عافین نے ”آف میرے خدا شکر ہے“ کہہ کر ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔

”رامیہ سب سے جا کر کہ دو میں کوئی لندن و لندن نہیں جا رہا۔“ وہ اس کے قریب ”کمرے سے بولا۔

”مطلب آپ مجھ سے بھاگ رہے تھے۔“ وہ نادھی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

”اب تم کو ساتھ لے کر جاؤں گا بھگا کر نہیں بلکہ اپنی شریک سفر بنا کر ہنی مولوں مٹانے کے لیے۔“ وہ دل کسی سے گنتلایا تو کمرے میں ٹھنڈک کے باوجود اس کی ہتھیلیاں سینے سے بھیگ گئیں۔

”آپ کو اتنا یقین ہے کہ میں آپ سے شادی پر رضا مند ہو جاؤں گی؟“ وہ بظاہر خود کو مضبوط بناتے ہوئے بولی حالانکہ اندر سے وہ عافین کی قررت اور اس کی باتوں سے بہت پزل ہو رہی تھی۔

”جی جناب یقین واثق ہے جب تم مجھے معاف کر کے لندن جانے سے روک سکتی ہو تو مجھ سے شادی پر بھی ضرور آمادہ ماحاؤ گی۔“

”آف اتنی خوش تھی.....“ وہ اپنی شریکیں مسکراہٹوں پر بمشکل کنٹرول کر کے بولتی دروازے کی جانب بھاگی۔

”ارے ارے سنو تو سہمی.....“ عقب سے عافین کی آواز ابھری مگر رامیہ کھلکھلاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔

آج اسے بھی یقین ہو چلا تھا کہ عافین اور اس گھر کی صورت میں رتب الکریم نے اس کی تمام تکالیف کا خوب ازالہ کر دیا ہے بے شک اللہ کسی کے ساتھ نا انصافی نہیں کرتا اب ہر تمنا عدل پوری ہونے چلی تھی۔



خاصا چونکا تھا جو لیمن اور ریچ رنگ کے احتراز والے لان کے سوٹ میں اسے بہت ظالم و جاہر لگ رہی تھی۔

”آپ کو اگر میری مدد کی ضرورت ہے تو بتا دیجیے۔“ وہ جتنے خوب صورت لہجے میں بولی عافین نے اتنی ہی بد صورتی سے جواب دیا۔

”آپ کو میری نیچر بننے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔“ انتہائی رف سے حلیے میں وہ اسے بہت خاص لگ رہا تھا۔

”نتاشہ کے کیا حال ہیں؟“ رامیہ کے منہ سے یہ جملہ سن کر عافین نے اسے کافی الجھنے سے دیکھا۔

”آپ تو نتاشہ کے بارے میں ایسے پوچھ رہی ہیں جیسے وہ آپ کی گہری دوست ہو۔“ وہ طنز بولا۔

”چلیں میری نہ سہمی آپ کی تو گہری دوست تھی۔“

”آپ کو اس سے کیا پرابلم ہے کہ وہ میری گہری دوست ہے یا نہیں۔“ عافین کو رامیہ کی بات اچھی نہیں لگی لہذا روکھائی سے کہہ گیا۔

”مجھے کیا پرابلم ہوگی وہ دراصل امی آپ کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں تو میں نے سوچا کہ نتاشہ.....“

”آپ کو میرے میٹر میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے اور پلیز ماما کے سامنے نتاشہ کا تذکرہ نہ چھیڑیے گا اس کی شادی ہونے والی ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا تو رامیہ نے کچھ توقف کے بعد استفسار کیا۔

”آپ میری وجہ سے یہ گھر چھوڑ کر لندن جا رہے ہیں نا؟“

”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ پلیز یہ مت سوچئے۔“ عافین جلدی سے وضاحت دیتے ہوئے بولا

اچانک اسے خیال آیا کہ اگر رامیہ کو اندازہ ہو گیا کہ محض اس سے بھاگنے کی خاطر وہ لندن جا رہا ہے تو وہ حساس لڑکی خود ہی نہ گھر چھوڑ دے۔

”عافین میں چاہتی ہوں کہ میرے ساتھ ساتھ آپ بھی گزری باتیں بھول جائیں میں اپنی پچھلی زندگی کو پوری طرح سے بھول جانا چاہتی ہوں۔“

”تو اس کا مطلب ہے آپ نے مجھے معاف کر دیا۔“





سورہ شوریٰ





ڈسنے لگی ہے اب شب فرقت کی تیرگی  
 آجاؤ صبح روئے منور لیے ہوئے  
 ہر غم پر ہے اک نئی الجھن کا سامنا  
 ہم آئے ہیں عجب مقدر لیے ہوئے

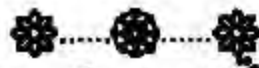
### (گزشتہ قسط کا خلاصہ)

مصطفیٰ ولید کے کہنے پر دعوت قبول کر لیتا ہے شہوار بھی وہاں شرکت پر بغیر کسی انکار کے حامی بھر لیتی ہے جس پر مصطفیٰ اس کے مصالحت آمیز انداز پر حیران رہ جاتا ہے جب یہی وہ اپنے درمیان حائل ناراضگی کو دور کرنے کی سعی کرتا ہے ایسے میں شہوار بھی مصطفیٰ کے بدلتے رویے کو دیکھ کر ساری تکی کو ختم کر کے اس رشتے کو نئے انداز میں آگے بڑھانے کا ارادہ کر سکتی ہے۔ انا کی بدگمانی ولید کو سخت مضطرب کر دیتی ہے دعوت پر کیتھی کو مدعو دیکھ کر وہ پھر سے خود تری کا شکار ہونے لگتی ہے دوسری طرف ولید کی زبانی اسے کیتھی کی منگنی طے ہو جانے کا پتا چلتا ہے لیکن اس ناول پھر بھی کیتھی کی طرف سے صاف نہیں ہو پاتا۔ عباس اور عادلہ کے بڑھتے تنازعات کے پیش نظر شاہ زیب وکیل کے ذریعے طلاق کے کاغذات عادلہ کو بھجوا دیے جاتے ہیں۔ اپنے رشتے کے اس انجام پر عباس نہایت مضطرب حالت میں رابعہ سے اپنے حالات شیئر کرتے اسے ہر طرح کے تحفظ کا یقین دلاتا ہے جبکہ رابعہ اس علیحدگی کا زمندار خود کو گرواتی شرمندگی محسوس کرتی ہے۔ دوسری طرف عادلہ انہیں ایک ساتھ دیکھ کر بھڑک اٹھتی ہے اور فون پر رابعہ کی پراسائی پر طنز کرتے اسے دھمکیوں سے نوازتی ہے جبکہ رابعہ عباس کی پریشانی کے خیال سے اسے کچھ بھی بتانے سے گریز کرتی ہے۔ طلاق کے کاغذات دیکھ کر عادلہ انتقام کی آگ میں مزید بھڑک اٹھتی ہے۔ کیتھی رات ولید کے گھر ہی قیام کرتی ہے صبح انا کو کالج چھوڑنے کے دوران کیتھی بھی ان کے ہمراہ ہوتی ہے۔ ولید اس دوران بھی انا سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اسے نیر کوئی موقع دے چپ چاپ اتر جاتی ہے واپسی پر اسے تنہا گھر آنا پڑتا ہے جب ہی راستے میں مصطفیٰ کے کزن حماد اور شائستہ اسے گھر ڈراپ کرنے کی آفر کرتے ہیں ناچار وہ ان کے ہمراہ گھر آتی ہے جبکہ حماد اور انا کو دیکھ کر ولید حماد سے متعلق بوچھڑا کھتا ہے جس پر انا نہایت بدتمیزی سے اس کے کسی بھی سوال کا جواب دینے سے انکار کرتے مستعمل انداز میں اس زبردستی کے بندھن کو ختم کرنے کی بات کرتی ہے جبکہ ولید بھونچکا رہ جاتا ہے ضیاء صاحب کے پوچھنے پر وہ فوراً ہی انا سے شادی پر آمادگی ظاہر کرتا ہے جبکہ انا اس کے بد برے رویے پر شدید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔ مصطفیٰ کام کے سلسلے میں اسلام آباد چلا جاتا ہے ایسے میں شہوار اس کی شدت سے محسوس کرتی اپنی بدلتی حالت پر خود بھی حیران رہ جاتی ہے۔ تاہم وہ بوا شاپنگ کے دوران کیتھی کو دیکھ کر ٹھنک جاتی ہیں انہیں وہ چہرہ بے حد شناسا لگتا ہے لیکن جب ہی وہ بھٹیر میں ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے شہوار کی یاد محسوس کرتے وہ واپسی کا ارادہ کرتی ہیں لیکن اس کے کسی بھی سوال کا جواب نہ دے پانے پر وہ ایک مرتبہ پھر اپنی کوششوں میں مصروف ہو کر اپنا ارادہ ترک کر دیتی ہیں۔ رابعہ اپنی شادی کے متعلق عباس کو انفارم کرتے اپنی جانب چھوڑنے کی بات کرتی ہے جبکہ عباس یہ سب جان کر عجیب سی کشش کا شکار ہو جاتا ہے۔ انا ایک آخری کوشش کے طور پر ولید کے نمبر سے



کلافہ کا نمبر لیتی ہے۔ اسی دوران کلافہ کی مسڈ کا لڑ اور ڈیڑھ صروں محبت بھرے میسج دیکھ کر اس کا شک یقین میں بدلتا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف کلافہ سے بات ہونے پر وہ ولید کے بڑھتے ہوئے تعلقات اور محبت کی داستان سنا کر انا کو مورد الزام ٹھہراتی ہے کہ اب وہ صرف اس کی وجہ سے دھوکا کھ رہا ہے اور وہ ولید کو اس کے لیے کبھی حاف نہیں کرے گی جبکہ انا مزید خوف کا شکار ہو جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



ولید آفس جا رہا تھا گاڑی ابھی تک ٹھیک نہ ہوئی تھی ماما نے اسے کہہ دیا تھا کہ ولید کے ساتھ کالج چلی جائے وہ ڈراپ کر دے گا۔ اس نے انکار کرنا چاہا مگر ماما نے دو ٹوک انداز میں کہا تو وہ کھستی جھلکتی ولید کی گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔ ولید جب باہر آیا تو اسے کالج سیٹ پر دیکھ کر ٹھنکا۔

دونوں کے درمیان کل جو منہ ماری ہو چکی تھی اس کو لے کر وہ خود بھی انا سے کافی کھچاؤ محسوس کر رہا تھا اب اسے دیکھ کر اس کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ بہت سنجیدگی کے عالم میں وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو انا بھی گاڑے تیروں سمیت چہرہ موڑے باہر دیکھتی رہی تھی۔

ماما کا اصرار نہ ہوتا تو شاید وہ آج اپنا کالج جانا ہی موقوف کر دیتی۔ وہ بالکل سر دوسپاٹ تاثرات لیے باہر دیکھتی رہتی انا ذرا بالکل لائق اور سرد مہر تھا گویا سرے سے کوئی آشنا ہی نہ ہو۔ ولید نے کئی بار ایک ویپرر سا سے دیکھا تھا۔

”ایسا کب تک چلے گا؟“ ولید اس سے لاکھ تھا سہی لیکن انا کی طرح بہت دیر تک دل میں صدمہ دہا کر نہیں رکھ پاتا تھا آخر کار مخاطب کر ہی لیا۔ انا ولید کے الفاظ پر چونکی اور پھر اب سمجھ گئی۔

وہ رات کلافہ سے بات نہ کر چکی ہوئی تو شاید اس کی جہل سے پھسل جاتی لیکن اب تو دل بھانجڑ کی طرح جل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرہ بیٹاثر۔

”انا! میں تم سے مخاطب ہوں۔“ اس کی خاموشی پر ولید نے غصے سے سبز ہو کر ایک دم تلخی سے کہا۔  
”مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی آ سکتا ہے مجھے مخاطب کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔“ وہ تلخی سے کہہ کر خاموش ہو گئی۔

ولید کے اندر ایک دم شدید اشتعال کی لہر اٹھی اور اس نے ایک دم گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور پلٹ کر اسے دیکھا۔ گاڑی رکنے پر انا نے بھی چونک کر اسے دیکھا ولید کی آنکھوں سے آنکھیں ملی تھیں۔ ولید بیٹاثر غصے سے دیکھ رہا تھا وہ تنفر سے دیکھ کر چہرہ موڑ گئی۔

”یہ سب کیا ہے کیوں کر رہی؟ تم ایسا؟“ وہ خاموش رہی تھی۔

”جہاں تک میں جانتا ہوں تم کلافہ کی وجہ سے ری ایکٹ کر رہی ہو۔ کلافہ کو لے کر اگر آیا کر رہی ہو تو حماقت کا ثبوت دے رہی ہو۔“ ولید نے خاصے ضبط سے کہا تھا دل چاہ رہا تھا کہ اس پتھر کے بُت کو چھینوڑ کر کھدے۔

”ایک لڑکی آپ کے لیے اپنی جان کی قربانی دینے کی کوشش کرے اور آپ کی بے حسی کا یہ عام ہے کہ آپ کے سبھ میں کوئی افسوس بھی نہیں۔“ وہ بولی تو ولید نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

”میں کلیئر کر چکا ہوں کہ میرا کلافہ کے کسی بھی ری ایکشن سے کوئی تعلق نہیں اسے ہر نفع نقصان کی ذمہ دار وہ خود ہے۔“ ولید نے کہا تو انا نے استہزاء سے دیکھا۔ ولید نے دیکھا انا کی آنکھیں سرخ اور بوجھل تھیں گویا وہ ساری رات روٹی رہی تھی۔



”وہ ایک جذباتی لڑکی ہے جو دوسروں کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے س کے کسی بھی عمل کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔“

”اس سے دوستی تو کی تھی نا آپ نے؟“

”ہاں لیکن اس کی بھی کوئی وجہ تھی اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ وہ اس طرح انوالو ہو جائے گا تو شاید میں کبھی بھی ایسی حماقت نہ کرتا۔“ ولید نے کہا تو انا کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گیا۔

”پھر بھی خود کو بری اندازہ سمجھ رہے ہیں ایک لڑکی سے دوستی کرتے ہیں اس کے ساتھ وقت گزارتے ہیں اس کو اہمیت دے کر اس سے پھر بےزاری کا اظہار کرتے ہیں اس سے بڑھ کر بے حسی کیا ہوگی۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ بہت اچھے انسان ہیں لیکن مجھے کبھی اندازہ ہی نہ تھا کہ آپ نے ایسے شقی القلب اور خالم انسان بھی ہیں کہ ایک لڑکی آپ کی خاطر اس حد تک آجکی ہے اور آپ خود کو بے گناہ کہہ رہے ہیں۔“ وہ بولی نہیں پھٹی تھی جو دل میں آیا کہہ دیا۔

”شٹ اپ۔“ ولید اس کے لب و لہجے اور الفاظ پر ایک دم مشتعل ہوا۔

”خبردار! مزید تم نے ایک لفظ بھی کہا تو.....؟“ ولید اس کے الفاظ پر ایک دم بھڑک اٹھا تھا۔ ”دس از ٹوئج۔“ انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

”کیوں چپ رہوں سچ اتنا کہ کیوں لگ رہا ہے؟ حقیقت کے آئینے میں اپنی تصویر دیکھیں نا اب کیوں چلا رہے ہیں؟“

”انا خبردار! اس انف.....“ ولید اتنے غصے میں بولا کہ وہ چپ ہو گئی۔ ولید اسے دیکھتے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا گویا خود پر بے مشکل قابو پار ہا ہو۔

”میرے الفاظ سمجھو تو نہیں ہیں سچ ہی تو کہا ہے سب کچھ پھر کاٹو اور اب میں۔ پتا نہیں کتنوں کو دھوکہ دیں گے آپ۔“ وہ سر سے پاؤں تک بدن ہو چکی تھی زندگی ہوئی آواز میں کہا۔ ولید نے لب بچھ کر اسے دیکھا۔

”بات اعتباراً اور پھر دوسے کی ہوتی ہے تم نے تو اول روز سے ہی مجھ پر بھروسہ کب کیا تھا جو تمہیں دھوکہ دیتا میں۔“ کچھ لمحے سنبھلنے کے بعد ولید نے کہا۔

”ہمیشہ شک کے تناظر میں دیکھا تم کیا سمجھتی ہو میں نا سمجھ تھا کچھ اعزاز۔ انا اسکا تھا۔ تم جو مرضی سمجھتی رہو اب تمہارے یہاں سے ایک لفظ بھی اپنی صفائی میں نہیں کہوں گا۔“ ولید نے سر دھری سے کہتے تیزی سے گاڑی ڈرائیو کی۔

اتانے نئی ساس سے دیکھ کر چہرہ ہول لیا تھا۔ گھٹوں میں ڈھیر سا راپانی جمع ہو گیا تو انا وہ سوچتی رہی تھی کہ شاید ولید سب بیانات کی تردید کر دے مگر ولید تو خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے دل پر ایک دم بوجھ بڑھ گیا تھا باقی رستہ دونوں کے درمیان بالکل ہی خاموشی رہی تھی۔



تاندہ بی کا دل بڑا بوجھل سا ہو رہا تھا انہیں شہوار شدت سے یاد آ رہی تھی۔ ایک بہن کو ان کا جی چاہا کہ وہ ایک بار جا کر اس سے ملے۔ میں وہ کون سا بہت دور تھی اسی شہر میں تو تھی ان کے نزدیک۔ لیکن پھر یہ سوچ کر رہ گئیں کہ وہ اتنے سارے لوگوں کے سوالوں کے بھلا کیا جواب دیں گی۔ وہ کچھ سوالوں کی تلاش میں یہاں آئی تھیں لیکن اب لگ رہا تھا کہ ان کے ہاتھ بالکل خالی ہیں۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ اپنے سوالوں کی تلاش کا کام کہاں سے شروع کریں کوئی سراہی نہیں مل رہا تھا۔

کچھ سوچ کر وہ سا جہہ کو متا کر ایک دفتر میں چلی آئی تھیں یہ ٹریول ایجنسی کا دفتر تھا برسوں پہلے وہ کسی کے ساتھ اس دفتر



## نمرہ آرائیں

اسلام علیکم جی آپ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ کون ہے جو بن بلائے مہمان کی طرح حاضر ہو گئی ہے لیجیے ہم اپنا تعارف کرواتے ہیں میرا نام نمرہ ہے میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ 5 مئی کو اس جہان فانی میں تشریف لائی ٹنڈوالہ یار میں رہتی ہوں مجھے سرخ گلاب بہت پسند ہے رنگوں میں کالا اور سفید بہت پسند ہے۔ لپس میں لائٹ شرٹ اور فلیپر بڑا سادو پیٹہ بہت پسند ہے آچھل سے رشتہ تقریباً چار سال پرانا ہے فوٹو رائٹرز نازیہ نول نازیہ سیدہ نایاب جیلانی ہے۔ پسندیدہ شعرا میں وحی شاہ ساغر پروین احمد فراز پسند ہیں۔ اب آتے ہیں میرزا فیملی کی طرف ہم پانچ بہن بھائی ہیں میرا نمبر دوسرا ہے مجھ سے دو بڑے بھائی ہیں پھر میں اور میرے بعد دو بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ پڑھائی کا بہت شوق ہے اور فوج میں ڈاکٹر بننے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ دعا کیجیے گا کہ میں اپنے اس ارادے میں کامیاب ہو جاؤں خاصہ بہت جدی آجاتا ہے اور جذباتی تو بہت ہوں سیر و تفریح کا بہت شوق ہے۔ سیڈ سوتلر پسند کرتی ہوں تنہائی پسند بھی ہوں سب سے زیادہ پیارا پیٹی امی اور ابو جانی سے کرتی ہوں اور دوستی بہت کم ہی لوگوں سے کرتی ہوں اور بیچ تو بہت شوق سے دیکھتی ہوں اور بیسٹ کھلاڑی شاہد آفریدی اور بیسٹ سنگر عاطف اسلم ہے آپ سب ہمیشہ خوش رہیں میں آپ کے لیے ہمیشہ یہ دعا کروں گی اللہ حافظ۔

کے چکر لگا چکی تھیں لیکن اس وقت یہاں نرپول ایجنسی کی جگہ کاروباری مراکز کا دفتر تھا۔ دفتر بند بہ کر وہ بے حد مایوس ہوئی تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے ان کی ہر کوشش ناکام ہو رہی ہے گزرے دنوں میں وہ مختلف جگہوں پر جا چکی تھیں لیکن کوئی سرگاہ تھ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ رکشے میں بیٹھ کر ایک اور جگہ چلی آئی تھیں دو تین دنوں میں وہ یہاں مسلسل آ رہی تھیں۔ بہت ہی خوب صورت گھر تھا تعمیر سے لگتا تھا کہ جیسا چند سال پہلے ہی تعمیر کیا گیا تھا۔ ہر بار کی طرح چوکیدار گیٹ پر موجود تھا وہ تابندہ کو دیکھ کر فوراً پہچان گیا تھا۔

”ہاں بی بی آج ہی آئے ہیں“ فہر دم میں ان سے پوچھ کر آتا ہوں۔ ”چوکیدار اندر چلا گیا اور پتہ دیر بعد واپس آیا۔“ ”آؤ“ وہ کہہ کر پھر اندر کی طرف بڑھ گیا تو تابندہ اس کے ہمراہ اپنے اندر کی طرف چلی آئی تھیں۔ وہاں ڈرائنگ روم میں صوفے پر ایک درمیانی عمر کی خاتون موجود تھیں۔

”بیگم صاحب! یہ بی بی ہیں جن کا میں نے آپ کو بتایا ہے۔“ چوکیدار نے کہا۔

”اسلام علیکم!“ تابندہ نے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام! جی آئیں بیٹھیں۔“ خاتون نے بغور دیکھتے ہوئے کہا تو تابندہ ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

”معذرت چاہتی ہوں میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”جی ہم لوگ کبھی باہل سے ہیں میرا نام تابندہ ہے۔ یہ گھر جس میں آپ لوگ رہ رہے ہیں پچیس پچیس سال پہلے یہاں گھر تھا۔ پھر میرے شہر ہرنے یہ گھر بیچ دیا تھا۔“ تابندہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

”اب تو آپ لوگوں نے گھر کا نقشہ ہی بدل دیا ہے بہت ہی پیارا بن چکا ہے یہ گھر تو۔“ تابندہ نے اطراف میں دیکھتے کہا۔

”آپ کی باقی فیملی؟“ تابندہ نے اطراف میں دیکھتے خاتون سے پوچھا۔



”یہ گھر ہمارے سر صاحب نے خریدا تھا ہم لوگ پنڈی میں رہتے تھے۔ میرے شوہر کی وہاں جاب تھی پھر ریٹائرمنٹ کے بعد ہم لوگ واپس یہاں شفٹ ہو گئے۔ سسر انتقال کر گئے ہیں اور باقی لوگوں کو حصہ دے دلا کر ہم نے یہ گھر رکھ لیا اور دوبارہ اس کی کنسٹرکشن کروائی ہے۔“

”اوہ.....“

”اوپ کی ساس اور باقی لوگ؟“

”دونوں میں ہیں وہ اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں ایک دیور ہے وہ باہر شفٹ ہو گیا ہے اور ساس کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔“ تابندہ کو لگا جیسے وہ ایک دم ناامید ہو گئی ہیں۔

”مجھے کچھ معلومات چاہیے تمہیں اسی لیے میں یہاں آ رہی تھی۔“ تابندہ نے بتایا تو لہجے میں مایوسی تھی۔

”ہاں جو کچھ یاد رہتا رہتا تھا۔“ خاتون نے کہا۔

”بات اصل میں یہ ہے کہ.....“ تابندہ نے آہستگی سے خاتون کے سامنے کچھ کہا شروع کیا خاتون بہت دھیان سے ان کی بات سن رہی تھیں۔



انا شہوار کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھی اس کا موبائل بچنے لگا تو اس نے موبائل دیکھا۔ کلافہ کا نام دیکھ کر وہ ابھی تھی وہ رات کلافہ سے بات کرنے کے بعد اس کا نمبر سیکر چکی تھی۔

”ہیلو۔“ اس نے نہ پچا ہے ہوئے بھی کال ریسیو کی۔

”کلافہ بول رہی ہوں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”تو.....؟“ وہ ولید کے ساتھ ساتھ کلافہ سے بھی بدظن ہو چکی تھی رکھائی سے بولی۔

”میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔“ کلافہ نے کہا تو دوچونگی۔

”وہ کیوں؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔“

”ہاں کہو۔“

”ایسے نہیں تم جب ملو گی تو پھر تب ہی بات ہوگی۔“ وہ نخوت سے کہہ بولی۔

”ایم سوری میں تم سے نہیں مل سکتی اور نہ ملنا چاہوں گی۔“ اس نے غمی سے انکار کر دیا۔

”مجھ سے مل لیتیں تمہارا ہی فائدہ تھا۔ خیر ولید میری کالز پک نہیں کرتا اسے کہہ دینا کلافہ اتنی جلدی نہیں مانتی گی۔ میں نے کھیل شروع کر دیا ہے اب انجام بھی دیکھے۔“ دھمکی آمیز انداز میں کہتے اس نے کال بند کر دی تھی۔ انا ایک دم ساکت رہ گئی۔

”کیا ہوا؟“ اسے گم سم دیکھ کر شہوار نے پوچھا تو وہ سنبھلی پھر نفی میں سر ہلا کر اس نے موبائل کان سے ہٹا لیا۔

”کس کی کال تھی؟“

”ویسے ہی ایک جاننے والی تھی ملنے کا کہہ رہی تھی تو میں نے منع کر دیا۔“ اس نے خود پر قابو پاتے کہا تو شہوار نے سر ہلا دیا۔

”مصطفیٰ بھائی آگے اسلام آباد سے؟“ اپنے ذہن کو اس نے بڑی کرتا چاہا۔

”سن بات ہوئی تھی تب تک تو نہیں آئے تھے پھر میں کالج آگئی تھی اس کے بعد بھی تک کوئی رابطہ نہیں ہوا۔“ شہوار







مگنی تھی۔

”میں نے کبھی بھی ان کی ذات سے انکار نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کی اچھائیوں کو جھٹایا تھا میں تو بس اپنی ذات کی تسکین چاہتی تھی۔ اپنی پہچان کے بارے میں جانتا تو سب ہی کا حق ہے نا؟ میری سوچ اب بھی وہی ہے لیکن مصطفیٰ کے ساتھ ہونے والے حادثے نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ بعض رشتے قدرت کی طرف سے انعام بن کر ملتے ہیں اگر جان بوجھ کر شکری کریں تو کھو بھی جاتے ہیں اور میں مصطفیٰ کو اب کھونا نہیں چاہتی۔“ کہتے کہتے س کی آواز میں کمی مل گئی تھی انا نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا تم آئی اور باقی لوگوں کا سناؤ سب ٹھیک تو ہیں نا؟“ انا کے سوال پر اس نے سر ہلادیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ انا کے سامنے تابندہ بی کے چلے جانے کا ذکر کر دے لیکن پھر دل مسوس کر رہ گئی۔

”نجانے انا کیا سوچتی۔“ اس کے دل میں ہوک سی اٹھنے لگی ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔

”اشو کلاس میں چلتے ہیں مجھے ابھی عطیہ سے نوٹس بھی لینے ہیں اور سر سے ڈسکشن بھی کرنا ہے۔“ اپنا دھیان بٹانے کو کہا تو انا بھی سر ہلا کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔



”کچھ بتا چلا؟“ تابندہ بی گھر آئیں تو بہت مایوس تھیں۔ بے جان انداز میں چار پٹی پر بیٹھیں تو خالہ بی نے پوچھا تھا۔ تابندہ نے نفی میں سر ہلادیا۔

”نہیں۔“ لہجے میں صدیوں کی سی حسرت تھی۔

”خالہ بی کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ جیسے میں برسوں سے غلطی پر غلطی کرتی آئی ہوں۔ مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ کم از کم بابا صاحب کو سب کچھ بتا دینا چاہیے تھا۔ میں ہمیشہ اس خوف میں رہی کہ نہیں وہ سب جاننے کے بعد مجھے اور شوہار کو دو حکارندیں اور میری بچی نجانے کن حالوں میں ہوگی۔ ایک عمر تو تے سلگتے زار دی میں نے۔ اتنے خط لکھے لیکن کسی ایک کا بھی جواب نہ آیا۔ تھک ہار کر میں نے امید ہی چھوڑ دی تھی لیکن شوہار کے سوالوں نے مجھے پھر مجبور کر دیا اور اب لگ رہا ہے کہ مجھے حوصلی نہیں چھوڑنا چاہیے تھی نجانے وہاں میرے بارے میں اب کیا رائے قائم ہو چکی ہوگی اور سب سے بڑھ کر نجانے شوہار کیا سوچتی ہوگی۔ میری مامتا کی تسکین تو شوہار کے وجود سے ہو گئی تھی لیکن میری بچی..... وہ بات چھوڑ کر سکتے لگی تھیں۔ خالہ بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

”تم واپس چلی جاؤ شوہار کا شوہر پولیس میں ہے اس کو سب بتا دو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ تم خود ہی تو کہتی ہو کہ وہ ایک اچھا انسان ہے۔“ خالہ بی نے مشورہ دیا تو وہ چہرہ صاف کر کے انہیں دیکھنے لگیں۔

”اور اگر اس نے سب جاننے کے بعد بھی ہمیں قبول نہ کیا تو؟“ ان کے لہجے میں خورشید مانند یسے بول رہے تھے۔

”شوہار اس کی بیوی ہے اب اس کو چھوڑے گا تو نہیں۔“

”وہ بہت خاندانی لوگ ہیں حسب ذہن پر جان دینے والے وہ تو عباس کی شادنی غیروں میں کر دی تھی اور شوہار بھی انہی کے سامنے پلی بڑھی تھی کچھ مہر النساء کا خصوصاً لگاؤ بھی تھا اور پھر میں نے ان کو یقین بھی دلا رکھا تھا کہ شوہار کسی چھوٹے موٹے خاندان سے نہیں ہے انہوں نے اس کو بہو بنا لیا تھا لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں حقیقت جاننے کے بعد اس بچی کی زندگی برباد نہ ہو جائے۔ میں نے ساری زندگی اسی کی خاطر تو برباد کی ہے اور اب آ کر سب کچھ تباہ نہیں کر سکتی۔“ تابندہ بی عجیب کشمکش میں تھیں خالہ بی خاموشی سے دیکھنے لگی تھیں۔

”میں سوچ رہی ہوں کہ اسے کال کروں اس سے بات کروں نجانے وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہوگی؟ ہے بھی تو



بہت حساس۔ ان کے لہجے میں شہوار کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ خالد بی نے سر ہلا کر ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔  
 ”اللہ تمہیں کامیاب کرے اور اس پنچی کی بھی مشکلات آسان کرنے بڑی بد نصیب ہے وہ بے چاری تو اللہ سے بھی  
 مبرورے۔“

”آمین۔“ تابندہ بی نے دکھے دل سے آمین کہا اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی ان کا ارادہ کسی بی بی او شہوار کو  
 کال کرنے کا تھا۔



شہوار ابھی کالج سے لوٹی تھی، چیخ کر کے وہ ابھی کمرے سے نکلنے والی تھی جب اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے  
 اسکرین دیکھی، اجنبی نمبر تھا۔

”ہیلو۔“ اس نے جھجکتے ہوئے کال پک کی تھی۔  
 ”ہیستلیم علیکم؟“ آواز سن کر وہ ایک دم الجھی گئی۔  
 ”و علیکم استلام! کون؟“  
 ”کیسی ہو شہوار؟“

بی بی آواز..... بی بی آواز تو تابندہ بی کی تھی وہ فوراً پہچانی تھی۔

”امی جی آپ؟“ وہ چیخ اٹھی تھی غرہ سرت۔ سے اس کی آواز قدرے بلند ہو گئی تھی۔

”کہاں ہیں آپ..... اور آپ کیسی ہیں؟“

”میں ٹھیک ہوں، ادھر ہی ہوں تم بتاؤ کیسی ہو؟“ عطفی کیسا ہے؟“ انہوں نے نم آواز میں کہا تو شہوار کا دل بھرا آیا۔ وہ  
 شدت سے سوئی۔

”پلیز جہاں بھی ہیں آپ واپس آ جائیں میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے کوئی سوال و جواب  
 نہیں کروں گی پلیز لوٹ آئیں۔“ وہ ایک دم جذباتی ہو گئی تھی۔ دوسری طرف، تابندہ بی کا دل اس کے آنسوؤں سے پھل  
 گیا تھا۔

”میں آ جاؤں گی..... ضرور آؤں گی لیکن اس مقصد کو لے کر جو ٹیلی سے نکلی تھی اس کو چڑا کر کے ہی اب لوٹوں گی۔“

”کہاں ہیں آپ؟“ اپنے آپ کو سنبھالتے اس نے سوال کیا۔

”اسی شہر میں ہوں۔“

”مجھے انڈریس دیں میں آ جاتی ہوں آپ کو لینے۔“

”نہیں شہوار ابھی یہ ممکن نہیں میں پہلے ہی پریشان ہوں بس تم سے بات کرنے کو دل بے قرار تھا تو کال کر لی۔ تم  
 پریشان نہیں ہونا میں جہاں بھی ہوں محفوظ ہوں۔ مجھے بس تمہارا خیال تھا کہ میرے اس طرح چلنے سے تم خفا ہو گی  
 اور نجانے کیا کیا سوچ لوں۔ بیٹا کچھ غلط مت سوچنا بس یہ سمجھ لو کہ تمہاری ماں مجبور تھی مگر جو بھی کر رہی ہوں تمہارے لیے  
 اور اپنے لیے ہی تو کر رہی ہوں۔ میری ممتاز ب رہی ہے لیکن میں اپنی بیٹی سے نہیں مل سکتی اس سے زیادہ میری بے بسی  
 اور کیا ہو گی۔“ وہ رونے لگیں تھیں۔ شہوار بے دم ہو کر بستر کے کنارے پر ٹک گئی تھی۔

”ایسے مت کریں میں پہلے بھی لوگوں کے لیے ایک سوالیہ نشان تھی۔ پہلے لوگ میرے باپ کا حوالہ پوچھتے تھے اور  
 اب ماں کا بھی پوچھا کریں گے پتا نہیں میں کس کس کو جواب دوں گی۔“ وہ اذیت سے چیخ گئی تھی۔

”آپ نے اتنے حسب نسب والے اونچے لوگوں میں میرا رشتہ جوڑ دیا کس کس کو کیا جواز پیش کروں یہ سب ہی سوال



کرتے ہیں۔ یہ تو شکر ہے کہ یہ لوگ اتنے اچھے ہیں کوئی اور جگہ ہوتی تو ایک لمحہ نہ لگاتے مجھے گھر سے باہر نکال دینے میں۔“ روتے ہوئے اس نے کہا تو تابندہ بی کا دل کٹنے لگا۔

”شہوار بیٹا بس تمہارا اور صبر کر لو اگر مجھے کچھ بھی ہاتھ نہ آتا تو بس لوٹا آؤں گی۔ وعدہ ہے آ کر سب کو سب کچھ بتا دوں گی بس چند دن اور۔“ انہوں نے التجا کی تو شہوار نے اپنے آنسو صاف کئے۔

”مجھے بتائیں تو سہمی اتنی رازداری کس چیز کی ہے؟ کہاں ہیں آپ اور کون لوگوں میں ہیں؟“

”وقت آنے پر سب بتا دوں گی بہت ہی اچھے لوگ ہیں میرے اپنوں سے بڑھ کر میرا ساتھ داتا تھا انہوں نے ہر دکھ سکھ میں۔ تم فکر نہیں کرو میں محفوظ جگہ رہوں۔“ شہوار خاموش ہو گئی تھی۔

”چلتی ہوں پھر موقع ملا تو کال کروں گی تم بس پریشان نہیں ہونا اور باقی لوگوں کو بھی تسلی دینا میں جلد ہی آ جاؤں گی۔ اپنا بہت سارا خیال رکھنا اللہ حافظ۔“ انہوں نے کال کاٹ دی تھی۔ شہوار نے اپنے آنسو صاف کرتے موہائل بستر پر ڈالا دیا۔

تابندہ بی سے بات کر لینے سے اسے لگ رہا تھا کہ اس کا دل ٹھہرنے لگا ہے اس کو قراآنے لگا۔ چہرہ تبدیل تو ہر وقت پریشان رہتا تھا۔ کچھ سوچتے اس نے فوراً مصطفیٰ کا نمبر ملا یا۔ مصطفیٰ نے کال کاٹ دی تھی شاید وہ کئی بڑی تھا۔ وہ بعد میں کال کرنے کا سوچتے تھی تو میسج ٹون بج آئی تھی۔ مصطفیٰ کا میسج تھا۔

”میں کچھ بڑی ہوں ابھی آفس پہنچا ہوں شام میں گھر آؤں گا پھر بات ہوگی۔“ مصطفیٰ کا تڑپنا پڑا کہ وہ مزید خود کو ریٹریس محسوس کرنے لگی تھی۔

منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر وہ باہر آئی تھی۔ شادی کی تصویریں آگئی تھیں۔ لائبریری مہر التمام اور دریا سے دیکھ رہی تھیں آفاق ماں جی کی گود میں تھا۔ وہ ان کو سلام کرتے ماں جی کے پاس ہی بیٹھ گئی اور آفاق کو گود میں لے لیا تھا۔

”دیکھو شہوار کتنی پیاری تصویریں آئی ہیں۔“ لائبریری نے اس کے سامنے الہم کیا تو وہ تصویریں دیکھنے لگی سب ہی تصویریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں خصوصاً مہندی اور بارات کی مصطفیٰ کی چھب ہی نکالی تھی۔

”مصطفیٰ کو دیکھو کتنا شاندار لگ رہا ہے۔“ دلہا بننے مصطفیٰ کی تصویر دیکھتے بھابی نے کہا تو وہ مسکرائی دی۔ مصطفیٰ واقعی بہت شاندار لگ رہا تھا۔

”شہوار بھی تو کسی سے کم نہیں دیکھو کسی شہزادیوں والی آن بان ہے اس کی۔“ ماں جی نے بہت محبت سے کہا تو وہ جھپٹی۔ دریا طغیہ مسکرائی نہ چاہتے ہوئے بھی شہوار نے نوٹ کیا تھا وہ اس کے بائیں طرف تھی۔

”شہزادیوں والی آن بان رکھنے کے باوجود سب نسب تو نہیں بدل جاتے۔“ وہ طغیہ بڑبڑاتی تھی ماں جی نے نہیں سنا تھا جبکہ اس کے قریب بیٹھی شہوار کے کانوں نے اس کا جملہ کھل طور پر گونج گیا تھا۔ اس کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑنے لگا تھا۔ خود خود الہم پر سے اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی تھی۔

”میں کھانا کھا لوں پھر آتی ہوں۔“ وہ آفاق کو داپس ماں جی کی گود میں بٹھا کر کچن میں آ گئی۔

وہ تابندہ کی کال کے بارے میں ماں جی کو بتانا چاہتی تھی لیکن دریا کی وجہ سے خاموش رہی تھی۔ کھانا کھا کر وہ پونہی ادھر سے ادھر گھومتی رہی تھی۔ مغرب ہوئی تو وہ نماز پڑھ کر اچھا سا لباس پہن کر شدت سے مصطفیٰ کا انتظار کرنے لگی۔

عشاء کے بعد مصطفیٰ کی آمد ہوئی تو وہ کچن میں تھی۔ ملازمہ سے چائے بنا رہی تھی ابھی سب ہی نے کھانا کھایا تھا۔ ملازمہ سے ہی اطلاع ملی تھی کہ مصطفیٰ آ گیا ہے اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا عظمت چائے بنا چکی تھی وہ ٹرے لے کر

جانے لگی تو اس نے منع کر دیا۔



”مجھے دو میں لے جاتی ہوں۔“ وہ خولاؤنچ میں چائے لے کر آئی۔

آج کتنے دنوں بعد گھر میں رونق لگی ہوئی تھی کبھی لاؤنچ میں موجود تھے۔ خوش گپیاں لگائی جا رہی تھیں وہ اندر داخل ہوئی تو یاں جی کے پاس بیٹھے مصطفیٰ نے فوراً اسے دیکھا تھا۔ رنگ اور زیک کبھی نیشن کے لباس میں وہ جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔

”اسلام علیکم!“ قریباً نے پر اس نے آہستگی سے مصطفیٰ کو سلام کیا۔ مصطفیٰ نے سر ہلا کر جواب دیا وہ سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔

”مصطفیٰ تو کھانا کھائے گا۔ شہوار بیٹا ملازمہ کو کہو وہ کھانا گرم کر دے۔“ وہ چائے دے کر چلی تو ماں جی نے کہا۔ وہ سر ہلا کر کچن میں آئی اور عظمت کو کھانا لگانے کا کہا پھر خود اس کے ساتھ لگ گئی تھی۔ مصطفیٰ کچن میں آیا تو وہ ٹیبل پر اس کے لیے برتن رکھ رہی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہوں نے اسے پللیں چھکا دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ مصطفیٰ مسکرایا اور ٹیبل تک چلا آیا وہ دوپٹہ درست کرتے پلٹی تھی وہ جب گیا تھا تو وہ بستر پر راز تھی اور آج اس کے آسنے سانسے چل پھر رہی تھی مصطفیٰ کرسی تھسٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ شہوار نے پانی کا جگ لاکر رکھا تو مصطفیٰ نے ملازمہ کو دیکھا۔

”تم جاؤ کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو ہم نے لیس کے۔“ مصطفیٰ نے کہا تو ملازمہ مسکراتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔

”کیسی ہو؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے محض سر ہلا دیا۔  
”ٹھیک ہوں۔“

”بیٹھو.....“ اس نے کھڑے کھڑے ہی مصطفیٰ کی پلیٹ میں کھانا نکالا تو مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔  
”کھانا کھا لیا؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔ مصطفیٰ کھانا کھانے کا اور وہ خاموشی سے اٹھیاں مسکتی بیٹھی رہی۔

مصطفیٰ کا ہے بگا ہے سے دیکھ رہا تھا اور ہر نگاہ پر اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔  
”کوئی بات کرو یا؟“ مصطفیٰ نے ٹوکا تو اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“ کچھ نہ سوچا تو خیریت پوچھ لی۔  
”تمہارے سامنے ہوں کیسا لگ رہا ہوں۔“

”اور آپ کا زخم؟“

”میرے زخم سے کچھ زیادہ اگاؤ نہیں ہو گیا جب بھی خیریت دریافت کرو گی صرف اسی کا پوچھو گی۔“ مصطفیٰ کی بڑھتی ہوئی جھینپ سی گئی۔

”میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔“

”کبھی ویسے ہی میرے دل کی حالت کے بارے میں بھی پوچھ لیا ہوتا تو کیا تھا۔“ مصطفیٰ کی بات پر اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔

”میں چائے بنا لیتی ہوں آپ ہمیں گے نا۔“ وہ فوراً بات بدل کر تھی تو مصطفیٰ نے گھورا۔

”آگر کبھی ہمارے درمیان لڑائی ہوئی تو اس کی سب سے بڑی وجہ تمہارا یہ رویہ ہوگا۔“ مصطفیٰ نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لینے مصطفیٰ کو دیکھا۔

”میں نے کیا کیا حساب؟“

”یہ بے بدنی اور اس پر یہ اعزازِ علمی کہیں دکھ سے میں گزری نہ جاؤں۔“ مصطفیٰ کا انداز غیر سنجیدہ تھا وہ مسکراتی تھی وہ



پلٹ کر ساس پین میں پانی ڈال کر جو لیے پر کھنے لگی تھی۔  
مصطفیٰ نے اس کی پشت کو گھورا تھا، ایسی چٹیا پشت پر جمبول رہی تھی۔ دو پتہ سلیقے سے سر پر جما ہوا ٹاکہیں بھی کوئی بے ترتیبی نہیں تھی اندازہ اعتماد تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے کھانا ختم کیا، شہوار دل جمعی سے چائے بنا رہی تھی مصطفیٰ کرسی گھسینا اٹھ کر اس کے قریب میں آکھڑا ہوا۔

”مجھے یاد کیا؟“ اس کی طرف جھک کر کندھے پر ٹھوڑی نکاتے مصطفیٰ نے کہا تو وہ ایک دم کنفیوز ہوئی۔  
”پلیز چائے بنانے دیں مجھے“ وہ منمنائی۔

”چائے سے زیادہ کسی کو تمہاری چاہ کی ضرورت ہے اور تم ہو کہ لفٹ ہی نہیں کروا رہیں۔“ مصطفیٰ نے چولہا بند کر دیا اور اسے کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کر لیا۔

”کتنی ظالم ہو تم شوہر اپنے دن بعد گھر آیا ہے اور تم ہو کہ کوئی رسپانس ہی نہیں دے رہی ہو۔“ مصطفیٰ نے شکوہ کیا تو وہ سر سے پاؤں تک سرخ ہو گئی تھی۔

”پلیز کوئی آجائے گا۔“ مصطفیٰ کی نگاہوں کی وارنگلیوں سے وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔  
”تو...؟“

”آپ بیٹھیں نا میں چائے لاتی ہوں۔“ اس نے نالنا جاہاتن مصطفیٰ نے سنجیدگی سے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواباً کچھ کہتا دیکھتا وہاں چلی آئی تھی۔ مصطفیٰ ایک دم گہرا سانس لیتا پلٹا اور شہوار بھی رخ موڑ گئی تھی۔

دریہ نے خاموشی سے یہ سب دیکھا تھا اس کے دل و دماغ پہلے ہی ٹیکو رہتے تھے اب بھی تنفر سے شہوار کو دیکھا وہ دوبارہ چولہا جلا کر چائے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”مصطفیٰ ایک کام ہے تم سے؟“ شہوار کو نظر انداز کر کے دریہ نے کہا تو مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔  
”ہاں کہو۔“

”مجھے ذرا بھائی کے ہاں جانا ہے تم ڈراپ کر دو گے ذرا؟“ اس نے کہا تو شہوار نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔  
”اس وقت؟“ مصطفیٰ نے گھڑی دیکھی تو بیخبر رہے تھے۔

”ہاں شائستہ بھابی سے ایک کام تھا تو ابھی جانا ہے۔“

”یہ ابھی لوٹے ہیں تھکے ہوئے ہوں گے تم کسی اور سے کہو۔“ شہوار کو دریہ کا اس بے وقت کہیں دانا ایک آنکھ نہ بھایا تھا اس نے فوراً کہا تو مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

”کوئی بات نہیں میں کر دیتا ہوں ڈراپ۔“ محض شہوار کو ستانے کا مقصد تھا شہوار نے حیران ہو کر دیکھا۔  
”کب تک واپسی ہوگی؟“ مصطفیٰ نے دریہ سے پوچھا۔

”یہ تو وہاں جا کر بتا دیتے گا۔ میں بیگ لے آتی ہوں۔“ بڑے فاتحانہ انداز میں شہوار کو دیکھتے دریہ نے کہا۔ شہوار لب بھینچ کر ابٹنی چائے کو دیکھنے لگی تھی۔

”اوکے میں چائے پی لوں پھر چلتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا دریہ بیگ لینے چلی گئی تھی۔ شہوار نے خاموشی سے چائے کپ میں اندلی گئی۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا شہوار نے کپ اس کی طرف بڑھایا تو مصطفیٰ نے قہر لیا۔

”تم بھی چلو۔“ اس نے بغور دیکھتے کہا۔

”نہیں مجھے اسٹڈی کرنی ہے میرے پاس وقت نہیں۔“ شہوار کا انداز سنجیدہ تھا۔

”کچھ نہیں ہوتا یا آ کر کر لینا آؤنگ ہو جائے گی۔“ مصطفیٰ نے سب لیتے ہوئے کہا تو اس نے سنجیدگی سے مصطفیٰ



کو دیکھا۔

”آپ دیکھو لڑکے جاتے، مجھے واقعی اسٹڈی کرنی ہے۔“ کہہ کر وہ نچلے سے برتن سمیٹنے لگی تھی تب ہی دروازہ بھی اپنا بیک لے چلی آئی تھی۔  
”چلیں مصطفیٰ۔“

”یہ چائے پیالوں چلتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا تو شہوار برتن سمیٹ کر سٹک میں رکھنے لگی تھی، مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا۔



وہ اپنے کمرے میں بکس کھولنے بیٹھی ہوئی تھی جب صبحی بیگم اس کے پاس آ بیٹھی تھیں اس نے بکس سے توجہ ہٹا کر انہیں دیکھا۔

”کیا بات ہے میں کچھ دن سے نوٹ کر رہی ہوں تم بہت اکڑی اکڑی سی: درہی ہو۔ کالج سے کمرے تک اور کمرے سے کالج تک، کوئی ایکٹیوٹیٹی ہی نہیں۔“ انہوں نے بیٹھتے ہی کہا تو اتانے چونک کر انہیں دیکھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں اسٹڈی کا بہت حرج ہو چکا ہے بس اسی لیے بڑی ہوں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا، صبحی بیگم نے بغور دیکھا۔

”تمہیں پتا تو چل گیا ہوگا کہ کیا بھائی تمہاری اور ولید کی شادی کی تاریخ فائنل کرنے کی بات کی ہیں۔“ انہوں نے کہا تو وہ سر جھکا گئی تھی۔

”جی۔“

”وہ تاریخ مانگ رہے ہیں میں نے سوچا تم سے بھی پوچھ لوں۔ تمہاری اسٹڈی کا شیڈول دیکھ کر ہی کوئی تاریخ رکھتے ہیں۔“ انا کچھ بل کے لیے بالکل ساکت بیٹھی رہی۔

”ہاں تو پھر کون سی تاریخ ٹھیک رہے گی؟“ انہوں نے پوچھا تو اتانے ایک گہرا سانس لیا۔

”ماما میں ابھی اس شادی کے حق میں نہیں ہوں پلیز ماموں کو متح کر دیں۔“ اس الہجہ سنجیدہ تھا۔ صبحی بیگم نے چونک کر بیٹی کو دیکھا۔

”کیوں؟“

”میں بس ابھی اپنی ایجوکیشن مکمل کرنا چاہتی ہوں۔“ اسے بس یہی بہانہ سوچا۔

”ایجوکیشن بعد میں بھی مکمل ہو سکتی ہے۔“

”نہیں ماما میں ابھی کسی بھی قسم کے بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہتی۔ میرے لیے سب سے پہلے میری ایجوکیشن ہے پلیز آپ منع کر دیں۔“ اس کا انداز قطععی تھا۔ صبحی بیگم نے بہت الجھ کر اس کے رویے کو ٹوٹ کیا تھا۔

”آ! کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو کیا مسئلہ ہے بیٹا! اولیٰ نے کچھ کہا ہے کیا؟“

”ماما میں کہہ چکی ہوں تاکہ کوئی اور بات نہیں اور میں بس اپنی ایجوکیشن مکمل کرنا چاہتی ہوں پلیز آپ ماموں کو کہہ دیں اگر پھر بھی وہ اصرار کریں تو میں خود ان سے بات کر لوں گی۔“ اس کا انداز بے لگہ تھا، صبحی بیگم پریشان ہو گئی تھیں۔

مگنی کے بعد سے وہ انہیں خوش خوش دکھائی دینے لگی تھی لیکن پھر کچھ عرصے سے وہ پرانے مزاج میں لوٹ گئی تھی۔ نجانے کیا بات تھی وہ اپنی فیملی کو بھی تو کسی سے شیمز نہیں کرتی تھی۔ وہ کتنے دنوں سے اس کے انداز و اطوار نوٹ کر رہی تھیں۔ نجانے کیوں انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ انا کے انکار کے پیچھے کوئی اور وجہ ہے۔



”ٹھیک ہے میں بھائی صاحب سے بات کرتی ہوں اور تمہارے پاپا سے بھی۔ تمہاری رخصتی ہو جاتی یہ ہم سب کی خواہش ہے۔ وہ دونوں خود ہی اب تم سے بات کریں گے جو بھی کہنا ہے اپنے پاپا کو ہی کہنا وہ تو مکمل طور پر شادی پر رضامند ہیں۔“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

”ایک دفعہ پھر سوچ لو کوئی جلدی نہیں۔ دو تین دن کا وقت ہے پھر جو بھی فیصلہ ہوتا دینا۔“ وہ کہہ کر چلی گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ ایک دم لب بلبھی گئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا پین کتابوں پر پھینک دیا۔ صبح ولید کے ساتھ ہونے والی تلخ کلامی کے بعد اس کا دل جل کر ایسا رکھ ہو چکا تھا کہ اس ابا اس نہیں چل رہا تھا کہ ولید ضیاء سے جڑانہ صرف ہر رشتہ ختم کر ڈالے بلکہ ساری زندگی کے لیے خود کو اس کی نظروں سے دور کر لے۔ وہ کچھ دیر تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر آئی تو لاؤنج میں ایک محفل جمی ہوئی تھی۔ وہ موجود تھے۔ ماما پاپا اسن روشنی ماموں اور ولید۔۔۔۔۔ سب سے پہلے ولید کی بنی نگاہ اس پر پڑی تھی وہ لاؤنج کے دروازے میں کھڑی تھی۔ ولید کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی چھا گئی تھی اس نے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔ انا کے اندر سستی آگ کا لالہ مزید بھڑکنے لگا تھا۔ دوسری نگاہ ماموں کی اس پر پڑی تھی وہ اسے کچھ کر مسکرائے تھے۔ ”انا بیٹا! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔“ انہوں نے کہا تو وہ لب بلبھی گئی تھی یعنی ماما نے اس کا انکار سہ تک پہنچا دیا تھا۔ ”ادھر آؤ میرے پاس۔“ انہوں نے بلایا تو وہ ان کے پاس صوفے پر آ بیٹھی تھی انہوں نے اسے بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔ سبھی نے ان دونوں کو دیکھا تھا ماما سوائے ولید کے۔ وہ ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔ ”صوبو جی بتا رہی تھی کہ تم نے ابھی شادی کے لیے اڈا کر دیا ہے۔“ انہوں نے پوچھا تو وہ سر جو کا گئی ولید نے بھی اسے دیکھا انا نے سر ہلایا تھا۔

”کیوں بیٹا! انہوں نے پوچھا۔“  
 ”میں ماما کو وجہ بتا چکی ہوں۔“ اس نے جواباً کہا۔  
 ”یہ اتنا بڑا پرائیم نہیں ہے کہ تم اس کو وجہ بتا کر شادی سے انکار کرو۔ تم شادی کے بعد ایجوکیشن جاری رکھ سکتی ہو تمہاری دوست بھی تو شادی کے بعد پڑھتی ہیں۔“ انہوں نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔  
 ”شہوار کے ساتھ مسئلہ تھا اس لیے اس کی شادی ہو گئی تھی جبکہ میرے ساتھ کوئی پرائیم نہیں ہے اپنی ایجوکیشن مکمل کرنا چاہتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے کوئی بھی مجھے فورس نہیں کرے گا۔“ اس کا لہجہ اب بھی قطعی تھا۔  
 ”لیکن شہوار.....“ صوبو جی بیگم نے کچھ کہنا چاہا تو ضیاء صاحب نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔  
 ”تمہاری بات ٹھیک ہے ہم تمہیں فورس نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن یہ میری خواہش تھی کہ تمہاری اور ولید کی شادی ہو جاتی۔“ ماموں نے رسائیت سے کہا۔

”میں آپ کی خواہش کا احترام کرتی ہوں ماموں لیکن میں خود کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں کر پارہی۔ پلیز مجھے بار بار مت کہیں میرا جواب یہی ہوگا۔“ وہ بہت سنجیدگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔  
 ”اے کیکسیوزی۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی ولید نے بہت ضبط سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟

انا کے انکار پر اس کی انا نیت پر ایک گہری چوٹ لگی تھی۔ وہ پہلے ہی اس کے رویوں کو لے کر ٹھہری تھا اور اب اس کے انکار نے اس کے دل و دماغ کو الجھ دیا تھا۔ اس نے دیکھا انا کے انکار کے بعد ضیاء صاحب کا چہرہ مر جھا گیا تھا۔ ولید کے اندر ایک دم شدید خطرناکی کیفیت نے جنم لیا تھا۔



”آپ پریشان نہ ہوں میں اس سے خود ہات کروں گا وہ انکار نہیں کرے گی۔“ وقار صاحب نے کہا تو ضیاء صاحب مسکرا دیئے۔

”کوئی بات نہیں وہ انرا بھی راضی نہیں تو کوئی زبردست نہیں۔ یہ تو بس میری خواہش تھی ولید بھی کہاں راضی تھا وہ خود چاہتا تھا کہ پہلے انا کی ایجوکیشن مکمل ہو جائے اور اب وہ بھی یہی کہہ رہی ہے بچوں کی یہی خواہش ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔“ ضیاء صاحب نے خود کو سنبھال لیا تھا جبکہ ولید خود کو سنبھال نہیں پارہا تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھے رہنے کے بعد وہاں سے اٹھ گیا۔

اس کے اندر ایک عجیب سا طوفان اٹھ رہا تھا وہ اپنے والے پورشن کی جانب جانے کی بجائے انا کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔ انا بستر کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی اور گردن و کس موجود تھیں دروازہ کھلنے پر وہ فوراً سیدھی ہوئی تھی۔ ولید کو دیکھ کر اس نے فوراً اپنا چہرہ صاف کیا تھا۔ ولید کمرے میں چلا آیا تھا۔

”کیوں انکار کیا تم نے؟“ اسے دیکھتے ولید نے پوچھا لہجے میں تیزی تھی۔

”میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔“ انا کے لہجے میں تیزی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے تمہیں؟ سب کچھ سیدھا سیدھا حل رہا ہے کیوں سب خراب کرنے پر تلی ہوئی ہو۔“

”میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی آپ چلے جائیں میرے کمرے سے۔“ انا کی برہمی کا وہی عالم تھا۔

”تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔“ ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کھینچ کر ایک توپڑا اس کے منہ پر لگا دے اس کے اندر آتش فشاں پھٹ پڑنے کو تھا۔ وہ کمرے میں ٹھنڈا انا تھے اعصاب سے سیدھا بھد ہی گئی۔

چند لمبے اپنے غصے پر قابو پاتے وہ پلٹا انا اسی طرح بستر کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی؛ ہنر وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ انداز صلح جو تھا۔

”دیکھو انا! جو بھی ہو رہا ہے اچھا نہیں ہو رہا تم جو بھی سوچ رہی ہو وہ سب بے معنی ہے۔“ ولید نے انا کا ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

”میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے کسی بھی سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنی۔“ انا کا انداز بے چلک تھا۔ ولید نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

”تم میرے اور اپنے لیے بہت سے مسائل پیدا کر رہی ہو۔“ ولید نے تلخی سے کہا۔

”میں سب اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں کیا کر رہی ہوں اور کیوں کر رہی ہوں؟ میں آپ جیسے دھم کے باز فلرٹی انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتی سو میں انکار کر چکی ہوں مجھے کوئی مجبور نہیں کر پائے گا۔“ وہ سچ کر رہی۔

”شٹ اپ۔“ ولید اس کے الفاظ پر ایک دم آپے سے باہر ہو گیا تھا اس کا ہاتھ بے اختیار اٹھا تھا۔

انا کے چہرے پر اس کی انگلیوں کے نشان ثبت ہو چکے تھے انا نے بے معنی سے ولید کو دیکھا تھا۔

”آئندہ میرے بارے میں ایسا کچھ کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تم ایک شکی مزاج اور بد تمیز لڑکی ہو دماغ خراب تھا میرا جو تم سے بات کرنے چلا آیا۔ تم میرے ساتھ زندگی گزارنے سے انکار کیا کرو گی بس خود تم سے متعلق ہر تعلق کو روک دیتا ہوں۔“ ولید کے اندر کا آتش فشاں ایک دم پھٹ پڑا تھا۔ انا بے اختیار رخسار پر ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی گئی۔

”میں پاگلوں کی طرح تم کو وضاحتیں دیتا پھر رہا ہوں دماغ خراب ہے تمہارا۔ تم کتنی ہی یا کلاہ سے متعلق جو بھی سوچتی ہو وہ صرف تمہارے دماغ کا فتور ہے اور کچھ نہیں۔“ تلخی سے کہہ کر وہ پلٹا اور پھر دروازے کے پاس جا کر رکھ اور پلٹ کر



اسے دیکھا تھا۔ وہ شدت سے روبرو تھی اور زندگی میں پہلی بار اسے روتے دیکھ کر کوئی غصوں نہیں ہوا تھا غصے سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر لب بھینچ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔ انا کے منہ سے دھوکے باز اور فخری کے الفاظ نہ کروئید کو لگ رہا تھا کہ فشارِ خون ایک دم بڑھ گیا ہے۔

ولید کو اپنے ہاتھ اٹھانے پر کوئی شرمندگی نہ تھی وہ ایک دم اپنی انا کے حصار میں مقید ہو گیا تھا۔ وہ اپنے پورشن کی طرف آ گیا تھا اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے وہ میز پر ٹہکتا رہا تھا۔ اس کے اندر سے وہ کہتا کہ انا کے لیے غم و غصے کے بدلہ اٹھ رہے تھے۔ وہ دھیمے مزاج کا انسان تھا لیکن انا کے الفاظ نے گویا اس کے سارے نمبر اسٹاک کا حشر نثر کر دیا تھا۔ اس کے اندر گویا ایک دم بھانپنا جل اٹھے تھے۔

انا کس قدر واضح الفاظ میں اس کی تذلیل کر چکی تھی اس کے اندر وہ کہتا تھا کہ وہ لیکر اس کے روم میں گیا تھا۔ کیا ضرورت تھی اس سے بات کرنے کی؟ ٹہلتے ٹہلتے وہ جھکنے لگا تو بے دم سا ہو کر میز کی سیریزوں پر جا بیٹھا تھا۔



رات کے بارہ بج رہے تھے مصطفیٰ ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ مصطفیٰ اور وہ یہ کہنے کے بعد، کمرے میں چلی آئی تھی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر وہ اسٹڈی کرنے لگی تھی لیکن بار بار ذہن مصطفیٰ کی طرف راغب ہونے پر وہ سب کچھ سیٹ کر لیٹ گئی تھی لیکن نیند کو سوں دور تھی۔ وہ لائٹس آف کیے سونے سے زیادہ مصطفیٰ کی آمد کی منتظر تھی۔ مصطفیٰ کے وہ یہ کہنے کے ساتھ چلے جانے سے اس کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی بارہ بج کے قریب گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا تھا۔ یہ مصطفیٰ کی گاڑی تھی یقیناً وہ آ گیا تھا۔

بہت دنوں بعد وہ اپنی گاڑی خود ڈرائیو کر کے گیا تھا۔ شہوانا نگھوں پر بازو رکھے سوتی بن گئی تھی۔ مصطفیٰ کچھ دیر بعد کمرے میں داخل ہوا تھا۔

لائٹس آن کیں تو نگاہ سیدھی بستر کی طرف نہی تھی۔ شہوار کمرے میں پہنچ سونچ گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا اور یہ کہنا ڈراپ کرنے کی ہامی بھرنے تو محض شہوار کو ستانے کی خاطر تھا لیکن وہاں جا کر اندازہ ہی نہ ہوا تھا کہ اتنی دیر لگ جائے گی۔ مصطفیٰ اپنا نامٹ ڈریس الماری سے نکال کر واش روم میں گھس گیا تو شہوار نے دروازہ بند ہونے کہا واز پر بازو ہٹا کر دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

درحقیقت مصطفیٰ کے اس طرز چلے جانے سے وہ اندر ہی اندر سخت خفا تھی مصطفیٰ لباس بدل کر آیا تو شیشے کے سیانے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا تھا خود پر پر فوم اسپرے کیا اور پھر بستر کی طرف چلا آیا۔ شہوار سر تک مبل اوڑھے ہوئی تھی۔ وہ اس کے قریب نہم دراز ہو گیا تھا۔

”شہوار.....“ اس نے پکارا تھا لیکن وہ بے حس و حرکت رہی۔

”شہوار.....“ اس نے اس کے منہ سے کمرے میں کھینچا۔

”اٹھ جاؤ یار مجھے پتا ہے تم جاگ رہی ہو۔“ اس پر جھکتے ہوئے اس نے شرارتی لہجے میں کہا تھا۔ شہوار نے آنکھیں کھول کر سنجیدگی سے دیکھا اور پھر پلیس موند کر روٹ بھی بدل لی۔

”مجھے جگ نہ کریں سونے دیں۔ صبح کالج جانا ہے خواہوا لیٹ ہو جاؤں گی۔“ آواز میں خفگی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کا بازو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

”ناراض ہو۔“

”آپ کو میرے ناراض ہونے کی کیا پروا؟“ لہجے میں بے پناہ خفگی تھی۔ مصطفیٰ ایک دم مسکرایا۔



”سوری دریہ کو ڈراپ کرنے گیا تھا زہد اور شائستہ بھابی نے روک لیا۔ بس باتوں ہی باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا۔“

”آپ سو جائیں تھک گئے ہوں گے۔“ شہوار نے کہا تو مصطفیٰ نے گھورا۔  
 ”ہاں گاڑی تو میں اپنے کندھوں پر اٹھا کر لایا ہوں نا۔“ مصطفیٰ کا انداز مسکراتا ہوا تھا شہوار اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔  
 ”دریہ بھی آگئی واپس یا وہیں رک گئی ہے۔“  
 ”وہیں رک گئی ہے کل آ جائے گی۔“ اس نے کہا۔  
 ”آپ جس کام سے گئے تھے وہ ٹھیک ہو گیا۔“  
 ”بہت ہی اچھا ہو گیا۔“

”آج امی کی کال آئی تھی۔“ وہ جوابی تک کسی کو بھی بتانا نہ پائی تھی ایک دم مصطفیٰ کے سامنے کہہ گئی، مصطفیٰ ایک دم چونکا۔

”کب...؟“

”آج جب میں کوچ سے لوٹی تھی تب۔“  
 ”ویری گڈ..... کیا کہا تھا کچھ بتایا کہ کہاں ہیں وہ؟“  
 ”نہیں بس مجھ سے بات کی تھی میں نے کئی بار پوچھا لیکن انہوں نے کچھ بھی نہ بتایا۔“ بتاتے بتاتے اس کی آواز میں نمی کھل گئی تھی۔

”وہ کیوں کر رہی ہیں ایسا؟ میں نے کہا بھی تھا وہ آ جائیں واپس۔ میں کچھ بھی نہیں پوچھوں گی لیکن انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا۔“ وہ روپنے تھی مصطفیٰ نے بہت محبت سے اسے ساتھ لگالیا۔

”اور کیا بات ہوئی؟“ شہوار دھیرے دھیرے سب بتاتی گئی، مصطفیٰ نے بغور سنا تھا۔  
 ”نمبر نوٹ کیا جہاں سے کال آئی تھی۔“ تمام تفصیل سننے کے بعد مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔  
 ”موبائل میں ریسیو کالز کے اندر ہی ہے۔“ سائبر نیٹیل سے موبائل اٹھا کر نمبر نکال کر اس نے مصطفیٰ کو دیا۔ مصطفیٰ نے چند لمبے نمبر کو بغور دیکھا تھا۔

”یہ تو لینڈ لائن نمبر ہے۔“ مصطفیٰ نے نمبر دیکھتے ہی کہا۔ وہ اپنے موبائل پر نمبر ڈائل کر کے چیک کرنے لگا تھا شہوار خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ رات کے اس پہر کال جاتی رہی تھی لیکن کسی نے ریسیو نہ کی تو مصطفیٰ نے پھر کسی اور جگہ کال کی تھی۔

”کیسے ہوا؟ ہاں اللہ کا شکر ہے ایک کام ہے چھوٹا سا ایک لوکیشن ٹریس کروانی ہے۔ نمبر لکھو مجھے سچ بتا دینا کہ یہ کس جگہ کا نمبر ہے اور کس نمبر لکھو۔“ مصطفیٰ نے اسے نمبر لکھو دیا تھا۔ شہوار خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔

”جب کال آئی تھی اسی وقت مجھے کال کرتی، اکیس منٹ اور 15 سیکنڈ کال چلی ہے تب تک فوراً لوکیشن ٹریس ہو جاتی تھی۔ خیر اب کل پتا چلے گا میں خود دیکھتا ہوں۔“

”میں نے کال کی تھی آپ بڑی تھے آپ نے کال کاٹ دی تھی۔“  
 ”ہاں اس وقت میں واقعی بڑی تھی بس تم لکھ نہیں کرواں شاء اللہ سب پتا چل جائے گا۔“

”اور جہاں آپ پہلے گئے تھے وہاں کا کچھ پتا چلا؟“  
 ”نہیں اب کل ہی وہاں کا چکر لگاؤں گا دیکھتے ہیں کیا بنتا ہے۔“ وہ سر ہلا رہ گئی تھی۔ لیکن چہرے پر گہرے تھکر اور





online magazine .com/recipes

aanchal.com.pk

بڑے بڑے کہانیوں سے آراستہ خوش پسند تحریر

نور اللغات

نارہ شمارہ شائع

ہو گیا ہے

# مارچ 2015ء کے شمارے کی ایک جھلک

تھکنہ ۱۶ است :- یہ کہانی آپ اپنے سر پر آج بھی کی ہے جو اوقات کا آئینہ دکھاتا ہے۔ اس نے ان لوگوں کو اپنی نگاہوں پر چھایا جو اپنے تئیں دنیا کی تھکنے پر مبنی انسانیت کے دشمن بن گئے تھے۔

جکت سنگھ ۱۷ تاریخ کے صفحات میں محفوظ سرزمین پہاڑ کی ایسی دنگل دار داستان جو غلامتک و است نوں میں مشہور ہوتی ہے۔ یہ کہانی ان لوگوں کے لیے بھی فسانہ جبریت ہے جو آئے والی اسلوں کو انتظام اور جمنی کے جذبات سے بھٹک کر رہتے رہتے ہیں اور سیدھے سادھے لوگوں میں "جکت سنگھ" مین جاتے ہیں۔ "جکت سنگھ" کہاں سے چلا اور کہاں پہنچا آجیے قارئین یہ جاننے کے لیے ہم بھی زیر نظر کہانی میں "جکت سنگھ" کے ساتھ ساتھ گاؤں کے سربراہ تکیوں کو آؤ۔ پی پیجے ٹھکانوں اور یہ نظر کھنڈرات کے شیبہ و فراز میں سفر کرتے ہیں۔

یار سب :- ہم اور ایک سے دو رک تک کی داستان۔ ایک مجرم کی روداد جسے اس کے احساس نہ امن نے مجرم نہ رہنے دیا۔ کسی برگرزیدہ ہستی کی نظر بھا کر شہر۔ ایک بے وقافی بے وقافی کا فسانہ۔ کسی کی سہ لوث جاہت کی کہانی۔ ایک عظیم ذی روح کی عظمت کا احوال جو سوت کی اذیت بھلا کر انہار کے گرد آ لوگوں سے پر معاف لکھتا رہا۔ آپ بلند حوصلہ باپ کی چٹا جو اپنے بیٹے کی وصیت پر پابند رہا۔ سلاخوں کے پیچھے چھپے قیدیوں کے لیے امید کی ایک کرن۔ آتش دہلوں کے لیے ہلور خاص آسوں کی روشنی سے لکھا جانے والا ناول۔

فیسر سیاسی اسٹیمپ ۱۸ ہمارے ملک میں کتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں نے اپنے دل جو ہاتھوں میں ڈگریاں لیے تھے وہ کبھی تو مری نہیں ملتی تھی۔ ہمارے ملک کا نظام ہی غراب ہے۔ یہاں صرف ان کو کوئی مٹی ہے جس کی کوئی بڑی سفارش ہوتی ہے یا پھر وہ رشوت دینے کا اہل ہوتا ہے۔ حالات کی ستانی ایک جرنلسٹ کی کا احساس جس نے پانسی اہریت اعزازی رچ رہ رہتا منظور کر لیا تھا۔ سیاسی کرائم نمبر کے لیے ہلور خاص ایک غیر سیاسی

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ



سوچ کے سائے تھے۔ مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر دیا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا ڈونٹ وری۔“ اس نے سر ہلایا تھا۔

”میں تمہارے لیے کچھ کفٹس لایا تھا دیکھو گی؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تو وہ چونگی نفی میں سر ہلایا تو مصطفیٰ نے خود ہی اٹھ کر اپنے ساتھ لائے ہوئے بیگ کو کھول کر اس میں سے کچھ چیزیں نکالی تھیں۔

”میں وہاں شاپنگ کے لیے گیا تو سوچا تمہارے لیے بھی کچھ لیتا چلوں۔“ پر فہم ایک خوب صورت ڈریس کے علاوہ ایک چھوٹا سا جیلری باکس تھا۔ مصطفیٰ نے تینوں چیزیں اسے تصدیق تھیں۔ کچھ بہت ہی پیارا تھا اور قیمتی بھی۔ شہوار کے چہرے پر خوش گواری سا تاثر ابھرا تھا۔ مصطفیٰ نے جیلری باکس ہاتھ لیا تھا۔

”میں نے وہاں جیلری کی شاپ دیکھی تو یہ پسند آیا گیا تھا سوچا کہ تمہارے لیے لیتا چلوں۔“ مصطفیٰ نے باکس کھول کر اس کے سامنے کیا ایک خوب صورت ٹیس سا بری سلیف تھا۔

”کیا لگا؟“

”بہت ہی پیارا۔“ شہوار کو بری سلیف واقعی پسند آیا تھا اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اٹھاتی مصطفیٰ نے خود ہی باکس سے بری سلیف نکال کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”اجازت ہے نا۔“ انہی شریر سا تھا وہ جینپ گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کی کلائی میں وہ بری سلیف سجادی تھی۔ ایک کلائی میں گولڈ کے گلن تھے جو ہاں ہی نے پہنائے تھے دوسرے میں بری سلیف اس کے دونوں ہاتھوں سے گئے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ اب ہماری بیک وال صلح ہو گئی ہے۔“ مصطفیٰ نے چھیڑ تو سر سے پاؤں تک سرخ پڑ گئی تھی۔

”خیر تمہارا تو وہ روغنائی والا گفٹ بھی جو پڑا ہے بھاپا کہا ہے تھے کہ ویسے کانفرنس ارنج کرنا ہے تب تک ڈیوٹی سمجھو اب تو مجھ سے کوئی گلہ نہیں ہے نا۔“ وہ بار بار اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جب مصطفیٰ نے پوچھا۔

”مجھے پہلے بھی کوئی گلہ نہیں تھا۔“

”ارے.....!“ مصطفیٰ حیران ہوا پھر ہنس دیا۔ ”اتنا بڑا جھوٹ؟“

”اور وہ جو مجھ سے ابھرا لڑنا وہ سب تو محض شوق تھا نا۔“ وہ شرمندہ ہو گئی تھی۔

”میں اپنے ان سب رویوں کی وجہ بتا چکی ہوں اگر آپ نے دوبارہ ان کا ذکر کر کے شرمندہ کیا تو پھر میں واقعی آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔“ مصطفیٰ کی محبت نے اس کے اندر عجیب سا احساس تقاضا کیا کہ وہ اس نے بڑے مان سے کہا تو مصطفیٰ کھٹکھٹلا ہنس دیا۔

”تمہارا ہر روپ سرائے کھوں ہر ناراض ہو کر دیکھو تو سہی دیکھنا کیسے منانا ہوں تمہیں۔“ مصطفیٰ نے والہانہ انداز میں کہتے اسے گرم جوشی سے خود میں سیٹ لیا تھا۔

شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا اس کی آنکھوں میں اس کے لیے بے پناہ محبت اور جذبوں کا ایک ٹھاٹھیں مارنا سمندر تھا وہ بے اختیار ڈگا ہیں جھکا گئی تھی۔ مصطفیٰ اپنے گزرے دنوں کی دل پر بیتی ایک ایک و روات سنانے لگا تھا اور وہ شرمیلی مسکراتے لیے پوری توجہ سے اس کی تمام حکایات سن رہی تھی۔



وہ سو کر انہی تو سر سے پاؤں تک نہال تھی مصطفیٰ کی محبتوں اور شدتوں نے اسے گویا سر سے پاؤں تک خرید لیا تھا اس کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی ہی مسکان تھی اس نے بڑی محبت آمیز نگاہوں سے مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔ مصطفیٰ اس کے پہلو میں بے خبر سو رہا تھا چہرے پر مغرور نقوش اپنی تمام آہن وہاں سے اس کے دل کو اپنی طرف منجھ رہے تھے۔



شہوار نے جبکہ کراس کی پیشانی پر بکھرے بال نرمی سے پیچھے ہٹائے تھے۔ ایسے عالم میں: تب وہ اپنی ذات کے اعتماد سے محروم ہو چکی تھی مصطفیٰ کی محبتوں نے اسے خرید لیا تھا۔ وہ دوسرے پاؤں تک اس کی محبت کی پھوار میں بھیک چکی تھی۔ مصطفیٰ پر کبیل درست کرتے اپنے لیے بال سینٹے وہ بستر سے اتر آئی تھی۔

نماز ادا کر کے وہ باہر نکلی تو ماں جی لاؤنچ میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں وہ ادھر ہی آ گئی تھی۔  
 ”السلام علیکم!“ اس نے سلام کیا تو انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پچھلے تمام تر دنوں کے رنکس شہوار مکمل طور پر نکھری اور تروتازہ دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے ایک مسکراتی گہری نگاہ اس کے وجود پر نچھاور کی ان کا دل اک اطمینان سے بھر گیا تھا۔

”وعلیکم السلام!“ انہوں نے محبت سے کہا۔ ”جیتی رہو سدا سہا گن رہو۔“ انہوں نے دعا بھی دی تھی۔ شہوار جھینپ گئی۔  
 ”بس باہر ان میں جا رہی ہوں۔“ وہ انہیں بتا کر کچھ دیر تک لان میں ٹہکتی رہی تھی۔

اس وقت اس کے ذہن و دل میں مصطفیٰ کے علاوہ اور کوئی بھی احساس نہ تھا۔ چلتے چلتے اس نے گلاب اور موتیا کے پردوں سے پھولوں کا اکٹھا کیا اور وہ پارہ روم میں آئی تو مصطفیٰ ابھی بھی سو رہا تھا۔

شاید گزشتہ دنوں کی ہماگ ڈور کی تھکن تھی اس نے دوپٹے میں مقید تمام پھولوں کی کلیاں ڈر بنک ٹیبل پر رکھ دی تھیں کمرے میں پھولوں کی بھینٹی بھینٹی معطر سی مہک پھیل گئی تھی بڑا خواب ناک سا ماحول تھا اس نے وقت دیکھا سات بج رہے تھے پھر وہ مصطفیٰ کی طرف چلی آئی تھی۔

”مصطفیٰ.....“ اس نے مصطفیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے فوراً ہلکیں وا کر دی تھیں شہوار کا چہرہ اس کے سامنے تھا تمام تر دلکشی و معطر پن لیے۔ مصطفیٰ نے ہاتھ بڑھا کر چھونا چاہا تو سیدھی ہو گئی تھی۔

”آپ نے آفس نہیں جانا سات بج رہے ہیں۔“ وہ کمرے میں نکھری چیزیں سینٹے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے لیڈے لیڈے ہی دیکھا۔ شہوار کے اعزاز میں وقت اور رکھ رکھاؤ تھا۔

لیجے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے جنہیں دوپٹے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ شرم و حیا اور جھجک ضرور تھی لیکن عام لڑکیوں کی طرح سمجھو راہن نہ تھا۔

”آپ ناشتے میں کیا لیں گے؟“ چیزیں سمیٹ کر وہ بستر کی طرف چلی آئی تھی۔  
 آج میرا موڈ تمہاری پسند سے ناشتا کرنے کا ہے جو دل چاہے کھلا دو۔“ مصطفیٰ کبیل ہٹا کر بستر سے اتر کر اسے قریب

کر کر اپنی محبت کا مظاہرہ کرتے مسکرا کر کہا تھا وہ سرخ پڑتی تھی۔  
 ”آپ فریش ہو لیں میں ناشتا تیار کرواتی ہوں۔“

مصطفیٰ سے نگاہیں چرائے پیچھے ہٹے اس نے کہا تھا۔ الماری سے اس کا لباس نکال کر وہ واش روم میں لٹکا آئی تھی۔ مصطفیٰ واش روم میں گھسا تو وہ باہر آ گئی تھی۔ کچن میں لائے بھالی ملازمہ سے ناشتا تیار کرارتی تھیں۔

اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں۔  
 ”مصطفیٰ رات کب بونا تھا؟“ وہ فریج کھول کر دیکھ رہی تھی جب بھالی نے پوچھا۔

”سو باہر بے کے قریب آئے تھے۔“

”ذرا اس درپہ پر نظر رکھنا اچانک ہی بیٹھے بٹھائے اس کا بروگرام ناشتہ کے یہاں جا۔ نے کابن گیا تھا عباس بھالی نے کہا بھی تھا کہ وہ ڈراپ کر دیں گے لیکن منع کر دیا کہ وہ مصطفیٰ کے ساتھ جائے گی مجھے تو بالکل بھی اچھا نہیں لگتا لیکن

چپ رہی کہ خواہ مخواہ لاشونہ بن جائے، ماں جی کو بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔“ بھالی کی بات سن کر وہ الجھتی تھی۔



”نہیں مصطفیٰ بہت اچھے ہیں میرا نہیں خیال کہ وہ در یہ جیسی لڑکیوں پر توجہ بھی دیں۔“ شہوار نے کہا تو بھالی نے کھوسا۔  
 ”اتنا اعتماد بھی اچھا نہیں ہوتا در یہ جیسی لڑکیوں کا کوئی بھروسہ بھی نہیں ہے تو ہمارے خاندان کا حصہ لیکن ہمارے  
 خاندان والی کوئی خوبی اس میں موجود نہیں ہے۔ مصطفیٰ بھی مرد ہے نہ جانے کب در یہ کا جاہل چل جائے۔“ لائبہ کے الفاظ پر  
 وہ پریشان ہو گئی تھی۔

”اور ہاں اچھی لگ رہی ہو مصطفیٰ سے نظر ضرور اتروانا۔“ اس کے سراپے کو دیکھتے لائبہ نے معنی خیز انداز میں  
 کہا تو وہ مسکرا دی۔

ناشتہ سب ہی نے ایک ساتھ کیا تھا ناشتے کے بعد وہ کمرے میں تیار ہونے لگی تو مصطفیٰ بھی چلا آیا تھا۔  
 ”وہا بیٹے کے سامنے کھڑی ہال بنا رہی تھی جب مصطفیٰ نے اسے عقب سے تھام لیا۔  
 ”آج کالج مت جاؤ۔“ لہجے میں فرمائش تھی۔ بالوں میں برش کرتا ہاتھ رک گیا تھا۔  
 ”کیوں؟“

”مجھے آفس میں کچھ کام ہے وہ دیکھ لوں پھر آؤنگ۔“ برچلتے ہیں آج سا اور وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔“  
 مصطفیٰ کے پروگرام پر وہ حیران ہوئی تھی۔ بات نکالو مصطفیٰ کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔  
 ”کیا خیال ہے؟“ اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”گڈ گرل میں تیار ہو کر آفس کا چکر لگا لوں پھر گھر آتا ہوں تم بھی تیار رہنا۔“ مصطفیٰ اپنی محبت کا والہانہ اظہار کرتا  
 وہاں سے واپس مدد کی طرف چلا گیا تھا جبکہ وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالی مسکرا کر مصطفیٰ کو دیکھتی رہی تھی۔  
 آفس کا چکر لگا کر مصطفیٰ ایک اور جگہ چلا آیا تھا۔ مصطفیٰ نے اپنا تعارف کر لیا تو مقابل شخص فوراً چوکنہ ہو گیا تھا۔ مصطفیٰ  
 نے اس سے سکند اور اس کی فیملی کے بارے میں پوچھا تو وہاں اس شخص نے جو انکشافات کیے تھے مصطفیٰ سن کر ششدر  
 رہ گیا تھا۔ مصطفیٰ اس سے مختلف سوال کرتا رہا اور وہ شخص مختلف جواب دیتا رہا تھا۔ اس سے بات کرنے کے بعد مصطفیٰ  
 بہت الجھ گیا تھا ہر جواب غیر یقینی تھا۔

مصطفیٰ کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہ تھا کہ یہاں آ کر اسے ایسی معلومات ملیں گی۔ وہ جو ہمیشہ کچھ اور ہی سوچتا  
 رہا تھا اس مقام پر آ کر اس کی سوچ یکسر بدلی تھی۔ وہ اس شخص کا شکریہ ادا کرتے وہاں سے نکل آیا تھا۔ وہ اب ایک اور جگہ  
 جا رہا تھا۔ کافی سا مافاصل طے کرنے کے بعد وہ حس جگہ پر آیا تھا وہ پی سی او تھا۔ مصطفیٰ نے پی سی او کے مالک سے باز پرس  
 کی تو وہ پریشان ہو گیا تھا۔

”صاحب یہاں روزگاری لوگ کال کرتے آتے ہیں اب ہمیں کیا علم کہ کون کیا ہے ہر ماہ مین عورتوں نے کال کی تھیں  
 اور جو وقت آپ ہمارے ہیں ایک عورت آئی تو تھی تمہاری کچھ دیر بات کی تھی اور پھر پے بند کر کے ہٹ گئی تھی۔“  
 ”تم جانتے ہو کہ وہ عورت کہاں سے آئی تھی؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تھا اس نے نئی میں سر ہلادیا۔  
 ”نہیں صاحب، میں نہیں جانتا۔“

”اوکے اب اگر وہ عورت آئے تو تم نے فوراً مجھے اس نمبر پر کال کرنی ہے تم نے کوئی کوتاہی نہیں کرنی۔“  
 ”جی صاحب؟“ مصطفیٰ نے اسے اپنا کارڈ دیا تو وہ فوراً رضامند ہو گیا تھا۔  
 ”دوبارہ وہ عورت آئے تو تم پوچھنا لو گے نا؟“ مصطفیٰ نے پوچھا۔  
 ”جی صاحب فوراً پوچھنا لوں گا۔“

”اوکے..... اپنا نمبر لکھاؤ مجھے۔“ مصطفیٰ نے اس کا سیل نمبر لے لیا تھا۔



## باتیں یاد رکھنے کی

- ① غم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو نیند سے پہلے تک ہوتا ہے۔
- ② کائنات کا کوئی غم ایسا نہیں جو برداشت نہ ہو سکے۔
- ③ جوانی سولہ سال کی عمر کا نام نہیں ہے ایک اندازہ فلکزامانہ زندگی کا نام ہے ہو سکتا ہے ایک شخص سولہ سال کی عمر میں بوزھا ہو اور ساٹھ سال کی عمر میں جوان ہو۔
- ④ جو بات آپ کے دل میں اتر گئی وہی آپ کا انجام ہے اگر آپ کو موت آ جائے تو جس خیال میں آپ مریں وہی آپ کی عاقبت ہے۔
- ⑤ جو کسی مقصد کے لیے مرتے ہیں وہ مرتے نہیں جو بے مقصد جیتے ہیں وہ جیتے نہیں۔

کائنات عابد..... فصل آباد

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مصطفیٰ کا ذہن تابندہ ہوا اور سکندر کے بارے میں بہت کچھ سوچ رہا تھا۔



عبدالقیوم ایاز کے پاس آئے تو عدو دن بعد کی اس کی سیٹ کنفرم ہو گئی تھی۔ ایاز بہت خوش تھا جبرہ عبدالقیوم مجید۔ آج کل ان کے گرد پولیس کا گھیراؤ تھا۔ جابر با تھا ان کے کچھ ذرا لے گئے انہیں خبردار کیا تھا کہ وہ جلد از جلد اپنا سب کچھ سمیٹ کر کہیں اور شفٹ ہو جائیں اگر ایک بار ان پر گرفت ہو گئی تو بہت سخت ہوگی۔ ایاز کا معاملہ وینڈل ہو گیا تھا بس اس کے یہاں سے نکلنے کی دیر تھی اب باقی معاملات وہ جلد از جلد بنانے کی کوشش میں تھے۔

”تم یہاں سے جانے کے بعد ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کرو گے مجھے بھی دو تین ماہ لگ جائیں گے یہاں سے شفٹ ہونے میں اس کے بعد دیکھیں گے کیا کرنا ہے ہمیں۔“ وہ ایاز کو سمجھا رہے تھے اس نے گھڑا ہر ہلایا۔ ورنہ اس کے دل و دماغ میں یہ پھانس رہ گئی تھی کہ وہ شہوار اور مصطفیٰ سے انتقام نہیں لے سکا تھا۔

مصطفیٰ کا بیچ جانا اور شہوار کا بالکل محفوظ رہ جانا اس کے سینے پر سانپ بن کر لوٹا تھا اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ ایک بار تو ضرور یہاں سے نکل کر مصطفیٰ پر حملہ کرے لیکن عبدالقیوم سے باہر کے حالات سن کر وہ حاشا ہوا تھا۔

”تم تیار رہنا پرسوں تمہیں وقت پر پک کر لوں گا اور خبردار باہر نکلنے کی کوشش کی مجھے خبر ملی ہے۔ تم ایک بار باہر نکلے ہو یہاں میں تمہارے لیے اتنی کوششیں کر رہا ہوں۔ نہ ہو کہ سارا کیا کر یا مٹی میں ملا دو۔“ وہ اسے سمجھا رہے تھے اس نے حلقی سے باپ کو دیکھا۔

”نہیں کچھ کتاب تک بچا ہوا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ احتیاط سے ہی رہ رہا ہوں آگے بھی کچھ نہیں ہونگا۔“ اس نے کہا تو وہ اسے بس دیکھ کر رہ گئے تھے۔ ذہن پہلے ہی الجھا ہوا تھا اور نہ اس کو سمجھانے کی مزید کوشش کرتے۔

”میں چلتا ہوں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو تاجا دو میں انتظام کروں گا۔“ انہوں نے کہا تھا اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

وہ اس کو مزید چند ہدایات دے کر چلے گئے تھے وہ کچھ دیر کچھ سوچتا رہا اور پھر ذہن میں ایک منہ و بہر تیب دے کر مسکرا کر بستر پر گر گیا تھا۔



آج کا سارا دن بہت اچھا گزرا تھا مصطفیٰ کے ساتھ گزرا ایک ایک پل اس کی زندگی کا یا نگار کو تھا وہ بہت عرصے بعد



خود کو ہر طرح کے ذہنی دباؤ سے محفوظ تصور کر رہی تھی۔ دونوں کئی جگہوں پر گھومے تھے مصطفیٰ نے اسے ڈھیر ساری شاپنگ کرائی تھی اور پھر رات کے وقت دونوں نے ڈنر بھی باہر ہی کیا تھا۔ ڈنر کے بعد مصطفیٰ اسے لوگ ڈرائیور پر لے آیا تھا۔  
 ”اب گھر چلیں۔“ وہ مصطفیٰ کے پہلو میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی مصطفیٰ خود ڈرائیور کرتا تھا پچھلے دنوں کے برعکس آج نہ دونوں کے ساتھ کوئی باڈی گارڈ تھا اور نہ ہی کوئی ڈرائیور وہ سارا وقت تنہا رہے تھے۔ مصطفیٰ نے اس کو دیکھا۔  
 ”کیوں تھک گئیں۔“

”ہاں، میں کبھی اتنا سارا وقت گھر سے اس طرح باہر نہیں رہی۔ بہت تھکن ہو رہی ہے۔“ مصطفیٰ مسکرایا۔  
 ”ابھی آفس میں کچھ ضروری کام چل رہے ہیں ادھر سے فارغ ہوں تو چھٹیاں لے کر کسی جگہ ہنی مون ٹرپ کے لیے جلتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا۔

”اس کی کیا ضرورت ہے میری اسٹڈی کا پہلے ہی بہت خرچ ہو چکا ہے۔“ اس نے دھیمے سے کہا۔  
 ”آپ محترمہ کو بھلے ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن مجھے تو خیال ہو رہی ہے میں اپنی پیاری سی اور خوب صورت ہوئی کے ساتھ ڈھیر سارا وقت گزارنا چاہتا ہوں یار۔“ مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ہاتھوں کے نیچے اسٹیرنگ پر رکھ لیا تھا۔

شہوار سرخ ہو گئی تھی۔ اس کے لیے یہ سب کچھ بہت نیا نیا سا تھا۔۔۔۔۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہر بار پزل ہو جاتی تھی۔  
 مصطفیٰ کی محبتیں اس کا والد انا ایماز اور سب سے بڑھ کر اسے اہمیت دینا۔ وہ تو دل سے اس کے لیے ہار چکی تھی۔  
 ”لیکن میری اسٹڈی۔“

”وہ بھی ہو جائے گی مجھے یقین ہے تم کو کر لو گی تم کون سا تالاق ہو۔“ وہ خاموش ہو گئی تھی۔  
 ”یار سبھی وقت سے لائف انجوائے کرنے کا گرائیک بھی بے بی آ گیا تو تم نے پھر کہاں ہاتھ آتا ہے۔“ مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ تو جینب کر رہی تھی ایک دم چہرہ کھڑکی کی طرف کر لیا تھا وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا سارا وجود ہولے ہولے لرز رہا ہے۔ خصوصاً مصطفیٰ کی گرفت میں دبا اس کا دایاں ہاتھ۔  
 ”بابا کا ارادہ فی الہال ویسے کے فنکشن کا ہے وہ ہو جائے تو پھر چلتے ہیں تم ڈیسا اینڈ کرنا کہ کہاں چلیں گے۔“ جو باواہ خاموش رہی تھی۔

مصطفیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکرایا تھا۔  
 ”گھر چلیں؟“ کچھ توقف کے بعد شہوار نے پھر کہا تو مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔  
 ”بھانگنا چاہ رہی ہو مجھ سے یا میرا ساتھ چھانٹیں لگ رہا؟“  
 ”ایسی بات نہیں ہے ہم کئی گھنٹوں سے گھر سے نکلے ہوئے ہیں ماں جی اور باقی دوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔“ اس نے سنبھل کر کہا۔

”بسبھی کی فکر رہتی ہے تمہیں ایک سوائے میرے۔“ مصطفیٰ نے مظلومیت بھرا لہجہ کیا۔  
 ”اب میں نے کیا کیا ہے۔“

”میرے اس معصوم سے دل پر یہ تم توڑی ہے کہ اتنے دن شادی کو ہونے کے باوجود تم مجھ سے اول دن کی دلہن کی طرح شرمائی پھرتی ہو کبھی حل کر بات نہیں کی، بسبھی میرے دل کی کہانی نہیں سنی، کبھی میری آنکھوں میں دیکھ کر میرے جذبوں کو پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔“ مصطفیٰ نے شرارتی آواز میں کہا تو اس کے ہاتھ بجینے لگے تھے۔  
 ”آپ کے ساتھ ہوں کیا یہ کافی نہیں۔“ وہ بھی آواز میں کہا۔



”بالکل بھی نہیں، میں سیدھا سا ادا بندہ ہوں جو دل میں ہے کہہ دیتا ہوں جو بلا مجھے بھی ایسی ہی گرم جوشی چاہیے۔“  
 ”میں تو ایسی ہی ہوں شادی سے پہلے سوچنا چاہیے تھا آپ کو۔“ اس نے اپنی طرف سے بہت ہمت کر کے کہا تو مصطفیٰ کھلکھلا ہنس دیا۔

”تب تمہارے ساتھ اتنے خوش گوار تعلقات کب قائم تھے سوچا تھا بیوی ہوگی تو میری محبت کا اثر پڑے گا لیکن یہاں تو وہی کیفیت ہے۔“

”اب بچھتا رہے ہیں۔“ پہلی بار مصطفیٰ کی طرف سنجیدگی سے دیکھا تھا۔  
 ”اگر کہوں ہاں بچھتا رہا ہوں تو۔“ آنکھوں میں جذبوں کا ایک جہاں لیے والہانہ پن سمونے کہا تو شہوار کے لیے مصطفیٰ کی آنکھوں میں دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ خسار گرم ہونے لگا تو پلوں کی جھار خود بخود گرے اُگی تھی۔  
 ”تو بچھتا آپ پر افسوس ہی کر سکتی ہوں۔“ اپنی طرف سے اس نے چھیڑا تھا۔

### جگنو میں آنجل میں

جہل کے اندھیروں کو جگمگاتے ہیں  
 جگنو میرے آنجل میں جھللاتے ہیں

مصطفیٰ ہستی کے اوراق تیزی سے پلٹتے جا رہے ہیں اور وقت کی گردش اپنی مخصوص رفتار سے جادو سے کتاب ماضی کے چند اوراق پلٹیں تو معلوم ہوتا ہے کہ 1978ء سے شروع ہونے والا آنجل کا سفر ایک طویل دوڑا ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو سناج آپ کے ہاتھوں میں آنجل کا 433 واں شمارہ اپنی بہار دکھ رہا ہے، ہم لوہا آپ کو پچھلے 36 برسوں سے آنجل کے ہم قدم رہے لیکن سچی و بے قراری کا عالم اب بھی وہی ہے اور یہی بہار سے بہترین کی جستجو انسان کو منزل کی جانب گامزن رکھتی ہے سچی جستجو میں ہم بھی مصروف عمل ہیں کتاب کے آنجل کو ہر سے بہترین بنا کر آپ کے لیے مشکل حیات بنا دیا جائے۔ اس سفر میں آنجل کے جگنوؤں نے اپنی تصانیف، تعارف و تحفید سے آنجل کے اتر پرستاروں کی کہکشاں اجاگر کر دی۔ آج ان کی روشنی سے آنجل جگنوؤں کا ہے وہاں جو ہماری عزیز مدد پر ہر مشتاق احمد قریشی کی کاوشوں سے لگایا گیا تھا آج اپنی بہار دکھ رہا ہے اور عالم یہ ہے کہ گلدستہ سچی کو نئے ڈھنگ سے پیش کرنے میں اپنی مثال آپ ہے آنجل کی سالگرہ کے موقع پر ہم نے اس بار بھی بزمِ یادیں ترتیب دی ہے اس سلسلے میں رائٹرز کو دیکر جنوں کی شرکت ہمارے لیے کسی تحفہ سے کم نہیں۔ سروے کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

1: آنجل کے سابقہ سالگرہ نمبر سے اس دوران شائع ہونے والی ایسی تحریر جسے آپ برسوں یاد رکھیں گی؟  
 2: کوئی ایسا جملہ یا جملہ اگر آف جہاں کے ذہن کی سر زمین پر ثبت ہو گیا ہو جسے بے ساختہ آپ نے ڈائری کی زینت بنایا ہو؟

3: افسانوں کی دنیا میں سب جھوٹ نہیں ہوتا۔ کوئی ایسا کردار جسے آپ نے اپنے گرد و پیش میں دیکھا ہو یا اس جیسے فرد سے آپ کی ملاقات ہوئی ہو؟

4: اس سال آپ کا پسندیدہ مثبت و منفی کردار کون نمبر؟  
 5: آپ کی زندگی کا کوئی خوب صورت لمحہ جہاں آپ کو ذہنی و جسمانی تھکاوٹ میں بھی گفتگو کی مسکراہٹ عطا کر دے؟  
 6: سال رواں کس ٹائٹل سے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟  
 7: آنجل کے کس سلسلے میں آپ کسی تبدیلی چاہتے ہیں؟  
 8: آنجل رائٹرز میں سے کوئی ایک مصنفہ جن سے آپ ملنے کی خواہش رکھتی ہیں؟  
 ان سوالات کے جوابات مختصر تحریر کر کے ہمیں B مارچ تک ارسال کر دیں۔



”تم اپنا یاغسوس بھی اپنے پاس ہی رکھو، مجھے محبت کرنا بھی آتی ہے اور کرنا بھی۔“

”لگتا ہے بڑا تجربہ ہے اس معاملے میں۔“

”بالکل ایک عرصہ امریکہ جیسے ماڈرن ملک میں گزار کر آیا ہوں تمہیں مجھ پر اس معاملے میں ڈاؤٹ نہیں ہونا چاہیے تھا۔“ مصطفیٰ بھی فوراً سنجیدہ ہو گیا تھا۔ وہ فوراً ٹھنکی تھی۔

”مذاق کر رہے ہیں؟“

”نہیں بھئی تین چار شیئر زکی کہانیاں تو میں تمہیں سنا سکتا ہوں ہاں باقی تین چہ رالسی نہیں ہیں کہ تمہیں سنا سکوں۔“ مصطفیٰ کا انداز ہنوز سنجیدہ تھا۔ شہوار کا دل ڈرنے لگا۔

”مذاق مت کریں مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہوا ہوگا۔“

”ایک بالکل تمہا شخص امریکہ جیسا ملک دولت کی بھی فراوانی ہو تو تمہارا کیا خیال ہے بگڑنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔“ شہوار کا دل ڈوبتا تھا مصطفیٰ نے اسے ڈرا کر رکھ دیا تھا۔

”میں ولید بھائی سے پوچھوں گی مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہوا ہوگا۔“ وہ بھئی بھی ماننے کو تیار نہ تھی مصطفیٰ کھل کر ہنس دیا تھا۔

”حیرت ہے بھئی اتنا یقین بجا ہے شوہر نامدار پر؟“ محبت سے پوچھا تھا۔

شہوار قدر سے ٹیکس ہوئی تھی اور اسے خطی سے دیکھا تھا۔

”شرم تو نہیں آتی اگر میں بیچ مان لیتی تو۔“

”لیکن مانا تو نہیں نا۔“ مصطفیٰ نے چھیرا تھادہ سر جھٹک کر باہر دیکھنے لگی۔ مصطفیٰ گھر کے رستے پر گاڑی ڈال چکا تھا۔

”اور اگر واقعی یہ بیچ ہوتا تو؟“ مصطفیٰ نے پھر پوچھا۔

”تو میں آپ سے بھی شادی نہ کرتی۔“ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”اور اگر شادی کے بعد تمہیں پتا چلتا کہ میرے بدمعاش و حارثم کے چند شیئر تھے تو؟“

”تو میں آپ کو چھوڑ دیتی۔“ اس کی سنجیدگی برقرار تھی مصطفیٰ نے گہرا سانس بھرا۔

”بڑی ظالم ہو پھر تم تو کیا مجھ جیسا فرماں بردار سعادت مند شوہر چھوڑنا ممکن تھا تمہارے لیے۔“

”میں نے ہمیشہ ایک صاف شہری زندگی گزارنی ہے پھر اللہ میرے ساتھ نا انصافی کیسے کر سکتا تھا۔“ اس کا یقین کامل تھا۔

”میں نے ساری زندگی آپ لوگوں کے درمیان گزارنی ہے مجھے کبھی بھی کسی نے میلی نگاہ سے نہیں دیکھا عاشر اور صبا

کا سا مقام ملا تھا جی کہ آپ کے کسی کزن تک نے میرے ساتھ مس بیہو نہیں کیا پھر میں بھلا کیسے سوچ سکتی تھی آپ

ایسے ہوں گے۔“ شہوار کے الفاظ پر مصطفیٰ نے بہت سرائتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”میری زندگی میں سوائے ایاز کے اور کوئی تلخ حادثہ نہیں ہوا۔ جب آپ پاکستان آئے آپ نے بھی مجھے وہی مقام

اور عزت دی جو باقی لوگ دیتے تھے کسی کے کردار کو ج کرنے کے لیے یہ بات کافی ہوتی ہے کہ اس کی نگاہوں میں

ہمارے لیے کیا مقام ہے اور اس کے لفظوں میں ہمارے لیے کتنی عزت ہے۔“ شہوار کی سوچ کی پختگی نے مصطفیٰ کو ایک

دما اثریکٹ کیا تھا۔

”ویل ڈن، اتنا یقین ہے مجھ پر۔“ وہ اس پر تار ہی تو ہو گیا تھا۔

”مجھے آپ سے زیادہ اللہ کے فیصلے اور آئی جی کی ترتیب پر یقین ہے۔“ وہ صاف دامن بچا گئی تھی۔



## صیححہ کمال

ارے بھئی دروازہ کھولیے آپ کے آنچل میں اتنی دی ہے چلنے پہلے میں تعارف کروا دیتی ہوں جی ہاں دل تھا م کے بیٹھے میں ہوں صیححہ کمال جولائی کی نرم گرم دوپہر میں اس دنیا میں قدم رکھا۔ میرا تعلق فیصل آباد سے ہے میری دو بہنیں اور ایک بھائی ہے میں نویں کلاس کی طالبہ ہوں اور پڑھائی کے میدان میں بہت سے معرکے مارنے کے ارادے ہیں آپ سب کی دعاؤں سے۔ مجھے کھانے میں بریانی، شامی، کباب، گول گپے اور سن اچاری (منہ میں پانی آ گیا نا) بہت پسند ہیں۔ رنگوں میں لال، کالا، میرون اور پنک میرے فوریٹ کلرز ہیں۔ موسم سردیوں کا بے انتہا پسند ہے اور سردیوں میں آکس کریم کھانا اور سڑک پرواک کرنا میرے پسندیدہ مشغلے ہیں۔ لباس میں کسی فرائم پسند ہے میک اپ پسند نہیں۔ ہنسنے ہنسانے والے لمبے خلوص لوگ پسند ہیں۔ دوغلے اور طعنے کرنے والے بالکل پسند نہیں میری بہن کرن سے میری بہت نوک جھونک ہوتی ہے لیکن میں اپنی ہر بات بھی کرن سے ہی شکر کرتی ہوں۔ میرا چھوٹا بھائی احمد بہت شرارتی ہے چونکہ اکلوتا ہے اس لیے اس کی شرارتیں بھی مزادتی ہیں۔ میں چائے بہت زبردست بناتی ہوں آنچل رسالہ بہت پسند ہے اس میں بہت عمدہ کہانیاں، کاما، ہاتھ اور دلچسپ سلسلے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کافی پور کر دیا اچھا اب مجھے اجازت دیں تعارف کیسا گا ضرور بتائیے گا اللہ حافظ۔

مصطفیٰ ہنس دیا تھا۔

”بڑی ڈپلومیٹ ہو تم تو۔“ وہ مسکراتی رہی تھی۔

”اور محبت کے معاملے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کر دو۔“

”اتنی جلدی کیا ہے آپ کا ہستا ہستا چل ہی جائے گا۔“ اعجاز شرارتی تھا۔ مصطفیٰ نے گھبرا۔

”ہماری بی بی امی کو میاؤں۔“ شہوار کی ہنسی بے اختیار تھی مصطفیٰ نے بے اختیار اسے دیکھا تھا وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

”دھیان سے گاڑی چلائیں ایکسیڈنٹ کرا دیں گے، ابھی تو پرانے زخم ہی مند مل نہیں ہوئے ہوں گے۔“ پاس سے ایک گاڑی زن سے گزری تو اس نے ٹوکا تھا۔

”ہالومت، گھر چلو پھر بات کرتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا تو اس نے سیر ہلا کر سیٹ کی پینٹ، گاہ سے سرنگا دیا تھا۔ وہ آج اپنی زندگی کا سب سے خوب صورت اور سب سے یادگار دن گزار رہی تھی۔ اس کا ذہن بالکل فریش اور تروتازہ تھا وہ دھیسے سے مسکراتی تو مصطفیٰ اسے مسکراتے دیکھ کر ایک دم مطمئن ہوا تھا وہ شہوار کا ذہن بنانے میں سو فیصد کامیاب رہا تھا۔



وہ عشاء کی نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی جب ساجدہ بیٹا ہوا موبائل لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

”آپ کی کال ہے۔“ اس نے موبائل ان کی طرف بڑھایا تھا۔ وہ کھلی تھیں۔

”میری؟“

”جی ایک خاتون ہیں پہلے بھی کال کی تھی آپ نماز پڑھ رہی تھیں انہوں نے کہا تھا کہ وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں میں نے کہا تھا کہ پھر کال کر لیں۔“ تائبندہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔

”السلام علیکم! انہوں نے کال ریسیو کی تھی۔“



”وعلیکم السلام۔ تائبہ بی بات کر رہی ہیں؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔  
 ”جی لیکن آپ کون؟“ انہوں نے پوچھا تھا وہ جائے نماز سے کھڑی ہو گئی تھیں ان کے ہتھے ہی ساجدہ نے مصلحتاً  
 کیا تھا۔

”آپ ہمارے گھر آئی تھیں آپ نے خود ہی یہ نمبر دیا تھا رابطہ کرنے کے لیے۔“  
 ”جی..... جی ہاں کیا۔“ وہ فوراً سمجھ گئی تھیں کہ دوسری طرف کون ہو سکتا ہے۔  
 ”کوئی اطلاع ملی، کوئی خیر خبر۔“

”جی میری اپنے شوہر سے بات ہوئی تھی انہوں نے بتایا تھا کہ ان کے والد صاحب نے ان سے ذکر کیا تھا بہت  
 سالوں پہلے تک کچھ لوگ یہاں جو نام آپ نے بتائے تھے ان کی تلاش میں آئے۔ تھے میرے سر کو اطلاع کرنے کا بھی  
 کہا تھا لیکن جو رابطہ نمبر دیا تھا تو سر صاحب کو بھی ظلم ہو گا اور وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔“ تائبہ بی جو دم ساوے سن  
 رہی تھیں ایک دم بڑھ حال سے انداز میں بستر پر گر گئی تھیں۔

”کوئی تو رابطہ ہو گا کوئی حل؟“ انہوں نے لڑ رہی آواز میں پوچھا۔  
 ”معذرت جانتی ہوں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔“ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تو آنکھوں میں نمی آ  
 ٹھہری تھی۔

”پھر بھی اپنے شوہر سے کھلا پوچھئے گا شاید کوئی نکتیل جائے میں برسوں سے تڑپ رہی ہوں برسوں سے صبر کیے  
 ہوئے ہوں میں اب سب کشتیاں جلا کر لگی ہوں کسی کا مستقبل تاریک ہو جائے گا اگر مجھے کوئی راستہ نہ ملے۔“ وہ رو دی تھیں  
 دوسری طرف موجود خاتون نے شدت سے ان کا دکھ محسوس کیا تھا ساجدہ جو لاشعوری طور پر وہیں کھڑی رہ گئی تھیں الجھ گئی  
 تھیں۔ وہ ابھی تائبہ بی کی کہانی سے یکسر انجان تھیں۔

”آپ امید رکھیں اللہ بہتر کرے گا۔“ دوسری طرف سے تسلی دی تھی۔  
 ”ہاں اللہ سے ہی تو سب امیدیں لگا رکھی ہیں آپ کا بہت بہت شکریا آپ نے اتنا تعاون کیا ایک امید تو بندھی کہ کوئی  
 کسی کی تلاش میں آیا تھا ہے شوہر سے پوچھئے گا کہ وہ کون تھا اور کس کا پوچھا رہا تھا۔“ انہوں نے ایک امید سے کہا تھا۔  
 ”جی میں ضرور پوچھوں گی۔“

”میں انتظار کروں گی۔“ ان کی زندگی تو آج کل شب و روز کا انتظار بن چکی تھی۔ دوسری طرف اللہ حافظ کہہ کر کال بند  
 ہو چکی تھی انہوں نے بھی موہاٹل کان سے ہٹا لیا تھا اپنے آنسو صاف کیے تو ساجدہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

”ایک بات پوچھوں؟“ انہوں نے سر ہلا دیا۔  
 ”میں نہیں جانتی کہ آپ کی کہانی کیا ہے اور نہ کسی نے مجھ سے ذکر کیا لیکن آپ کو اس طرح پریشان دیکھ کر میں الجھ گئی  
 ہوں آپ کس کو تلاش کر رہی ہیں ساجدہ نے پوچھا۔

”بہت لمبی کہانی ہے کہاں سے شروع کروں کیا بتاؤں؟ میرے بہت سے رشتے کھو گئے ہیں جن کا سراغ  
 نہیں مل رہا۔“

”لیکن آپ کی بیٹی تو آپ کے پاس تھی جسے آپ خود چھوڑ کر آئی ہیں۔“

”ہاں وہ میری بیٹی تھی میری بیٹی سے اور ہمیشہ بیٹی ہی رہے گی اس کے وجود نے ہمیشہ مجھے کم مانگی کے احساس سے  
 بچایا تھا لیکن جن کو تلاش کرتی ہوں وہ لوگ تو میری ذات کا حصہ تھے۔“ وہ رو۔ نے لگی تھیں ساجدہ کے دل کو تکلیف ہوئی  
 تھی۔ ان چند لمحوں میں اسے ان سے ایک خصوصی لگاؤ ہو چکا تھا۔



اور میں..... حق مہر میں اپنی ساری خوشیاں دیتا ہوں ریحہ شبیر..... شاہ خدوڑ	حق مہر آؤ کہ ہم نکاح دوستی کر لیتے ہیں تم سے تم جہیز میں اپنے غم لانا
--	--

”یہ گھر تو آپ کا تھا اگر کوئی موجود ہوتا تو آپ کو یہاں تلاش کرتے آتا۔“

”آیا تھا وہ لیکن تب میں یہاں موجود نہیں تھی خالہ بی موجود تھیں انہوں نے بتایا کہ میں یہاں نہیں ہوں وہ بھتارہا کہ میں مر چکی ہوں تب میں کہیں غائب تھی اور جب واپس لوٹی تو وہ چلا گیا تھا خالہ بھی مجھے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں وہ بھی سمجھتی رہیں کہ میں مر چکی ہوں پھر میں نے تلاش کیا اسے کئی جگہ لیکن نا امید ہو کر واپس لوٹ آئی اس کے بعد کئی خط لکھے اس کے پتے پر جو مجھے معلوم تھا تب اس نے کوئی جواب نہ دیا شاید ایڈریس غلط تھا خط واپس طے نہ رہا اور سال بیتتے گئے میری شہوار اب مجھ سے سوال کرتی ہے اور میرے پاس اس کے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں اس کی شناخت تم سے ہے اور میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ اسے بتا دوں کہ وہ کون تھی کن لوگوں کی عزت ہے میں بہت مجبور ہوں اب مجبور ہو کر یہاں آئی تو گئی ہوں لیکن کوئی سر ہاتھ ہی نہیں لگا رہا۔“

”اس شخص سے آپ کا کیا رشتہ تھا؟“ سوال ایسا تھا کہ تابندہ بی لو لگا کہ جیسے کسی نے دل کو زخم زخم کر دیا ہو۔

”وہ میرے شوہر تھے۔“ ان کی آواز سسکی لڑھی۔

”اوہ.....“ ساجدہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”خدا! خواستہ اس کے ساتھ کہیں کچھ ہونہ گیا ہو وہ زندہ ہوتے تو آپ کے خطوط کے جواب تو ضرور دیتے۔“ ساجدہ کی بات پر وہ اضطراب سے نفی میں سر ہلائی تھیں۔

”بس اسی بات پر آ کر میری ہمت ٹوٹ جاتی ہے لیکن ان کی نیلی۔“ وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گئی تھیں اور پھر نفی میں سر ہلا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

”شاید میری قسمت میں ہی آرزو بخش لکھی تھی۔“ وہ سسکتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھیں ساجدہ نے خاموشی سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔

نجانے اصل کہانی کیا تھی؟ لیکن ساجدہ کا دل ان کے غم پر ایک دم رنجیدہ سا ہو گیا تھا۔



وہ آج کالج نہیں گئی تھی سارا وقت اپنے کمرے میں بند رہی تھی شام کو صبوحی بیگم نے ہی آ کر اس کا دروازہ کھلوا دیا تھا لیکن اسے بخار سے پھٹکتے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔ انہوں نے احسن کے ہمراہ اسے ڈاکٹر کے پاس بھیجا لیکن درحقیقت وہ اس کے مریعوں سے پریشان ہو چکی تھیں۔

عشاء کے بعد احسن اسے لے کر گھر آیا تھا ولید اور باقی سبھی لوگ گھر میں ہی تھے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ صبوحی بیگم نے ہی زبردستی اسے میڈیسن دی اور کھانا بھی کھلایا تھا اس کی آنکھیں سرخ انگارہ تھیں اور جسم بخار سے دھک رہا تھا۔

”کیا بات ہے..... کوئی برڈن ہے دل و دماغ پر؟“ وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ صبوحی بیگم نے پوچھا تو اس نے ہاتھ ہٹائے تھے۔



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)



”کیا برڈن ہو سکتا ہے بھلا۔“ نقاہت سے بھری آواز تھی۔  
 ”تو پھر کیا بات ہے ایسی حالت تو تمہاری بھی بھی نہ تھی کم صوم، بے زار۔“ انہوں نے تشویش سے دیکھتے پوچھا تو وہ چڑی۔

”میں ٹھیک ہوں، ماما کچھ نہیں ہوا مجھے۔“ انہوں نے خاموشی سے اسے چند لمبے دیکھا اور پھر باہر نکل گئی تھیں۔ انا خاموشی سے لٹی رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں نمی سمیٹنے لگی تو اس نے ہانقا آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔ آنکھوں کا پانی بازو کی آستین میں جذب ہونے لگا تو اس نے لب بچھ کر اپنی سسکیوں کو روک لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ دیر پہلے کا منظر تازہ ہونے لگا تھا۔  
 احسن کے سہارے جیسی وہ گھر میں داخل ہوئی تھی ولید رہداری میں تھا جب وہاں سے گزرتے ان کا سامنا ہوا تھا۔  
 ”آج تم جلدی چلتے تھے؟“ ولید نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے پوچھا تھا۔

”ہاں انا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو ماما نے کال کی تھی ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا۔“  
 ”تم کم از کم بتا کر تو جاتے وہاں تمہیں پتا تو ہے میٹنگ تھی تمہیں کل جو قائل دی تھی بل ہی نہیں رہی تھی سارا شیڈول خراب ہو گیا تھا اب کل پر میٹنگ ملتوی کی ہے میں نے۔“

”چلو کوئی بات نہیں، انا کی طبیعت اتنی خراب تھی صبح سے کمرے میں بند تھی اور کسی و علم ہی نہ تھا روشی نے ہی عصر کے قریب دیکھا تو یہ بخار سے تپ رہی تھی۔ اس نے ماما کو کال کی تھی ماما گھر آ گئی تھیں۔ سن ڈاکٹر سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا تو مجھے ماما نے بلوایا تھا شکر ہے بخار کا زور قدرے کم ہوا ہے۔“ احسن نے بتایا تھا لیکن اس کے باوجود ولید نے اس کی طرف نہ دیکھا اور نہ ہی حال دریافت کیا تھا۔

”میں چلی جاتی ہوں بھائی آپ بات کر لیں۔“ بخار سے بڑھ حال اس سے کھڑا ہوتا ہی دو بھر تھا۔ وہ بھٹکی پلکوں کو جھکاتی رندمی آواز میں کہہ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی اور اب دل چل رہا تھا آکھیں بہہ رہی تھیں لیکن دل کو کسی بھی بل قرار نہ تھا۔ روشی کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اسی طرف لٹی ہوئی تھی۔

”انا.....“ اس نے ہاتھ میں پکڑا سوپ کا پیالہ برائینڈ پر رکھ کر اسے پکارا تھا۔ ساکت ہو گئی تھی۔  
 غیر محسوس انداز میں آستین سے پٹی نکالیں صاف کی تھیں۔ روشی اس کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی تھی۔  
 ”اشو یہ سوپ پی لو۔“ اس نے کہا تو انا نے اپنی بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔ روشی ٹھنک کی تھی۔ پٹی آکھیں تھیں اس کی۔  
 ”کیا ہوا اور ہی نہیں تم۔“

”بس بخار میں آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔“ اس نے کہا تو روشی قدرے مطمئن ہوئی۔  
 ”لو یہ سوپ پی لو، بخار میں کچھ فائدہ ہوگا کھانا بھی بس تم نے برائے نام ہی کھایا ہے۔“ روشی کے انداز میں اپنا ہیبت تھی وہ نفی میں سر ہلاتی تھی۔

”نہیں، کسی بھی چیز کے لیے دل نہیں مان رہا۔“  
 ”کھاؤ گی تو پتا چلے گا نا میں صبح لیٹ اٹھی تھی کچھ کالچ جا چکی ہو وہ تو اچانک دھر سے گزر رہا تو پتا چلا کہ تم بخار میں تپ رہی ہو مجھے بہت افسوس ہوا کہ پہلے کیوں نہ دیکھا اور۔“ چلو اب اشو تھوڑا سا ہلکا لو۔“ اس کے لہجے میں اصرار تھا۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

روشی نے اسے سوپ کا پیالہ تھما دیا تو وہ نہ چاہے ہوئے بھی اس کے سوپ لینے لگی تھی۔  
 ”تم نے شادوں سے انکار کیوں کیا؟“ وہ پوچھ رہی تھی انا کا ہاتھ ساکت، ہو گیا وہ سوپ کے پیالے میں چمچ



## عالیہ شانزہ

میری طرف سے آنچل کی پوری ٹیم کو اور تمام بہنوں کو اسلام علیکم! میں فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں آنچل کو پڑھتے ہوئے سات آٹھ سال ہو گئے ہیں اس لیے کہ آنچل میں تفریح کے ساتھ ساتھ اچھی اتمس بھی ہوتی ہیں تاریخ پیدائش 19 دسمبر ہے سالگرہ نہیں منانی۔ ہم تین بہنیں اور تین بھائی ہیں ایک بہن کی وفات ہو چکی ہے اب ہم دو بہنیں ہیں میرا نمبر تیسرا ہے۔ موسموں میں سردیوں کا موسم بہت زیادہ پسند ہے۔ بلیک اور میرون کلر بہت پسند ہے لباس میں لہنگا پہننے کا بہت شوق ہے اور فیشن کے مطابق ڈریس پہننے اچھے لگتے ہیں۔ فلم سٹار میں سلمان خان اور کرشمہ کپور پسند ہیں۔ ہر کام کر سکتی ہوں پر غصہ بہت زیادہ آتا ہے اور رونا بہت جلدی آ جانا ہے۔ تھوڑی دیر بعد موڈ خود ہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مجھے مری اور سوات جانے کا بہت شوق ہے دوستوں میں شمسہ ایبہ، مصباح، سدرہ، عمارہ اور بہت سی دوستیں ہیں ہر کسی سے بہت جلدی فریک ہو جاتی ہوں۔ اپنی ہر خوشی اور غم اپنی دوست شمسہ سے شیئر کرتی ہوں۔ قلمس لوگ بہت زیادہ پسند ہیں جن کی اب بہت کمی ہو گئی ہے حسن میری کمزوری ہے میرے آنیڈیل میرے چاچو تھے جن کی اب ڈیڑھ ہو چکی ہے۔ جانے والے لوٹ کر نہیں آتے مگر اپنے پیچھا چھی، دیں اور اچھی باتیں چھوڑ جاتے ہیں۔ آنچل رائٹرز میں سنا کوثر نازی یہ کنول نازی اور سیرا شریف بہت پسند ہیں۔ پسندیدہ شاعر احمد فراز اور وحسی شاہ ہیں۔ آنچل کی پوری ٹیم کے لیے دعائیں کتاب ہمیشہ آنچل کو ایسے ہی جہاتے رہیں۔

گھمانے لگ گئی تھی۔

”کیا کوئی بات ہوئی ہے۔“ اسے بخورد بکتے روٹی نے پوچھا تھا۔

”کیا میں بغیر کسی وجہ کے محض اپنی ایجوکیشن کو لے کر انکار نہیں کر سکتی۔“ کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تو روٹی

نے سر ہلا دیا۔

”لیکن یہ بابا کی خواہش ہے ان کی طبیعت خراب رہتی ہے وہ چاہتے ہیں کہ جلد از جلد تمہاری اور ولی کی شادی ہو جائے۔“ روٹی نے کہا۔

”جو بھی ہے میں خود کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں کر پارہی۔“

”لیکن ماما.....“

”پلیز روٹی۔“ روٹی نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن ماما نے ٹوک دیا۔

”پلیز میرا سر پہلے ہی دکھ ہا ہے میں اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اب۔“ اس کے لہجے میں قطع بن تھا۔

”تم کچھ اور کھانا چاہتا ہو تو میں بنا دیتی ہوں۔“ اس کے قطعی انداز پر روٹی نے فوراً بات بدل دی تھی۔

”نہیں، ابھی کچھ دیر پہلے ماما نے کھانا کھلا کر میڈ بسن دی ہے اب یہ سوپ پی رہی ہوں، بہت ہے یہ۔“ اس نے

پیالے میں موجود سوپ کھل کر روٹی نے اس کے ہاتھ سے خالی پیالہ لے کر سائیڈ پر رکھا۔

”سر میں اگر درد ہو رہا ہے تو میں دبا دوں۔“ روٹی کا پر خلوص و محبت آمیز انداز برقرار تھا ماما کو ایک دم اپنے قطعی انداز کا

احساس ہوا تو ایک گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

”نہیں میں ٹھیک ہوں میڈ بسن لی ہے ڈاکٹر نے انجکشن بھی لگایا تھا کافی بہتری آئی ہے میں لیٹوں گی تو آرام

آ جائے گا۔“ قہامت زدہ آواز میں کہا تو روٹی نے بخورد بکتا دیکھا۔

”مو کے ٹھیک ہے تم آرام کرو اگر کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو بتانا۔“ محبت سے کہہ کر وہ اٹھ گئی تھی۔



انہوں نے سر ہلا دیا تھا وہ خاموشی سے اسے کمرے سے جاتا دیکھتی رہی تھی۔ وہ جاتے ہوئے دروازہ بھی بند کر گئی تھی انا خاموشی سے دوبارہ بستر پر لیٹ گئی تھی کچھ دیر تک وہ مختلف لالچیں سوچیں سوچتی رہی تھی لیکن پھر وہ اکثر غالباً نے لگا تو وہ خود کو سونے سے منہ روک پائی تھی۔



مصطفیٰ گہری نیند میں تھا جب اس کی آنکھ موہاٹل کی مسلسل جھپتی سیپ سے کھل گئی تھی۔ ٹائٹ بلب روشن تھا مصطفیٰ نے اٹھنا چاہا تو ایک دم رگ گیا۔ شہوار اس کے بازو پر سر رکھے سو رہی تھی۔ وہ اسی طرح لیٹا، ہا اور ہاتھ بڑھا کر مسلسل بچتے موہاٹل کو سائیز وریز سے اٹھایا تھا۔ سکرین پر امجد خان کا نام جگمگا رہا تھا اس نے فوراً کال پک کی۔ رات کے اس پہر یاتینا کوئی ایئر جیسی تھی جمودہ کول کر رہا تھا اور نہ وہ کسی اس وقت ڈسٹرب نہ کرتا۔

”ہاں یو لو امجد خان..... خیریت.....!“ اپنی آواز کو دھیما رکھتے اس نے پوچھا۔

”ایک گھنٹی خیر ہے سر۔“ دوسری طرف سے امجد خان نے کہا۔

مصطفیٰ نے آہستگی سے اپنے بازو کے حصار میں مقید شہوار کے وجود کو پیچھے ہٹایا اور خود اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

”کیسی خیر؟“

”لیاز کا پتا چل گیا ہے۔“ امجد کی پر جوش آواز سنائی دی۔ مصطفیٰ فوراً اٹھ نکلا۔

”واقعی۔“

”لیس سر۔“

”کہاں چھپا ہوا ہے وہ؟“

”سر وہ عبدالقیوم کے ایک ٹھکانے میں موجود ہے ابھی ایک مخبر کی اطلاع ہے آج دن کے اوقات میں عبدالقیوم وہاں

گیا تھا اس کا پیچھا کرتے پتا چلا کہ وہاں ایاز بھی موجود ہے۔“

”ویری گڈ۔ کنفرم اطلاع ہے نا۔“

”لیس سر ہینڈ رڈ پرسنٹ۔“

”اوکے۔“

”سر میں نے چند آدمیوں کو اس کے ٹھکانے کی نگرانی پر لگا دیا ہے بس آپ کو اطلاع کرنا تھی اور پوچھنا تھا کہ

ٹیکسٹ کیا کریں۔“

”اور کون کون جانتا ہے اس خبر کے بارے میں؟“

”سر میں آپ اور اللہ وسینے والا مخبر۔“

”اوکے ابھی ریز کی تیاری کرو مجھے ایڈریس بتاؤ میں بھی لکھتا ہوں۔“ مصطفیٰ نے فوراً عمل تیار کیا تھا۔

”لیس سر۔“ امجد خان سے ایڈریس سمجھ کر مصطفیٰ نے کال بند کی اور ایک نظر شہوار کو دیکھا جو بے خبر سو رہی تھی۔ خوب

صورت و جود اپنے تمام تر حسن کی تاباں کیوں سمیت محو خواب تھا۔

مصطفیٰ کے اندر ایک دم جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تو اس نے جھک کر بہت نرمی سے اس کی پیشانی پر مہر

ثبت کی تھی۔ وہ ذرا سا کسمپاسی اور پھر سو گئی تھی۔

مصطفیٰ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھا اور ملگجے اندھیرے میں ہی اس نے اپنا لباس نکالا تھا شب خوابی کا لباس بدل کر وہ

واش روم سے نکلا تو شہوار بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔



<p>ظلم جنہوں نے پیڑھایا ہے          قوم کی ان کو بددعا ہے          کوئی حرف تسلی نہ جواب، شکوہ ہے          جن ماؤں کی گودوں کو اباڑ گیا ہے          جہاں کو بھر سے عمر دے یارت          میری عمر زندگی کے لیے سبھی دعا ہے          نبیہ بلال صبح..... ظاہر ہے</p>	<p>ساتھ پشاور          میرے وطن کے شہید طلباء          تمہاری شہادت پر لکھتے ہوئے          ظلم میرا یہ لہو لہاں ہے          16 دسمبر کے زخم پر          وقت کھڑا رو رہا ہے          معینوں کو دیکھ کر تمہاری          موت نے مانگی پناہ ہے</p>
---	--

”کیا ہوا آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔“ مصطفیٰ کو دیکھتے ہی پوچھا تھا وہ مسکرا دیا۔  
 ”بس آفس کی طرف سے آرجنٹ کال ہے مجھے فوراً پہنچنا ہے۔“  
 ”کیوں خیریت ہے؟“ وہ فوراً فکر مند ہوئی تھی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا۔  
 ”بالکل خیریت ہے مدت کے اس بہرہ اس طرح اٹھ کر جانا ہماری لائف کا حصہ ہے پوڈوٹ ڈری۔“  
 ”لیکن پھر بھی پتا تو چلے کہ کہاں جا رہے ہیں؟“ وہ شب خوابی کے لہاس میں تھی۔  
 کتنے بالوں کو سینٹے خود پر دہن پلینتے رہ اٹھ کر مصطفیٰ کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تھی جو سائیزڈ از میں سے اپنی گن نکال کر  
 اس کا جیمبر چیک کر رہا تھا۔

”ایک پرانا مجرم ہے کافی عرصے سے لاپتا تھا ابھی ایک۔“ بھر سے اس کے ٹھکانے کی اطلاع ملی ہے۔ میرا وہاں پہنچنا  
 بہت ضروری ہے۔“ گن پاکٹ میں ڈال کر باقی ضروری چیزیں لے لی تھیں۔  
 ”کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے۔“ اس کے لہجے میں فکر مند تھی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر اس کے چہرے کو دونوں  
 ہاتھوں میں تھام لیا۔

”بالکل بھی نہیں۔ میرا جانا تو محض فارملٹی ہے ہاں میں اس کا اور کچھ اور ساتھ ہو گا اور کچھ اور ساتھ بھی۔ ہر طرح کی ٹینشن سے فری  
 ہو کر سو جاؤں میں فارغ ہو کر دن میں گھر کا چکر لگاؤں گا۔“ اس کا رخسار سہلا کر کہا تو شہوارنا سوش ہو رہی۔  
 مصطفیٰ نے اسے گرم جوشی سے ساتھ لگا کر خود سے جدا کیا تھا۔  
 ”اب جاؤں اگر تمہاری اجازت ہو تو؟“ شہوار سے لہجے میں پوچھا تو وہ جھینپ کر مسکرا دی تھی۔  
 ”جی۔“

”مجھے دیر سویر ہو سکتی ہے تم آرام سے سو جانا اور کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں صبح خود ہی سب کو غم ہو جائے گا۔“ شہوار  
 نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ مصطفیٰ اس کا رخسار تھپتھپاتے وہاں سے چلا گیا تھا۔ شہوار نے خانہ وحشی سے جاتے دیکھا  
 اور اس کی کامیابی اور حفاظت کی دعا کی۔



انہوں نے لیاڑھ کے ٹھکانے پر ریڈ کی تھی وہ سو رہا تھا انہوں نے بے خبری میں اسے جالیاتھا وہ اکیلا تھا اور ساتھ ایک کم عمر  
 ملازم لڑکا ان کے سامنے تھا وہ فوراً بے بس ہو گئے تھے۔  
 لیاڑھ کے تو وہ ہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی ایسے اس طرح آ کر پکڑ لے گا اور خصوصاً مصطفیٰ وہ تو رات نہ جانے مصطفیٰ کو



ٹھکانے لگانے کے کیا کیا منصوبے بنا تارہا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔  
 ”میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم مجھے اچھی طرح نہیں جانتے میں کس حد تک جاسکتا ہوں۔ تم مجھے گرفتار کر کے اچھا نہیں کر رہے۔“ وہ ہڈیان بک رہا تھا۔ مصطفیٰ کے اندر ایک دم غصے کا ابال اٹھا تھا۔  
 اس نے سچ کراس کے منہ پر پھٹ مارا تو وہ لڑکھڑا کر رہ گیا تھا ایاز کے منہ سے خون نکلنے لگا تھا۔  
 ”لے چلو اسے اس کے ہوش حواس تو میں ٹھکانے لگاتا ہوں۔“ مصطفیٰ کا لہجہ سخت اور آنکھوں میں سرد پن تھا۔ ایاز کے اندر ایک دم خوف اتر آیا تھا۔ وہ پہلے ہی سے مصطفیٰ کے ہاتھوں پٹ چکا تھا اسے اندازہ تھا کہ مصطفیٰ کے ہاتھوں پکڑے جانے پر اب اس کا کیا حال ہونے والا ہے۔  
 ”تم گھنیا ذلیل انسان، میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں میرا باپ تمہیں چھوڑے گا نہیں۔“ وہ غصے حد سے سے پاگل ہو رہا تھا۔

”اسے لے چلو۔“ مصطفیٰ نے سختی سے اپنے اہل کاروں کو حکم دیا تو وہ اسے گھسیٹ کر ہر لے گئے تھے۔  
 ایاز کا ملازم ہاتھ باندھے کھڑا کانپ رہا تھا جبکہ امجد خان کمرے کی حلاشی لے رہا تھا۔  
 ”کب سے ہو یہاں؟“ مصطفیٰ نے پوچھا۔  
 ”صاحب بہت عرصے سے ہوں صاحب نے کافی عرصے سے یہاں کی دیکھ بھال کے لیے رکھا ہوا تھا۔“ ملازم نے فوراً بتا دیا۔

”امجد خان اسے بھی لے چلو، اگر کوئی قابل زمت بات نکلی تو ایاز کے ساتھ ہی ڈال دینا اسے بھی ورنہ ضروری کارروائی کر کے چھوڑ دینا۔“ مصطفیٰ نے امجد کا رڈر کیا تو فوراً الٹ ہو گیا تھا۔  
 ”سرسر۔“ کمرے کی حلاشی سے انہیں اس کا پاسپورٹ نکلت اور کچھ ضروری چیزیں مل گئی تھیں انہوں نے وہ سب تحویل میں لے لیں تھیں۔ وہاں سے نکل کر مصطفیٰ ابھی گاڑی میں کمرہ بیٹھا ہی تھا کہ سوار کی کال آ گئی تھی۔  
 ”کیسے ہیں آپ؟“ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔ مصطفیٰ مسکرا دیا تھا۔  
 ”بالکل سون۔“

”اور جس کام کے لیے گئے تھے وہ سب ہو گیا۔“ مصطفیٰ نے دوسری گاڑی میں جوبایاز کو دیکھا۔  
 ”ہاں الحمد للہ ہو گیا۔“  
 ”شکر ہے میں تو بہت پریشان ہو رہی تھی۔“ اس کے لہجے میں تشویش تھی مصطفیٰ ہنس دیا۔  
 ”یہ سب تو میری جانب کا حصہ ہے کبھی دن کبھی رات نجانے کون ہی گولی کبتاے گی۔“  
 ”اللہ نہ کرے۔۔۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر رہے ہمیشہ آمین۔“ مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ تڑپ ہی تو گئی تھی مصطفیٰ بے اختیار ہنسا تھا۔

”محبت ہو گئی ہے کیا؟“ اندازہ چھیڑنے والا تھا دوسری طرف وہ خفا ہو گئی تھی۔  
 ”آپ کی فکر کرنا ایک فطری سی بات ہے یہی ہوں آپ کی۔“ خفگی بھرا لہجہ مصطفیٰ کے اندر گویا کسی نے جذبات کی تاروں کو چھیڑ دیا تھا۔

”ذرا نوازی ہے آپ کی ماتنے سے بھی نوازی دیتی ہیں، نہ نوازی میں تو ہم نے کون۔“ کوئی گلہ شکوہ کر لیتا تھا۔ مصطفیٰ نے مصنوعی بے چارگی سے کہا اس کے سامنے بھی اس کا گلے حکم کے خطر کھڑے۔ وہ فوراً ہار نکلا تھا۔ اس نے سب کو دیکھا اور پھر فریادیں سنی تھی۔



”او کے ابھی ضروری کام ہے آفس ہی جا رہا ہوں جب فارغ ہوا تو گھر کا چکر لگا لیتا ہوں ٹھیک ہے۔“ مصطفیٰ نے کہا اور پھر اللہ حافظ کہہ کر کال بند کر دی۔

”ایک ساتھی میرے ساتھ آجائے باقی سب کو امجد خان تم لے چلو میں بھی آفس ہی چلتے ہوں۔“ کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑانے لگی تھیں۔



اما اور سب کے منع کرنے کے باوجود وہ کالج آگئی تھی۔ بخارتورات بھر میں اتر چکا تھا؟ بن نقاہت سے زیادہ اس پر کسلندی اور بیزاریت نے غلبہ پارکھا تھا۔

شہوار بھی کالج آگئی تھی اسے دیکھ کر تشویش ہوئی تھی۔

”تمہیں بخارتا اور مجھے علم ہی نہیں کل سارا دن مصطفیٰ کے ساتھ گزرا سو کالج آنا سکی تھی ورنہ پتا تو چل جاتا تھا۔“

”ہاں بس معمولی سا بخارتا آج کل میں کور کر لوں گی۔“ سنجیدگی سے کہہ کر وہ اپنی بکس کی برف متوجہ ہو گئی تھی۔

پھر دوپہر کے بعد دونوں کو پھر بلیف ملا تو لان کے گوشے میں اپنی مخصوص جگہ پر آ بیٹھی تھیں۔ ان کے ساتھ دو تین اور لڑکیاں بھی آ بیٹھی تھیں۔ اسٹڈی پریز سنکشن ہوتی رہی تو دونوں مصروف رہی تھیں۔ شہوار کو کمرہ سے ملنا تھا وہ چلی گئی تو وہ بیزاریت سے بیٹھی رہی۔ نجانے کیا کیا سوچ رہی تھی سو بائبل بجا تو چوگی۔ کلاس کی کال تھی۔ نبانے کیوں یہ لڑکی اس کے پیچھے سیب کی طرح چٹ چٹکی تھی۔

”میں تمہارے کالج کے سامنے موجود ہوں مجھے تم سے ملنا ہے تم باہر آؤ گی یا پھر میں اندر آؤں۔“ چھوٹے ہی وہ کہہ رہی تھی اتنا کہ تیور بگڑے تھے۔

”کیا چاہتی ہو؟“

”لوگی تو بتا بھی دوں گی ویسے تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہوں۔“ دوسری طرف بلا کی سنجیدگی تھی۔

”میرا تم سے کوئی لینا دینا نہیں براہ مہربانی مجھے ڈسٹرب مت کرو، میں نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ کی تھی کہ تمہیں کالج آگئی۔“ وہ ایک دم پھٹ پڑی۔

وہ تو شکر تھا کہ اس وقت سبھی لڑکیاں ادھر ادھر ہو گئی تھیں وہ اس وقت یہاں تھا موجود تھی۔

”سوچ لو اگر میں اندر آگئی تو پھر بات بڑھ بھی سکتی ہے۔“ انداز دھمکانے والا تھا۔

”کیا کہنا ہے تم نے۔“ اس کی ادھمکی پر وہ ایک دم چٹکی تھی۔

”میرا اور تمہارا مشترکہ مسئلہ ولید ضیاء ہے اگر تم آرام و سکون سے میری بات سن لوگی تو اس میں دونوں کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور خصوصاً تمہارا۔“ کلاس کی بات پر وہ پچھویر کے لیے ساکت ہو گئی تھی۔

ولید تو واقعی اس کی ذات کا ایسا مسئلہ بن چکا تھا جس سے دستبردار ہونا زندگی سے منہ موڑنے کے مترادف تھا اور اسے ان حالات میں اپنا لینا ساری عمر کا نٹوں پر لوٹنے کی اذیت سہنا تھا۔

”تو پھر آ رہی ہو تم؟“ اتانے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ شش و پنج میں تھی ذہن کوئی بھی بات سوچنے پہنچنے سے قاصر تھا۔ بس وہ چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس اذیت سے نکل جائے۔

”ہاں ہوٹ کر میں آتی ہوں۔“ اس نے ایک دم حتمی فیصلہ کیا اور دوسری طرف کلاس نے کال بند کر دی تھی۔

وہ پچھویر پریشان سی بیٹھی رہی اور پھر ارادہ کر دیا کہ وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ



کاشف سے جان لے گی کہ بنید اور اس کا تعلق کس حد تک ہے اس کے بعد ہی وہ کوئی فیصلہ کرے گی۔ وہ اپنی بکس، قائل اور بیک لیے باہر نکلی تو کاشف نے اپنی بلیک گاڑی اس کے عین سامنے لاکر ٹکی کی تھی۔ کاشف کے ساتھ ایک لڑکی اور بھی تھی شاید اس کی دوست۔ وہ اتر کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی جبکہ کاشف کے کہنے پر انفرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

”بولو کیا کہنا ہے؟“ اس کا انداز بہت بگڑا ہوا تھا کاشف مسکرائی تھی۔

”اتنی جلدی بھی کیا سنا رام وسکون سے کسی جگہ بیٹھ کر بات کریں گے بی کول یار۔“ انا چوگی۔

”لیکن کہیں اور جانے کی ہمارے درمیان بات طے نہیں ہوئی۔“

”تو کوئی بات نہیں اب طے کر لیتے ہیں تم میرے ساتھ چل رہی ہو اور جب تک مگر نہیں چاہوں گی تم واپس نہیں جاسکتی۔“ کاشف کا انداز بلا کا عجیبہ تھا۔ انا نے حیرت سے دیکھا تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا میں تمہارے ساتھ کہیں بھی نہیں جا رہی میں صرف تمہاری بارت سننے آئی ہوں۔“ وہ اندر ہی اندر پریشان ہو چکی تھی۔

”پریشان مت ہو تم بھی صرف بات ہی کریں گے بس آرام وسکون سے بیٹھ کر۔“ لب کی بار کاشف کی بجائے اس کی دوست بولی تھی۔

انا نے ناگہی سے دونوں کو دیکھا اور خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ جبکہ گاڑی تیزی سے سڑک پر رواں دواں تھی۔



مصطفیٰ سارے امور نمٹنا کر لوٹا تو گھر میں مہر النساء اور شاہزیب دونوں موجود تھے شاہزیب صاحب آج شاید آفس نہیں گئے تھے باقی لائبریری آقا نظر نہیں آ رہے تھے۔ مصطفیٰ نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے بغور دیکھا۔

”امجد خان کا فون تھا وہ بتا رہا تھا کہ رات کے آخری پہر لیا تو گرفتار کر لیا ہے تم لوگوں نے۔“ انہوں نے پوچھا امجد خان مصطفیٰ سے زیادہ ان کا وقار تھا ہر چھوٹی موٹی بات ان کو ضرور بتانا تھا مصطفیٰ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا اور ساری کارروائی کے متعلق ان کو بتانے لگا تھا مہر النساء نے بھی خاموشی سے سب ہی کچھ سنا تھا۔

”چلو اچھا ہوا اب کچھ عرصہ تک سکون رہے گا۔ رات جب تک مصطفیٰ گھر سے باہر رہتا تھا میرا دل ہولناک رہتا تھا۔“ ماں جی نے ساری بات سن کر کہا تھا مصطفیٰ مسکرا دیا۔

”ایسے لوگوں کا آخر کار یہی انجام ہوتا ہے۔“ شاہزیب صاحب نے تبصرہ کیا۔

”اللہ سب کی اولاد کو ہدایت دے۔ ماں باپ کے لیے تو دکھ کی بات ہوتی ہے۔“ ان کا دل پھر بھی نرم تھا۔

”ہاں اس کے باپ اور گھر والوں تک اطلاع پہنچ چکی ہے وکیل کے ہمراہ اس کا باپ آج آفس آیا تھا لیکن اس بار کیس ایسا ہے کہ اس کی ضمانت بھی نہیں ہونے دوں گا میں۔“ مصطفیٰ کا انداز اٹل تھا۔ ماں جی نے اسے دیکھا اور گہرا سانس بھرا۔

”آپ دادلہ کے باپ سے ملیں اور اسے سمجھائیں تاکہ خواہ مخواہ کی دشمنی پالنے سے کیر فائدہ۔ عادلہ ہمارے بچے آقا کی ماں ہے ہم سب بھول کر اسے واپس لانے کو تیار ہیں اس کے باپ کو کہیں تاکہ وہ اپنی بیٹی کو سمجھائے۔“ مہر النساء کی بات پر شاہزیب صاحب ایک پل کو ٹھکتے تھے۔

”اب یہ ممکن نہیں۔“ انہوں نے کہا تو مہر النساء نے انہیں دیکھا۔

”لیکن آقا کے لیے تو کتنا بڑے گانا جو بھی ہے جیسی بھی ہے ماں جی کی۔“

”وہ سب ٹھیک ہے لیکن عباس اسے طلاق کے پتھر زخمی ہوا چکا ہے۔“ انہوں نے دہریے سے انکشاف کیا تو مصطفیٰ اور



جب	مقدر	دعا	غزل نہیں کرتے	کرتے	کرتا
میں	بھی	کوئی	نہیں	نہیں	ہو
دل	کا	دروازہ	رکھتا	ہوں	کرتا
خوف	دنیا	بند	نہیں	کرتا	کرتا
وقت	میری	عادت	ہے	درد	کرتا
اس	میں	کبھی	بد	دعا	کرتا
	سے	ہاتھ	تو	ملا	ہوں
	کے	آگے	جھکا	نہیں	کرتا
					رانی اسلام..... گوجرانوالہ

مہر النساء دونوں چونک اٹھے تھے۔

”کیا؟“ ماں جی نے گویا سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

”کب؟“

”کچھ دن پہلے کی بات ہے۔“

”اور مجھے بتایا کبھی نہیں۔“ ان کی زبان سے شکوہ پھلا تھا۔

”باقی لوگ پریشان ہوتے ہم نے عباس کو منع کر دیا تھا۔“ شاہزیب صاحب کالب و لہجہ پر سکون تھا۔

مہر النساء کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو مصطفیٰ نے آنکھیں سے انہیں ساتھ لگا لیا تھا۔

”میرا بیٹا، میں جانتی ہوں اس نے کس طرح عادلہ کے ساتھ گزارا کیا تھا لیکن آفاق کا کیا قصور تھا وہ تو ساری عمر کے

لیے ماں کی ممتا سے محروم ہو گیا۔“ ان کے رونے میں شدت آگئی تھی۔ لائیبہ آفاق کو لیے اٹھ آئی تو ٹھکی تھی۔

”کیا ہوا؟“ پریشان ہو کر پوچھا۔

”عباس نے عادلہ کو طلاق دے دی ہے۔“ انہوں نے روتے ہوئے بتایا تو لائیبہ بھی سانس رت رہ گئی انہوں نے اٹھ کر

آفاق کو اٹھا لیا اور ساتھ لگا کر جو ماتو پچھ اس قدر پیار پر لپکھلا کر رونے لگا تھا۔ مصطفیٰ نے اسے تھم لیا تھا۔

”ماں جی پریشان نہ ہوں یہ سب شاید ایسے ہی ہوتا تھا ہم سے عادلہ بھابی کے حوالے۔ سے ایک غلطی ہوئی تھی رہ گیا

آفاق تو اللہ بہتر کرے گا ان شاء اللہ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔ ہم سب موجود ہیں۔ رہ گئے عباس، بھائی اللہ نے ان کے لیے

بھی کوئی نہ کوئی خوشی لکھی ہی ہوگی۔“ مصطفیٰ نے ساتھ لگا کر تسلی دی۔

لائبہ نے اڑنہ آنکھوں کو دوپٹے سے صاف کیا تھا۔

”عباس کے سامنے اب ہا رہا یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں وہ زبان سے کچھ نہیں کہتے لیکن میں سمجھ سکتا ہوں کہ

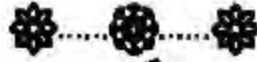
اندرونی طور پر خود بہت ہرٹ ہوا ہے۔ اس کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھیں چاہے خاندان سے ہا رہا اب میں اس کے

معاظے میں مزید تاخیر نہیں کروں گا۔“ شاہزیب صاحب کہہ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”میرا بچہ۔“ مہر النساء کے دل سے پھر ایک ہوک اٹھی تو انہوں نے دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑنا شروع کر دی



تھیں۔ سب نے خاموشی سے ان کو دیکھا تھا۔



وہ ان دونوں کے ہمراہ جس جگہ آئی تھیں وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا ان کے ہمراہ چلتی وہ ایک کمرے میں آگئی تھیں۔ انا کو رہ کر اپنے فیصلے پر پچھتوے کا احساس ہوا تھا کہ اسے ان دونوں کے ہمراہ نہیں آنا چاہیے تھا۔ اسے ان دونوں لڑکیوں کے تئیں اچھے نہیں لگ رہے تھے وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی کلاخہ اور اس کی ساتھی نے اس سے بکس اور بیگ لے لیا تھا۔

”یہ تم کیا کر رہی ہو۔“ انا ایک دم حیران رہ گئی تھی۔

”تم ہماری مہمان ہو آ رام و سکون سے بیٹھ جاؤ چائے منگواتی ہوں وہ پیو اور ہماری بات سنو۔“ کلاخہ کا انداز اذ حد سنجیدہ تھا اس نے اس کے بیگ کو کھول کر دیکھنا شروع کر دیا تھا اور پھر ایک کونے سے موبائل نکال کر اس کا سوئچ آف کر دیا تھا۔

”یہ سب کیا ہے؟“ وہ چنجی۔

وہ سمجھ سکتی تھی کہ وہ ان دونوں لڑکیوں کے ہاتھوں دھوکہ کھا چکی ہے نجانے اب ان دونوں کا کیا ارادہ تھا اور اس کے ساتھ کیا ہوئے والا تھا۔ وہ ایک دم اپنا چکر اتار کر تھم کر بیٹھ گئی تھی۔

”ارے ابھی تو ہم نے کچھ کیا ہی نہیں تم ابھی سے ہمت ہار گئی۔“ کلاخہ طنزیہ انداز میں کہتے اس کے قریب آئی تھی۔

وہ جو پہلے ہی غمگین تھی اب ایک دم بے دم سی ہو گئی تھی۔

”کیا چاہتی ہو تم؟“ اس کی آواز بالکل لرز رہی تھی۔

”ولید کو۔“ وہ گھٹیا انداز میں ہنسی تھی۔

”مجھے یہاں کیوں لائی ہو۔“

”اپنی صحیح کرلو میں لائی نہیں تم خود اپنی مرضی سے چل کر آئی ہو۔“ انا کو لگا اس کی آنکھوں کے آگے تارے بنا چنے لگے ہوں۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھا۔

”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، جارہی ہوں میں۔“ بے یقینی کے سحر سے نکل کر ایک دم اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ کلاخہ ایک دم اس کے رستے میں آئی اور اس کی دوست نے آگے بڑھ کر دروازہ ہلاک کر دیا تھا۔

”اب تم ہماری قید میں ہو اور تم تب تک یہاں سے نکل نہیں سکتی جب تک میں نہیں چاہوں گی۔“ کلاخہ کا لب و لہجہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھا۔ انا کو لگا کہ جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پر آن گری ہے۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو گھورے جا رہی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)







ستارہ خوب صورت ہے کہ ذرہ خوب صورت ہے  
 ابھی یہ فیصلہ ہونے کو ہے، کیا خوب صورت ہے  
 یہ مانا عشق کی تقدیر میں اجرت نہیں کوئی  
 مگر یہ بھی تو دیکھو، کام کتنا خوب صورت ہے

شندھی گہری آہ لے کر اپنی دوسری سمت دیکھا تو میرے  
 شوہر دونوں بچوں کے ہمراہ اپنے میل میں مگن بال اجمال  
 اجمال کر ایک دوسرے کی طرف۔ پھینک کر لطف اندوز  
 ہو رہے تھے۔ مجھے اپنے سیدھے ہاتھ کی بندھنی پسینے سے  
 تر محسوس ہوئی تو میں نے اپنی بندھنی کھول دی چاہیوں کا  
 ایک چھوٹا سا گچھا پھسل کر میری انگلی میں آ کر لہرانے لگا۔  
 چاہیوں کے اس گچھے کی کھنک۔ سے میں الجھ گئی۔ میرے  
 ماتھے پر کئی شکنیں نمودار ہوئیں میں نے جلدی سے وہ  
 چاہیوں کا گچھا اپنی بندھنی میں دو رہ قید کر لیا۔ دل زور زور  
 سے دھڑکنے لگا ایسا لگا جیسے کسی۔ دل کا دروازہ بڑی طرح  
 کھٹکنا دیا ہو دروازے کے باہر بہت سا شور اٹھنے لگا۔

”جایاں..... میرا..... اپنا گھر..... میرا اپنا  
 گھر..... گھر.....“ میری آنکھیں بھینکنے لگیں میں نے  
 بیٹھی آنکھوں سے سمندر کی سمت دیکھا سمندر کا پانی  
 شور مچا رہا تھا۔

میرے اندر سے اٹھنے والی آوازیں اور تیز ہو گئیں اتنی

سمندری گیلی ریت میں میرے خشک کھردرے  
 پاؤں دھسنے جا رہے تھے میرے پیاسے پاؤں گیلی ریت  
 کی نرمی و ٹھنڈک کا احساس پا کر ایک عجیب سی لذت سے  
 سرشار تھے۔ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھانی ایک الگ سمت کی  
 جانب رواں گئی میں نے گردن موڑ کر سمندر کی  
 وسعتوں میں جھانکا۔ کتنا دل فریب منظر تھا ہوا کے تھینے سے  
 بہرائی جھومتی موجوں کو کچھ اوپر تک اجمال رہے تھے یہ  
 چمکتی کودتی موجیں کنارے پر آ کر سست پڑ جاتیں۔  
 دھیرے سے لہروں کا میرے پیروں کو چھو کر گزر جاتا مجھے  
 چھا لگ رہا تھا۔

سمندر کے کنارے کھڑے رہ کر یونہی دیر تک انہی  
 موجوں سے لطف اندوز ہونا میری کمزوری تھی۔ یہ ٹھنڈی  
 لہریں میرے پیروں کو چھوتی تو جیسے پورے جسم میں  
 ٹھنڈے کرنٹ کی لہریں دوڑنے لگتیں۔ میرے وجود پر  
 رکھی بھاری سنہیں آہستہ آہستہ سرک رہی تھیں۔ میں آج خود  
 کو سترہ برس بعد ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ میں نے ایک



تیز..... اتنی تیز کہ انہیں سمندر کا شور بھی نہ نکل سکا۔



میں جلدی جلدی روشنی کے کام سینے میں مصروف تھی کہ اچانک میری نظر تادمے کے ستون سے ہونی بچن کی چھت پتا کر جم ہی گئی۔ چڑیا منہ میں تنکا دباے چھت کے چاروں طرف پھڑ پھڑ رہی تھی میں اس چڑیا کو روز ہی منہ میں تنکا دباے دیکھتی وہ کبھی ایک طرف پھڑ پھڑاتی تو کبھی دوسری طرف شاید اسے اپنا گھونسلہ بنانے کے لیے کسی خاص جگہ کی تلاش تھی۔ بچن کی چھت دھوپ اور بارش کے لیے شینڈ کی طرز پر بنائی گئی تھی اس کے ساتھ لگے پتیل کے درخت کی سوچی جڑیں اس شینڈ پر گرتی رہتی تھیں۔ اس کی مستقل مزاجی مجھے بہت لبعائی اور میں ہر روز کچھ دیر یہ منظر دیکھنے کے لیے کھڑی ہو جاتی۔

آج چڑیا نے بچن کی کھڑکی کے نیچے کھیلے میں گئے منی پلانٹ جو چھت کے گرد چکر لگاتے جا رہی تھی اپنا ٹھکانہ ڈھونڈ ہی لیا۔ یہ منی پلانٹ اس کونے میں کچھ ماہ پہلے میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ میں نے مسکرا کر چڑیا کی اس جگہ دو دو کو سراہتی نظروں سے دیکھا پھر بچن کی بھراؤ دینے کا خیال آیا۔ اندر سے خالہ ساس کی مستقل آوازیں آ رہی تھیں۔

میں نے سر ہٹک کر جھاڑو تھام لی اور کسی مشین کی طرح جیسے میرا بچن آن ہو گیا تھا۔ میں جانتی تھی میری خالہ ساس وقت کی بے حد پابند ہیں وہ گھر کے طے شدہ کاموں میں پانچ منٹ کی تاخیر بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ شادی کے بعد زندگی کی ڈور جیسے گھڑی کی سوئیوں کی نذر ہو گئی تھی۔ اگر کسی کام میں دیر ہو جاتی یا خالہ ساس کے بتائے ہوئے کاموں میں میں کچھ رو دبدل کر دیتی تو اس کا خمیازہ خالہ ساس کے لٹکے منہ اور کڑے تیوروں کا سامنا کر کے دینا پڑتا پھر ساس کے آگے پیچھے کتنا ہی پھر لو معافی تلافی مانگنے کے باوجود وہ اپنا موڈ ایک ماہ سے پہلے بحال نہ کرتیں۔

میں ان کے رویوں کی جلد ہی عادی ہوئی شروع میں

مشکل ضرور ہوئی، تکلیف جی ہوئی لیکن جب دیکھا ساس کا رویہ شوہر کی بے حسی۔ کتا گے مزید سر چڑھ کر بولتا تھا تو میں نے خود سے ہی ہار باریں لی اور اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دیئے۔ میری اکلوتا خالہ نے اپنے اکلوتے بیٹے کی پسند کی خاطر اس رشتے کے لیے کتنی ہی پیش کشیں کیں شاید میں ان کی ذاتی پسند میں شامل نہ تھی اور جب شادی کے ذکر پر حسن نے مجھ ہی سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو خالہ چپ سی ہو گئیں شاید انہیں یہ توقع ہو کہ ان کا فرماں بردار بیٹا یہ حق انہیں بے ادبی سے سونپ دے گا لیکن مجھ سے ہی شادی پر اصرار شاید ان کی انا کوٹھیس پہنچا گیا تھا۔

ہم دونوں کی شادی دھوم دھام سے ہوئی جس دن میں خالہ کے گھر لہسن بن سائی میں بھانجی سے بہو اور وہ خالہ سے ساس بن گئیں۔ وہ پرت پرت میرے سامنے کھلتی چلی گئیں شادی کے دوسرے دن میں خود سے ناشتا بنانے بچن میں چلی آئی خالہ کو کام میں مگن دیکھ کر میں نے چاہا کہ ان کا ناشتا اپنے ہاتھ سے بناؤں۔

”میں اپنا ناشتا خود بناتی ہوں تمہیں جو ناشتا کرنا ہے بناؤ حسن کا بھی۔ ہاں ناشتا بجے سے پہلے کر لیا کرو یوں گیارہ گیارہ بجے سب کراٹھنے کی عادت اپنا کر میرے گھر میں فوسٹ نہ ڈال دینا۔“ وہ بڑے آرام سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں شاید وہ بھول گئی تھیں کہ وہ ایک دن کی کہن سے ہی سب ہیں پھر آہستہ آہستہ مجھے احساس ہونے لگا کہ خالہ ساس ”اپنے گھر“ میں مقررہ کاموں میں رو دبدل برداشت نہیں کرتی تھیں۔

”حسن! میں سوچ رہی تھی کہ میں نے گھر کی تھوڑی سی سیٹنگ بدلی جائے۔“ میں نے اپنے دل میں دلی خواہش کا ذکر اپنے شوہر سے کیا جو اخبار پڑھنے میں مشغول تھے۔ میں آرٹ کی دلدادہ خود بھی آرٹسٹ تھی فائن آرٹ کا ڈپلومہ میرے سائڈ چیئر پر لٹا کر بول رہا تھا۔

”ہاں تو تمہارا اپنا گھر ہے امی سے پوچھ لو جو کرنا چاہ رہی ہو کر لو۔“ وہ بے پروائی سے مجھ پر نگاہ ڈالے بغیر بولے۔



روزگارنگ کہانیوں کے آراستہ دلچسپ چرچہ

AANCHALPK.COM

تازہ شماره شائع ہو گیا ہے



قلندرات

دنیا کو تخریر کرنے اور انسانیت کو اپنی انگلیوں پر چھالنے  
والے ذات کے قلندروں کا حوالہ ابد جاوید کی قلندرات تخریر

وید بان

عالی سہاروں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے  
لیے بطور خاص ارشد علی ارشد ایک دلچسپ ناول

جگر سینگھ

سائیک کے صفحات میں مختصر اور مین پنجاب کی ایسی  
دلگداز داستان جھلا کر اساتذہ اعلیٰ میں شہرہ ہوتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

قارئین کی دلچسپی کے لیے نئے نئے صورت سلسلے

خوشبو سخن: منتخب غزلیں، نظمیں۔۔۔ وق آگہی اقتباسات

اقوال زریں احادیث وغیرہ معروف دینی اسکالر حافظ

شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل جانے

پہچاننے کی صورت میں روزوں (021-35620771)

”اپنا گھر۔“ میں منمنائی ماہوں دل میں گرہ ڈال کر بیٹھ  
گئی۔ یہ دو لفظ جیسے میں نے کتنی بار سن رکھے تھے خالہ  
ساس سے اپنی اس خواہش کا ذکر میں پہلے ہی کر چکی تھی  
لیکن وہ سنتے ہی بھڑک اٹھیں۔

”بی بی! میرے مرحوم شوہر نے اس گھر کو جس محبت سے  
جیسے سجایا ہے وہ وہی سہا رہے گا جب تک میں زندہ ہوں اپنے  
گھر کو ہنس نہیں کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دلوں گی۔“  
”مگر امی اسے تمہیں نہیں کرنے کو میں نے ہرگز نہیں  
کہا میں تو صرف تھوڑی سی جھاڑ کر کے گھر کی سیڑھ  
بدلنے کا کہہ رہی ہوں۔ دیکھیں تھوڑی سی تبدیلی آپ کی  
آنکھوں کو بھی اچھی لگے گی اور گھر میں نیا پن بھی جھلکے گا۔“  
میں نے نرمی سے ان کے ہاتھ تھام کر سمجھانا چاہا تو انہوں  
نے میرے ہاتھوں کو پرے کر دیا۔

”بس میں نے کہہ دیا جو کہنا تھا اب جا کے بچن میں  
جھاڑ لو کچھ تو جہاں طرف بھی دے لیا کرو۔ دیواروں پر  
جالے لگ رہے ہیں صرف چار برتن دھو کر کمرے میں  
گھس جانے سے صفائی نہیں ہو جاتی۔“ خالہ ساس کا دو  
ٹوک انداز دیکھ کر میں مزید کچھ سنے بغیر بچن میں آ گئی۔  
پورا بچن بے ترتیبی سے پھیلا ہوا تھا ناشتے کے برتن  
دھونے کے بعد میں نے بچن میں پھیلی چیزیں ان کی جگہ  
پر رکھنی شروع کیں۔ شادی سے پہلے میں کتنی موڈی ہوا  
تھوڑی تھی لیکن شادی کے بعد اپنے سارے موڈ بھول گئی  
اب تو صرف ساس کا خراب موڈ سر پر سوار رہتا۔

حسن سے جب بھی خالہ ساس کی شکایت کرنے کی  
کوشش کرتی تو ان کا رویہ سرد ہو جاتا پھر میں نے اپنے  
ہونٹوں پر چپ سا دھ لی۔ اپنی ذہنی پورش سے بچنے کی  
خاطر اپنے آپ کو جسمانی طور پر گھر کے کاموں میں  
مصروف کر لیا سال بھر میں میری گود میں آ مشا گئی۔ سارا  
دان آ منہ اور گھر کے کاموں میں مصروف رہنے لگی۔ اب  
کوئی خواہش دل پر مسلط نہ تھی آ منہ کو گود میں لیے گھر کا کام  
رنا بے حد کٹھن تھا لیکن کیا کرتی خالہ ساس آ منہ کو کسی طور  
سنجانے کے لیے تیار نہ تھیں یہ نہیں تھا کہ انہیں پوتے کی



خواہش تھی بلکہ ان کی عبادت میں غفل پڑتا۔ تسبیح کے دانے تیزی سے گرائی وہ آمنہ کو میری گود میں دیکھ کر نظریں پھیر لیتیں۔ کیا ہمیں ایسی ہی عبادتوں کی تلقین کی گئی ہے کیا مخلوق کی خدمت کسی عبادت میں شامل نہیں۔ کیا اخلاقیات بھی عبادت کے حصے سے خارج ہے؟ میرا دل خالہ ساس کے بے حس رویے پر کھستا رہتا لیکن ان کے رویوں کے آگے میں بے بس تھی۔ آمنہ کو ساتھ لیے گھر کے کام کرنا میرے لیے کتنے مشکل ہو جاتے اس کا اندازہ رات کو گھٹن سے چور میرا جسم ہلہلا کر دیتا تھا۔

”اے اللہ مجھ اپنی مخلوق سے بے نیاز کر دے۔“ یہ دعا اکثر میرے لبوں پر رہتی اور میں آمنہ کو اپنے آنچل میں چھپائے اسی دعا کا ورد کرتے کرتے سو جاتی۔

☆.....☆

”خالہ امی! آمنہ کی طبیعت پھر خراب ہوئی تھی ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ گھر سے کارپٹ اٹھا لیں۔ قالین اس کے لیے خطرناک ہے آمنہ کو الٹھی ہو گئی ہے سب یہ گھنٹوں گھنٹوں چلنے لگی ہے کہاں تک اسے روکوں گی۔ ہمارا پورا حرفل کارپٹ ہے اگر آپ کہیں تو کچھ عرصے کے لیے گھر سے قالین اٹھا دیتے ہیں۔“ میں نے جھکتے ہوئے کہا۔

”اسے الٹھی ہے تو اپنے کمرے تک رکھو میرے پودے گھر کو ویسے ہی اس نے تم پلیڈ نہیں کر رکھا۔ ڈرائنگ روم کے قالین کا بھی تمہاری بیٹی نے ناس مار دیا ہے۔“ خالہ تنگ کر بولیں وہ نماز کی پابند نہیں اور اس معاملے میں خاصی دہمی بھی تھیں۔ آمنہ کی طبیعت کافی دن سے خراب تھی اسے الٹھی ہو جاتی ڈاکٹر نے اس کا حل جو تجویز کیا وہ خالہ ساس کی نظروں میں کسی اہمیت کے لائق نہ تھا پھر میں نے مجھ پر آہستہ آہستہ آمنہ کو کمرے تک محدود کر دیا۔ آمنہ تین سال کی ہوئی تو فواد میری گود میں آ گیا اور میری مصروفیت کا دائرہ مزید بڑھ گیا جبکہ خالہ ساس کی تنگ نظری کا دائرہ مجھ پر مزید تنگ ہونے لگا۔ وہ گھر جسے اپنا بنانے کی خاطر میں نے خود کی لٹی کر ڈالی اصل میں میرا تھا ہی نہیں۔

خالہ ساس کا جتلیا ہوا انداز کہ یہ گھرانہ کا ہے اب معصوم بچوں پر بھی رہنے لگا تھا اس گھر میں رہتے ہوئے بھی اس کا ایک ایک کوٹا میرے اور میرے بچوں کے لیے بیگانہ تھا۔ اپنے ہی گھر میں اجنبیوں کی طرح رہتے پندہ پریں بیت گئے۔ میری ساس جو کئی برس سے دل کی مریض تھیں رضائے الہی سے، ایک دن اچانک اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ موت برحق۔ بوقت بھی ایک جیسا نہیں رہتا۔ زندگی کا پہیہ بھی ایک جا نہیں رکا رہتا چلتا رہتا ہے لیکن اپنے تلخ نعوش دلوں پر چھوڑ جاتا ہے۔ اپنی وفات سے چند دن پہلے بستر پر بیٹی خالہ ساس نے خاموشی سے وہ چاہیوں کا پٹھا میری تھمبی پر رکھ دیا میں انہیں حسرت سے دیکھتی رہی۔ یہ وہ چاہیوں تھیں جسے چھونے کی بھی مجھے اجازت نہ تھی۔

”یہ لو..... اب یہ گھر تمہیں سونپ کر جا رہی ہوں تمہیں اب اندازہ ہو گیا ہوگا کہ تنگے سے گھر کس طرح بنتا ہے۔“ خالہ ساس دنیا سے رخصت ہو گئیں میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی لیکن حقیقت میں وہ مجھے بہت کچھ سمجھاتی تھیں۔

☆.....☆

ہر طرف ناموشی تھی سمندر کی لہروں کا شور بھی پرسکون تھا ایک گہرا سکون..... ایسا لگتا تھا جیسے میرے جذباتوں کا بحر بن پہنے سمندر بھی بہت شور مچانے سے گریزاں تھا۔ میں نے اپنی بند مٹھی کھول کر چاہیوں کے کچھ کی طرف دیکھا۔

”لو سنبھالو اپنا گھر.....“ خالہ ساس کا مجھے چاہیاں دیتے وقت کہا جملہ کانوں میں گونجا میں نے اپنی مٹھی بند کر لی۔ اپنے گزرے تلخ پلوں کو وہیں مٹی کے ڈھیر میں دفن کر دیا۔ میں نے اپنے شوہر کو بچوں میں ٹھن دیکھا اور ان کی طرف بڑھ گئی یہ وہی سمت ہے جہاں میری منتظر صرف خوشیاں ہی خوشیاں ہیں اور میرا ”اپنا گھر.....“

☆





دن تمہارا ہے شب تمہاری ہے  
 عمر جتنی ہے سب تمہاری ہے  
 کیوں نہ رشک اپنی زندگی پر کروں  
 پہلے میری تھی، اب تمہاری ہے

ایڈلف نظر کہتا ہے  
 ”میں آپ کے لیے جنگ کا انتخاب کرتا ہوں تاکہ  
 محبت کا کیونکہ جنگ میں آپ یا تو زندہ رہتے ہیں یا  
 مر جاتے ہیں لیکن محبت میں آپ نہ تو زندہ رہتے ہیں نہ  
 مرتے ہیں۔“  
 پھر ایڈلف نظر کے اس قول کو فرہاد علی کی محبت نے سو  
 فیصد سچ ثابت کر دیا اور شیریں ریحان..... تم زندگی اور  
 موت کی درمیانی کشمکش میں دن رات زندگی اور موت کی  
 جنگ لڑ رہی ہو۔ شیریں ریحان تمہارا دل آج فرہاد علی کی  
 محبت میں قطرہ قطرہ لہو کی بوند بن کر پھل رہا ہے اور تم  
 فرہاد کی سی کیفیت میں کرب و اذیت کی دلدل میں ہی  
 دھنکتی جا رہی ہو۔“  
 ”محبت..... ہا.....“ یہ چار حرفی غظ اپنے اندر دو کے  
 اتنے گہرے پاتال رکھتا ہے کہ تم اس پاتال کی اتھاہ  
 گہرائیوں میں نیچے اور نیچے ڈوبتی جا رہی ہو باہر تند و تیز  
 آندھی چل رہی ہے ہوا کا شور اور درختوں کا احتجاج ایک  
 خوف دہرا اس کو جھم دے رہا ہے..... ہر طرف دھول اور مٹی  
 اڑ رہی ہے درخت اپنے سوکھے زرا پتوں کو ناکارہ بوجھ کی  
 طرح اتار کر پھینک رہے ہیں اور کچھ مایسا ہی طوفان بلا خیز  
 تمہارا۔ عاصف بھی جا رہی ہے۔  
 فرہاد علی کی محبت کی کئی تمہارے۔ من کے آنگن میں  
 اس وقت کھلی ہے جب ہر طرف پرورد موسم کی  
 راجد جانی ہے اور اب تم یادوں کے پت جھڑ درختوں  
 میں بیٹھی ہو اور تمہارے جسم و جاں بھی اسی موسم کی زد  
 میں ہیں۔ لمن کی رُت کی تنہائی محسوس اب گہری  
 اداس اور ویران شاموں میں ڈھلا گئی ہیں اور تم بھی  
 انہی اداس شاموں کا ایک حصہ ہو۔  
 فرہاد علی..... جو تمہارے لیے ایک عام سالز کا تھا۔  
 دراز قد، گندی رنگت، بھورے بال جو ہمہ وقت اس کی  
 کشادہ پیشانی پر بکھرے رہتے تھے، بھوری آنکھیں جو  
 اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتی تھیں۔ اردو ڈیپارٹمنٹ کا وہ  
 سب سے ذہین و فطین اسٹوڈنٹ اور کمال کا شاعر تھا وہ



ضرور بن گیا۔

”فرہاد! یہ کیا پاگل پن ہے؟“ مجھے دور شدید کہرے میں ڈوبی سڑک پر دم سا ہیولہ دکھائی دیتا تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس جاتا اور کندھوں سے پکڑ کے جھنجھوڑتا وہ چند ثانیے خالی خالی نظروں سے مجھے نکلتا پھر آہستگی سے میرے ہاتھ کندھوں سے ہٹا کر پھر کہیں دور گہری دھند میں گم ہو جانے کے لیے لڑتا۔

”فرہاد مت کرو یہ ظلم۔“ میں اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے احتجاج کرتا۔

”دیکھو فرہاد! یہاں بہت شہنشاہی ہے تم بہار پڑ جاؤ گے چلو گھر چل کے گرا کر گم کافی اور ڈرائی فردوس پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔“ لیکن وہ میری طرف دیکھتا تک نہیں جیسے کسی گہرے خیال میں ہو میری طرف دیکھے گا تو اس کا گیان ٹوٹ جائے گا۔

”میں تمہیں ایک وظیفہ بتاتا ہوں محبوب کو زیر کرنے کا۔“ میں شرارت سے کہتا تو لحو بھر کے لیے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور پھر فوراً ہی ان میں دھند سی بھر جاتی اور میرے وجود میں دور دور تک سنساہٹ دوڑ جاتی لیکن اس کی بے بازی میں سرسوزی نہ آتا۔

”دیکھو فرہاد! تم نے اپنی یہ روش نہیں چھوڑی تو میں خودکشی کر لوں گا۔“ تمہیں پتا ہے ماں میں اپنے والدین کا اکلوتا چشم و چراں ہوں اگر مجھے کچھ ہو گیا تو انہیں کتنا دکھ ہوگا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری اوج سے کسی کے ماں باپ کو دکھ پہنچے؟“ میں اس کے پیچھے بھاگتا ہوا کہتا تو وہ رک جاتا اور شاید یہی اس کی دکھتی رگ تھی۔ سارے جہاں کا درد اپنے دل میں رکھ سکتا تھا لیکن کسی کو دکھ دینے کے خیال سے مجھی اس کی جان جاتی تھی۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے میرے ساتھ ہو لیتا میں اپنی مثال اتار کر اس کے گرد لپیٹتا۔ اپنے جو گرز اتار کر بروستی اس کے پاؤں میں پہناتا پھر ہم گھر پہنچتے۔ میں اسے چٹلے سناٹا اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتا اس کے سروں کی ٹانگیں توڑتا اور اسے ہنسانے کی ہر ممکن کوشش کرتا لیکن اس کی سنجیدگی کی دیوار میں دراڑ تک

لغظوں کا کھلاڑی بلکہ جاوہر تھا۔ خوب صورت لب و لہجے میں جب وہ بات کرتا تو گویا مقابل سے اس کی قوت گویائی سلب کر لیتا۔ سونے پر سہاگہ اس کی طبیعت کا ٹھہراؤ اس کی شخصیت کو پڑا اثر اور بادقار بنانے میں مدد و معاون تھا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ شخص اپنی وجاہت اور سادگی میں اپنی مثال نہ رکھتا تھا۔ عام سی شکل و صورت کے باوجود وہ اپنے اندر اتنی خوبیاں رکھتا تھا جو کسی بھی لڑکی کو اس کا دیوانہ بنا سکتی تھی۔

شیریں ریحان! وہی شخص تم جیسی عام سی لڑکی کی محبت میں زندگی سے ہاتھ چھڑا کر موت کی تاریک واویلوں میں گم ہو گیا۔

شیریں ریحان! تم نے فرہاد علی کی آخری کتاب ”کیا دیا محبت نے“ کے پیچھے چھپی تصویر کو دیکھا اس کی کشادہ پیشانی پر نکھرے سنہرے بال اور دو چمک دار سنہری آنکھیں جو مجسم سوال بنی تم سے پوچھ رہی ہیں۔

”کیا دیا محبت نے“ تمہاری آنکھوں سے آنسو ٹپک کر تصویر پر گرے۔

”فرہاد علی! تمہیں محبت نے کچھ بھی دیا ہو مجھے تو صرف آنسو دیئے ہیں۔“ تم نے کہتے ہوئے اس کی تصویر پر اپنے لب رکھ دینے باہر طوفان ایک دم غضب ناک ہو گیا تھا پھر تم نے گلاں و نڈو سے لان کا منظر دیکھا جہاں کئی درخت اس طوفان کی زد میں آ کر جڑ سے اکھڑ چکے تھے۔ کچھ ایسی ہی اکھاڑ پھماڑ تمہارے اندر بھی جاری تھی تمہارے ہاتھ میں پاڑی کتاب کے اوراق پھر پھرا رہے تھے۔ میں خاموشی سے تمہارے پاس سے اٹھ کر چلا گیا۔



سرد ٹھنرتی راتوں میں بخ بستہ سڑکوں پر بیٹھے پاؤں چلتے جب وہ ٹھنڈی آہ بھرتا تو میرے دل پر چوٹ لگتی۔ میں تڑپ کے اپنے گرم بستر سے لٹھکتا اور دیوانہ وار اسے ڈھونڈتا۔

”شیریں ریحان! تمہاری محبت نے اسے کوچہ گرد بنا دیا ہے تمہارے عشق میں اگر وہ کوہکن نہیں بنا تو مجھوں



نے اس کے بازو پر چٹکی کاٹی تو وہ کراہ اٹھی۔  
 ”آئیے میں آپ کو بتاتی ہوں۔“ تم نے اٹھتے ہوئے  
 سنجیدگی سے کہا۔

”شہرینہ تم؟“ وہ ساری لڑکیاں بے ہوش ہو کر ایک  
 دوسرے کے اوپر گر گئیں جب کہ تم نے انہیں نظر انداز کر دیا  
 اور ہمیں چلنے کا اشارہ کیا۔ تم نے اسٹینک کلر کا سوٹ  
 پہن رکھا تھا جو تمہارے چہرے سے تقریباً ہم رنگ تھا۔  
 گلابی دوپٹے کے ہالے میں تمہارا چہرہ بہت روشن تھا  
 خوب صورت آنکھیں اور گھنی پلکیں گلابی ہونٹ۔

تم تو اچھے خاصے شہر حسن کی، لکھنؤ میں نے کن  
 آنکھوں سے تمہیں دیکھا۔

”اسی کوریڈور سے دائیں طرف۔ مڑ کر سیدھے چلنے  
 جائیں سامنے اردو ڈیپارٹمنٹ ہے۔“ تم نے بتایا تھا۔

”شکریہ ڈیئر سسٹر!“ میں نے شرارت سے کہا۔  
 ”خیر۔“ تم مسکرا کر بولیں اور پھر ایک اچھتی ہوئی سی  
 نگاہ فریڈلٹی پر ڈال کر واپس مڑ گئیں۔

”کیا قیامت تھی یارا“ میں تمہارے جاتے ہی اپنی  
 اہلیت براہ آ یا۔

”شرم کرو تمہاری تو سسٹر ہے۔“ فرہاد نے جتا کر کہا تو  
 میں ہنس دیا۔

”اور تمہاری؟“ میں نے براہ راست اس کی آنکھوں  
 میں جھانک کر پوچھا تو اس نے بے نیازی سے کندھے  
 اچکا دیئے تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلتے جب ہم  
 مطلوبہ مقام پر پہنچے تو وہاں کنسٹرکشن کا کام ہو رہا تھا۔ تم  
 بہت سہولت سے ہمیں فول بنا گئی تھیں، میں غصے سے بے  
 قابو ہونے لگا تم جیسی چھٹانک بھر کی لڑکی کے ہاتھوں فول  
 بن جانا میرے لیے سراسر توہین مگرا جبکہ فرہاد علی بہت  
 مظلوم ہو رہا تھا۔

محبت پہلی نظر میں ہو جاتی ہے یا ہر بار بار ملنے پر بھی  
 نہیں ہوتی اور فرہاد علی پہلی ہی نظر میں نہہارا اسیر ہو گیا تھا۔  
 تمہاری اس معصوم سی شرارت نے فرہاد علی کے دل میں  
 ایک میٹھا میٹھا سا درد جگا دیا تھا اور فرہاد علی کون اور اتنی

ذماتی حالانکہ ایک وقت تھا جب اس کی مسکراہٹ کی ایک  
 دنیا دیوانی تھی چونکہ جب وہ مسکراتا تھا تو اس کی آنکھیں  
 اس کے ساتھ مسکراتی تھیں اور ان آنکھوں کے دیئے ہمیشہ  
 روشن رہتے تھے۔

”تمہیں یاد ہے شیریں! ایک بار جب اسے اپنے  
 آپ میں گم مسکراتے ہوئے دیکھ کر تم نے کہا تھا۔“ آپ کو  
 پتہ ہے کامران! فرہاد اتنا کیوں مسکراتے ہیں؟“ تو میں  
 نے نشی میں سر ہلا دیا تھا۔

”اس لیے کہ انہیں پتا ہے کہ یہ مسکراتے ہوئے بہت  
 اچھے لگتے ہیں۔“ فرہاد کی مسکراہٹ تمہارے اس تعریفی  
 جملے پر گہری ہو گئی تھی اور آنکھوں کے دہپے کچھ اور روشن  
 ہو گئے تھے۔

”تمہیں یاد ہے شیریں! وہ یونیورسٹی میں ہمارا پہلا دن  
 تھا جب میں فرہاد کا ہاتھ تھا سے ادھر ادھر گھوم رہا تھا ہر  
 طرف نئے اور انجان چہرے افراتفری شور مچا رہا تھا۔ ہم  
 دو دن بھی بے فکری سے گھوم رہے تھے جب ایک مترجم اور  
 شریا آواز ہماری سماعتوں سے لگرائی۔“ ہم بھی پڑے ہیں  
 راہوں میں“ ہم نے مڑ کر دیکھا شاہ بلوط کے درخت کے  
 نیچے تین چار لڑکیاں بڑی بے فکری سے چیٹھی تھیں، میں فرہاد  
 کو گھینچتا ہوا وہاں چلا آیا۔

”چلو! سلام دعا کرتے ہیں۔“

”دیگرگی تم کھانے میں شکر ہے پھر بھی آئے تو۔“ وہ جو  
 بھی کوئی بھی اس کی آواز بہت خوب صورت تھی۔

”آداب عرض ہے۔“ میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر  
 قدرے جھک کر کہا۔

”ہم بھی جو بابت تسلیم عرض کرتے ہیں۔“ سب لڑکیاں  
 بیکے آواز بولی تھیں۔

”ڈیئر سسٹر! اردو ڈیپارٹمنٹ کدھر ہے؟“ میں نے  
 سنجیدگی سے پوچھا۔

دل چیتنے کے فن پر اگر دسترس نہ ہو تو  
 دکھتی رگوں کو چھینرنا دانشوری نہیں ہے

پھر وہی لڑکی بوسے درد بھرے انداز میں انگلتاتی تھی تو تم



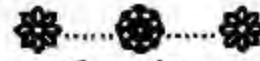
کوئی نہ کوئی حسب حال شعر سوجھ جانا تھا اب بھی وہ اپنی  
ازلی بے ساختگی سے، موم جموم کر بڑے والہانہ انداز میں  
گنگنائی تھی اور نتیجے میں مس مریم نے اسے زبردست جھاز  
پلائی تھی۔



ایک دلچسپ واقعہ یہ ہوا تھا کہ تم جو بھی شہرینہ رحمان  
تھیں اب محض شیریں رحمان بن کر رہ گئی تھیں۔ تمہاری  
سہیلیاں سب کلاس نیوز تھی کہ پروفیسر بھی تمہیں شیریں  
کے نام سے پکارتے، لگے تھے آج تم نے نیلے رنگ کا  
سوٹ پہن رکھا تھا اور یہ رنگ فرہاد کے پسندیدہ رنگوں میں  
سرفہرست تھا فرہاد علی کی نظریں بار بار بھٹک کر تم تک جاتی  
تھیں۔ تم بھی تو عجیب پہیلی تھیں بظاہر سنجیدہ اور لیے دیئے  
رہتی لیکن حقیقتاً سب سے زیادہ شیریں تھیں۔  
بے دھیانی میں ہی فرہاد نے تمہیں کتنی دیر تکتا رہا  
اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

”نظر لگاؤ گے کیا؟“ تم نے شرارت سے کہا تو وہ  
چونک اٹھا۔ اسے ایک خوش گوار حیرت نے آلیا ورنہ شاید  
اسے تم سے یہ توقع نہیں تھی۔  
”یہ دنیا کتنی دل نشیں ہے؟“ فرہاد نے مدہوشی کے عالم  
میں کہا۔ دراصل تمہارے اس چھوٹے سے جملے نے اسے  
تن من سے سرشار کر دیا تھا۔ میں نے فرہاد سے کہا۔  
”تمہاری آنکھوں کو کچھ لو یا تمہاری آنکھوں سے دیکھ  
لو دنیا ہر دو صورتوں میں دل نشیں نظر آئے گی۔“ اور وہ بڑے  
جذب کے عالم میں گنگنا رہا تھا۔

دھوپ چھاؤں سی اس کی طبیعت رہی  
وہ نگاہیں ملاتا چھاتا رہا



دل بیٹھے تجھ پر ہار پیا کر تو بھی ہم سے پیار پیا  
تیری راہوں میں کچھ کھو آئے دل روئے زار و زار پیا  
برگد کے گئے بیڑ کے باس گزرتے ہوئے ایک پُرسوز  
آواز نے ہمارے قدموں کو گھٹکنے پر مجبور کر دیا تھا یہ گانے  
اور گنگنائے کی عادت تو رائیل کی تھی۔ اس کی آواز بہت

اسی درد اور تمہارے تصور میں گزرنے لگیں اور ہم وقت وہ  
اس شعر کی گردان کیے جاتا۔

رات سنتی رہی میں سنا تا رہا  
درد کی داستاں میں سنا تا رہا



وہ دن بھی بہت خوش گوار تھا خصوصاً فرہاد علی کے لیے  
جب اس نے یہ جانا کہ تم اس کی کلاس فیو ہو لیکن تم نے تو  
سرے سے ہمیں پہنچانے سے انکار کر دیا تھا لیکن میں  
جب تمہیں دیکھتا میرا خون کھول اٹھتا۔ آج کلاسیکل  
شاعری کے چریڈ میں مس مریم سے سب کا انٹروڈکشن  
ہو رہا تھا۔

”میں فرہاد علی ہوں۔“ اپنی باری پر فرہاد علی نے پراعتماد  
انداز میں کہا تھا۔

”اور میں شیریں ہوں۔“ عقب سے ایک مترنم  
آواز ابھری اور ساری کلاس ہاتھوں اور کلکھلا ہٹوں  
سے گونج اٹھی۔

”یہ کون میڈم شیریں ہیں ذرا رخ روشن تو دکھائیے؟“  
مس مریم نے مسکراہٹ دہا کر قدرے سخت لہجے میں کہا۔  
”میم..... پہلے یہ خود کو فرہاد ثابت کریں۔“ پھر وہی  
آواز ابھری۔

”اچھا وہ کیسے؟“ اب کے مس مریم نے حیرت و  
دلچسپی سے پوچھا۔

”دراصل میم! دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ واقعی پہاڑ کھود کر  
دودھ کی نہر نکال سکتے ہیں یا بس نام کے فرہاد ہیں۔“ فرہاد  
علی کے لیے تمہارا یہ سراسر استہزا سا انداز مجھے سوئی کی طرح  
چبھاتا تھا۔ جی تو پوچھا تھا کہ ابھی مزہ چکھاؤں لیکن فرہاد علی کی  
مسکراہٹ کے ساتھ سوا کرنا مجھے ہرگز منظور نہیں تھا سو  
میں دل مسوس کر رہ گیا کیونکہ فرہاد علی کی مسکراہٹ لمحہ بہ لمحہ  
دکھش ہوتی جا رہی تھی۔

نشیں کو لیکن ہوں نشیں قیس ہوں مجھے اپنی جان عزیز ہے  
مجھے ترک عشق قبول ہے جو تمہیں یقین دفا نہ ہو  
یہ بے چہرین طبیعت کی ملکہ رائیل تھی جسے ہر بات پر



لا تعلق (بلکہ کج روی کہنا زیادہ بہتر ہے) کمال کی تھی۔  
 ”کسی جذبہ کو دکھانا کر دل میں رکھ لینے سے اور تو کچھ  
 نہیں ہوتا دل میں چھید ہو جا۔ تے ہیں۔“ وہ مایوسی کے  
 سمندر میں غوطہ زن تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت بھیگی پڑ  
 رہی تھی اور آنکھوں میں دھند سی چمانے لگی تھی۔ وہ یک دم  
 واپس مڑ گیا اور میں سائے کی طرز اس کے پیچھے۔  
 اک میں ہی پیاسا رہا دوستو!  
 لوگ پتے رہے وہ پلاتا رہا

.....☆☆☆.....

محبت کا جذبہ اگر سچا اور بے غلوں ہو تو ضائع نہیں جاتا اتنا  
 کی فصیلیں کتنی ہی بلند کیوں نہ اوجائیں۔ محبت ہلا خیر  
 نہیں تو ز ڈالتی ہے بشرطیکہ کے آپ کے پاس صرف  
 خواہش نہیں پالینے کا عزم اور حوصلہ۔ بھی ہو اس روز بزم  
 ادب سوسائٹی کی طرف سے مشاعرے کی تقریب تھی۔  
 فرہادی اس سوسائٹی کا ممبر تھا اور آواز اس نے خصوصی طور پر  
 اپنی ڈریسنگ کا اہتمام کیا تھا۔

”کسی پر بجلی گرانی ہے یا؟“ میں نے ستائشی  
 نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا وہ جواباً مبہم سا مسکراتا  
 ہوا ہال سنوارتا رہا۔

”شیریں رحمان! تمہیں تو شعر و شاعری سے کوئی  
 شغف نہیں تھا اور اس روز تم نے راتیل کے اصرار پر اس  
 تقریب میں شرکت کی تھی۔“

”سنو ایہ شاعر حضرات سے اتنی دلچسپی ٹھیک نہیں یہ  
 بس ایویں ہوتے ہیں ہر وقت چوڑا کھانے کے لیے تیار  
 رہتے ہیں اور دل بھیگی پر لیے پھر۔ یہ ہیں جہاں کوئی حسینہ  
 و جمیلہ نظر آئی وہیں ان برآمد ہو جاتا ہے اور وہ ایک عدد  
 غزل کے ساتھ دل بھی تھمکی پر رکھ کر پیش کر دیتے ہیں اور  
 تمہارے وہ حضرت الف اے صاحب بھی یقیناً کوئی دل  
 پھینک قسم کے ہی ہوں گی۔“

تم نے اس وقت الف اے کے بارے میں صرف سن  
 رکھا تھا اور اسے دیکھنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔

”اب دیکھو ناں جو بندہ ہر دوسرے سینے کتاب لکھ لیتا

خوب صورت تھی اور یقیناً اسے اس کا ادراک بھی تھا جیسی تو  
 وہ اپنی آواز کا جادو چمکانی رہتی تھی لیکن اس وقت جو اس کی  
 آواز میں سوز و گداز تھا۔ وہ کم از کم میرے لیے بہت اٹوکھا  
 تھا جیسے کوئی کسی گہرے درد میں ڈوب کر گاتا ہے اس کا  
 سب و لہجاس کی دلی حالت کا آئینہ دار تھا اور اس کی یہ خوب  
 صورت آواز میرے دل پر دستک دے رہی تھی۔ میں اور  
 فرہاد برگد کے اس گھنے جڑ کے تنے کے گرد چکر کاٹ کر  
 تمہارے پاس آئے۔

”بیلا۔“ ہماری آواز پر تم چونک اٹھیں تم اس وقت  
 راتیل کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ تم  
 نے سر اٹھا کر اور آنکھیں کھول کر فرہادی کو دیکھا تمہاری  
 آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ تم نے ہلکے زرد  
 رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور تم بالکل سرسوں کا پھول لگ  
 رہی تھیں۔ اداسی کا ایک سہرا سا غبار تھا جس نے تمہارے  
 سارے وجود کو اپنے ہالے میں لے رکھا تھا۔

صدائے شے سے جو نکلی دل شیریں سے اٹھتی تھی  
 چمن خسرو کا تھا لیکن رہا فرہاد کا موسم  
 راتیل اپنا گیت بھول کر بڑی خوش دلی سے کوئی اور ہی  
 راگ الاپ رہی تھی۔ اس کی عادت تھی وہ جب بھی فرہاد کو  
 دیکھتی کوئی نہ کوئی ایسا شعر ضرور کہتی جس میں شیریں فرہاد کا  
 ذکر ہوتا۔ فرہاد اگر جس کی اس عادت سے خوب حظ اٹھاتا  
 تھا اب بھی مسکرایا مگر اس کی مسکراہٹ بھیگی سی تھی۔ وہ  
 تمہیں پریشان دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

میں ڈوب جاؤں تمہاری اداس آنکھوں میں  
 تم اپنے درد کی گہرائیاں مجھے دے دو  
 کے مصداق... لیکن تم نے کی اسے درخود اعتبار ہی  
 نہ سمجھا تھا کہ اپنے دکھ درد اس کے ساتھ شیر کرتیں۔

”آئیے پلیز بیٹھے۔“ من نے کہا۔  
 ”ہم آپ کو بالکل بھی بور نہیں ہونے دیں گے۔“  
 راتیل نے کہا۔

فرہاد نے پھر ایک نظر تمہارے چہرے پر ڈالی یہ بات  
 اگر تم کہتیں تو فرہاد شاید نہیں یقیناً زنجیر ہو جاتا لیکن تمہاری



قصیدے پڑھتی اور..... اور.....“  
 ”مختر مر! یہ سب کرنے کے لیے میں جو  
 موجود ہوں۔“

تمہاری گفتگو کا ماحول بدل چکا تھا۔ راتیل بڑے  
 جذب کے عالم میں اپنی نادان خواہشات کا اظہار کر رہی  
 تھی جب فرہاد کی گیسمر آواز پر تم دونوں یک دم مڑی تھیں۔  
 فرہاد علی نے پہلی بار زہن کھولی تھی مجھے بہت اچھا لگا کہ وہ  
 میرے اکسانے سے پہلے ہی اس نے اتنی ہمت کر ڈالی  
 اور یہی میں چاہتا تھا۔

ہم پر ہتوں سے لڑتے رہے اور چند لوگ  
 گیلی مٹی کھود کر فرہاد بن گئے  
 راتیل نے فرہاد کو دیکھتے ہی حسب عادت شعر کہا میں  
 نے دیکھا شیریں! تمہارے چہرے پر برہمی کے واضح  
 تاثرات تھے۔ تم بہت خود پسند تھیں اور فرہاد جانتا تھا کہ تم  
 سے کوئی توقع رکھنا پھر سے سر ٹکرانے کے مترادف ہے۔  
 میں تم سے اس ناراضگی کی وجہ جانتا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا  
 کہ تمہارے اندر فرہاد علی کی محبت کی سرگس کھودوں۔ اتنے  
 میں مجھے ذرا فاصلے پر ٹمن نظر آئی میں فرہاد کو اشارہ کر کے  
 اس کی طرف بڑھ گیا۔

”آئی او یو ٹمن!“ میں یک دم ٹمن کے رستے میں آ کر  
 بولا۔ وہ اہل میر نے فرہاد علی کو اشارہ کیا تھا کہ تم شیریں  
 سے اپنے دل کی بات کہہ دو۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر مڑ  
 گیا۔ تم مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھیں میں یہاں سے  
 تمہاری باتیں یا سالی سن سکتا تھا۔

”شیریں! میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ فرہاد تم  
 سے محبت کرتا ہے۔ سنو! اگر وہ تم سے کئی محبت جتائے تو تم  
 ضرور اس کی پذیرائی کرنا وہ بہت اچھا انسان ہے۔“ راتیل  
 بطور واضح تم سے کہہ رہی تھی۔

”لو نہ فرہاد! میرے لیے وہی رہ گیا ہے کیا؟“ تم نے  
 بہت کھیلے لہجے میں تنفر سے کہا تھا۔ تمہارے اس انداز پر  
 میرا دل لہلہا ہوا دو گیا تھا اور فرہاد علی کی آنکھوں میں جیسے کسی  
 نے ریت سی کر دی تھی وہ اٹنے قدموں مڑ گیا۔

ہے تو ضرور اس کی کوئی وجہ بھی ہوگی جو واردات اس کے دل  
 پر گزرتی ہوگی وہ اسی کو رقم کرتا ہوگا اور تم بےوقوف لڑکیاں  
 ان پر مڑتی ہو اور ان کا کیا پتا کہ وہ کس کے ہجر و وصال میں  
 کتابوں کی کتابیں لکھ لیتے ہیں۔“ تم نے اس روز  
 شاعروں کے خلاف اچھی خاصی تقریر کر ڈالی تھی۔

”شیریں! جب تمہیں کچھ پتا ہی نہیں تو تم اس پر تبصرہ  
 بھی نہ ہی کرو تو اچھا ہے اب میں نے جو نظم لکھی ہے تو کیا  
 مجھ پر کوئی واردات گزری ہے؟ ارے پاگل یہ تو خدا داد  
 صلاحیت ہوتی ہے اس کے لیے دل پر چوٹ کھانا ضروری  
 نہیں ہے۔“ راتیل نے احتجاج کیا۔

”لیکن تم نے تو دل پر چوٹ کھائی تھی جب مس مریم  
 نے تمہیں ساری کلاس کے سامنے ڈانٹا تھا۔ یہ نظم تو اس  
 کے بعد ہی تم پر نازل ہوئی ہے۔“ تم نے شرارت سے  
 کہا اور راتیل ہنس پڑی۔

”خیر! آج تمہارے نمونے بھی دیکھے ہی لیں گے۔“ تم  
 نے راتیل پر احسان کرتے ہوئے کہا تھا۔  
 ”کیا مطلب..... کیا شاعر انسان نہیں ہوتے؟“  
 راتیل برمان گئی۔

”بھئی تمہاری باتوں سے تو کوئی اور مخلوق ہی لکتے  
 ہیں۔“ تم نے ہنس کر کہا۔

”میں نے تمہاری اس بحث سے خوب حظ اٹھایا تھا  
 لیکن یہ فرہاد نجانے کہاں رہ گیا تھا۔ میں نے تمہارے  
 خیالات فرہاد علی تک پہنچانے کا فریضہ بھی انجام دیا۔ میں  
 چنگے سے اٹھ کر فرہاد کو بلانے کے لیے چلا گیا آج تم نے  
 نیلے رنگ کی شیلوں کی گھیر دار فراک اور چوڑی دار پاجامہ  
 زیب تن کر رکھا تھا یہ رنگ فرہاد کو جنون کی حد تک پسند تھا  
 اور پھر تمہارے وجود پر سجایا رنگ آج کچھ زیادہ ہی انمول  
 لگ رہا تھا آج تو تمہاری چھپ ہی نرالی تھی۔ تم نے لمبے  
 گھنے بالوں کو آڈو چھوڑ رکھا تھا اور ہلکے پھلکے میک اپ میں  
 آج تم بہت ہی نظروں کا محور بنی ہوئی تھیں۔“

”شیریں! تم اتنی خوب صورت لگ رہی ہو کہ میرا دل  
 کتا ہے کہ میں کوئی لڑکا ہوتی اور تمہاری تعریف میں







”اسے کیا ہوا ہے؟“ پھر اس نے قدرے سنبھل کر پوچھا۔

”اس کا ایک گروہ ناب ہے اور اب اس کے بچنے کی امید نہیں ہے تمہارے لیے خوشی کی خبر یہ ہے کہ شیریں جس کے قبضے میں ہے وہ کوچہ عدم سدھار نے والا ہے اس کی موت کے بعد شیریں آزاد ہوگی اور تم اسے حاصل کر سکو گے۔“ میں نے کہا۔

”محبت میں پالیہ ای سب کچھ نہیں ہوتا محبت کرنے والے بہت بڑے ظرف کے مالک ہوتے ہیں ان کی صرف ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کا محبوب خوش رہے۔ ہنستا بستا اور شاد و آہاد رہے یہ محبت تو ایک الوہی جذبہ ہے جب اس میں سے غرض نکل جاتی ہے تو یہ بہت ارفع ہو جاتی ہے اور میری محبت ہر طلب سے بے نیاز ہو گئی ہے تمہیں شرم آتی چاہیے شہی ایسی بات کرتے ہوئے۔“ وہ مجھے ملامت کرتا وہاں سے چلا گیا لیکن میں اس کی حالت سے بے خبر نہیں تھا۔

”میں نے آپ فیصلہ کیا ہے۔“ ایک روز اچانک اس نے کہا۔ ”میں خسرو کو اپنا گروہ دے رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”کیا.....؟“ میں بھونچکا رہ گیا۔ ”تمہارا مدافع خراب ہے کیا؟“ میں حیران تھا۔ ساتھ ہی اس گھڑی کو بچھتا تھا جب میں اسے ہسپتال لے گیا تھا۔

”مجھے ثابت کرنا ہے کہ میں انسان ہر حد سے گزر جاتا ہے، تاکہ صرف اس حد تک جہاں سے اپنی جان کے نقصان کا احتمال ہو۔ تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی اس لیے تم نہیں جانتے کہ محبت قربانی مانگتی ہے اور میری خوش نصیبی ہے کہ محبت مجھ سے قربانی مانگ رہی ہے پھر میرا اس دنیا میں ہے کون کہ بڑا کروں۔“

”اور میں..... میں تمہارا کچھ نہیں لگتا۔“ اس کی سفاکانہ بی نیازی پر غم سے میری آواز بیٹھ گئی۔

”تم بھی چند روز کے لیے یاد رکھو گے پھر بھول جاؤ گے۔“ اس نے زسکرا کر کہا۔

ہوا تھا انہوں نے لوٹ بگ فرہاد علی کے سامنے تقریباً پھینک دی جس کے دو درمیانی صفحات فرہاد علی کی بے خودی کے ہاتھوں شہرینہ عرف شیریں کے اسم مبارک سے سیاہ ہو چکے تھے اور فرہاد علی.....

ہم کتب نے سارا سبق پڑھ لیا میں تیرا نام لکھتا مٹاتا رہا کی عملی تفسیر بنا بیٹھا تھا۔



راتیں نے ایک روز مجھے بتایا تھا کہ خسرو جس کی تم منکوحہ ہو بیمار ہے اور کئی مہینوں سے ہسپتال میں ہے تم ہر روز اس سے ملنے جاتی ہو اور اسے زندگی اور موت کی نگہکش میں مبتلا دیکھ کر روٹی ہوئی واپس لوٹ آتی ہو اور یہ تمہاری زندگی کا وہ راز ہے جسے بہت کم لوگ جانتے تھے۔ میں نے تمہاری فرہاد سے لاطعلقی کا سبب جان لیا شاید تم خسرو سے محبت کرتی تھیں اور اگر محبت نہیں تو پھر تم کو اس سے انسیت ضرور ہوگی۔ کاش تم فرہاد کی محبت کی حدوں کا اندازہ کر سکتیں جو کہتا تھا ”محبت میں انسان ہر حد سے گزر جاتا ہے“ تمہیں یاد تو ہوگا کہ فرہاد کے اس جملے سے تم کتنی چراغ پا ہوئی تھیں۔

”مسٹر فرہاد علی! محبت میں انسان صرف اس حد تک جاتا ہے جہاں تک اسے اپنی جان کے نقصان کا احتمال نہ ہو۔“ تم نے جس روکھے انداز میں فرہاد علی کی ٹلی کی تھی مجھے بہت ناگوار گزرتا تھا لیکن میں خاموش ہی رہا ہمیشہ کی طرح پھر ایک روز میں فرہاد علی کو ہسپتال لے گیا۔ خسرو کی حالت بہت نازک تھی کسی زمانے میں وہ خور و رہا ہوگا لیکن اب بیماری نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اس کی یہ حالت دیکھ کر بیک وقت آنسوں بھی ہوا اور خوشی بھی۔

”یہ کون ہے اور تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟“ فرہاد نے حیران ہو کر پوچھا۔

”یہ خسرو ہے شیریں کا نازک تمہیں اسی سے ملانے کے لیے لایا ہوں۔“ وہ یہ سن کر ساکت رہ گیا جیسے اب کہنے کو کچھ نہ رہا ہو۔



بھول جاؤ۔ باؤ  
 بھول جاؤ کہ اپنے ماضی میں رکھا کیا ہے؟  
 یہی نا.....  
 دو چار ملاقاتیں  
 ادھورے شکوے  
 ادھوری باتیں  
 اور کچھ اداس شاہیں  
 چند ٹوٹی ہوئی انگلیں  
 فون کی چند بے ربط کالیں  
 اور کیا ہے اپنے ماضی میں  
 بھول جاؤ.....!

نادیہ عباس دیا آورش تابیاب..... موسیٰ خیل

فرہاد کی محبت کی سرنکلیں کھو رہی تھیں، کب خود بھی اس  
 گم نامہ رستے کی مسافر بن گئی تھی۔  
 راتیل کی دعائیں اور سجدے فرہاد علی کو کھینچ کر زندگی کی  
 طرف لے آئے۔ خسرو چند روز میں ٹھیک ٹھاک ہو گیا اور  
 اگلے ہی ماہ اس نے تمہیں تمہارے بائبل کے آنگن سے  
 رخصت کر لیا۔  
 قدرت نے فرہاد علی کو ایک موقع دیا تھا زندہ رہنے کا  
 لیکن وہ تھا کہ ہاتھ دھو کر اپنی جان کا دشمن بن بیٹھا تھا۔ وہ  
 بالکل ٹھیک ٹھاک بظاہر لیکن پھر بھی ایک کی تو تھی اسے  
 زندہ رہنے کے لیے بہت احتیاز سے کام لینا چاہیے تھا وہ  
 میری تو ایک نہیں سنتا تھا کبھی بھی تو مجھے اس کی ذہنی  
 حالت پر شبہ ہونے لگتا تھا۔ وہ سردراتوں میں نکلے پاؤں  
 سڑکوں پر گھومتا رہتا تھا۔  
 ”میں نے کہا تھا ناں کامران! کہ اگر میں جان سے  
 گزر گیا تو میرے حق میں بہتر ہوگا میں زندہ رہا تو سلگتا  
 رہوں گا۔ مجھ پر سردی اثر نہیں کرتی تم میری فکر نہ کیا  
 کرو۔“ وہ رساں سے کہتا۔  
 ”شیریں سے ملے ہو گی۔“ میں نے پوچھا۔

”فرہاد ہم سائے کی طرح ساتھ رہے جب سایہ  
 انسان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو انسان مرجاتا ہے۔  
 خدا نخواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو میں بھی مرجاؤں گا۔“ وہ میرا  
 جگری دوست تھا غم زاد تھا۔ ہم نے جنگلے نما گھر میں رہنے  
 کے باوجود ہمیشہ ایک ہی کمرہ شیئر کیا تھا اور اب اس کی  
 جدائی کے تصور سے ہی میرا دل ڈوبا جا رہا تھا۔  
 ”کیسا باتیں کر رہی تم! جن سے تمہیں بعد میں  
 شرمندہ ہونا پڑے۔“ اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ ”پھر میں  
 نے اپنے سارے ٹیسٹ کروا لیے ہیں۔ میرا سب کچھ اس  
 سے صحیح کرتا ہے۔“ فرہاد نے حتمی انداز میں کہا۔  
 ”تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟“ میں نے احتجاج کیا۔  
 ”محبت فائدے اور نقصان کے پتروں میں نہیں  
 پڑتی، کیا یہ کافی نہیں ہے کہ میں اپنی محبت کا ثبوت دے  
 دوں گا۔ ایک انسان کو نئی زندگی مل جائے گی شیریں ہمیشہ  
 مجھے یاد رکھے گی اور یہ بھی مان لے گی کہ میں ہم کا فرہاد نہیں  
 ہوں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خسرو کے چہن میں  
 فرہاد کا موسم رہے گا۔ میرا تو فائدہ ہی فائدہ ہے اگر میں اس  
 امتحان میں جان سے گزر گیا تو میرے حق میں بہتر ہوگا اگر  
 میں زندہ رہا تو شاید سلگتا رہوں۔“ اس نے کچھ اس انداز  
 میں کہا تھا کہ میں لا جواب سا ہو گیا اور میں نے جان لیا تھا  
 کہ اسے سمجھانا عبث ہے اور مجھے کیا ضرورت تھی اس کے  
 رستے کھونے کرنے کی۔ جب وہ سر پر کفن باندھ کر سونے  
 متقل جانے کا عزم کر چکا تھا اور چند روز بعد اس نے اپنا کہا  
 پورا کر دیا۔  
 وہ اسپتال میں تھا اور راتیل پر وائزوں کی طرح اس کے  
 گرد گھوم رہی تھی وہ دن رات فرہاد کی عیادت کرتی۔ اسے  
 ہوش آچکا تھا اس کی آنکھوں میں وہی فاتحانہ چمک تھی جو  
 محبت کرنے والوں کی آنکھوں میں اس وقت ہوتی ہے  
 جب وہ اپنی محبت کو حاصل کر لیتے ہیں اور وہ مجھے دیکھ کر  
 مسکرا دیتا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن کمزوری کے سبب  
 یہ نہیں پارہا تھا اور راتیل اس کا ہاتھ تھا سے برستی ہوئی  
 آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جو شیریں کے دل میں



کیونکہ شیریں اور فرہاد کا جوڑک ممکن نہیں ہے کیونکہ ہمارے درمیان رسم و رواج۔ سماج اور خسرو سے بندھن کی طویل فصیلیں ہیں جنہیں عبور کرنا ناممکن تھا۔

میں ہر روز ہسپتال جاتی تھی یہ دیکھنے کے لیے خسرو کب زندگی کے بندھن سے آزاد ہوگا اور میں کب خسرو کے بندھن سے فرہاد نے اپنی دانست میں مجھے خوشی دینی چاہی تھی لیکن وہ حقیقت وہ مجھے دائمی غم دے گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کی قربانی سے میں شاد کا باد ہو جاؤں گی لیکن یہ نہیں جانتا تھا اس شادی اور آبادی میں ہی میری بربادی ہے۔“ تم یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ محبت بھی عجیب، گودکدھندہ ہے تمام عمر اپنے پیچھے دوڑاتی ہے لیکن پھر بھی کسی کے ہاتھ نہیں آتی۔

خسرو کو اس اجنبی شخص سے عقیدت ہے جو اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر اسے زندگی دے گیا اور وہ ہر روز اس کی قبر پر فاتحہ پڑھتا ہے۔

رائیل فرہاد کی محبت میں جو گن بن گئی ہے۔ مجھے اس بات کا اطمینان ہے کہ خسرو کے جن میں فرہاد کا موسم ہے اور ہمیشہ رہے گا لیکن میں..... نجانے کیوں فرہاد کی یاد سے غافل ہونے لگا ہوں شاید اس لیے کہ میں بھی.....

جی ہاں..... میں بھی اس جو گن سے محبت کرنے لگا ہوں۔ جو صبح شام فرہاد کی قبر پر حاضری دیتی ہے جس کے کتبے پر میں نے لکھوایا ہے۔

تم سے پھڑ کے زندہ ہیں  
دوست! بہت شرمندہ ہیں



”نہیں اور مجھے اب اس سے ملنے کی طلب محسوس نہیں ہوتی“ میں مکمل تو اس کا نہیں ہو سکا لیکن میرے جسم کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس کے کہیں آس پاس ہے اور میں اسی میں خوش ہوں مجھے اب زندگی کی طلب نہیں۔ میں اپنی سانسیں گن رہا ہوں اُنکے کب کتنی پوری ہو۔“

پھر ایک روز اس کی سانسوں کی کتنی پوری ہو گئی اور وہ آزاد ہو گیا ہر فکر و غم سے۔ شیریں تمہاری محبت نے آخراں کی زندگی کا چراغ بجھا ڈالا اس کی وفات کے تیسرے روز اس کی کتاب ”کیا دیا محبت نے؟“ منظر عام پر آئی تو میں نے سب سے پہلے یہی کام کیا کہ وہ کتاب تمہارے لیے لے کر تمہارے گھر چلا آیا۔

میں نے تمہیں بتایا کہ خسرو کے پھر سے جی اٹھنے کا سبب کیا ہے تو تم حیرت سے دنگ رہ گئیں۔

”اب تو تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ انسان محبت میں کس حد تک جاسکتا ہے۔ اب تو تم ہاں لوگی کہ فرہاد صرف نام کا فرہاد نہیں۔ اب تو تمہیں پتا چل گیا ہوگا کہ شاعر حضرات کیسے ہوتے ہیں؟“

”تم کیا سمجھتے ہو کا مران! کہ میں فرہاد سے محبت نہیں کرتی؟“ تم نے ایک دم سے غیر متوقع سوال کیا کہ میں کچھ بول ہی نہ پایا۔

”پہلی نظر میں ہی فرہاد کی محبت نے میرے دل پر دستک دے ڈالی تھی۔ فرہاد علی ایسا شخص تھا جس کو دیکھ کر بے ساختہ میرے دل نے خواہش کی کہ میں چند قدم اس کے گھر لو چلوں۔“

تمہارے اس انکشاف پر میرا دل چاہا کہ میں دہائیں مار کے روؤں اور غم و جی بھر کے کوسوں اگر ایسا ہی تھا تو تم نے ہمیشہ میرے دوست کا دل کیوں دکھایا۔

”مجھے ”فرہاد“ سے محبت نہ ہوتی تو میں شہرینہ سے ”شیریں“ کیسے بن جاتی؟“ تم نے پھر سوال کیا۔

”میں مانتی ہوں کہ میں نے ہمیشہ فرہاد کا دل دکھایا اور میں نے ایسا قصدا ہی کیا کیونکہ میں چاہتی تھی کہ فرہاد کے دل میں شیریں کی محبت کی کوئیل پھوٹے ہی نہ پائے



# محبت دل کا سہرا

سائبرنگل

WWW.PAKSOCIETY.COM





کس قدر انوکھا ہے رابطہ محبت کا  
کب نہ جانے ہو جائے معجزہ محبت کا  
اپنی ذات سے بھی وہ اجنبی لگتا ہے  
جس کے ساتھ ہو جائے حادثہ محبت کا

”رائیل آر ہی ہے۔“ وہاب احمد نے ڈزٹبل پر  
لوشین کو بتایا۔  
”آپ سے کس نے کہا؟“ لوشین کی آنکھوں میں  
حیرت تھی۔  
”تیور کا فون آیا تھا وہ انشین بھائی پھوپھو اور پھوپھو پاجان  
جج کے لیے جا رہے ہیں۔ رائیل کا ورا نہیں لگ سکا اور  
ڈبل کے بھی ایگزٹ شروع ہونے والے ہیں اس لیے وہ  
بھی بہت مصروف ہے اپنی پڑھائی میں رائیل آج کل  
گر بچویشن کے بعد فارغ ہے اور پوریت محسوس کر رہی  
ہے تو میں نے تیور بھائی سے کہہ دیا کہ رائیل کو پاکستان  
بھیج دیں۔“ وہاب احمد نے بڑی رسائیت سے پوری بات  
اس کے گوش گزار کی۔  
”ہاں تو وہ اپنے ماموں کے گھر رہ لے گی۔“ لوشین  
نے نوالہ چپاتے ہوئے کہا۔  
”رائیل یہاں ہمارے گھر رہے گی تیور بھائی  
ایگزٹ فیملی جج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد یہاں  
آئیں گے تو رائیل کو ساتھ لیتے ہوئے واپس لندن  
چلے جائیں گے۔“  
”رائیل یہاں رہ کر کیا کرے گی؟ اور وہ لے گی جو ان  
لڑکوں کا گھر ہے یہ وہ بگڑ گئی یا کل کلاں کو کوئی ایسی ویسی  
بات ہو گئی تو.....“  
”گو یا آپ اپنے بیٹوں کے کردار پڑھا صل اپنی ہی  
تربیت پرائیگلی اٹھا رہی ہیں۔“ وہاب احمد نے تاسف زدہ  
نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھایا تو وہ شیشا

کربات کی وضاحت کرنے لگی۔  
”ارے میرا یہ مطلب نہیں تھا ایک تو آپ سمجھتے نہیں  
ہیں رائیل اپنے ماں باپ پھوپھو بھائی کی لاڈلی سوخڑے ہوں  
گے اس کے ذرا سی اور بیچ ہو گئی تو کل کو وہ تو ہمیں الزام  
دیں گے آپ بھی ہمیں ہی نام دھریں گے جو ان لڑکی کی  
ذمہ داری اٹھانا کوئی خاص جی کا گھر نہیں ہے۔“  
”لیکن یہ رائیل کی خال جی کا گھر ہے اور وہ یہاں  
ضرور آئے گی اور ادھر ہی رہے گی۔ تم پتا نہیں کیا کیا  
سوچتی رہتی ہو بیکار کی پریشانیوں مت مانو اور اپنی  
ایکٹوشیز پر دھیان دو یہ جتائے دن گھر میں گیسٹ ٹو گیدر  
رکھ لیتی ہو اسے اپ شتم کر دو اپنے حالات اور اپنی اولاد  
پر بھی دھیان دو لیکن جو ان ہے گھر میں جو نت نئے  
نمونے (لڑکے) آتے رہتے ہیں ماں یہ سب ٹکسین کو  
کوئی اچھی چیز نہیں سار ہے۔“  
”بات رائیل کی اور ہی تھی اور آپ کہاں پہنچ گئے؟“  
لوشین نے تنگ کر کہا۔  
”ایک لڑکی کی وجہ سے میں اسے روز مرہ کی  
مصروفیات اور ملنا جتنا ختم کروں یہ کہاں کی دانش مندی  
ہے اور لندن میں تو بیسے وہ مصلحتی پھرتی ہوئی بار پودہ با حیا  
شرقی لڑکی کی طرز آڈھکی چھپی رہتی ہو گی نا۔“  
”تو ٹھیک ہے رائیل کے لیے فکر مند ہونے کی  
ضرورت نہیں ہے اور جو لڑکوں کے گھر کا وہ ہم تمہیں ستارہ  
ہے تو وہ بھی اپنے دل و دماغ سے باہر نکال دو ذوالنون اپنی  
اسٹڈی اور ٹریننگ کے سلسلے میں اسلام آباد ہوتا ہے دو



تیسور بھائی کو وسیلہ بنا کر بھیجا مجھے ہمارا دینے کے لیے۔ ہم ان کی محبتوں کا یہ قرض مرتے دم نہیں ادا کر سکتے اور تم ہو کہ ان کی بیٹی اور اپنی سگی بھانجی کو اس گھر میں چند دن رہنے سے منع کر رہی ہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہارا احساس کو؟“

”میری بھانجی سوہارائے میرے گھر میں تو بس اس کے آرام کے خیال سے کہہ رہی تھی۔“ نوشین نے کھیلائی ہو کر تیز لہجے میں کہا تو وہ تھی سے بولے۔

”تم کس خیال سے کہہ رہی تھیں یہ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ ملازم سے کہہ کر راتل کے لیے کمرہ بیٹ کر آؤ۔“ وہاب احمد کی بات پر نوشین نے نظر سنبھالی۔

علی نے اتفاقاً ان دونوں کی سرری باتیں سن لی تھیں اور خاموشی سے گیسٹ روم کی طرف چلا گیا تھا۔



پاپا جانی! کیا حالہ اور سب گھر والے مجھے وہاں خوشی سے ویلکم نہیں گئے؟“ راتل نے تیسور حسن سے سوال کیا۔

”ہاں کیوں نہیں؟ ان ٹیکٹ آپ کے بابا جانی کو آپ کے وہاب ڈیڈی نے ہی وہاں انویٹ کیا ہے یونہی آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔“ تیسور حسن نے راتل کے بالوں کو سہلاتے ہوئے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”بس آئی نو اسی لیے تو میں ان کو ڈیڈی کہتی ہوں۔“

”ہاں وہاب احمد کی دلی خواہش تھی کہ ہماری راتل انہیں ڈیڈی کہا کرے۔“ تیسور حسن نے ان کے بچے انہیں ڈیڈی کہتے ہیں۔“

”بٹ پاپا جانی میں کبھی بھی آپ کے ماما کے اور بھیا کے بنا اتنے دن اکیلی نہیں رہی ایک دن بھی نہیں رہی آپ سب کے بغیر تو اب..... تنہ سارے دن کیسے رہوں گی آپ سب کے بغیر؟“

”بیٹا جانی وہاں سب آپ کے اپنے ہوں گے آپ دیکھیے گا وہ سب آپ کو ہماری گواہوں بھی نہیں ہونے دیں گے۔“

”جی نہیں آپ سب کی کمی کئی کئی بھی پوری نہیں کر سکتا۔“ وہ بچوں کی طرح کچھ دھمکے دھمکے اور کچھ پیارو

ڈھائی ماہ میں چکر لگتا ہے اس کا اور نوقل وہ راتل سے دو سال چھوٹا ہے۔ تمہاری بے پروائی کا منہ بولتا ثبوت ہے مگر میرا خیال ہے کہ راتل اسے سدھار لے گی۔ ابھی اتنا بھی نہیں بگڑا کہ اسے واپس نہ لایا جاسکے۔ یہاں کوئی راتل کو تنگ نہیں کرے گا۔“ وہاب احمد نے سنجیدگی سے کہا وہ تاسف زدہ نظروں سے نوشین کو دیکھ رہے تھے۔

”اور علی اس کا کیا؟“ ایک دم سے نوشین کو وہاب احمد کے بھانجے علی عثمان کا خیال آیا جو آج کل ان کے گھر مقیم تھا۔

”علی ایک میچور اور بکھدار لڑکا ہے اپنے کام سے کام رکھنے والا اس بے چارے کو تو بخش دو راتل آٹھ برس چھوٹی ہے علی سے اور علی کا مزاج تم جانتی ہو وہ لڑکیوں سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔“

”مگر.....“

”کیا اگر مگر بیگم؟ خواہ تو وہ کے دسو سے اور پریشانی اپنے دل و دماغ سے نکال دو۔“

”کب آ رہی ہے راتل؟“ نوشین نے بے زاری سے پوچھا۔

”دو دن بعد کیسی حالہ ہو تم؟ اپنی سگی بھانجی کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتیں وہ بھی چند ہفتوں کے لیے۔“

”ہمیں بھی تو لندن جانا ہمارے مہینے اس کا کیا ہوگا؟ ہم راتل کی مگرانی کے لیے یہاں تو نہیں رک سکتے! اس کی وجہ سے اپنا پروگرام تو ملتوی نہیں کر سکتے۔“

”نوشین بیگم.....“ وہاب احمد نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا اور قدرے درشت لہجے میں بولے۔

”ایک بات تم بھول رہی ہو اور وہ یہ کہ یہ گھر راتل کے پاپا کا ہے اور ان کی محبت و مہربانی ہے کہ ہم اس گھر میں بنانا گرائے۔“ تیسور حسن سے رہ رہے ہیں اور میرے برنس کا دیوالہ ہو جانے پر تیسور بھائی نے ہی میری مدد کی تھی آج جو ہم یہ پیش کر رہے ہیں ناں تو تیسور بھائی اور نوشین کی عنایتوں کی وجہ سے کر رہے ہیں اللہ کا لاکھ کرم ہے اس نے



تھا۔ اس کی سیاہ پتلونوں سے حزن بڑی بڑی آنکھیں زہانت اور شوخی سے بھر پور تھیں۔ گلابی ہونٹوں کی مسکراہٹ بہت دلنشین تھی۔ نکمین راتیل کے بے تحاشا حسن سے مبہوت رہ گیا۔

”لندن کی آب و ہوا نے بہت اچھا اثر ڈالا ہے تمہاری رنگت پر لگتا ہے ملک اینڈ روز کھاتی جیتی رہی ہو۔“ نکمین نے اس کے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے قدرے طنز یہ لہجہ میں کہا۔

”راتیل تو پیدائش کے بعد نو سال تک پاکستان میں ہی رہی تھی یہ تب بھی اتنی ہی حسین تھی اب ماشاء اللہ اور زیادہ نکھر گئی ہے اور ظاہر ہے پیار کرنے والے ماں باپ نے پھولوں کی طرز پر پالا ہے راتیل کو۔“ وہاب احمد نے مسکراتے ہوئے کہا اور راتیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ بھی بہت پیاری ہیں نکمین آبی۔“  
 ”آئی لو میں اپنی فرینڈز کے گروپ میں سب سے زیادہ خوبصورت اور اٹریکٹو ہوں۔“ نکمین نے اتراتے ہوئے کہا۔

”نکمین یہ تم کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو جاؤ بہن کو اس کا کمرہ دکھاؤ تاکہ یہ فریش ہو جائے پھر سب مل کر نر کریں گے۔“ وہاب احمد نے نکمین کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ مگر نرم لہجہ میں حکم دیا۔

نکمین منہ بنا کر اسے کمرہ دکھانے لگی۔  
 ”شی از سو پرٹی مام۔“ نوفل نے راتیل کے حسن کو سراہتے ہوئے نکمین کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھا تھا۔

”نوفل یہ کیا مریقت ہے بات کرنے کا راتیل تم سے بڑی ہے اور بہن ہے تمہاری۔“ وہاب احمد نے براہی سے جواب دیا۔

”خالد زاد بہن۔“ نوفل نے تصحیح کرنا ضروری سمجھا۔  
 ”بہن..... بہن ہی ہوتی ہے اور ایک بھائی کو اس رشتے کا اس کے تقدس کا خیال رکھنا چاہیے اور کان کھول کر سن لو نوفل جب تک راتیل یہاں ہے تم اپنے آوارہ

مان بھرے مانناز میں بولی تو وہ ہنس دیے۔

”میری پیاری بیٹی سدا خوش رہو۔ آپ تو ہمارے آنگن کی بلبل ہو ہماری مینا ہو چڑیا ہو جس کی چہکار سے ہمارا یہ آنگن مسکراتا رہتا ہے۔“ تیمور حسن نے اس کے چہرے کو ہاتھوں کے ہالے میں لے کر اس کی روشن پیشانی پر بوسے کر پیار سے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”مما دیکھیں پاپا جانی اپنی بیٹی کے لیے شاعری کر رہے ہیں حالانکہ شاعری تو آپ کے لیے کرنی چاہیے نا۔“ راتیل نے انکشین کو شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے شری لہجہ میں کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔ انکشین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بھئی جس باپ کی راتیل جیسی پیاری بیٹی ہو وہ شاعری کیسے نہیں کرے گا۔“  
 ”آئی لو یو سوچ پاپا جانی۔“ وہ ان کے گلے سے لگ گئی۔

”لو یو ٹو پاپا کی جان۔“ انہوں نے اس کے ہاتھ چومے۔

”وہ بھئی باپ بیٹی اپنی محبت میں ماں اور بیوی کو بھول ہی گئے۔“ انکشین نے پیار بھرا شکوہ کیا وہ ہنس پڑی۔  
 ”ارے انکشین بیگم آپ تو ہماری پہلی محبت ہیں ہم آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ بھلا سانس لینا بھی کوئی بھولتا ہے جب تک قضا نآئے؟“

”اف تیمور.....“ انکشین نے تیمور کے اس قدر پیار بھرے اظہار پر شرم و حیا سے نکل کر اور محبت سے لبریز ہو کر کہا تو وہ خوش دلی سے ہنس پڑے۔



”وہاب لاج“ میں راتیل کا استقبال بہت گرم جوش سے کیا گیا۔ راتیل سفید ٹراؤزر اور شاکنگ پنک ہلکے کام والے کرتا نما شرٹ میں سیاہ جمل والے جوتے پہنے سادہ سے چہرے میں غضب کی حسین لگ رہی تھی۔ گلاب اور دودھ میں کھلی رنگت سیاہ سلی زلفیں شانوں پر لہرا رہی تھیں۔ لیر کنگ اسٹائل میں اس کا چہرہ اور بھی دلکش دکھائی دے رہا



دھلی نہیں ہے ڈیڈ کی یہ رائیل۔ "تکین سپاٹ بچے میں بولتی چلی گئی اور اپنے کمرے سے ماتی رائیل نے اس کی ساری باتیں سن لی تھیں وہ دکھا اور حیران پریشان سی واپس پلٹ گئی۔ وہ ان سب کے لیے گفتگو بھی لائی تھی مگر اس وقت دینے کو دل نہ چاہا۔

"ڈونٹ وری مائی چائلڈ تم دیکھنا میں کیسے اس نیک پروین کا ہاتھ صاف کرتی ہوں جس نے آتے ہی ہمیں غلام بنا دیا ہے ہمارے ہی گھر میں۔ تم کیوں اپنی سرگرمیاں ترک کر رہی اس رائیل کے لیے؟" توکین نے سادھی انداز میں مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"لوگاڈ! سوائے ڈیڈی جی کے یہاں تو کسی کو بھی میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی۔ نالاہ اور تکین آپلی مجھے کیا سمجھ رہی ہیں؟ ماما اور بابا جانی نے مجھے میرے مذہب کچھ اور اپنی ویلیوز کا سبق ہمیشہ پڑھایا ہے۔ شاید یہ سب بہت ماڈرن لائف گزار رہے ہیں۔ جی ان کو غصہ آ رہا ہے کہ میری وجہ سے انہیں اپنی روٹین چنچ کر پڑیں گی۔ میں تو یہاں صرف انہوں کی محبت دیکھنے چند دن ان کے ساتھ گزارنے آئی ہوں میں بھلا کیوں ان کی روٹین خراب کروں گی۔" رائیل اپنے کمرے میں بیٹھی بہت دکھ اور افسردگی سے سوچ رہی تھی۔

"بابی کھانا لگ گیا ہے۔" ملازمہ شیم نے آ کر بتایا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی آئی۔ ڈنر کے بعد ماما بابا اور نیکل سے بات کی اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔ شدید تھکن کے باوجود نیند آنے لگی۔ وہ کوسوں دور تھی۔ اس نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے لندن اور لاہور کے وقت میں کافی فرق تھا کچھ اس وجہ سے بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور پھر نئی جگہ آ رہی تھی اور تکین اور نیکل کی دل تھکن باتوں نے اس کی سماعتوں میں خراشیں ڈال دی تھیں اس کی وجہ سے وہ بہت بے گل اور بے چین تھی۔

"بابا جانی! کہاں بھیج دیا آپ نے مجھے؟" رائیل کی آنکھیں بھی رات کے آنچل کے ساتھ ساتھ بھیجنے

دوستوں کو گھر نہیں بلاؤ گے سمجھے۔" وہاب احمد نے سمجھ کر توکین سے بچ دتا کھا کر رہ گئیں۔

"اور یہی حکم اور ہدایت تمہارے لیے بھی ہے توکین بیگم تم جوائے دن گھر پر ایک ہنگامہ اور طوفان بدگیزی پھا رکھتی ہو نا بے سوشل سرکل کے مردوں اور عورتوں کو بنا کر یہ سب بھی ختم ہونا چاہیے اب۔" وہاب احمد نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں حکم جاری کیا۔

"آپ اس بالشت بھر کی لڑکی کی خاطر ہم سب کا جینا تمام کرنا چاہتے ہیں۔ میں سب جانتی ہوں یہ کس کی محبت اسٹڈ رہی ہے آپ کے دل میں جو ہمیں پابند سلاسل کرنے کا سوچا جا رہا ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ذرا سی عقل نہیں ہے تم میں کہ وہ بچی جو تمہاری بھانجی بھی ہے پردیس سے آئی ہے ایک الگ گھر سے آئی ہے وہ یہاں اپنے ملک میں انہوں کے گھر میں جب یہ کھیل تماشے دیکھے گی تو اسے کتنی مایوسی ہوگی۔" وہاب احمد غصیلے لہجے میں بولے۔

"ہوا کرے ہم اس کے لیے اپنے طور طریقے اور انداز نہیں بدل سکتے۔" توکین نے بدگیزی سے جواب دیا۔

"تمہارا تو وہ حال ہے کہ کوچلا ہنس کی چال اور اپنی بھی ببول گیا۔ اللہ تمہیں ہدایت دے تم نے اپنی اولاد کو بھی آدھا تیرا آدھا شیر بنا دیا ہے۔ سندھین کے دنیا کے دے تم لوگ۔" وہاب احمد تاسف زدہ لہجے میں کہتے اسٹڈی کی طرف چلے گئے۔

"ہونہا آئے بڑے مجھ پر حکم چلانے والے اپنی مرضی مسلط کرنے والے مائی فرٹ۔" توکین نے خود کلامی کرتے ہوئے دانت پیسے۔

"مہی اب کیا ہمیں رائیل بی بی کی پسند ناپسند اور مزاج کے مطابق رہنا ہوگا۔ رائیل جس ملک سے آئی ہے وہاں کون سے شرم و حیا کے چشمے بہتے ہیں۔ لندن سے آئی ہے وہ جہاں بوائے فرینڈز کسبوائٹ کلب یہ سب چلنا ہے اور وہ اتنی پرکشش دنیا میں رہ کر ان چیزوں سے دور رہی ہوگی کیا؟ تو نیو راسی کوئی دودھ کی



تو علی کو حیرت ہوئی کہ مغربی معاشرے میں پردان چڑھنے والی راتیں کتنے مہذب انداز میں ہر بات کا جواب دے رہی تھی اپنی روایات کو جانتی تھی وہ۔

”او کے ٹیک کیئر۔“ علی نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور جانے لگا تو اس نے سفید گلاب اس کی طرف بڑھا دیا۔

”یا آپ کے لیے۔“

”میرے لیے مگر کیوں؟“ علی نے سفید گلاب کو دیکھا اور پھر حیرت سے اس کے چاند چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ معصومیت سے کہنے لگی۔

”انچولی میں سب کے لیے نفیس لائی ہوں آپ کے لیے نہیں لائی مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ بھی یہاں ہوتے ہیں۔ اس لیے یا آپ کے لیے ہے۔“

”اوسو سوئیٹ“ تھینک یو دیری سچ۔“ علی کو اس کی بے پناہ حساسیت اور معصومیت پر بے اختیار پیارا آیا اس سے سفید گلاب لے کر کہا ورنہ اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ راتیں کی صبح مزید خوش گوار ہو گئی اس احساس کے ساتھ کہ علی کو اس کے یہاں آنے سے خوشی ہوئی ہے اس نے اسے دیکھ کر کہا۔

”نہیں جانی میں آج یونیورسٹی نہیں آسکوں گی انچولی میری ایک عدد کرنز آئی ہے لندن سے۔“ ٹلین فون پر اپنے بوائے فرینڈ جاوید سے بات کر رہی تھی آواز راتیں کے کانوں تک پہنچ رہی تھی وہ کوریڈور سے گزر رہی تھی۔

”لندن سے واؤ جیسی ہے گوی رنگت بلو آئیز گولڈن ہیر والی ہے یا دیکھی آئریزنی ہے؟“ جاوید نے دلچسپی سے پوچھا تو ٹلین ٹینڈ میں زوبی اور بیڑا آواز میں بولی۔

”دس سال لندن میں رہی ہے اور وہ دیکھی ہے یا ولایتی تمہیں اتنی ایکساٹمنگ کیوں ہو رہی ہے؟“

”یار میں تو یونہی پوچھ رہا تھا ورنہ مجھے تم سے آگے کچھ نظر ہی کہاں آتا ہے؟“ جاوید نے فوراً اسے کھنکھنایا۔

”ہاں آج میں یونیورسٹی نہیں آ رہی تو ادھر ادھر منہ مارنے کی کوشش مت کرنا اور خبردار اگر کسی لڑکی کو دیکھا بھی

لگیں۔ وہ شاید دو گھنٹے ہی سو سکی تھی۔ موزن کی صد اللہ اکبر اللہ اکبر سارے ماحول کو بیدار کر رہی تھی۔ راتیں کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔

رات کا پردہ چاک کر کے سورج دھیرے دھیرے زمین پر اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ راتیں نے پاؤں میں پلپٹر پہنے اور باہر لان میں چلی آئی۔ گلاب کے گئی رنگ کے پودے لگے ہوئے تھے۔ اس نے گلاب کے پودوں کو بہت دلچسپی سے دیکھا اور ایک سفید گلاب جو اسے بے حد خوبصورت لگ رہا تھا اس نے وہ گلاب توڑ لیا۔

علی رات دیر سے آیا تھا جیسی راتیں سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ اس وقت وہ حسب معمول جو گنگ کے بعد ٹیٹ سے امد داخل ہوا تو اس کی نظر پھولوں کے پاس کھڑی راتیں پر پڑی۔

”آئی تھنک ٹی از راتیں۔“ وہ زریب بولا۔

”رات اس سے ملاقات نہیں ہو سکی اب مجھے اس سے مننا چاہیے۔“ ویکم کہنا چاہیے۔“ علی نے سوچا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھا تا لان میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

”راتیں۔“ علی نے اس کا نام لے کر مخاطب کیا تو وہ بری طرح چونک کر مڑی تھی۔

”میں علی ہوں آپ کی ایند خانہ کا بڑا بیٹا۔“

”السلام علیکم!“ راتیں نے فوراً سلام کیا۔

”وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ۔۔۔۔۔ سر کیسار ہا؟“

”قائن۔“ راتیں نے مختصر جواب دیا۔

”گنڈ ویکم ان پاکستان کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دیجیے گا۔“ علی پورے طریقے سے حق میزبانی ادا کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”بھینٹس۔“ وہی مختصر جواب علی نے ایک ہل کو غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

”آپ ٹھیک سے سو نہیں سکیں نا نئی جگہ ہے اور پھر نام سنگ بھی مختلف ہے نا آہستہ آہستہ آپ ایڈجسٹ ہو جائیں گی۔“

”ان شاء اللہ۔“ راتیں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا



تو آنکھیں پھوڑ دوں گی تمہاری۔“ نگین نے اسے دھمکاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

”ڈارلنگ! اس کا تو ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ آج میں بھی یونیورسٹی بنک کر لوں! کیونکہ یونیورسٹی گیا تو چاروں طرف رنگ برنگی تھلیاں نظر آئیں گی۔“

”لو کے کل ملتے ہیں۔“ نگین نے نیند میں جھولتے ہوئے کہا۔

”آج کا دن کسے گزرے گا تمہیں دیکھے بنا؟“

”میری تصویر دیکھ کر دل بہلا لو جانی! اوکے گڈ ہائے۔“

نگین نے یہ کہہ کر موبائل آف کر دیا اور سر تک کمرنگ ٹان کر سونے لگی۔ رائتل مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

”نگین! آپلی کسی کو پسند کرتی ہیں داؤ امیزنگ۔“ رائتل نے دل میں کہا۔

رائتل کے لائے ہوئے تحائف سب کو بہت پسند آئے تھے۔ نوافل تو رائتل کے آنے کی خوشی میں گھر میں ایک گریڈ پارٹی کرنے کی تجویز دے رہا تھا مگر نوشین نے صاف منع کر دیا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے گریڈ پارٹی کی مفت کا پیسہ ہے کیا؟ جسے بہت خوشی ہو رہی ہے رائتل کے آنے کی وہ باہر کسی ہوٹل میں ڈنر یا لنچ کرا دے اسے۔“ نوشین نے سپاٹ نیچے میں کہا اور اٹھ کر چلی گئیں۔ رائتل کے ساتھ ساتھ وہاب احمد بھی اپنی جگہ شرمندہ رہ گئے۔ انہیں نوشین سے اتنی بے مروتی اور بد اخلاقی کی توقع نہیں تھی کہ وہ رائتل کے سامنے ایسی بات کر سکتی ہیں۔

”ڈیڈی! میں رائتل کو اپنے ساتھ ڈنر پر لے جاؤں! تھوڑی آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔“ نوافل نے باپ کی شرمندگی کو ختم کرنے کی غرض سے فوراً کہا تو وہ بھی مستحیل کر بولے۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں ضرور لے جاؤ اور رائتل کو کچھ شاپنگ بھی کروا دینا یہ پیسے رکھ لو۔“ وہاب احمد نے اپنے والٹ سے ہزار ہزار کے کچھ نوٹ نکال کر نوافل کی طرف بڑھا دیئے۔ رائتل وہاب احمد کی شرمندگی کو محسوس کر رہی

تھی اسے ان پر بے اختیار مہیا آیا تھا۔

”رائتل تم تیار ہو جاؤ! ہم ایک گھنٹے بعد ڈنر پر چلیں گے۔“ نوافل رائتل سے مخاطب ہو کر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہاب احمد کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی انہیں خدشہ تھا کہ کہیں نوشین کی باتوں کی وجہ سے رائتل منع نہ کر دے۔ درحقیقت وہ نوشین کی باتوں سے رائتل کا دھیان ہٹانا چاہتے تھے اور رائتل کو بھی اس بات کا احساس تھا جسے منع نہیں کیا۔

نوافل اسے فائینو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کے لیے لایا تھا۔ رائتل بہت دلچسپی سے ادھر ادھر کے مناظر اور ہوٹل میں موجود کھلو اور فیسلیو کو دیکھ رہا تھا جو وہاں ڈنر انجوائے کرنے آئے تھے۔

”کیسی لگی یہ جگہ؟“ نوافل نے رائتل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہوں! اچھی ہے۔“ وہ مسکرائی۔

”یہاں کا کھانا بہت مزیدار ہے میں اپنے فرینڈز کے ساتھ اکثر ویک اینڈز پر اچھ رہتا ہوں۔“ نوافل نے مزید بتایا۔

”اچھا! وہ مسکرا دی۔

”لو دوستوں کا ذکر کیا اور آگئے۔“ نوافل نے اپنے دوستوں باپڑ جی، پریز اور امجد وگلاں ڈور سے اندر داخل ہوتے دیکھا تو خوش ہو کر بتایا۔

”تم نے اپنے فرینڈز کو بھی ڈنر پر انوائٹ کیا ہے؟“

”ہاں۔“

”بس ازنات فیمز ڈیڈی۔ نے مجھے تمہارے ساتھ ڈنر کے لیے بھیجا تھا۔“ رائتل کو اس کی یہ حرکت بری لگی تھی مگر وہ ہنس کر ڈال کر کہا۔

”ہاں تو تم میرے ساتھ ہی ڈنر پر آئی ہو میرے دوست بھی ہمیں جوائن کر لیں گے تو کیا ہے گھر پر تو ہو نہیں سکتی پارٹی، ممانے منع کرو۔ ہے تو میں نے سوچا کیوں نہ میں اپنے فرینڈز کو انوائٹ کروں اور ہم سب مل کر پارٹی کریں۔“ نوافل نے بے نیازی سے مسکراتے ہوئے



رہنے والی لڑکی تھی ہر کسی سے بے تکلف نہیں ہوتی تھی اس کے ممانا پانے اس کی تربیت ہی ایسی کی تھی کہ وہ اپنی اقدار کا لحاظ رکھے۔

”نوفل تم یہ بکواس سن کر خوش ہو رہے ہو اپنی بہن کا تماشا بننا کے اسے نمائش میں لگا کر اس کی خوب صورتی کی دلدل وصول کر رہے ہو۔ شرم آتی چاہیے تمہیں مجھ سے عمر میں تو چھوٹے ہو ہی مگر تمہارے کام بھی بہت چھوٹے اور گرے ہوئے ہیں۔“ راتیل نے غصے اور درشت لہجے میں کہا تو وہ بھی بھڑک اٹھا۔

”اسن پیا رناٹ مالی کس۔“

”ہاں جب نگاہ میں شرم اور حیا باقی نہ رہے تو ہر لڑکی تم جیسوں کو آسٹم گرل ہی دکھائی دیتی ہے۔ چلو میں نہیں ہوں تمہاری سسز اگر ٹین ہوتی میری جگہ تب بھی تم اپنے فرینڈز کی یہ بکواس اسی فخر کے ساتھ سنتے اور مسکراتے رہتے؟“

”مگر مسلمان ہو شرم اور حیا والے عزت والے ہو تو تم سب کی نظروں میں میرے لیے بھی عزت ہوتی احترام ہوتا مگر تمہیں تو ہر لڑکی آسٹم گرل دکھائی دیتی ہے تم میں سے کون ہے کسی کی۔“

”ہاں..... ہم سب کراہیں؟“

”تو کیا تم اپنی بہنوں کو یہاں لاسکتے ہو اپنے دوستوں کے درمیان ہنسا کے سی طرح خوش ہو سکتے ہو جیسے نوفل ہو رہا تھا جو کچھ تم نے میرے بارے میں کہا اگر وہی کچھ تمہارے دوست تمہارے منہ پر تمہاری بہن کے متعلق کہیں تو کیا کہو گے تم؟ تمہارا رومل کیا ہوگا اس وقت؟ کتنے خوش ہو گے تم بتاؤ؟“

”میں اس سالے کا منہ توڑ دوں گا جو میری بہن کے بارے میں ایسی بے ہودہ بکواس کرے گا۔“ امجد نے جذباتی پن سے کہا۔

”میں بھی۔“ جمی بولا۔

”میں منہ توڑنے کے ساتھ ساتھ دوستی بھی توڑ دوں گا۔“

جواب دیا۔ اتنی دیر میں اس کے دوست ان کی ٹیمبل کے قریب آ چکے تھے۔ راتیل کو اپنا آپ ان پانچ لڑکوں کے بیچ بہت ان کمزٹ پہل لیں ہو رہا تھا۔ وہ چاروں اسے سر سے پاؤں تک ایسے دیکھ رہے تھے جیسے پہلے کبھی کسی لڑکی کو دیکھا نہ ہو راتیل نے نیوی بلو فراؤزر پر ہلکے کام والا پریل کرتا بہن رکھا تھا اور اسے کارف سر پر سلپتے سے پہنا تھا کہ اس کا سر ڈھک گیا تھا۔ وہ چاروں لڑکے بھی نوفل کی طرح عجیب و غریب حلیے میں تھے۔ گھٹنوں سے پھٹی ہوئی جنز کی پینٹ پہنے کسی نے سلیویس شرٹ پہن رکھی تھی کسی نے ٹی شرٹ اور کسی نے ہاف ہازروں والی شرٹس چڑھا رکھی تھی۔ راتیل نے حیرت سے ان کا جائزہ لیتے ہوئے سوچا کہ یہ کس دنیا کی مخلوق ہیں۔

”یہ میری کزن ہیں راتیل فرام لندن۔“ نوفل نے راتیل سے ان چاروں کا تعارف کرانے کے بعد راتیل کا ان سے تعارف کروایا۔

”آپ سب اسی ملک کے باشندے ہیں ہاں؟“ راتیل نے کمال محسوسیت سے ان چاروں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”جی..... کیا مطلب؟“ وہ چاروں ایک ساتھ بولے۔

”آئی مین یہ حلیے وہاں لندن میں تو چیرٹی مانگتے والوں کا ہوتا ہے آئی مین بھیک مانگنے والوں کا۔“

”یاد تیری کزن تو ہماری بے عزتی کر رہی ہے۔“ جمی نے نوفل سے کہا۔

”راتیل..... ڈارنگ! یہیشن ہے آج کل یہ سب بہت ان ہے۔“ نوفل نے وضاحت کی اسے بھی راتیل کا اس طرح سے اس کے دوستوں کے بارے میں کھٹ کرنا کچھا چھانسیں لگا تھا۔

”یاد نوفل تیری کزن تو پوری آسٹم ہے قسم سے۔“ اور باقی دوستوں کی اس قسم کی رائے پر جہاں نوفل اتر رہا تھا وہاں راتیل غصے سے لال ہو رہی تھی ایسی باتیں تو کبھی اس نے لندن میں بھی کسی سے نہیں سنی تھیں۔ وہ لیے دیئے



”چھوڑ یار جانے دے۔“ امجد نے پرویز کو خاموش کرایا۔

”سوری سسز ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے ریلی ہمیں یہ باتیں پہلے کہانے نہیں بتائیں۔“ باہر نے سنجیدگی سے کہا۔

”بتانا کون ہر لڑکی ان جیسی تو نہیں ہوتی کہ سمجھانے بیٹھ جائے۔ سارا قصور لڑکوں کا تو نہیں ہوتا سسز جب لڑکیاں بے پردہ پھرتی ہیں ہر طرح کا فیشن کر کے تو مردوں کی نظر کا پردہ آپ ہی اڑا جاتا ہے۔ خیر آئندہ میں تو اپنی پوری توجہ اپنی انجوشن پر دوں گا لڑکی کا جب نام آئے گا تب دیکھا جائے گا۔“ امجد نے سنجیدگی اور صاف گوئی سے کہا تو راتیل مسکرا دی۔

”نوفل تم اپنے فرینڈز کے ساتھ پارٹی انجوائے کرو اور مجھے کوئی ٹیکسی منگوا دو مجھے گھر لے جاؤ۔“ راتیل نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر نوفل کو دیکھتے ہوئے کہا اور باہر دوڑنے کی طرف بڑھ گئی تو نوفل تیزی سے ماس کے پیچھا آیا۔

”آئی ایم سوری۔“ نوفل نے راتیل کے غصے سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے شرمندگی سے کہا مگر وہ خاموش گاڑی میں بیٹھی رہی۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ.....“

”اب تو اندازہ ہو گیا، ہو گا نا سو بی کیس نوفل ان ٹیوچ۔“  
 ”بس۔“ راتیل کے غصے اور اس کی باتوں نے نوفل کی ساری اگڑ بگڑ دی تھی۔ آہستگی سے جواب دیا۔ دراصل اس میں نوفل کا بھی قصور نہیں تھا۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اپنی ماں نوشین کو باپ کے ساتھ بدتمیزی سے ہی پیش آتے دیکھا تھا۔ یہی بدتمیزی اور بے پرواہی نوفل اور ٹین میں بھی سرایت کر گئی تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ماں نے کبھی ان کے باپ کو اہمیت نہیں دی ان سے کبھی سیدھے منہ بات تک نہیں کی۔ انہیں محبت کے لائق نہیں سمجھا ان کا خیال نہیں رکھا تھا وہ اب احمد نے ہمیشہ ان سب کی ضروریات کا خیال رکھا تھا انہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی پھر بھی نوشین کو ان سے شکایتیں ہی رہتی تھیں وہ

”ہاں بالکل میں بھی ایسا ہی کروں گا۔“ پرویز کی بات پر باہر نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا۔

”گڈ ویری گڈ۔“ راتیل نے مسکراتے ہوئے تالی بجائی۔ ”اس کا مطلب ہے کہ ابھی کچھ شرم لحاظ آپ لوگوں میں ہاتی ہے آگے بڑھنی ضرور ہے لیکن ابھی پوری طرح سے آنکھوں کا پانی مٹا نہیں ہے جب آپ سب اپنی بہنوں کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں سن سکتے تو مجھے ایمان داری سے بتائیے کہ کیا آپ کو یہ زیب دیتا ہے کہ آپ اپنے دوست کی بہن کے بارے میں میرے بارے میں کسی کی بھی بہن بنی کے بارے میں اسکی بے ہودہ بات کریں ایسی رائے دیں جو آپ نے مجھے دیکھ کر دی کیا میں کسی کی بہن نہیں ہوں میری کوئی عزت نہیں ہے آپ کی نظر میں..... مجھے آپ لوگوں نے کیا سمجھا تھا کہ میں لندن سے آئی ہوں تو بے حیائی کا سونہ ہوں گی؟ میرے بارے میں ایسا کیوں کہا آپ نے؟ آپ کے والدین نے آپ کو عورت کی کسی لڑکی کی عزت کتنا نہیں سمجھا کیا؟ آپ کی عمر اپنی تعلیم پر توجہ دینے کی ہے لڑکیوں پر توجہ دینے کی نہیں ہے۔ آپ کو پہلے خود آئینہ دیکھنا چاہیے کہ آپ ہیں کیا؟ لڑکیوں کو بعد میں دیکھیے گا ابھی تو عمر بڑی ہے پہلے کچھ بن تو جائیں کسی قابل تو ہو جائیں اس بے شکے اور بے ڈھنگے حلیے کو اپنا کر اپنے ماں باپ کی دولت پر اترا کر آپ کون سا تیر مار رہے ہیں آپ کا اپنا کیا ہے اس میں؟ آپ نے ایسا کیا کارنامہ انجام دیا ہے کہ کوئی لڑکی آپ سے متاثر ہو جائے۔ میرے ملک کے نادان نوجوانو! میرے نا سمجھ بھائیوں! ہوش اور عقل کے ناخن لڑکی کو دیکھ کر آوازیں کتنا کھنٹ پاس کرنا شریف اور اچھے لڑکوں کو زیب نہیں دیتا کیا سمجھے؟“

”ہم یہاں لیکچر سننے نہیں آئے تھے۔“ پرویز نے منہ بنا کر کہا۔

”تو کیا کرنے آئے تھے؟“ راتیل نے کڑے تیوروں سے اسے ٹھوڑا امجد نے پرویز کو کہنی ماری نوفل خاصا شرمندہ اور خاموش بیٹھا تھا۔



کبھی وہاب احمد سے خوش نہیں ہوئی تھیں اور نہ ہی وہاب احمد کو کوئی خوشی دی تھی۔ اولاد بھی قدرت نے قسمت میں لکھی تھی جو ان کے درمیان ایک پل بن گئی تھی اور وہ بھی پل کے نقش قدم پر چل رہی تھی۔ نوشین کی دیکھا دیکھی ہی نشین بھی یونیورسٹی میں لڑکوں سے بے تکلفی سے ملتی تھی۔ جاوید کے ساتھ تو اس کا باقاعدہ انٹرن چل رہا تھا۔ جاوید ٹیل کا اس سے تعلق رکھتا تھا مگر ہینڈسم ہونے کی وجہ سے نشین کی نظر عنایت و محبت اس پر جیسے ٹک سی گئی تھی۔ وہ اسے قیمتی تحائف بھی دے چکی تھی۔ مرد و خواتین دونوں ہی نوشین کے حلقہ احباب میں شامل تھے۔ اور اکثر گھر بھی آتے رہتے تھے یہ بات وہاب احمد کو سخت ناپسند تھی۔ انہوں نے نوشین کو کوئی پار غیر مردوں کا جنہیں وہ اپنا دوست کہا کرتی تھیں انہیں گھر لانے سے منع کیا تھا مگر وہ نوشین ہی کیا جو ان کی بات مان لیتی اور تہہ بردہ کام کرتی تھی جس سے وہاب احمد کو تکلیف اور ذہنی اذیت پہنچتی تھی۔ تین سال سے وہاب احمد کا بزنس بھی خسارے میں جا رہا تھا۔ فیکٹری قرض لے کر چل رہی تھی۔ اسپورٹ ایکسپورٹ بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ بہت سے بینک لونز واجب الادا تھے۔ وہ دیوالیہ ہو گئے تھے ایسے میں بھی انہیں بیوی کی طرف سے تسلی بخشی اور حوصلے کی امید نہ تھی اور نہ ہی نوشین نے انہیں اس کڑے وقت میں سہارا دیا نہ حوصلہ دیا۔ الناز ذہنی اذیت سے دوچار کیا۔ اس وقت تیمور حسن نے ہی وہاب احمد کو سہارا دیا ان کا تو گھر بھی رہن رکھا گیا تھا تیمور حسن نے اپنا گھر جو کے کرائے پر دیا ہوا تھا ڈیڑھ کینال کا شاندار بنگلہ تھا وہ انہوں نے وہاب احمد کو بنا کسی کرائے کے رہنے کو دے دیا تھا۔ مالی مدد بھی کی تھی جس سے وہ پھر سے اپنے بزنس کو کھڑا کر سکے تھے وہاب احمد تیمور حسن کے بے حد ممنون اور احسان مند تھے۔

”وہاب لاج“ میں گاڑی رکھتے ہی راتیل گاڑی سے نیچے اتری اور تیزی سے اندر کی جانب بھاگی کہ سامنے ساتے علی سے ٹکرائی۔ علی کو اس کے چہرے پر غصہ اور بے ذاری صاف دکھائی دے رہے تھے۔ راتیل انہیں دیکھ

کر پشیمانی۔

”اوہ سوری۔“

”ٹیس باؤ کے..... آریٹال رائٹ؟“

”ٹیس فائن۔“ وہ جواب دے کر سائیڈ سے نکلنے لگی تھی کہ علی نے پوچھا۔

”اتنی پریشان اور غصے میں کیوں ہو؟“

”ویڈی نے نونفل کے ساتھ ڈنر پر بھیجا تھا بیٹ نونفل نے اپنے فرینڈز کو بھی وہاں انوائٹ کر لیا تھا۔ دے آر ٹاٹ گڈ ٹائز۔“

”ہوں..... تو ڈنر نہیں آیا؟“

”نہیں۔“

”چلو اکٹھے ڈنر کر۔“ وہ ہیں مجھے بھی بہت بھوک لگ رہی ہے۔“ علی نے مسکراتے ہوئے کہا وہ اس کی کیفیت کو کسی حد تک سمجھ رہا تھا۔ اور نونفل کے دوستوں کا بھی اسے علم تھا کہ وہ کس مزاج کے ہیں۔

”آئندہ نونفل کے ساتھ اکیلی باہر مت جانا۔“ علی نے کھانے کی ٹیبل پر راتیل کو ہدایت دی تو اس نے چونک کر اسے دیکھا وہ بھلا اس کی اتنی پروا کیوں کر رہا تھا؟

”تم..... تم تو نونفل کے ساتھ ڈنر پر گئی تھیں پھر یہاں ڈنر کس لیے؟“ اس وقت نوشین باہر سے آئیں اور راتیل کو علی کے ساتھ ڈنر کرتے دیکھ کر تیز لہجے میں پوچھا تو وہ گھبرا گئی اور علی کو سکنے لگی۔

”اچھی لی نونفل۔ نے اپنے فرینڈز کو بھی انوائٹ کر لیا تھا۔“

”تو یہ تو اچھی بات ہے وہ تمہارا خیال کر رہا تھا تمہارا دل بہلانے کو اس نے پارٹی کا ایجنج کیا اور تم چھوڑ کر چلی آئیں۔ یہی سمجھ کر کھائے ہیں تمہیں تمہارے اماں باوا نے میرے بیٹے کی انٹلٹ کر کے اب تم یہاں مزے سے ڈنر اڑا رہی ہو۔ وہاں لندن میں کیا سات پردوں میں کھانا چینا کرتی تھیں۔ ہونہر بڑی آئی پارسیا۔“ نوشین نان اسٹاپ راتیل پر طنز و تفریق کے تیر برسانی کئیں۔ وہ اندر تک سے چھلٹی ہوئی تھی۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ علی



دیکھا اور دماغ میں ایک خیال ابلی کی سی تیزی سے کونٹا تھا۔  
 ”سوری راتگ نمبر۔“ دشمن نے یہ کہہ کر ریسور  
 کریڈل پر رکھ دیا اور ماتھے پر ٹمکن ڈال کر تیزی سے راتیل  
 کی طرف آتے ہوئے بولیں۔

”ایک دن نہیں ہوا تمہیں یہاں آئے ہوئے اور تم نے  
 اپنے آشنا کو میرے گھر کے فون نمبر بھی دے دیے۔“  
 ”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ راتیل پر جیسے حیرتوں  
 کے پہاڑ ٹوٹے تھے۔ علی بی لب کاٹتے ہوئے اسے  
 دیکھ رہا تھا۔

”یہ مائیکل کون ہے؟“ تو دشمن نے جھوٹ بولا۔

”میں کسی مائیکل کو نہیں جانتی۔“

”اچھا! تو وہ تمہیں کیسے جانتا ہے؟ لندن سے کال کی  
 تھی اس نے تم سے بات کرنے کے لیے میں نے کہہ دیا  
 کہ راتگ نمبر ہے۔“

”میں کسی مائیکل کو نہیں جانتی تو اسے یہاں کا نمبر  
 بھلا کیوں دوں گی؟ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔“  
 راتیل نے سنجیدگی سے کہا، اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ اڑ  
 کر اپنے ماما پاپا اور بھائی کے پاس پہنچ جائے، اس کا  
 دل دکھ سے بھرتا رہا تھا۔

راتیل نے وہی نظروں سے علی کی طرف دیکھا اور اپنی  
 ہی نظروں میں شرمندہ اور چوڑی بن گئی اور خاموشی سے اس  
 کمرے میں چلی آئی جو اسے نمبر نے کے لیے دیا گیا تھا۔  
 علی نے اس کی پلیٹ کو دیکھا، یہاں روٹی، سالن ویسا ہی رکھا  
 تھا اور وہ خالی پیٹ ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ علی کی  
 بھی بھوک مر گئی تھی۔ سو اس نے بھی کھانا نہیں کھایا۔  
 جاتے جاتے علی کو نجانے کیا ڈال آیا اس نے میلی فون کے  
 قریب جا کر سی ایل آئی پر نمبر چیک کیا، کچھ دیر پہلے آنے  
 والی کال کا نمبر اور وقت دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ وہ کال تو  
 لاکل تھی۔ اور پچھلے چار دن کی، لڑ میں کوئی بھی کال لندن کی  
 نہیں تھی۔ علی گیسٹ روم کی طرف آتے ہوئے سوچ رہا تھا  
 کہ ممائی نے جھوٹ کیوں بولا؟ ممائی کو راتیل سے اتنی چڑ  
 بلکہ نفرت کیوں ہے؟

بھی ششدر تھا کہ یہ تو دشمن ممائی کو ہوا کیا ہے جو ایک دن  
 کی مہمان سے ایسا برتاؤ کر رہی ہیں؟  
 ”آئی وہ لوگ بہت فضول گفتگو کر رہے تھے آئی ایم  
 سوری، بٹ نونل کے فرینڈز بالکل بھی اچھے نہیں ہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم میرے بچے کے  
 کریکٹر پر انگلی اٹھا رہی ہو اس کے دوستوں کو برا کہہ  
 رہی ہو گو یا تم میری تربیت پر انگلی اٹھا رہی ہو۔ میرا بیٹا  
 آوارہ ہے جیسی اس نے برے دوست بنائے ہیں۔  
 یہی مطلب ہے تمہارا۔“

”نہیں آئی، میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔“  
 ”ممائی! آپ غلط سمجھ رہی ہیں پلیز ریٹکس اتنا غصہ  
 آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے آپ کاپی لی شوٹ کر  
 جائے گا۔ ریٹکس۔“ علی نے آگے بڑھ کر دشمن کو شانوں  
 سے تمام کرنی سے کہا۔

”علی بیٹا تمہیں نہیں معلوم یہ کیسی لڑکی ہے اس کے  
 ماں باپ نے اپنی بلا ہمارے سر منڈھ دی، تاکہ خود بدنامی  
 سے بچے رہیں یہ یہاں آ کے پارسائی کے ڈرامے کر رہی  
 ہے جیسے میں اسے جانتی نہیں ہوں۔“ تو دشمن نے راتیل  
 کے کردار کی وجہیں نکھیر دی تھیں، راتیل صدے سے  
 گنگ کھڑی تھی۔

”آئی آپ میری مہما کی بہن تو نہیں لگ رہی ہیں آپ  
 کو کسی نے یہ حق نہیں دیا کہ آپ میرے کردار پر کچھ  
 اچھا لیں، جھوٹ بول کر آپ کون سا ثواب کما رہی ہیں؟“  
 راتیل نے ہمت کر کے کہا۔

”دیکھا تم نے علی سنا کیس زبان چلتی ہے اس کی تکلیف  
 یہ تکلیف کہاں ہے؟“ تو دشمن نے علی سے ہڈیانی انداز میں کہا  
 اور دشمن کے کمرے کی طرف جانے لگی کہ اسی وقت میلی  
 فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو۔“ تو دشمن نے رک کر ریسور اٹھایا۔

”السلام علیکم! جی یہ ارشاد صاحب کا نمبر ہے نا پلیزان  
 سے بات کرادیتے ہیں میں ظاہر بول رہا ہوں۔“ دوسری جانب  
 سے آواز آئی تو تو دشمن نے چور نظروں سے علی اور راتیل کو



کر دیا ہے۔ بنگلہ بھی کھل ہی سمجھو۔ علی سے اگر تمہاری شادی ہوگئی تو راج کروگی۔ اس کے گھر میں ماں باپ کے علاوہ کوئی ہوگا بھی نہیں۔ دونوں بہنوں کی شادی ہوگئی ہے چھوٹا رضی تو اپنے نونفل کی عمر کا ہے۔ اس کا حصہ نہیں ہوگا علی کی پر اپنی میں لہذا علی کو راتیل۔ بے بدگمان کرو اور خود اس کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کرو۔ باقی ایسا یا کو تو میں تمہی میں کر لوں گی وہ علی کے لیے تمہیں خود ہی مانگ لیں گی۔“  
 نوشین کے سازشی دماغ نے جو پلاننگ کی تھی وہ ٹھیک کو متا رہی تھیں جبکہ ٹھیک کی دلچسپی کچھ خاص نہیں تھی۔

”موم ٹھیک ہے علی گڈ لٹنگ اور ڈشنگ ہے مگر مغرور بہت ہے وہ مجھے پسند نہیں کرتا تو میں محض اس کی پر اپنی کے لیے اس سے شادی کیوں کر لوں گی؟“  
 ”یہ پسند پیار کچھ نہیں ہوتا وقتی اہال ہے سب ذرا حالات نے کروٹ بدلی دل بھی بدل گیا اور پیسے کے بغیر پیار بھی آزار بن جاتا ہے خانا پیٹ تو محبت کے خواب بھی نہیں آتے سمجھو میری نادان بیٹی۔“  
 ”مگر موم میں جاوید سے محبت کرتی ہوں۔“

”ششاپ۔“ وہ غصے سے بولی۔  
 ”کچھ ہے، اس کا ہی خیال کر لیا ہوتا یہ نڈل کلاس کے لڑکے صرف محبت کے خواب ہی دکھا سکتے ہیں۔ پیار بھری باتیں اور تھوڑا کلاس، ومانوی شاعری سنا سنا کر جملے بول بول کر تم جیسی امیر لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساتے ہیں اور سب کچھ لوٹ کر سی اور کولونٹے کے لیے نکل پڑتے ہیں۔“

”اف موم پلیز بس کریں آپ تو بہت خوف ناک باتیں کر رہی ہیں۔“  
 ”یہ محض باتیں نہیں ہیں زندگی کی تلخ حقیقتیں ہیں۔ جنہیں تم جتنی جلدی سمجھو باوا اتنا ہی اچھا ہے اور فائدہ مند بھی۔“ نوشین نے نہایت سنجیدگی سے اپنی بات ختم کی تھی ٹھیک نے گہرا سانس لی اور اسے خارج کیا۔



آج پہلی بار وہ اس قدر روٹ کر بکھری تھی۔ آنسو جن

وہ راتیل کے ساتھ اتنا ناز یا سلوک کیوں کر رہی ہیں؟ آخر کیا راز ہے اس سارے کھیل کے پیچھے؟ وہ جوں جوں سوچتا جا رہا تھا کھتا چلا جا رہا تھا۔  
 ”ٹھیکیں.....“ وہ لپ لپ پاپ پر جاوید سے چیٹنگ کر رہی تھی نوشین کی آواز سن کر ہڑبڑائی۔

”اف مام آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔“  
 ”ڈرا تو تم مجھے ہی ہوا پتی بے پروائی سے۔“  
 ”کیوں مام..... کیا ہوا؟“  
 ”میں نے تم سے کہا تھا نا علی پر نظر رکھو اس کا خیال رکھا کرو اسے توجہ دو مگر تمہاری توجہ تو کہیں اور ہی مبذول ہے۔“ نوشین نے غصے سے لہجے میں کہا۔

”مام وہ بہت ان روٹنگ آدمی ہے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا میری طرف اب مجھ سے نہیں ہوتی مزید ایک ٹنگ۔“ ٹھیک نے بے زاری سے کہا کیونکہ جب علی آیا تھا یہاں تب شروع دنوں میں وہ اس کے بہت آگے پیچھے پھرتی تھی یہاں یہاں سے اس کے پاس جاتی اس سے بات کرنے کی باہر لے جانے کی کوشش کرتی مگر سب پر کار..... اسے تو شاید اپنے کام اور اپنے والدین کے نام کے علاوہ کچھ یاد ہی نہیں تھا اور ٹھیک کو اس کے اس رویے سے اپنی بہت تنگ محسوس ہوتی تھی اور وہ غصے میں آ کر اس سے اب کئی دن بات بھی نہیں کرتی تھی۔

”چار دن ڈرامہ کر لوگی تو ساری زندگی شش سے گزارو گی۔ اس کم بخت راتیل کی تو دیکھو نونفل کا ڈنر چھوڑ آئی اور علی کے ساتھ ڈنر کر رہی تھی میں نے بھی ایسا ہنگامہ کیا کہ ایک نوالہ بھی حلق سے نیچے نہیں اترنے دیا موصوف کے۔“  
 نوشین نے بڑے قاتحانہ انداز میں بتایا۔

”موم چھوڑیں راتیل کی ٹینشن مت لیں اس کی دان یہاں نہیں گلے والی۔“  
 ”میں گلے دوں گی تب نا۔“ اور وہ دونوں تہتہ لگا کر بیٹھ پڑیں۔

”اچھا میری بات غور سے سنو! راتیل کو علی کی نظر میں معتبر نہیں ہونے دینا علی کی اپنی ٹیکسٹری نے کام شروع



”ہاں گئی میری جان، رے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔“ جاوید پیار سے سمجھا رہا تھا۔  
 ”مگر یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ میرے ماں باپ کی عزت و دُور لنگ جائے گی اور وہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ پر اپنی سے بھی عاق کر دیں گے۔“

”ارے جان! تم خواہنا، کی ٹینشن پا رہی ہو کچھ نہیں ہوگا جب وہ تمہیں میرے ساتھ خوش دیکھیں گے تو خود ہی ہمیں معاف کر کے گئے سے لگائیں گے ان کا غصہ بھی ٹھنڈا پڑ جائے گا۔“ جاوید نے پیار سے سمجھایا۔  
 ”اور تمہارے گھر والے۔“

”میرے گھر والے تو بے مینٹی سے انتظار کر رہے ہیں کہ کب تم ان کے گھر میں لوہا بن کر آؤ اور کب ان کو تم پر اپنی محبتیں بچھاؤ اور کرنے کا سوچا طے خاص طور پر مجھے۔“ وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا تو وہ ہلش ہو گئی۔  
 ”ٹھیک ہے میں سوچ کر خواب دوں گی۔“

”او کے ڈار لنگ! ٹیک کی رچلہ بات ہوگی اور ہاں اپنی شادی کی شاپنگ بھی کر لینا۔ میں تو سیدھا مارکیٹ جا رہا ہوں۔ اپنے لیے کچھ نئے ڈربوز خریدنے۔“ وہ شرارت سے بولا۔

”او کے بائے ڈار لنگ۔“ نگین نے ہنس کر جوابا کہا اور موبائل آف کر دیا۔ راتیل کو دور سے ہی اس کے چہرے پر پھیلی حیا اور خوشی کی ہر تھی دکھائی دے رہی تھی۔ مگر نگین غلط کرنے جا رہی تھی، اس غلط کو کسی بھی صورت اسے روکنا تھا۔ مگر کیسے؟ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس سلسلے میں وہ کس سے بات کرے، گھر میں ایسا تو کوئی بھی نہیں تھا جو اس کی بات سننا اور سمجھنا۔ نگین اور نونہل سے تو بات کرنا گویا بھڑوں سے، جھتے میں ہاتھ ڈالنا تھا۔ وہ اب احمد سے ایسی بات وہ ایک لڑکی ہونے کے ناطے کر نہیں سکتی تھی اور کس سے کہتی کہ وہ نگین کو غلط اور انتہائی قدم اٹھانے سے باز رکھے وہ اپنی ہی نہیں اپنے ماں باپ کی عزت بھی مٹی میں ملانے جا رہی تھی۔ دو دن ہو گئے

سے کبھی آشنائی نہ تھی دکھا جس سے کبھی دور کا واسطہ تک نہ تھا، ناقدری جس نے کبھی اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ آج وہ سب اس کے پورے وجود میں نگین نے اتار دیئے تھے۔  
 ”پاپا جانی یہ کہاں بھیج دیا آپ نے مجھے؟“ وہ ہچکیاں لے کر رو رہی تھی اور اپنے پاپا سے سوال کر رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ جتنے ناز و نعم میں وہ پلی بڑھی تھی، جتنی محبتوں کے حصار میں وہ ہنستی مسکراتی رہی تھی، اب تک یہاں آ کر اسے اتنی ہی تکلیفوں اور دکھوں سے آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا۔



”جاوید تم نہیں جانتے ماں میری شادی تم سے کبھی نہیں کریں گی ان کے خیال میں تم مجھ سے ہی کیا سکتے ہو سوائے جموئی ہاتوں کے پیار کے۔“ نگین لان میں ٹہلتے ہوئے موبائل پر جاوید سے بات کر رہی تھی۔ راتیل کے کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اس کی آواز راتیل کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

”مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے سچی محبت کرتے ہو لیکن ہم کبھی ایک نہیں ہو سکیں گے۔“ نگین کے لہجے میں پریشانی تھی۔ راتیل مسکرا دی۔

”ایسا تو نہ کہو نگین میں مر جاؤں گا۔“ جاوید کے لہجے میں بے قراری تھی۔

”میں کون سا جی سکوں گی تمہارے بغیر؟ تم ہی بتاؤ کیا کروں میں؟“

”ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔“ جاوید نے فوراً مشورہ دیا۔

”واٹ کورٹ میرج؟“ نگین جس طرح حیرت سے چیخی تھی راتیل کو بھی اس کی بات سن کر دھچکا لگا تھا۔ وہ اتنا تو سمجھ رہی تھی کہ نگین کچھ غلط کرنے جا رہی ہے سچا پیار کرنے والا عزت کرنے والا شخص کبھی بھی کسی لڑکی کو گھر والوں سے چھوٹی چھپ کر شادی کرنے کورٹ میرج کرنے کا مشورہ ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔ جاوید ضرور اسے بے وقوف بنا رہا تھا۔



اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔

”السلام علیکم بیٹا جی!“ کسی بزرگ خاتون کی آواز  
رائیل کی سماعت سے عکرائی تو اس نے فوراً ہی سر اٹھا کر  
دیکھا، سامنے چھپن برس کی بواجی کھڑی تھیں۔ ہلکے باوامی  
رنگ کے شلوار تھیں اور سفید دوپٹے میں وہ بہت سوہر  
دکھائی دے رہی تھیں۔ گندی رنگت چہرے پر نرمی اور متنا  
کی سی روشنی تھی۔ رائیل سے ان کا غائبانہ تعارف تو سنا تھا  
اسی فوراً ہی پہچان لیا تھا انہیں اور اسے ایک دم سے جیسے خوشی  
کا احساس ہوا تھا انہیں یوں سامنے پا کر۔

”علیکم السلام بواجی آپ بواجی ہیں ناں۔“

”ہاں میں بواجی ہوں میری بیٹی نے پہچان لیا مجھے  
جیستی رہو کیسی ہے میری گزیرانی تمہارے ماں باپ  
کیسے ہیں؟“ بواجی نے اسے اپنے گلے سے لگا کر اس کا  
ماتھا چوما۔

”سب ٹھیک ہیں آپ کیسی ہیں..... کہاں تھیں  
اب تک؟“

”میں گاؤں گئی ہوئی تھی اپنے بھائی کے گھر رات  
دہا ب مہراں کا فون آیا کہ رائیل آئی ہے لندن سے اور  
بہت اکیلی اکیلی ہی ہے یہاں آپ واپس آ جائیں اور میں  
آگئی اور وہ مجھے نہ بھی بلائے۔ تو میں تو تمہارے آنے کا سن  
کر ہی دوڑی چلی آئی۔“ بواجی نے اس کے چاند چہرے کو  
ہاتھوں میں لے کر محبت سے کہا۔

بواجی انشین اور نوشین کے میکے میں شروع سے ہی  
کام کرتی تھیں نمازی پر بیہ گار اور سراپا محبت تھیں شہید کی  
بیوہ تھیں۔ سب ان کا بہت احترام کرتے تھے انشین  
نوشین زہد عابدانہ کی گود میں لے بڑھے تھے ان کے  
سارے کام اور ان چاروں بقرآن پاک پڑھانے کی ڈیوٹی  
پر مامور تھیں۔ فوج کی طرف سے پینشن انہیں مل رہی تھی  
وہ اسی میں گزارہ کر رہی تھیں اور جو رقم انہیں انشین اور نوشین  
کے گھر یعنی ماجد ہاؤس۔ یہ ان کی خدمت کے عوض بطور  
اجرت ملا کرتی تھی وہ اس رقم کو اپنے غریب بھائی شا کر کو

تھے اور رائیل کا سوچ سوچ کر دماغ بھی تھک گیا تھا۔  
!جانک اسے خیال آیا کیوں نہ علی سے بات کر کے  
دیکھے۔ شاید وہ کوئی مشورہ دے سکے۔ علی صبح نو بجے تک  
گھر سے فیکٹری کے لیے لگتا تھا اور رات دس ساڑھے  
دس بجے تک گھر لوٹتا تھا آج اتفاق سے وہ نو بجے ہی گھر  
آ گیا تھا۔ ڈنر کے بعد لاؤنچ میں بیٹھا ری موٹ کنٹرول  
سے نوز چھینل بار بار بدل رہا تھا۔ ہر طرف ایک ہی خبر  
چل رہی تھی، ہم دھماکے ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری جعلی  
دواؤں سے سریشوں کی اموات، رائیل تو یہ سب دیکھ اور  
سن کر بہت افسردہ اور خوف زدہ ہو گئی تھی۔

”ہاں بھئی رائیل کیسا لگ رہا ہے اپنے وطن لوٹ  
کر؟“ علی نے اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر خود ہی پوچھ لیا۔  
”بہت برا۔“ وہ صاف گولی سے بولی۔  
”کیوں؟“

”کیوں۔“ کا جواب آپ کے سامنے بھی ہے آپ دیکھ  
ہی چکے ہیں۔ جیسے حالات ملک میں ہیں ویسی ہی گھر میں  
ہیں۔ یہ سب بہت تکلیف دہ ہے..... جتنا۔“  
”ہاں سید کہتی ہو اللہ اس ملک پر رحم فرمائے۔“  
”آمین۔“ رائیل نے کہا۔

”مجھ سے ضروری بات کرنی ہے۔“ رائیل نے  
ہمت کر کے کہا تو علی نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔  
”مجھ سے..... ہاں کہو۔“

”مجھے نیشنل پی کے بارے میں بات کرنی ہے۔“  
”تو میں یا نوشین آنٹی سے بات کرونا تمہیں کے  
بارے میں مجھ سے کیوں بات کرنی ہے؟“ رائیل کو ان  
کے اس غیر سنجیدہ جواب سے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس کی کسی  
بات میں انٹرنیشنل نہیں ہیں اسے بہت برا محسوس ہوا علی کا  
جواب اسے تپائی تو گیا تھا۔

”انسان اگر کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تو کم از کم  
مشورہ تو معقول دے سکتا ہے۔ یہاں تو آدے کا آدا  
ہی بگڑا ہوا ہے۔“ رائیل نے سپاٹ لہجے میں کہا اور  
وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ علی انہیں آمیز نظروں سے



بھی اب افسین کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگ کر پریشان کن صورت پیدا کریں۔ بھی انہوں نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد نوشین کو اپنے وہاب احمد کے لیے مانگ لیا۔ ماجد حسین اور یاسین کے لیے تو یوں بہت خوش گوار اور یادگار تھا کہ ان کی دونوں بیٹیوں کے لیے اتنے اچھے اور اپنے ہی گھروں کے لڑکوں کے رشتے آئے تھے۔ ہاں بھی کردی گئی تھی اور سب کو منجائی بھی کھلا دی گئی۔ سبھی بہت خوش تھے سوائے نوشین کے وہ تو جملے پھر کی ملی کی طرح پورے گھر میں پھرا رہی تھی۔ تیمور حسن اس کے سامنے اس کی بہن کا شوہر بن کر دلہا بن کر آئے گا اس خیال سے ہی نوشین کے سینے پر سانپ لوٹ رہا ہے۔

”مجھے یہ شادی نہیں کرنی کہہ دیجیے امی لیا سے۔“  
نوشین نے بواجی سے بہت اچھے لہجے میں کہا افسین نے پریشانی کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔

”آہستہ بولو نوشین بٹیا کہنی سنے گا تو کیا کہے گا؟“ بواجی نے اسے نرمی سے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔  
”نوشین کیا کی ہے وہاب میں وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔“ افسین نے بھی سمجھانا پاپا تو وہ طرز لہجے میں بولی۔  
”اچھا! اگر وہ اتنا ہی اچھا ہے تو تم کر لو وہاب سے شادی میں تیمور سے شادی کرتی ہوں۔“

”شٹ اپ! تیمور اب میرے مگیتر ہیں میں کیوں کروں وہاب سے شادی؟“ وہ بے ماں باپ نے جو بھی فیصلہ کیا ہے ہمارے لیے وہی بہتر ہے۔“ افسین نے تیزی سے کہا تو وہ تھی سے بولی۔

”ہاں تمہیں تو بہتر لگے گا کیونکہ تمہیں تمہاری محبت جو مل رہی ہے اگر میں کہوں کہ تم تیمور سے میری شادی ہونے دو وہاب سے تم شادی کر لو تو کیا تب بھی تمہیں یہ فیصلہ بہتر لگے گا بولو؟“

”نوشی بیٹی اپنے نصیب پر راضی ہونا سیکھو رشتے تو آسانوں پر طے ہوتے ہیں۔“ بواجی نے افسین کو بے بسی سے خاموش دیکھا تو اسے پیاد سے سمجھانے لگیں۔

”یہ رشتے اس گھر کی ڈرائنگ روم میں طے ہوئے

کاؤں بھیج دیا کرتی تھیں۔ شاکر کے چھ بچے تھے وہ پرجون کی دکان کرتا تھا اتنے بڑے کنبے کا گزارہ مشکل سے ہوتا تھا مگر بواجی کی تجویز سے وہ آسانی سے مہینہ گزار لیتے تھے۔ بواجی کو ان کے بھائی کے بچے بواجی کہتے تھے ان کی دیکھا دیکھی چھوٹے بڑے سب نے انہیں بواجی کہا شروع کر دیا۔ بواجی کا اصل نام تو فاطمہ بی بی تھا۔ یاسین ماجد اور ماجد حسین نے اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی۔ تیمور حسن اور وہاب دونوں ہی خاندان کے لڑکے تھے وہاب احمد یاسین کے بھائی احمد بخش کے بیٹے تھے اور تیمور حسن ماجد حسین کے بھائی حسن کے بیٹے تھے۔ زائد عابد کے بعد افسین کا نمبر تھا اور پھر نوشین تھی۔ نوشین تیمور حسن کو بہت پسند کرتی تھی۔ تیمور کی پرستاشی ہی اتنی شاندار تھی کہ کوئی بھی لڑکی اس کے خواب دیکھ سکتی تھی مگر تیمور کو افسین اپنے دھیمے پن، فہانت اور سلیقے کی وجہ سے شروع سے پسند تھی اور اللہ نے اسے شکل صورت بھی خوب دی تھی۔

خوب صورت تو نوشین بھی بہت تھی لیکن افسین کے برعکس نوشین بہت تیز طراز منہ پھٹ اور ماڈرن لڑکی تھی اسے سر پد پد اڑھ کر سر جھکا کر بیٹھنا بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ تو ہلہ گلہ کر کے ہنگامہ کر کے خوش ہونے والوں میں سے تھی۔

نماز روزے سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ بواجی اور اباجی کی ڈانٹ سن کر بھی کبھی کبھار نماز پڑھ لیا کرتی۔ وہاب احمد کو نوشین بظاہر تو اچھی لگتی تھی مگر جب شادی کا وقت آیا تو ان کا نظر انتخاب بھی افسین ہی ٹھہری۔ خود وہاب احمد کی والدہ کی بھی خواہش تھی کہ افسین ان کی بہو بنے مگر جوڑے تو آسانوں پر طے ہونے ہیں افسین اور تیمور حسن کا ساتھ لکھا جا چکا تھا لہذا ان دونوں کا رشتہ طے پا گیا۔

تیمور حسن کے گھر والے رشتہ لے کر آئے تو ”ہاں“ کروا کے ہی گئے۔ افسین اور منہ جین بھی وہاں موجود تھے مگر ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہاں حسن اور جمیلہ بیگم افسین کو اپنے بیٹے تیمور کے لیے مانگنے آئے ہیں وہ تو اسے معمول کی گیدرنگ سمجھ کر آئے تھے۔ مگر اب جب انہوں نے رشتے کی بات کی تو انہیں مناسب نہ لگا کہ وہ



ہیں اور میں راضی نہیں ہوں اس رشتے سے اور نہ ہی یہ رشتہ مجھے کبھی کوئی خوشی دے سکتا ہے۔ اگر میری شادی وہاب احمد سے کی گئی تو یاد رکھیے گا میں جینا حرام کروں گی سب کا اور ایشین تم..... تیمور سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ.....“

”توشین.....“ یا سیمین بیگم جانے کب آئی تھیں اس کی اس بات پر ایک زوردار طمانچہ اس کے گال پر رسید کیا تھا۔

”تم اس قدر خود غرض اور بد تمیز ہو سکتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“ یا سیمین نے دکھ سے اسے دیکھا۔

”تو اب سوچ لیں مجھے تیمور سے شادی کرنی ہے۔“

”خاموش ہو جاؤ توشین ہم رشتے طے کر چکے ہیں اور تم اگر تیمور سے شادی کر بھی لو گی نا تب بھی تمہیں اس کی محبت کو ترسنا پڑے گا کیونکہ تیمور تم سے نہیں ایشین سے محبت کرتا ہے تم تیمور سے شادی کی بات کر کے ہمارا ہی نہیں اپنا بھی تماشا بنواؤ گی خانمان بھر میں سب تمہو کریں گے تم پر اور تمہاری اس بے حیائی پر۔ بواجی سمجھاؤ اسے یہ اپنے ماتھے پر ذلت اور رسوائی کا کلنگ لگانے سے اپنی بہن سے اس کی محبت اور خوشی چھین کر کبھی سکون سے نہیں جی سکتے گی۔“ یا سیمین بیگم نے غصے سے پہلے توشین کو لٹاڑا پھر بواجی کو ہدایت کی اور توشین پر ایک نگاہ ملامت ڈال کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ پھر بواجی نے توشین کو بہت سمجھایا توشین نے بھی دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ وہاب احمد کو بھی پیار نہیں دے گی کیونکہ اس نے بھی پہلے ایشین کا ہاتھ مانگا تھا۔ ایشین کی بات طے ہونے پر توشین کے لیے اس کے گھر والوں نے بات کر لی تھی۔ اور یہ بھی کہ وہ ایشین کو بھی تیمور کے ساتھ کبھی خوش نہیں ہندے گی۔ انتقام اور غصے کی آگ میں جلتے جلتے توشین نے وہاب احمد سے شادی تو کر لی تھی مگر ۲۰ سال گزر جانے کے باوجود وہ وہاب احمد کو اپنے دل میں جگہ نہ دے سکی تھی۔ حالانکہ وہاب احمد نے ایک ایسے شوہر ہونے کی ہرزے داری نبھائی تھی۔ ہر حق دہانت داری سے ادا کیا تھا۔ ایشین اور توشین کی شادی ایک ساتھ ایک ہی دن ہوئی تھی۔ ان کی پہلی اولاد میں دو ماہ کا فرق تھا۔ ایشین کو اللہ نے پہلی اولاد بیٹا دیا تھا اور توشین کو

بٹی سے نوازا تھا۔ توشین کو اس پر بھی آگ لگ گئی تھی کہ ایشین کے پہلی اولاد بیٹا کیوں ہوا اور اس کے ہاں بٹی کیوں پیدا ہوئی۔ دو سال بعد ایشین کے ہاں بٹی راتیل پیدا ہوئی اور توشین کو اللہ نے س پار بیٹا دیا تھا جس کا نام انہوں نے ذوالنون رکھا تھا۔ بیٹے کی پیدائش پر تو توشین کے باؤں ہی زمین پر نہ نکلتے تھے۔ پھر ۲ سال بعد نونل پیدا ہوا تو توشین کی گردن مزید اکڑ گئی کہ وہ دو بیٹوں کی ماں ہے اور ایشین صرف ایک بیٹے اور ایک بٹی کی ماں ہے۔ تیمور نے لندن کے ویزے کے لیے کافی عرصے سے اپلائی کیا ہوا تھا اس کا فیملی ویزا لگ گیا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ لندن روانہ ہو گیا اور اپنے والد کی گارمنٹ فیکٹری کا کام وہاں بیٹھ کر مزید وسیع کیا۔ آفس بنایا اور اپنی تعلیمی قابلیت کے مطابق وہاں ملازمت بھی کی۔ ذوالنون کو تعلیمی ویزے پر انہوں نے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ توشین نے پہلے تو بہت مخالفت کی مگر پھر کچھ سوچ کر اسے جانے دیا۔ ذوالنون اولیول کرنے کے بعد واپس پاکستان آ گیا اسے آری کالج میں پڑھنے کا بہت شوق تھا اس لیے وہاب احمد نے آری میڈیکل کالج اسما آباد میں اس کا ایڈمیشن کروا دیا۔ وہ خود بھی چاہتے تھے کہ ذوالنون توشین کے ذریعہ رہے ورنہ وہ بھی ٹیمن اور نونل کی طرح بگڑ جائے گا۔ ایشین اور تیمور حسن نے جس طرز اس کی دیکھ بھال اور تربیت کی تھی اس کا اثر زائل ہونے نہیں دیکھنا چاہتے تھے وہ لہذا انہوں نے ذوالنون کو فل سپورٹ کیا اور ذوالنون سے ان کی دوستی اور محبت بھی بہت زیادہ تھی۔

راتیل کے آنے سے توشین کے غصے اور بدلے کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ پرانے زخم پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ راتیل کو ہر لمحہ آزمائش میں ڈال رہی تھیں۔ اسے بے عزت کر رہی تھیں۔ دراصل وہ راتیل کو دکھ دے کر تیمور اور ایشین کو دکھ دینا چاہتی تھی۔



”تکین آئی کیا میں آپ کے ساتھ آپ کی یونیورسٹی چل سکتی ہوں؟“ راتیل نے ناشتے کی میز پر



تکسین سے پوچھا۔

”میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کی یونیورسٹی کیسی ہے  
میں یہاں کی فوٹو گرافس لینا چاہتی ہوں واپس جا کر نیپل  
بھائی کو دکھاؤں گی اور آپ مجھے اپنی فرینڈز سے نہیں  
ملوائیں گی کیا؟ اور آئی ایم شیو آپ اپنی فرینڈز میں سب  
سے زیادہ پریمی ہوں گی۔“ رائیل نے بہت نرمی سے  
طریقے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں ریتو ہے۔“ تکسین نے اتراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر میں تیار ہو جاؤں۔“ رائیل نے پرجوش  
ہو کر پوچھا۔

”ٹھیک ہے مگر جلدی۔“ اس نے جلدی سے جوس ختم  
کیا اور تیار ہونے کے لیے دوڑی۔

”واؤ اس رئیلی گریٹ! کیا شاندار عمارت ہے۔“  
رائیل نے یونیورسٹی کی عمارت کو دیکھتے ہوئے سراہا۔

”آؤ میں تمہیں اپنی فرینڈز سے ملوؤں۔“ تکسین یہ  
کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایسے لے گئی جیسے وہ چار پانچ  
سال کی بچی ہو اور جیسے شہ میں کھوجانے کا ڈر ہو۔

”ہیلو گئی۔“ زرین اور مبشرہ نے اسے اور رائیل کو  
دیکھتے ہی کہا جواباً اس نے بھی ”ہیلو“ کہا اور ساتھ ہی رائیل  
کا تعارف کر لیا۔

”میٹ مائی کزن رائیل فرام لندن۔“  
”ہائے رائیل! ٹائس ٹیم۔“ زرین نے مصافحے کے  
لیے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”السلام علیکم۔“ رائیل نے اس سے ہاتھ ملاتے  
ہوئے سلام کیا تو ان دونوں کو حیرت بھی ہوئی اور شرمندگی  
بھی کہ انہیں بھی سلام کرنا چاہیے تھا۔ وہ پورس میں رہ کر  
اپنے ملک کے مذہب کے طور طریقے پر عمل کر رہی تھی اور  
وہ انگریزی کی زبان بول رہی تھیں۔

”و علیکم السلام ٹائس ٹیم یو۔“ مبشرہ نے خوش دلی  
سے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

”سیم ہینئر۔“ رائیل نے بھی اخلاقاً کہا۔  
”زرین! تم لوگ رائیل کو یونیورسٹی دکھاؤ میں

بچ جو دل کو بھاجائے  
غلطی ماننے اور گناہ چھوڑنے میں کبھی دیر مت  
کھیچے کیونکہ سفر جتنا طویل ہو جائے واپسی اتنی ہی دشوار  
ہوتی ہے۔

شکر ادا کرتے رہو! رب کا جو برداشت سے  
زیادہ دکھ نہیں دیتا مگر اوقات سے زیادہ سکھ دیتا ہے۔  
زمانہ بڑے لوگوں کا برائی کی وجہ سے خراب  
نہیں ہوتا بلکہ اچھے لوگوں کی خاموشی کی وجہ سے خراب  
ہو جاتا ہے۔

زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کا سب سے  
بڑا راز یہ ہے کہ پریشانیوں میں گھرا ہونے کے باوجود  
ہمت اور حوصلے سے آگے بڑھ جائے۔

موت کی طرح جدائی بھی محبوب کی یاد کو دھندلا  
دیتی ہے اور ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ وقت نے سچ  
میں کسی کسی دیوار بن کر کھڑی کر دی ہیں۔

ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ ہم اللہ کو ایک مانتے  
ہیں لیکن ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ ہم اللہ کی ایک نہیں  
مانتے۔

ہر حال میں رب کا شکر ادا کرتے رہو بے شک  
ذائقہ کائنات وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے۔  
ہماری ہر آزمائش کے پیچھے ہماری بھلائی پوشیدہ  
ہے کہ ہر آزمائش انسان کو کتین بناتی ہے اور نکھار پیدا  
کرتی ہے۔

ناکامی جرم نہیں مقصد کا پست ہونا جرم ہے۔  
مسز سائرہ دل پازیرہ..... پورے والہ

ابھی آئی ہوں۔“ تکسین نے ان دونوں سے کہا اور  
آگے بڑھ گئی۔ رائیل اصل میں تکسین اور جاوید کے  
بارے میں ہی کچھ دیکھنے اور سمجھنے آئی تھی اسے جاوید کو  
دیکھنا تھا کہ وہ کیسا ہے؟  
”تکسین آپ کی کہاں گئیں؟“ رائیل نے ان دونوں  
سے پوچھا۔

”اپنے بوائے فرینڈ سے ملنے گئی ہے۔“ مبشرہ نے



ہنس کرتایا۔

”تمہارا کوئی بوائے فریڈ ہے؟“ زرین نے

سوال کیا۔

”نہیں تو۔“

”رانیٰ تعجب ہے۔“ زرین نے حیرت سے ہنستے

ہوئے کہا۔

”ہم جہاں کہیں بھی چلے جائیں دنیا کے کسی بھی خطے“

کسی بھی سرزمین پر کسی بھی ملک میں بس جائیں ہمیں

اپنی اقدار کو اپنی جڑوں کو اور اپنے کلچر کو کسی نہیں بھولنا چاہیے

یہ مجھے میرے مہا پاپا نے بتایا اور سکھایا ہے اور یہ جاوید کون

ہے؟“ رانیٰ نے زرین سے پوچھا۔

”ہائیں تم نے اس غیبت کو کہاں دیکھ لیا؟“ زرین

نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”دیکھا تو نہیں ہے مگر سنا ہے مئی آپا اور اس کے بیچ

کچھ ہے کیا؟“

”نکواس ہے سب دھوکا جھوٹ فراڈ ہے۔“ زرین

نے براسمانہ بنا کر مٹی سے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”رانیٰ تم اگر اپنی اس بے وقوف کزن کو کنوئیں میں

گرنے سے بچا سکتی ہو تو بچاؤ وہ جاوید اول درجہ کا

فلرٹ ہے۔ بیسیوں لڑکیوں کو محبت کا فریب دے کے

لوٹ چکا ہے اس کا تو کام ہی یہ ہے مئی جیسی بے وقوف

دولت مند لڑکیوں کو اپنے دام الفت میں پھنسانا شادی کا

جھانسدے کر لوٹ لیتا۔“ زرین نے جو کچھ بتایا تھا وہ

رانیٰ کے اوسان خطا کرنے کے لیے کافی تھا۔

”اومائی گاڈ! یا آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“

”ٹھیک کہہ رہی ہوں۔“

”آپ میری سیلپ کریں گی مئی آپا کے سلسلے میں؟“

”ہاں کیوں نہیں مئی میری دوست ہے اور میں

نہیں چاہتی کہ وہ ایک گھنیا آدمی کے پیچھے اپنی

لائف برباد کر لے۔“

”تو آپ میرے ہم ہیں مئی آپا اور جاوید کی تصویر کھینچ

دیں کسی طرح اور مئی آپا کے اپنے موبائل میں بھی۔“

”نور اہلم مائی ڈیڑھ تھوڑے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے

آج ہی کھینچ دوں گی بلکہ ابھی کھینچ دیتی ہوں انہیں ہا بھی

نہیں چلے گا مجھے ہتا ہے یہ ریویو جیولری کی جوڑی اس

وقت کہاں تشریف فرما ہوگی۔“ زرین نے چٹکی بجا کر کہا۔

”بچی تھینک یوزری آپا۔“ رانیٰ بچوں کی طرح

خوش ہوئی ہوئی اس کے گلے سے لگ گئی تو وہ ہنس پڑی اور

اس کی کمر تھپکتے ہوئے بولی۔

”جاوید نے بہت سی لڑکیوں سے زیورات اور رقم لوٹی

ہے محبت کا فریب دے کر ایک رات میں سب کچھ لوٹ

کے بھاگ جاتا ہے۔“ زرین نے مزید تفصیل بتائی۔

”تو پولیس اسے اریسٹ کیوں نہیں کرتی کسی نے اس

کی کسٹین نہیں کی کیا؟“

”کون کرے گا کسٹین؟“ زرین نے اٹختے

ہوئے کہا۔

”لڑکیاں اور ان کے گھر والے اپنی بدنامی کے ڈر

سے خاموش ہو جاتے ہیں اسی لیے یہ دیدہ دلیری سے

شکار کرتا ہے۔“

”اوپ یہ تو بہت برا آدمی ہے۔ مئی آپا کو ہمیں ہر حال

میں اس شخص سے بچانا ہے۔“ رانیٰ نے ہم کر کہا۔

”ان شاہ اللہ ہم مئی کو چالیں گے تم اپنا سیل نمبر مجھے

دے دو اور میرا سیل نمبر اپنے موبائل میں فیڈ کر لو بوقت

ضرورت کام آئے گا۔“ زرین نے اپنا موبائل نکالا اور

دونوں نے ایک دوسرے کے نمبرز سیو کر لیے۔

رانیٰ نے بواجی کو اہتمہ میں لے کر نکلیں اور جاوید کے

انہیر کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا اور زرین کے والد جلیل

صاحب آئی جی پولیس تھے، زرین نے وقت پڑنے پر ان

سے مدد لینے کا بھی سوچ رکھا تھا۔ رانیٰ اور زرین کی دودن

میں اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔ رانیٰ نے

اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنے موبائل میں کسی نئی سم کے ساتھ

نکلیں اور جاوید کی گفتگو کر لے تاکہ ان کی آئندہ

خدمت عملی کا ہاتھ چل سکے۔ نکلیں اور جاوید سینیٹین کی طرف



جارے تھے تبھی ذرین نے نگلین کو روک لیا۔

”نگل رکو یا رکھاں جا رہی ہو؟“

”چائے برگر کا موڈ ہو رہا ہے تم بھی چلو ہمارے ساتھ۔“ نگلین نے اس کی بات کا جواب دینے کے ساتھ ہی اسے بھی آنے کی پیشکش کی۔

”نہیں یاز مجھے ڈرامیٹک سوسائٹی کی انچارج مزنر شمس نے بلایا اینڈ یونو کہ وہ ایک گھنٹے سے پہلے جان نہیں چھوڑتیں تم میری یہ چیزیں سنبھالو تب تک تم نہ کر دے تا میں ذرا مزنر شمس کی کلاس اینڈ کرتاؤں۔“

”گو کے بیسٹ آف لک۔“ نگلین نے اس کا موبائل اور بکس پکڑتے ہوئے ہنس کر کہا۔

رائٹل کی ہدایت کے مطابق ذرین نے اپنے موبائل میں ریکارڈنگ سسٹم آن کر دیا تھا۔ موبائل کور میں تھا مگر ریکارڈنگ ہو سکتی تھی۔ نگلین اور جاوید نے کمیشن پہنچ کر چائے اور برگر منگوائے۔

”ہاں تو ڈارلنگ کیا سوچا ہے تم نے؟“ جاوید نے اس کی براؤن آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

”مام نہیں مانیں گی جاوید۔“

”گھر سے بھاگنے کے لیے۔“ وہ مذاق سے بولا۔

”جاوید تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔“ نگلین نے خشکی سے گھورا۔

”سو ری جان! تم بھی تو احمقانہ بات کر رہی ہو یہ بات طے ہے کہ تمہارے پیرنس ہاری شادی کے لیے ابھی راضی نہیں ہوں گے تو اگر تم مجھ سے محبت کرنی ہو تو بس یہی ایک راستہ ہے کہ ہم بھاگ کر شادی کر لیں بعد میں ہم ان سے معافی مانگ لیں گے پھر بے شک وہ تمہیں اپنے گھر سے رخصت کر دیں۔“ جاوید نے سنجیدگی سے کہا تو وہ برگر کھاتے ہوئے بولی۔

”ہوں نمیک ہے مگر کب؟ اور گھروالے مجھے گھر میں نہ پا کر پریشان ہوں گے میری تلاش میں نکلیں گے تب ذبیحی کو بہت دکھ ہوگا جاوید۔“

”تو تم کوئی بہانہ بنا دو دو تین دن کے لیے ہم ساتھ تو

کمر یا بریک  
پولیس..... یہ پیٹ مانے اور  
چور..... صفائی کرے ذرا ہٹ کے  
ڈاکو..... سر اٹھا کہ چیو  
محکمہ صحت..... خالص تو سب کچھ ہے  
ڈاکٹر..... شاید زندگی شاید موت

صدر..... جیسے چاہو جیو  
اینٹی کرپشن..... یہی تو ہے دو غلا پن  
اسسبلٹی..... چھوڑو مگر ماگری ہو کول پار  
سیاستدان..... رو پیہ کھا پیا ہضم کیا  
رائی افسر..... کھاؤں گا نہیں تو بڑا کیسے ہوں گا  
صحافی..... نام ہی کافی ہے  
جواری..... یہی تو زندگی ہے

شوہر..... پٹائی سے طبعیت نہ صاف چہرہ شاداب  
رمشاہ عظمت..... صدف مختار..... بوسال مصور

رہیں گے ناں کورٹ میرج کے بعد۔“

”میں اسٹڈی ٹور کا بہانہ بنا دیتی ہوں کیسا ہے؟“

نگلین اپنے ہی خیال پر خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”ہاں یہ اچھا ہے گا کیونکہ اسٹڈی ٹور تو ایک ہفتے کا ہوتا ہے۔ بس یہی نمیک ہے نگلین تم اپنے زیور کپڑے ساتھ لے آنا میں تمہیں دلہن بنا دیکھتا جاؤں گا کورٹ میرج کے بعد اور ہم شادی اسلام آباد جا کر کریں گے وہاں میرا ایک دوست ہے وہ سارا انتظام کر دے گا۔“ جاوید نے سوچتی بھی پلاننگ سے اسکا گاہ کیا۔

”مگر ہم کورٹ میرج تو یہاں بھی کر سکتے ہیں اور کہیں جانا بھی نہ پڑے ہم روز ملتے نہ ہیں یہاں۔“ نگلین نے ہنسنے پر اور کچھ پریشانی سے کہا تو وہ افسردگی سے بولا۔

”نگلین بے بی مائی ڈارلنگ تم شاید خوف زدہ ہو رہی ہو مگر تم مجھ سے شادی نہیں کرنا باتیں تو ہم یہ بات نہیں ختم کر دیتے ہیں تمہیں بھی نزل کے مل جائیں گے شادی کے لیے اور لڑکیوں کی تو میرے لیے بھی نہیں ہے۔ بس یہ دکھ ساری عمر رہے گا کہ جسے پاپا اسے پانہ سکا شریک



”جانے دیں نا جائے گی تو طبیعت بھی بہل جائے گی۔“ نوشین نے بھی اس کی حمایت کی تو وہ فوراً بولی۔

”جی ڈیڈی میری سب فرینڈز جا رہی ہیں، ہم خوب انجوائے کریں گے، اسلام آباد سے مری سوات اور ہنزہ ویلی، اف ڈیڈی مجھے تو سوچ کر ہی اتنی ایکسٹریٹ منٹ ہو رہی ہے، وہاں جا کر کتنا مزہ آئے گا۔ جانے دیں نا پلیز۔“

”ایک تو مجھے ان یونیورسٹی والوں کی سمجھ نہیں آتی اسٹڈی ہوتی نہیں ہے اور اسٹڈی ٹور پر سیر کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے چلی جانا مگر دھیان سے رہنا اور مجھ سے رابطے میں رہنا، گرم کپڑے رکھ لینا اور کچھ رقم اپنی ماں سے لے لینا پیسوں کی ضرورت وہاں پڑتی رہے گی۔“ وہاب احمد نے سنجیدگی سے کہا تو وہ خوش ہو کر بولی۔

”تھینک یو ڈیڈی، تھینک یو سوچ۔“



تکین اپنا سامان پیک کر رہی تھی اپنے اور نوشین کے تمام سونے کے زیورات اس نے ایک بیگ میں رکھ لیے تھے۔ وہاب احمد کی الماری سے دولاکھ گیش وہ پہلے ہی نکال چکی تھی، جو انہوں نے بینک بند ہو جانے کے باعث گھر میں رکھ لیے تھے تاکہ پیر کو آفس جاتے وقت ساتھ لے جائیں اور بینک میں جمع کر دیں۔ تکین اپنے ڈر۔سز رکھ رہی تھی کہ راتیل اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر اندر چلی آئی۔ تکین اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا رقم کا لفافہ نیچے گر گیا اور نوٹ لفافے کے منہ سے جھانکنے لگے۔ جنہیں جس سرعت کے ساتھ تکین نے لفافے میں واپس ڈالا تھا، راتیل نے اسی تیز نگاہی سے دیکھ لیا تھا کہ لفافے میں خامی کثیر رقم ہے۔

”تم اس وقت کیا بات ہے؟“ تکین نے رقم کا خاکی لفافہ اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے اس کی طرف استغہامیہ نظروں سے دیکھا۔

”مجھے نیند نہیں آ رہی تھی میں بوریٹ محسوس کر رہی تھی

زندگی نہ بتا سکا۔“

”نہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا، ہم کل ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں مجھے کسی اور سے شادی نہیں کرنی، میں کل ہی اپنا سامان لے کر آ جاؤں گی۔ تم بگنگ کروالو۔“ تکین نے فوراً دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنا فیصلہ بنا دیا۔

”یہ ہوئی نا بات تکین، کی ڈیڈی آئی لو یو سوچ۔“

جاوید نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر اس کے ہاتھ تھام کر کہا۔

”گئی.....“ ہشرہ کی آواز پر تکین اٹھ کر اس کی بات سننے چلی گئی تو جاوید نے اپنے موبائل پر مسلسل آئی کال اینڈ کی۔

”ہائے میری جان سوری ڈارنگ، میں میننگ میں پھنس گیا تھا، سوری رمنا ڈیڈی، ہم رات کو مل رہے ہیں نا۔“ جاوید بہت پیار دلایا اسے بات کر رہا تھا دوسری جانب اس کی گرل فرینڈ رمنا تھی جسے وہ اپنی محبت کے جال میں پھنسا چکا تھا۔

”پی سی میں بگنگ ہے آج رات کی اور اگلے ہفتے ہم اسلام آباد مری کی سیر کو نکلیں گے۔“ وہ کہہ رہا تھا اور اس کی یہ باتیں زرین کا موبائل اپنی سموری میں ریکارڈ کر رہا تھا۔



”ماشاء اللہ آج تو ڈر پر پوری فیملی موجود ہے، خیریت ہے نا؟“ وہاب احمد نے رات کو کھانے کی میز پر سب کو دیکھتے ہوئے کہا جہاں علی سے سوا کبھی وجود تھے۔

”اچیولی ڈیڈی، مجھے اسٹڈی ٹور پر جانا ہے یونیورسٹی کی طرف سے آپ کی اجازت چاہیے گی۔“

”کتنے دن کا ٹور ہے؟“ وہاب احمد نے تکین کے چہرے کو دیکھا جو انہیں کچھ گھبرائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ ہاتھ میں چیچ تھا مگر ہاتھ کانپ رہا تھا۔

”ایک ہفتے کا۔“ اس کی زبان سے پھسلا۔

”تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟ مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی، میں تم گھر پر آرام کرو۔“



دوگ

ساتھ چلنے والے جب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں وقت  
تعمیر نہیں جاتا، کوئی مر نہیں جاتا، کوئی مر بھی جائے تو  
زندگی نہیں رکتی۔ راستوں کو چلنا ہے راستے تو چلتے  
ہیں۔ یار دوست ملتے ہیں، زخم ایسے سلتے ہیں، بس عمر  
کٹ ہی جاتی ہے۔ کچھ مسافروں کو بس منزلیں نہیں  
میتیں۔ نہ جانے کیوں چھڑ جاتے ہیں وہ لوگ جن کی  
یادیں بن جاتی ہیں عمر بھر کا رول۔  
عائشہ لیم..... اورنگی ٹاؤن کراچی

علی کو آتے دیکھ کر ٹوشین نے فوراً ٹیلی فون کارڈ سیور  
اٹھایا اور اونچی آواز میں بولنے لگا۔

”دس بارنگ نمبر مسٹر ڈونلڈ کالی کی آگین۔“  
”ہزار بار کہہ چکی ہوں۔ یہاں کوئی رائیل نہیں  
رہتی مگر مجال ہے جوان گور۔ ہم بختوں کے کان پر جوں  
تک رہنکی ہو دن میں چھ دفعہ فون کریں گے۔ رائیل  
سے بات کرادو میں ان کی نوکرانی ہوں جو اس میم صاحب  
کو بلاتی پھروں۔“

”کیا ہوا ممائی، اتنا غصہ کیوں کر رہی ہیں؟“ علی  
حسب توقع ان کی باتیں سن چکا تھا ڈرائنگ روم میں داخل  
ہوتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

”ارے بیٹا غصہ نہ کروں تو کیا کروں؟ کبھی کسی جان کا  
فون آ رہا ہے، کبھی مائیل کا تو کبھی کرس کا رائیل کے لیے  
دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے اس لڑکی کی حرکتوں نے تو  
مجھے دیکھنے میں کتنی معصوم اور بھلی بھالی ہے اور کام دیکھ لو  
اس کے پتا نہیں کتنے بولے فرینڈ ہیں میم کے۔“ ٹوشین  
نے تاسف زدہ لہجے میں کہا تو علی نے نرمی سے کہا۔

”تو آپ رائیل سے کہیے کہ وہ اپنے دوستوں کو  
اپنے موبائل سے کال کر کے اپنا موبائل نمبر دے دے  
تا کہ وہ آپ کے گھر کے نمبر پر بار بار کال کر کے آپ کو  
ڈسٹرب نہ کریں۔“

”ہاں بچی کرنا پڑے گا اب تم نے کھانا کھایا بیٹا۔“  
”میں ممائی میں پیچ کر لوں پھر کھاؤں گا۔“

سوچا آپ کے پاس جا کر کچھ دیر گپ شپ کر لوں۔“  
رائیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔  
”تو تم ٹی وی دیکھ لو میں تو پیکنگ میں مصروف ہوں۔“  
”کل شام کو جائیں گی نا آپ۔“  
”ہاں۔“

”میں نے سنا ہے کہ مری سوات اور ہنزہ ویلی  
میں تو لوگ شادی کے بعد ہی مومن منانے جاتے  
ہیں۔ ازات ٹرو؟“

”ہوں جاتے تو ہیں یہاں لوگ چھٹیاں گزارنے کے  
لیے اپنی فیملی کے ساتھ بھی جاتے ہیں۔ فیملی اور فرینڈز  
کے ساتھ خوب مزا آتا ہے ہمیں ڈوانٹون لے کر گیا تھا  
پچھلے سال سروکیوینٹو میں، نزل اور ڈیڈی بھی ساتھ تھے۔  
نام نہیں مٹی تھیں۔ گئے تو ہم تین دن کے لیے تھے مگر بہت  
انجوائے کیا تھا۔ ہم سب نے ڈوانٹون کو بہت شوق ہے  
فیملی کے ساتھ رہنے کا ڈونگ پر جانے کا کہیں لگانے کا  
شاید وہ ہم سے زیادہ عرصے دور رہا ہے نا تو اسی لیے وہ ہمیں  
مس کرتا ہے بہت کیرنگ بھائی ہے میرا۔“ ٹوشین نجمانے  
کیوں خود بخود بتائی چلی گئی شاید جاری تھی اس خیال سے یا  
پھر اسے کوئی چاہیے تھا اپنی باتیں شیئر کرنے کے لیے۔

”اور نزل۔“  
”نزل تو میرے جیسا ہی ہے۔“ وہ پھکی سی ہنسی میں  
اضردہ سی لگی تھی۔

”اونا آپ کس کے جیسی ہیں؟“  
”میں.....“ ٹوشین نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کا  
چہرہ دیکھا۔ ”میں وہی ہوں جو نام ہیں سنا ہے بیٹیاں اپنی  
ماں کا ٹکس ہوتی ہیں۔“

”آپ اپنی ماں سے زیادہ پیاری اور حساس ہیں۔“  
رائیل ایک دم سے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی اسے گرم  
جوشی سے بچھینا اور اس کے گال پر بوسے کر مسکراتی ہوئی  
کمرے سے باہر نکل گئی۔ ٹوشین جیسے اس کے اس پیار پر سن  
سی کھڑی رہ گئی تھی۔





وہیں کھڑا تھا اور نچلا ہونٹ، اانتوں تلے دبائے جانے کیا سوچ رہا تھا اس کی باتوں سے اتنا تو وہ سمجھ گیا تھا کہ اس نے نوشین کی باتیں سن لی تھیں اور یقیناً اسے بہت دکھ بھی پہنچا تھا اس کی سیاہ آنکھوں میں امنڈتے پانیوں کو وہ دیکھ چکا تھا۔ جیسی دل مضطرب تھا کیوں؟ یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔



”بڑی ہی مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔“ راتیل نے موقع دیکھ کر وہاں احمد سے کہا وہ ناشتے کے بعد آفس جانے کے لیے باہر نکل رہے تھے۔

”ہاں کہو بیٹی کیا بات ہے؟“ وہ رک کر اسے دیکھنے لگے۔

”کیا ہم اکیلے بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟“

”کیا ہوا کچھ گڑبڑ ہے کیا؟“

”جی اگر روکا نہ گیا تو بہت بڑی گڑبڑ ہو سکتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ محل سے میری پوری بات سن لیں۔“ راتیل نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

”اوکے اور دم میں چل کر بات کرتے ہیں۔“



”آخر تم اتنا اترتے کیوں ہو؟“ کرن نے غصے سے لال پیلے ہوتے ہوئے ذوالنون کلباز کو پکڑ کر کھینچا تھا۔

”اف جنگلی بیٹی“ ذوالنون کراہ کر اپنا بازو سہلاتے ہوئے بولا۔

”آخر تم سمجھتے کیا ہو خود کفار جتنا ہی دو مجھے؟“ کمرہ ہاتھ رکھا سے کڑے تیوروں سے گھورتی تھی۔

”تمہیں کیا مسئلہ ہے؟“ ذوالنون چڑھ کر بولا۔

”کبھی کوئی خوب ضرورت خود بروینڈ سم لڑکا نہیں دیکھا کیا؟“

”دیکھا ہے دیکھ رہی ہوں میری نظروں کے سامنے ہے۔“ کرن اس کے چہرے کو بے خودی سے نکتے ہوئے بولی۔

”تو کیا نظر لگاؤ گی مجھے؟“

”ٹھیک ہے میں شنو سے کہتی ہوں تمہارے لیے کھانا گرم کرے۔“ نوشین نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

”ٹھینک یومانی۔“ وہ مسکراتے ہوئے تشکر سے بولا۔

وہ گیسٹ روم سے باہر نکل رہا تھا تو راتیل کو پھولوں کے کج کے بیچ بیٹھے دیکھا وہ گھنٹوں پر بازو اور سر رکھے سوچوں میں گم تھی۔

”راتیل.....“ علی نے اس کے قریب جا کر اسے پکارا۔

”آپ.....؟“ وہ چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

”تمہارا کوئی بوائے فرینڈ ہے؟“ علی نے اس سے سوال تو کر لیا مگر جل سا بھی ہو گیا گویا وہ اس پر ہلک کر رہا تھا راتیل کو بہت دکھ ہوا تھا وہ کھڑی ہوئی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تیز لہجے میں بولی۔

”ہاں ہے میرا بوائے فرینڈ مگر مائیکن جان یا کرس نام کا کوئی لڑکا میری زندگی میں نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اپنے کسی بوائے یا گرل فرینڈ کو اس گھر کا فون نمبر دیا ہے۔ میرے فرینڈز کے پاس میرا موبائل نمبر ہے انہیں جب بھی مجھ سے بات کرنی ہوتی ہے وہ مجھے میرے موبائل پہ کال کر لیتے ہیں۔“

”دش گڈ۔“ علی یہی کہہ سکا۔

”بات پتا ہے کیا ہے مسٹرلی؟“ راتیل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اس نے اسے مسٹرلی کہہ کر مخاطب کیا تھا وہ بری طرح ٹھنکا تھا۔

”جموٹ بول کر انسان کسی دوسرے کا کردار وانقدار نہیں کر رہا ہوتا دراصل وہ اپنے کردار کا پرچار کر رہا ہوتا ہے کہ اصل میں وہ خود کیا ہے؟ انسان اپنی خامیاں اپنی کمزوریاں اور اپنی چوریاں دوسرے میں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایک دم اس کوشش میں اپنا آپ گنوا بیٹھتا ہے اپنی آن بان کھودتا ہے۔ کتنا بے وقوف ہے بنا انسان؟“ راتیل جا چکی تھی اپنی بات مکمل کر کے مگر علی



”نہیں نظر اتاروں گی تمہاری اگر تم بھی پیار کی نظر سے دیکھو تو۔“

”اے..... اے ہوش میں آؤ محترمہ اپنی عمر دیکھو اور اپنے ارادے دیکھو میں نہایت شریف لڑکا ہوں۔“ ذوالنون نے تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

”تو میں کون سا تم سے بد معاشی کرنے کو کہہ رہی ہوں۔“ کرن نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

”تو آخر چاہتی کیا ہو تم؟“

”میں چاہتی ہوں کہ تم..... مجھے چاہو۔“ اس کے بے باک انداز پر وہ لکلا کے رہ گیا۔ کرن اس کے سنیر کرل ابرار کی بیٹی تھی آری کے انداز تربیت کی وجہ سے خاصی بے باک تھی ماحول کا اثر تھا شاید۔

”کیوں؟“ ذوالنون کو پیچھے پھونے ڈنک مارا وہ وہ چلا اٹھا۔

”تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں جو میں تمہیں چاہوں؟“

”محبت کی نظر سے دیکھو گے تو سرخاب کے پر بھی نظر آنے لگیں گے۔“ کرن نے سنجیدگی سے کہا تو وہ ابھمن آ میر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ گوری جتنی اٹھارہ سال کی خوب صورت لڑکی تھی، گھٹکھریا لے بالوں شریقی آنکھوں سے تو بالکل کوئی گڑبالی تھی۔

”تو نظر آئے؟“ کرن نے پوچھا۔

”کیا؟“ اس نے ہمنویں سکینیں۔

”سرخاب کے پر اتنے غور سے جو دیکھ رہے تھے مجھے۔“

”غور سے دیکھ رہا تھا محبت سے نہیں دیکھ رہا تھا۔“ ذوالنون پہ کہہ کر اس کے بڑھ گیا وہ اس کے پیچھے لپکی۔

”ذولی۔“ کرن نے اس کا نام پیار سے پکارا۔

”اے میرا..... نام ذوالنون ہے زیادہ فریک ہونے کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں۔“ ذوالنون نے رک کر شہادت کی انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے نہایت سپاٹ لہجے میں کہا۔

غزل  
ہوش کب جان جگر آئے گا  
تیرا چہرہ جو نظر آئے گا  
شاخ مرگاں پہ یہی جان جان  
تیری یادوں کا ثمر آئے گا  
کیا خبر تھی غم ڈراں کا رنگ  
غم جاتاں میں اتر آئے گا  
میرے خوابوں کا حسین شہزادہ  
نے کے خوشیوں کا خبر آئے گا  
منظر پائے گا ہم کو اپنا  
جب بھی ثلوت کے گھر آئے گا  
شام آئی تو وہ دکش چہرہ  
چاند تاروں میں نظر آئے گا

احتشام ہدھامہ.....

”میں نے تو تمہیں پیار سے ذولی کہا ہے۔“ وہ منہ بسورتے ہوئے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے بولی۔

”میں نے تمہیں ایسا کوئی حق نہیں دیا۔“

”تو دے دو نا۔“ کرن نے معصومیت سے کہا تو ذوالنون کے دل میں ہلچل سی رہا گئی۔ وہ پچھلے ایک مہینے سے کرن کو نظر انداز کر رہا تھا۔ تا رہا تھا مگر وہ پھر بھی اس کے پیچھے چلی آتی تھی۔

”دیکھو کرن ہماری عمر اپنی تعلیم پر فوکس کرنے کی ہے ان فضولیات میں وقت برباد کرنے کی نہیں ہے۔“ وہ نرمی سے اسے سمجھانے لگا۔

”تم محبت کو فضولیات سمجھتے ہو ویری سید جب تمہیں محبت ہوگی نا تب پوچھوں گی۔“ کرن نے غصے سے کہا اور وہ ہنسنے لگا کرن روٹی ہوئی وہاں۔ سے بھاگ گئی۔

”یار..... میں کدھر کبھی گیا؟“ وہ جھلا کر بولا۔

”میں یہاں میڈیکل پڑھنے آیا ہوں اور یہ لڑکی مجھے کوئی اور ہی سبق پڑھانا چاہتی ہے۔ کرن ابرار کو پتا چل گیا تو وہ اپنی لاڈلی کو تو کچھ نہیں کہیں گے نا مجھے ہی ڈس مس کر دیں گے۔ کتنی آزاد خیال فیملی ہیں یہاں آری والوں



کی لڑکے لڑکیاں سب ہی ایک ڈگر پر چل رہے ہیں۔“  
 کرن ڈوالنون سے دو سال جو نیئر تھی اس کے ہیڈ کٹرل  
 ڈاکٹر ایرملک کی بیٹی تھی ڈوالنون کی ذہانت اور شخصیت پر  
 مر مٹی تھی۔ سالانہ فٹلشن میں اس نے ڈوالنون کے ساتھ  
 ہٹسپیئر کے ڈرامے ”رومیو جیولٹ“ میں اداکاری کی تھی۔  
 دونوں ہیروئن تھے۔ ان کا وہ ڈرامہ بہت زیادہ پسند کیا  
 گیا۔ دونوں بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ رومیو  
 جیولٹ کے گیٹ اپ میں سب حاضرین نے ان کی  
 اداکاری کو بہت سراہا تھا۔ ڈوالنون چونکہ لندن کی ڈگری  
 لے کر آیا تھا کچھ اس لیے بھی اس کا انداز لب و لہجہ  
 انگریزی تھا اور ایک کرن ہی کیا کالج کی کئی لڑکیاں اس پہ  
 دل ہار گئی تھیں مگر ڈوالنون کی دوستی صرف عبید اور کریم سے  
 تھی۔ کرن تو تب سے اس کے پیچھے پھر رہی تھی جب  
 سے انہوں نے رومیو جیولٹ کا کردار کیا تھا۔ کرن کو تو دن  
 رات سوئے جاتے جاتے ڈوالنون ہی دکھائی دیتا تھا۔ وہ اسی  
 کے خواب دکھتی رہتی مسکراتی رہتی۔ وہ ڈوالنون کو پیار بھری  
 شاعری ایس ایس کرتی وہ کوئی جواب نہ دیتا بلکہ اسے  
 سمجھاتا کہ خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آؤ زندگی ناظر اور  
 ڈراموں کے حساب سے نہیں اپنے حالات کے حساب  
 سے گزارنا پڑتی ہے۔ مگر کرن کے سر پہ تو اس کے پیار کا  
 بھوت سوار تھا وہ بھلا کہا بھتی تھی ان باتوں کو وہ تو ان  
 خوابوں میں ہی مینا چاہتی تھی جن میں ڈوالنون اس کے  
 ساتھ ہوتا تھا۔

سفری بیگ پکڑ رکھا تھا۔  
 ”جی ڈیڈی۔“ وہ کچھ مہراری تھی۔  
 ”چلو میں تمہیں یونیورسٹی تک ڈراپ کر دیتا ہوں  
 تمہارے پرسل اور پریڈیٹر نوڈ مرزا سے بھی اس بہانے  
 ملاقات ہو جائے گی۔“

”نن..... نہیں ڈیڈی آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں  
 میں ڈراموں کے ساتھ چلی جاؤں گی۔“ نکین نے ہکلاتے  
 ہوئے کہا اس کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

”بیٹا تکلیف کیسی میرا فرض ہے تمہاری حفاظت کرنا  
 تمہیں صحیح راستے پر لے جانا آؤ شاہاں۔“

”ڈیڈی میں کوئی بچی تو نہیں ہوں کہ آپ مجھے انٹی پکڑ کر  
 اسکول یونیورسٹی چھوڑنے جائیں میں اب بڑی ہو گئی ہوں  
 اور خود جا سکتی ہوں۔“ نکین نے تیز اور قدرے گستاخ لہجے  
 میں کہا علی اور رائیل کو اس کا یہ انداز قطعاً نہ بھلایا۔

”دکھ تو اسی بات کا ہے، بیٹی کہ تم بڑی ہو گئی ہو تم جیسی  
 بیٹی کو تو پیدا ہوتے ہی مر جانا چاہیے تھا۔“ وہ اب احمد کے اس  
 جملے نے نہ صرف نکین کے پیروں تلے سے زمین سمجھ لی  
 تھی بلکہ سب گھروالوں کے سر پر بھی حیرتوں کے پہاڑ توڑ  
 دیئے تھے۔ نکین کے ہاتھ سے بیگ چھوٹ کر پھینچ گیا  
 تھا۔ وہ بری طرح شیشا چکلی تھی۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو وہ اب احمد؟“

(ان شاء اللہ باقی آئندہ...)



نکین کو جاوید کا میسج مہر دل ہوا تھا۔ اسے ”ڈائو بس  
 سروں“ کے اڈے پر پہنچنا تھا اور نکین نے نوٹسین اور وہاب  
 احمد کو بھی بتایا تھا کہ یونیورسٹی بس سے جانا ہے۔ سب  
 اسٹوڈنٹس یونیورسٹی جا میر گے وہاں سے ایک ساتھ روانہ  
 ہوں گے۔ وہ گھر سے کیلی جانا چاہتی تھی۔ مگر اس وقت  
 کبھی موجود تھے۔

”ہاں بھیگی گی تیار ہو۔“ وہاب احمد نے اسے دیکھتے  
 ہوئے پوچھا نکین نے ایک بڑا سوٹ کیس اور ایک چھوٹا





خدا کی شہادت  
سیدنا ابراہیم





افسردگی کے ہاتھوں جل جل تھک گئے ہیں  
 اے دل ذرا ٹھہر! ہم چل چل کے تھک گئے ہیں  
 جیسے کہ بے یقینی تعبیر ہو چکی ہو  
 ہم اہل خواب آنکھیں مل مل کے تھک گئے ہیں

کے چاند میں ابھی تک۔ نازگی تھی لیکن رباب کے دل کا  
 بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ سربا کی اس رخ بستہ رات کے پچھلے  
 پہر عباس شاہ کے انتقال کے لمحے ایک ایک کر کے رباب  
 کے سر ہانے کھڑے داغ دے تھے۔

”وہ ضرور آئے گا۔“ دل نے امید کا سراپ بھی تھام  
 رکھا تھا وہ ٹکٹی ہانڈھے سا سیاہ اپنی گیت کو گھور رہی تھی۔  
 ”عباس شاہ تم مجھ سے دور رہ کر خوش رہتے ہو۔“ اس

کی بے بسی پر پھر سے دل نے داویلا بچایا ایک بارگی  
 دھڑکنیں تیز ہو کر اعتدال پر آ گئیں۔ تب رباب شاہ نے  
 پروے برابر کر دیئے اب سرے میں نئی مدھم روشنی اسے  
 اپنے حصار میں لے لی تھی۔ امید آس کے علاقوں پر  
 رہنے دیئے ایک ایک کر کے بھیننے لگے۔ وہ بیڈ بریٹ گئی تو  
 اس کی یاد آنکھیں نہ رہا وہ مہیب رات کے سناٹوں میں  
 سادوں بھاؤں رات کو مانتز نوٹ کر رہیں۔

”عباس شاہ وہ کر کے تم آج پھر سنا سکتے اگر تمہیں  
 میری ذرا بھی پروا ہو۔ تو تم ضرور آتے۔“ اچانک رباب  
 کا نگاہ ٹکے کے قریب بڑے موہاں پر پڑی۔ سچ چمک رہا  
 تھا اس نے جلدی۔ تیز کھولا۔  
 ”پلیز پلیز ربابی فون ہاں؟“

”ہوں... آہ۔“ نے زور سے پیشانی پر ہاتھ مارا فون  
 کی آواز تو بند تھی۔ کوئی دس سے اوپر عباس کی کالز تھیں وہ سختی  
 سے ٹیچا ہونٹ کھلتی تھیں۔

”ہیلو عباس۔“ تھیں۔ ہانڈھے کرتے۔ ہانڈھے بولی۔  
 ”رابی یار فون ہاں؟“ تھیں۔ ہانڈھے کرتے۔ ہانڈھے بولی۔  
 کی تھیں۔ ہانڈھے کرتے۔ ہانڈھے بولی۔

”میرے لفظ انتہائی عقیدت سے تمہاری محبت کی تسبیح  
 پڑتے ہیں جو میں نے پل پل تمہاری پرستشوں میں ادا  
 کیں۔“ رباب کے دائیں ہاتھ کی پشت اب بھی شیشے کی  
 اس دیوار پر منبھوں سے نمی ہوئی تھی جس کے سامنے وہ  
 جانے کب سے کھڑی تھی۔

”عباس شاہ میں نے اپنی اس جنونی محبت کو کھرنے  
 سے بچانے کی بھرپور سعی کی۔۔۔ تم نے مجھے چاہا نا چاہا  
 میں آج تک وثوق سے اس کا جواب نہیں تلاش کر پائی  
 تم سے پاگل پن کی حد تک لے جانے والی شدت  
 پسندانہ محبت کرنے کا فیصلہ بھی تو میرا تھا۔ کوئی کیا سوچتا  
 ہے میں تو صرف اپنی مرضی کے رنگ اپنی سوچوں میں  
 بھرنے کی عادی تھی۔ عباس شاہ ایسا تم کیوں نہیں مان  
 لیتے روز اول سے ہم دونوں ایک دو جے کی تقدیر میں لکھ  
 دیئے گئے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں کیوں ناں اپنے  
 منگیتر غمار احمد کی بن گئی۔ میرے احساسات کی سچائی  
 مجھے باور کراتی ہے یہ سب رباب کی مرضی تھی۔ ہم دونوں  
 اپنی اپنی جگہ سچے ہیں۔ الوہی پاک۔ جذباتی انسان کے  
 اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔“ رباب اپنی خود ساختہ  
 سوچوں قیاس آرائیوں کو اپنی من چاہی سوچ کے تابع  
 اپنے من پسند دھاروں پر چلانے کی عادی تھی۔ عباس  
 بھی رباب سے محبت کرتا تھا لیکن رباب کو عادت  
 ہو چکی تھی بے اختیار ہوں میں سھکتے رہنے کی۔

”عباس شاہ تمہیں نہ چاہوں گا تمہیں پورا حق ہے  
 میں تمہیں اہل تک۔ چاہتی رہوں گی یہ میرا حق ہے اس ڈنڈے  
 سے تم مجھے روکنا ہی ہو سکتی تو نہیں روک سکتے۔“ آدمی رات



”سوری عباس‘ فون کی بیل بند تھی۔“ وہ کیوں بتاتی کہ اس کے انتظار میں وہ کیسی کیسی اذیت سے دوچار نہیں ہوئی۔

”اسلام آباد سے تو میں شام سات بجے نکل آیا تھا اس وقت میں کھار کے قریب ہوں، بارش بہت تیز ہو رہی ہے آگے کے راستے خطرناک ہیں۔ ان حالات میں ڈرائیونگ کرنا صحیح نہیں ہے میں رات یہیں رک جاتا ہوں یہاں صبح نکل آؤں گا تم میری فکر نہ کرنا۔“

”اجما عباس تم اپنا بہت خیال رکھنا۔“ اس کے دل پر پڑا بوجھ قدرے کم ہوا۔ عباس تین دن سے اسلام آباد میں تھا۔ جہاں اسے بہت اہم پروجیکٹ ٹینڈر اپروڈ کرنا تھا اپنی نئی کنسٹرکشن کمپنی کے لیے اور ان کی کمپنی کے شیئر ہولڈر بلال احمد بھی عباس شاہ کے ساتھ تھے۔

”رابی خاموش کیوں ہوا رہے بابا میں خیریت سے ہوں بلال احمد میرے ساتھ ہے۔“ رباب کی اداسی محسوس کرتے ہوئے عباس کی سنہری برادوں آکھیں جو گھل ہونے لگی تھیں۔

وہ ایسی ہی تھی زینت کے ہر لمحہ میں اپنی مرضی اپنی پسند کو اہمیت دینے والی اس کی تمام خودداری انکو پوری دنیا کے لیے تھی لیکن عباس کے لیے نہیں، عباس اس کا جنون تھا۔ عباس کے لیے ایسی شدید محبت خدا ہی نے اس کے اندر پیدا کی تھی۔

.....

معین الدین اور عارف ایک خوش حال زندگی گزار رہے تھے معین الدین پولیس میں ڈی ایس پی تھے جب رباب کی پیدائش ہوئی تو وہ ایس پی کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ معین الدین رباب کو اپنے لیے بہت لگی سمجھتے تھے انہوں نے ہمیشہ اپنے فرائض نہایت ایمان داری سے ادا کیے وہ حلیم طبیعت کے صلح جو شخص مزاج کے آدمی تھے۔ عارف ان کے برعکس تھے۔ بیوقوف کالائف مسائل جیسا بھی تھا انہوں نے سبھی مداخلت نہ کی۔ عارف نے ہمیشہ اپنے گھر کو بہترین طریقے سے پنڈل کیا تھا۔ بچوں کی بھی وہ اچھی

تربیت کر رہی تھیں۔ عارف کو گھر میں سوشل حلقہ بنانا ایسا کوئی شوق نہیں تھا وہ مکمل گھریلو خاتون تھیں وہ اپنی اس جنت میں خوش تھیں، میاں بیوی میں انڈر اسٹینڈنگ تھی جب کسی بات پر اختلاف ہوتا تو معین الدین کو ہی درگزر کرنا پڑتا رباب کے بعد حادثہ اور رافع تھے۔

عارف کی خواہش تھی خدا انہیں پہلے بیٹا دے لیکن رباب آگئی جس کی انہوں نے کبھی خواہش نہیں کی تھی لیکن معین الدین رباب کی پیدائش پر بہت خوش تھے۔ چنگ مہبل میں کپٹی گول مشول چنگ دارا گھوٹوں والی رابی اب انہیں بہت پیاری لگنے لگی تھی۔ یہ تو میری تھی پری ہے وہ روئی جیسے اس کے گل چھوتے اب، بھی ہر پل عارف کے دل میں بیٹے کی خواہش ہمسکتی ان کی سچائی سے مانگی گئی دعاؤں کے بدلے سال بعد ان کی گود میں حادثہ آ گیا عارف کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی سارٹ کو گود سے نہ اتارنی رباب کو وہ بکسر بھول چکی تھیں۔ پندرہ ماہ کی رباب کو گورنس گل پلوشہ کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ گل پلوشہ پڑھی لکھی سمجھدارا کی تھی ایسٹا ہاؤس سے تعلق رکھتی تھی معین الدین نے شیلٹرز روم سے اسے بلوایا تھا۔ گل ان گود میں رابی کیا آئی اسے زندگی ایک دم سے خوب صورت لگنے لگی۔ رباب ماں سے زیادہ گل کو پچھاتی تھی۔ حادثہ ابھی ایک سال کا تھا تو رافع اس دنیا میں آ گیا۔ اب عارف کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی دونوں بیٹوں کی کیمز میں وہ گھن چکر بن چکی تھیں رازا کے کنا جانے سے تو رباب اب مکمل انگور ہونے لگی تھی۔ اس روز وہ ماں کے قریب بیڈ پر کمر بیٹھ گئی تھی۔

”ماما بھائی کو میری گود میں لائیں۔“

”میری جان بھائی ابھی بت چھوٹا ہے بڑا ہو جائے ناں پھر آپ اسے اٹھانا دونوں؛ مائی سور ہے ہیں آپ شور نہیں کرو۔“

”ماما تھوڑی دیر کے لیے میں آپ کے پاس لیٹ جاؤں۔“ رباب نے ماں کو دوسری جانب سرک کر اٹھا چاہا۔

آنچل \* \* \* \* \* مارچ \* \* \* \* \* ۲۰۱۵ء . 223

WWW.PAKSOCIETY.COM



ملیے تقویت میسر آجاتی، معین الدین نے بارہا عارف کو  
بجھایا تھا۔

”تم راہی کو ہمیشہ انور کرتی ہو اس طرح وہ تم سے بدظن  
ہو کر دور ہو جائے گی یا تم راہی کی بھی ماں ہو۔“

”معین مجھے پتہ ہے مگر راہی کی ماں ہوں آپ ایسے  
پیکچر مجھے مت دیا کریں آپ جانے کیا کیا سوچتے رہتے  
ہیں میرے لیے تینوں بچے برابر ہیں۔“ وہ آگ بگولہ  
ہوتے ہوئے بولتیں۔

”حادث اور رافع چھوڑنے ہیں جبکہ وہ بڑی ہے خود کو  
سنجال سکتی ہے۔“

”عارفہ..... وہ کتنی بڑی ہے؟ آٹھ سال کی پھر تو  
حادث اور رافع بھی خود کو سنبھال سکتے ہیں، تم نے جان  
بوجھ کر انہیں اپنا عادی بنا لیا ہے۔“ وہ محبت سے بیوی کو  
بجھانے کی کوشش کرتے۔

ماما کی نرم گرم گدازا غوش کی نمنا کرنی رباب نے چھوڑ  
دی تھی۔ اس کے اندر جذبات کا مدور جزر ماند پڑ چکا تھا۔ ماما  
جب دونوں بیٹوں میں گھری الاؤنچ میں بیٹھی ہوتی وہ  
جان بوجھ کر چیزیں چننے لگتا تو زنی جگہ جگہ بے ترتیبی  
سیاتی ملازموں پر چننے چلاتی، موقع پا کر بھائیوں کو بھی  
نو جہتی کھسکتی اپنے اندر کی فرسٹریشن وہ عجیب عجیب حربوں  
سے باہر نکالتی۔ ماما خشکیوں لگاؤں سے گھومتی لیکن اب  
اسے پروا نہیں تھی۔

وہ بی ایس سی میں پہنچ چکی تھی اور اب بھی اپنی زندگی کو  
بے ہتکم ہی محسوس کرتی تھی۔ گزرتے ماہ و سال کی بے مدنی  
نے اسے ضدی وہٹ دھرم بنا دیا تھا، اسے کسی کی پروا نہیں  
تھی، ماما کی بے توجہی ایسا گھاؤ تھا جو مندرل نہ ہو پارہا تھا۔  
پھر ایک رات گل ماں بھی اسے روٹا بلکتا چھوڑ کر چلی گئی  
اس کا کئی سالوں سے چھڑا شوہرا سے چانگ لینے گیا تھا  
زندگی کی اس بے حس رات وہ پہلی بار دھاتیں مار مار کر  
روٹی تھی وہ گل ماں سے لپٹی اسے پھوڑ نہیں رہی تھی۔

”نہ جاؤ گل ماں ایک آپ ی تو میری ہو آپ کے  
بنا۔ میں کیسے جیوں گی۔“

”میری جان بھائی ڈسٹرب ہوں گے ناں۔“ عارفہ  
نے رباب کا گل تپتھپایا لیکن وہ ہنستھی ماں کے پہلو  
میں لیٹنے کے لیے اس کی نکھیں آنسوؤں سے بھری  
ہوئی تھیں۔

”جاؤ گل ماں کو دیکھو وہ کہاں ہیں ان سے بولا آپ کو  
چپس بنا کر دیں جاؤ شاہا بش میرا بیٹا۔“ عارفہ نے اسے  
ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ سے نیچے اتارا۔

”ماما مجھے آپ کے پاس رہنا ہے۔“ وہ روہا نسی ہوتی  
دو بارہ بیڈ کے کنارے پر تک گئی۔

”راہی کہتا کیوں نہیں مانتی ہو بھائی اٹھ جائیں گے۔“  
عارفہ ڈپٹ کر بولیں اور اسے بازو سے پکڑے دروازے کی  
طرف دھکیلا۔ وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھے سسکیاں روکے  
تیزی سے باہر کی طرف بھاگی۔

”آپ کہاں تھیں گل ماں۔“ اپنے کمرے میں آتے  
ہی وہ گل کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

”مائی سویٹ ہارٹ کیا ہوا؟“ اس کی آنکھوں میں  
آنسو دیکھ کر گل تڑپ اٹھی۔

اس دن کے بعد رباب کبھی ماما کے کمرے میں نہ گئی۔  
جب پاپا آفس سے آتے تو پلے رہا پ کے کمرے میں  
آتے اسے گود میں بھر لیتے رباب لاشعوری طور پر ماں  
سے متنفر ہوتی جا رہی تھی۔ اسے ماما سے خوف آتا پھر مجھے  
بازو سے پکڑ کر کمرے سے نکال دیں گی۔ ڈنر پر ہمیشہ ماما  
حادث اور رافع کو ہی ڈکس کرتی جیسے ان کی صرف دوستی  
اولادیں ہیں۔ رباب فوراً کھلاں میں تھی خاصی سمجھدار تھی۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ماما سے کتراتا ان سے  
خائف رہتا بھائیوں کو تھکی لگا ہوں سے گھورتا اس کے  
مزاج کا حصہ بن گیا۔ بھائی اس کے قریب آنا چاہتے لیکن  
وہ ماما کی نگاہ بچا کر نہیں زور سے چٹکیاں کاٹتی۔ وہ بلبللا  
اٹھتے تو وہاں سے کھسک جاتی کئی مرتبہ رباب نے رافع  
کے بازو میں اسی طرح اپنی انگلیاں پوست کی تھیں جیسے ماما  
نے ایک بار رافع کی خاطر زور سے اسے بازو سے پکڑ کر  
دروازے کی جانب دھکیلا تھا۔ ایسا کرنے سے رافع کو چند



”گڑیا میں تم سے ملنے آتی رہوں گی۔“ تب رباب کو ایسا لگا تھا آج اس کی ماں مر گئی ہے اس تمام رات خیالوں میں وہ گل ماں کی میت کے سر پہنے بیٹھی نوحہ کناں رہی رباب تنہا ہی تو تھی یہ مہیب رات کسی خوبی سرنگ کی مانند طویل تھی۔

ماما کو اکثر رباب سے شکایت رہتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ کچھ شہ نہیں کرتی ان کے ساتھ نام نہیں گزارتی۔

”رابی میں تمہاری ماں ہوں کالج سے آنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی جاتی ہو کچھ ٹائم میرے اور بابا کے ساتھ بھی گزارا کرو عمارت اور رافع کالج سے آنے کے بعد ایک کرکٹ کلب چلا جاتا ہے تو رافع اکیڈمی جاتا ہے میرے لیے تو تم تینوں کے پاس ٹائم نہیں ہے۔“ ماما رباب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے نرمی سے کہہ رہی تھی۔

”ابھی بیٹھی ہوں نا۔“ اس کے لہجے میں رکمانی تھی۔

”میرا بچہ۔“ ماما نے اسے کندھے سے اگا لیا لیکن رباب کو اب کچھ فیل نہیں ہوتا تھا جب فیل کرانے کی عمر تھی تب ماما کے پاس اس کے لیے فرصت نہیں تھی۔

ان دنوں وہ پچھرز سے فارغ تھی شدید بوریٹ محسوس کر رہی تھی جیسی عمارت کا فون آ جاتا عمار کی والدہ نرگس ماما کی فرسٹ کزن تھیں کالج میں دونوں نے ساتھ پڑھے تھے اس لیے خاصی بے تکلفی تھی ماما اور ماما کی دوستی بھی تھی وہ اکثر آتی تھیں خاموش رہنے والی رباب کو عمار جیوں بہانوں سے ہنسانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ عمار سانس آف ہو کر کمال کا تھا وہ عمار کی کہن میں خوش راتی گل ماں کے بعد عمار ہی تو تھا جس سے تھوڑی بہت بات کر لینا کرتی۔ جب بھی عمار آتا حارث اور رافع بھی ان کی کہن میں شامل ہو جاتے لیکن رباب کو ان کی موجودگی ایک آنکھ نہ بھاتی۔

اس کے برعکس وہ دونوں رابی آپنی سے بہت محبت کرتے تھے وہ اس کی ہر تھوڑے پراسے یاد رکھتے لیکن اسے وہ دونوں پسند نہیں تھے۔ وہ صرف اپنی مرضی پر چلتی تھی دل کی سنتی دل کی مانتی وہ اپنی زندگی میں کسی کی انٹرفیئر برگز

برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ رباب کو کسی سے انس نہیں تھا نہ ہی کسی کی کمی محسوس کرتی وہ پتھر دل ہو چکی تھی۔ گل ماں کو وہ آشریا کرتی آج کل وہ ہری پور ہزارہ میں تھیں اگر عمار سے سمجھانے کی کوشش کرتا تو اس سے تمام تعلق توڑ دینے کی دھمکی دیتی۔ بودیت سے اکتا کر رباب نے لائبریری جانا شروع کر دیا تھا۔ عمار نے پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا اس نے رباب کو بھی شہود دیا تم بھی ایم بی اے میں داخلہ لے لو۔ وہ رباب کے لیے فارم بھی لے آیا تھا عمار احمد بڑھا کو تم کالز کا تھا وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے کچھ بننا چاہتا تھا مگر خالہ کو رباب بہت پسند تھیں وہ اس انتظار میں تھیں کہ عمار پڑھائی سے فارغ ہو کر چاب کرنے لگے تو وہ عارفہ سے رباب کا رشتہ مائیں عمار نے اس کا رشتہ کے لیے پلائی کیا ہوا تھا۔ اور اس کا نا آ بھی گیا تھا۔ وہ دو ماہ بعد انگلینڈ جا رہا تھا اعلیٰ تعلیم کے لیے۔ عمار رباب کو پسند کرتا تھا اس نے اپنی امی کو بتا دیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ میرے باہر جانے کے بعد خالہ رباب کا کوئی اچھا رشتہ آئے پر اس کی شادی ہی نہ کر دیں۔ بھلا عارفہ کو یا اعتراض ہو سکتا تھا عمار مگر کابجہ تھا اچھی طرح دیکھا عمار تھا۔ رباب کو بھی عمار پسند تھا۔ وہ اس رشتے سے بھلا جوں انکار کرتی۔ اس کے لیے تو جو بھی پہلا رشتہ آتا وہ اس کے لیے ہاں کر دیتی۔ ویسے بھی وہ جلد از جلد اس شخص کو ماحول سے نکلنا چاہتی تھی۔ مگر خالہ کے گھر کا ماحول بہت اچھا تھا۔ سبھی ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے ماما اپنے سب بچوں سے یکساں محبت کرتی تھیں۔ رباب جانتی تھی عمار بہترین اوصاف کا مالک ہے۔ یقیناً اسے، باہر اچھی جاب بھی مل جائے گی پھر وہ ہمیشہ کے لیے اس جگہ کو خیر یاد کہہ دے گی عمار کے جانے سے ہفتہ پہلے ان کی منگنی ہو گئی تھی۔ عمار بہت خوش تھا لیکن رباب نارٹل گرا۔ اسے شادی تو کرنی ہی تھی کیونکہ وہ جلد اس گھر کو چھوڑنا چاہتی تھی عمار کی صبح کی فلائیٹ تھی رات کو وہ اسے ڈر کرانے لے آیا تھا۔

”رابی تم خوش ہوتا۔“

”عمار تمہارے نام کی انگوٹھی اپنی انگلی میں سجائی ہے



اب بھی اکثر گزشتہ راتوں کے روتے بلکتے لمحے چپکے سے اس کا دامن تھام لیتے تھے۔



عباس شاہ رباب کے لیے نہایت خوب صورت ڈریسز لایا تھا وہ دلچسپی سے ڈریسز دیکھ رہی تھی۔

”عباس اپنے لیے بھی کچھ ٹی شرٹ لے لیتے۔“

”رانی جب تمہارے لیے شاپنگ کرنے لگتا ہوں اپنا خیال ہی نہیں رہتا ذہن میں صرف تم ہی رہتی ہو۔“

”سنو عباس شاہ ہمیشہ میں نے ہی رہتا ہے ان نگاہوں میں اس دل میں۔“ رانی نے فحشی اس کے دل کے مقام پر مہر لگی۔

”ملکہ عالیہ ہماری ایسی مجال کہ ہم کسی اور حسینہ کے بارے میں سوچیں ہماری تیکمہ صاحبہ ایسی السرا ہیں جنہیں محسوس کر کے زندگی سانس لیتا ہے۔“ محبت پاش نگاہوں سے رباب کو دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ زور سے اپنی جانب کھینچا اس کی محبت کی شدت میں دیکھ کر خود پرنازاں ہوتا غرور اس کی آنکھوں میں گلابی ڈور۔ بھر جاتا۔۔۔

عباس شاہ علی شاہ کی اکلوتی اولاد تھے۔ ایک بہن بھائی عباس سے بڑے تھے جو بچپن میں انتقال کر گئے تھے عباس بہت منتوں سراووں سے والدین کو حاصل ہوئے تھے۔ علی شاہ ایک معروف کنسٹرکشن کمپنی کے مالک تھے۔ جو کمرشل بلڈنگز بناتے تھے۔ عباس شاہ نے حال ہی میں بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کیا تھا جو ان کی فرم کے لیے سوومند تھا۔ عباس کی والدہ رخسانہ شاہ ایک سوشل وومین تھیں۔ رباب رخسانہ شاہ کی پروا نہیں کرتی تھی کیونکہ رخسانہ شاہ نے آج تک رباب کو قبول نہیں کیا تھا۔ رباب ان کے ضدی بیٹے کی پسند تھی۔ علی شاہ نے اس شادی پر قطعی اعتراض نہ کیا تھا۔ وہ رباب سے خوش بھی تھے۔ دونوں نے اکٹھے ہی بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کیا تھا۔ رباب کی بوریٹ کے خیال سے علی شاہ اور عباس نے اسے آفس جوائن کرنے کو کہا تھا۔ رخسانہ شاہ کی جلن قائم تھی انہیں اچھا نہیں لگتا تھا کہ باپ بیٹا رباب کو اپورٹنس دیں

میری خوشی کا اس سے بڑا ثبوت تمہیں اور کیا چاہیے۔ عمار تمہیں بھروسہ ہونا چاہیے آپ پر اور مجھ پر بھی۔“

”وہ سب ٹھیک ہے لیکن میں چاہتا ہوں تم اپنی محبت کا اظہار کرو جس طرح میں والہانہ پن سے تمہیں چاہتا ہوں۔“

”سوری عمار میں ایسی نہیں ہوں جیسی ہوں مجھے ویسا ہی رہنے دو کسی کے دباؤ میں آ کر میں نے تمہارا پر پوزل قبول نہیں کیا بس تم زیادہ مت سوچو اپنی توجہ اسٹڈی پر ہی رکھنا۔“

”نیٹ پر تم سے بات کیا کروں گا۔“

”کوئی ضرورت نہیں۔“ بات جواب تھا اس کا۔

”میں رات دس بجے تک سو جاتی ہوں۔ تم ایسی فضولیات میں مت بڑنا وقت پر سونا نہ ہی کوئی گریڈ بنانا سمجھو۔“ وہ خود ہی مسکرا دی۔

”یار یہ کیسی پابندیاں مجھ غریب پر عائد کر رہی ہو اچھا یہ بتاؤ مجھے یاد کرو گی؟“

”ہر گز نہیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔“ عمار نے کاٹا زور سے پلیٹ پر پٹخا۔ رباب نے مسکرا کر عمار کی طرف دیکھا۔

”آف کورس عمار تمہیں یاد نہیں کروں گی تو کس کو کروں گی۔ تم بھی تو لوٹ پٹا تک سوال کرتے ہو۔“

عمار کے جانے کے بعد واقعی وہ اسے مس کرتی تھی کبھی کبھار نیٹ پر تھوڑی سی بات ہو جایا کرتی۔ عمار نے اسے بتایا تھا اپنے رہائشی اپارٹمنٹ کے نزدیک ایک فوڈ کچن میں اچھی بیکری پر اسے جاب بھی مل گئی ہے۔ عمار ہر بات رباب سے شیئر کرتا تھا عمار اس سے محبت کرتا ہے یہ سبج کر رباب کو اچھا لگتا۔ وہ اکثر سوچتی۔

”کیا مجھے عمار احمد سے محبت ہے؟“ کوئی تسلی بخش جواب اسے نہ مل پاتا۔ ”مجھے برا بھی نہیں لگتا اسی لیے تو اس سے منگنی کر لی ہے۔ مجھے تو بس اس گھر سے جانا ہے۔“

شاندار زندگی جینے کے خواب میں نے کبھی خود پر مسلط نہیں کیے تھے۔ اسے تو اس محضن زدہ ماحول سے فرار چاہیے تھا۔



محبت پر بھروسہ نہیں ہے؟“  
”بہت ہے۔“

”پھر اس سوال مت کیا کر رہے تھے ہی تو مجھے اس زیست کی دوشی کے دروہام سے ہم آہنگ کرایا ہے۔“ عباس نے اس کے گال پر انگلیات شہادت سرسراہی۔ تو رباب کے یاقوتی ہونٹوں پر مسکان پھیلی جس میں مہمل اطمینان تھا۔ تب وہ بھی اپنی ڈارک براؤن شہد آئیں آنکھوں میں کتنے جگنو بھرے۔ سید کچھ ہاتھا۔



عمار کے انگلیٹڈ جانے کے بعد رباب کا کہیں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اضطرابی و بے کلمی تھی کہ اس کے اطراف منزلانی وہ عمار احمد کو اکثر مس کرتی، ویک اینڈ پر جب نیت پر عمار سے بات ہوتی تو وہ اپنی بے تابیوں رباب کے سامنے بیان کرتا، لیکن رباب نے ایک دفعہ بھی نہ کہا عمار میں بھی تمہیں مس کرتی ہوں۔ یونیورسٹی میں رباب نے کوئی فرینڈ نہیں بنایا تھا۔ زبردستی نرا نمرا اور حیرہ نے اسے اپنے گروپ میں شامل کر لیا تھا۔ وہ زیادہ تر پڑھتے ہوئے پائی جاتی تھی ان کے پاس بیٹھ بھی جاتی تو ان میں ایڈ جسٹ نہ ہو پائی وہ ساری دیا سے خفا دکھائی دیتی تھی بچپن سے جس گروپ میں جگہ رہی ہوئی تھی وہ اس سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔ اسے چار سو ادا دکھائی دیتی اصل میں تو وہ ماما سے ہی فرار چاہتی تھی، اس نے عمار سے منگنی کر لی تھی۔ ماما تو اب بدل گیا تھا اس پر خاصی توجہ دیتے، جب ان کی توجہ کی ضرورت تھی تب انہوں نے اسے نظر انداز کر رکھا تھا۔

اس کا بچپن خوف کی نذر ہو چکا تھا جس نے اس کی پرسنالٹی کو بری طرح مجروح کر لیا تھا اسے کسی سے پیار نہیں تھا وہ خود پسند بن چکی تھی، جب آپ کو کوئی نہ سرا ہے تو آپ اپنی ذات کو خود سراہنے لگتے ہیں وہ باقی زندگی اپنی مرضی اپنے حساب سے گزارتا جا رہی تھی اپنی زیست کے کیسوں پر اپنی منشا کے رنگ بھرنا چاہتی تھی۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا اب کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرے گی وہ

وہ چاہتی تھیں متوسط طبقے کی رباب صرف گھریلو عورت بن کر رہے۔ رباب چھٹی کے دن پورے گھر پر توجہ دیتی تھی وسیع و عریض محل نما بیچنے کی صفائی اپنی نگرانی میں نوکروں سے کرواتی پھر کچن میں مہسی خانہ ماہی کے ساتھ عباس اور علی شاہ کی پسندیدہ ڈشیں بناتی، علی شاہ اس کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے۔

رباب رخسانہ شاہ کا اس حد تک احترام کرتی تھی کہ وہ اس کے شوہر کی والدہ تھیں ات۔ بخوبی علم تھا رخسانہ اسے پسند نہیں کرتیں، رخسانہ شاہ ہستے ہوئے طنز یہ جملے کہنے سے نہ چوکتی رباب کی اچھی خاصی بے عزتی کر دیتیں۔ رخسانہ بیٹے کی شادی ایک مٹی پھیل گئی کے مالک شیخ حامد کی اکلوتی بیٹی صالحہ سے کرنا چاہتی تھیں۔ انہیں تو وہ بہو چاہیے تھی جو جہیز میں فیکٹری اور بے حساب بینک بیلنس لائے۔ ان کی ابھی تک صالحہ پر نظر تھی وہ باہر سے پڑھ کر آئی تھی۔ وہ رباب کا کاٹنا کٹانے کے لیے نئے نئے پلان سوچتی رہتی تھیں۔

اس جادو گرنی نے میرے بیٹے پر جانے کیا جادو کر دیا ہے اسے اس سارے کے علاوہ کوئی اور دکھائی ہی نہیں دیتا۔ عباس شاہ سے رشتہ جوڑتے ہوئے رباب نے کسی کی پروا نہیں کی تھی۔ پھر عباس کیوں کسی کی پروا کرتا، کیونکہ وہ بھی رباب کو بہت چاہتا تھا، رباب اس کی خاطر اپنے گھر والوں سے نمرائی تھی۔ عمار احمد کی نگاہوں میں ہر جانی بنی تھی۔ اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔ عباس کے ساتھ اس کے دل کا سچا رشتہ جڑا تھا، عمار کے لیے اس نے ایسا بھی ٹیل نہیں کیا تھا۔ عباس بھی رباب سے بے تحاشہ محبت کرتا تھا، رباب نے اسے اپنی لازوال محبتوں کی سب سے اونچی مسند پر بٹھا کر بٹھا کر دیا تھا۔ وہ رباب کی قدر کرتا تھا اس کی پروا تھی عباس شاہ کو۔

”عباس شاہ تم مجھ سے بے وفائی تو نہیں کرو گے۔“ رباب کے متحرک چہرے پر خوف لگنے لگتا جھلستی نمی رباب کے صبح کالوں کو بھگوتی تھی۔

”مابی کیوں ایسی فضول باتیں سوچتی ہو کیا تمہیں اپنی



کبھی ماما بابا سے پاکٹ منی نہ مانگی، بابا ہمیشہ اس کے کہے بنا ما سے اس کی ضرورت سے بڑھ کر پاکٹ منی دیتے۔  
اکثر وہ بابا کو اپنے ساتھ لاٹنگ ڈرائیو پر لاتی وہ بابا کے ساتھ خوب باتیں کرتی صرف اپنی باتیں وہ اپنی پر بابا اسے ڈھیروں شاپنگ کراتے اچھے سے ریستورنٹ میں کھانا کھاتے دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزار کر خوشی پاتے تھے۔

.....☆☆☆.....

”علاقائی کم ان سر۔“ لیکچر دیتے سر سلمان قحسی نے لہو بھر کے لیے رکتے ہوئے دروازے کی جانب دیکھا وہ تیز تیز قدم اٹھاتا رہا باب کے سامنے سے گزرتا اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ آج وہ پورے ذل منٹ لیٹ تھا۔ بزنس ایڈمنسٹریشن کے تمام سبیکٹ اس قدر خشک اور دماغ چکرا دینے والے تھے پوری توجہ سے کلاس میں دماغ حاضر رکھنا پڑھتا تھا۔

”ابنی کوچنگ“ سر نے طائرانہ نگاہ پوری کلاس پر ڈالی رہا باب مضمین نے ہاتھ اٹھایا۔

”بس۔“ سر نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔  
”سر اس کی ڈیفینیٹیشن کیا ہوگی؟“ وہ مسکرائے اور پھر سے ڈیٹیل میں سمجھانے لگے۔ کلاس ختم ہو چکی تھی اسنوڈنٹ اپنی اپنی چیزز چھوڑنے لگے، ثمرہ نے رہا باب کو ٹھوکا مارتے ہوئے برابر والی روٹس فرسٹ نشست پر پہنچ کر تیزی سے قلم چلاتے گد لکھنے بندے کی جانب اشارہ کیا۔ رہا باب بنا پلک جھپکے کتنے ٹائپے اسے دیکھتی رہی۔ ثمرہ نے پھر اسے ٹھوکا مارتا تب وہ اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ وہ سرنی سر اپنے والد وجہ لڑکا تھا۔ اس کی علاقائی لاتی مولیٰ براؤنش آنگھیں اس کے بیضوی چہرے پر بہت سج رہی تھیں جن میں بے حساب چمک۔ عود رہی تھی۔ ہونٹوں پر مگھوٹی سبک مسکان بدستور قائم تھی۔ ستواں انھی ہوئی ناک جو کہیں سے بھی مغرور ہونے کا تاثر نہیں دے رہی تھی۔ چھوٹ سے نعلتے قد پر مضبوط سیرایا اسے منفرد بنا رہا تھا رہا باب چند لمحوں میں اس بندے کا تفصیلی جائزہ لے چکی تھی۔ تب ثمرہ

کے ہارنے پر اپنی چیزیں سینٹے کلاس روم سے باہر آ گئی۔ رہا باب کے اندر کچھ پکڑ پکڑا ہونے لگی۔ دل تھا کہ انجامے میں رنجیدہ تھا۔ نمر احمیرہ کی بات پر ہنس رہی تھیں رہا باب خاموشی سے چل رہی تھی اسے اپنے پیچھے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ غیر ارادی طور پر گردن کو ہلکا سا خم دے کر کن اکھیوں سے اپنے داہیں جانب دیکھا۔ واقعی وہی تھا ان کے پیچھے آ رہا تھا۔ اس کی تمام توجہ ہاتھ میں پکڑے قیمتی موبائل پر تھی۔ سب وہ تینوں اپنے ذہن پارٹنٹ کے طویل برآمدے کی باؤنڈری کی رینگ کے پاس کھڑی تھیں۔ رات کو جب وہ اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی تو بار بار اس کا خیال اسے ستا رہا تھا۔ کون ہے وہ... کیا نام ہے؟

”رہا باب ویری روٹنگ۔“ اندر سے کسی نے ڈپٹ کر کہا۔

”ہاں میری بلا سے وہ جو کوئی بھی ہے مجھے اس سے کیا سروکار۔“ اس نے دیلیس دے کر اس سرکشی کو روکنا چاہا، لیکن ہر بار وہ چند لمحے اس کی زندگی کے ان گنت لمحوں سے بھاری اور پر کیف ثابت ہوئے۔

رہا باب اسٹڈی میں شروع تھا سے نوپ ہولڈر تھی عباس شاہ زیادہ تر اسے پڑھتا دکھائی دیتا۔ عباس شاہ کا آن کیو لیول بہترین تھا۔ خرائی ڈے کی اس دوپہر کلاس آف ہونے پر وہ برآمدے کی کورنرو والی ٹائیکلو والی چوڑی میز جیوں پر بیٹھی منڈے کو ہونے والی پریزینٹیشن کے لیے چند پوائنٹ پر تک مارک کر رہی تھی، ثمرہ حمیرہ کینٹین چلی گئی تھیں۔

”ہیلو۔“ عباس شاہ برآمدے کی میز جیوں اترتے ہوئے ٹھٹکا۔ کر اس نے قریب رکھا۔

”ہیلو۔“ وہ مسکرائی۔  
”کچھلے ہفتے آپ کی اسائنمنٹ سب سے زیادہ نمبر لے گئی۔“

”تھینک یو آپ کو کیسے پتا؟“  
”سر نے اس روز کلاس میں بتایا تھا اس۔“



”ہوں مرنے ہم دونوں کا نام پڑھا۔“

”رباب آپ کلاس کی باقی لڑکیوں کی طرح نہیں ہیں۔“

”واٹ؟“ اس نے دلچسپی سے عباس شاہ کی طرف دیکھا۔

”بہت سادہ اور معصوم چارمنٹ۔“

”چھٹلکس۔“ رباب اس کی جاوٹی آواز کے بحر میں ابھی تک جکڑی ہوئی تھی۔ اچانک اس کی دھڑکنیں بے ہنگم ہوئی تھیں۔ رباب نے لوجہر کے لیے عباس شاہ کی طرف دیکھا اس کی گہری متحرک براؤن شہد آکھیں آنکھیں جن کا گمازہن اسے مزید دیوانہ بنا رہا تھا۔ عباس شاہ کے توصیفی الفاظ کے چہرہ ان اسے یکن جسم کرے تھے۔ عباس شاہ نے طائرانہ نگاہ اس پر ڈالی سفید چوڑی دار پاجامے پر کاسنی اور سفید پھولوں والی لائٹ ٹرٹ شلٹون کا اوپن سلیٹ سے سر پر لیے ہوئے تھی۔ بیرونی میں فلیٹ چپل تھی جو اس کی حویلی قامت پر خوب سج رہی تھی۔ عباس شاہ اب بھی رباب کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔



بابا کی ریٹائرمنٹ کے بعد وہ اس پوش علاقے میں حال ہی میں اپنے ذاتی گھر میں شفٹ ہوئے تھے۔ رباب کا اوپر دائیں جانب والد کمرہ تھا۔ جہاں دیوار گیر شہدے کی سلائڈنگ دیوار تھی جہاں سے باہر کا دیوانہ بہت پرکشش محسوس ہوتا میرے خاصا ہلا! اور طویل تھا۔ یہاں آکر وہ کافی خوش تھی۔ وہ رات دیر تک بابا کے پاس بیٹھتی تھی ہرنا پک پوان سے لمبی لمبی جھپٹیں کرتی۔ بابا رباب کی لمبی انجوائے کرتے آکر شام کو وہ اور بابا اپنے گھر کے سامنے لمبی سی تارکوں کی سرنگی سڑک پر واک کرتے اس شام واک کرتے ہوئے بابا سے اپنی ملازمت کے دوران کا کوئی واقعہ سنا رہے تھے وہ بابا کی بات پر مسکرا رہی تھی سامنے سے وہ اکیلا آ رہا تھا ہاتھ میں بیکری کے کچھ شاپرز تھے ان کے نزدیک آتے ہوئے وہ ٹھنک کر رکا۔ رباب نے بھی حیرت سے عباس شاہ کو دیکھا۔ اس نے بابا کو سلام

کیا تو انہوں نے محبت سے جواب دیا۔

”کیسی ہیں آپ؟“ اب وہ رباب کی طرف متوجہ تھا۔

”ٹھیک ہوں۔“ رباب کی آنکھوں میں جھپٹ تھا وہ

جنم پر ریڈی ٹرٹ پہنے ہوئے تھا بیروں میں چمڑے کے سیاہ سلپرتھے اس حلیے میں اُمی بہت اچھا لگ رہا تھا۔

عباس کی یا تو قوی چمک دار آنکھوں میں والہانہ چمک عود رہی تھی۔ ہونٹوں پر بدستور معنی خیز کراہٹ تھی۔

”بابا یہ میرے کلاس فیلو عباس شاہ ہیں۔“ بابا نے اثبات میں آنکھوں کو جنبش دی۔

”عباس آپ یہاں کیسے؟ رباب گویا ہوئی۔

”یہی سوال اگر آپ سے روز تو؟“ اب بھی متبسم

تھے اس کے بھرے بھرے ہوت جیسے اسے کوئی نایاب خزانہ مل گیا ہو۔

”میں یہی پر رہتا ہوں۔“

”اور میں بھی۔“ وہ خاصی سرور دکھائی دے رہی تھی۔

”میں اسی سینٹر ٹھہری میں رہتا ہوں۔“

”نورام جی تو میں رہتے ہیں۔“

”واہ یعنی ہم دونوں کے لات کی دیوار ایک ہی ہے اور

بیس پتہ ہی نہیں۔“

”اچھا نکل اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔“

”ان شاء اللہ۔“ بابا مسکرا۔ بے رباب نے بھی دونوں کو

اودا ملی جنبش دی۔

رباب اب بہت خوش رہنے لگی تھی۔ عمار احمد کا جنب بھی فون آتا وہ بتاتا میں تمہیں بہت مس کرتا ہوں رباب نے اسے بھی مس نہیں کیا تھا۔ اب اسے مار کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔

گزر تے دنوں میں عباس شاہ اور رباب ایک دوسرے کے بے حد قریب آئے۔ پچھے تھے۔ قریبوں کے سلسلے بڑھتے چلے گئے۔ انہیں پتہ نہ چلا۔ اب انٹر بابا اور

رباب کے ساتھ عباس شاہ بھی واک کرنے لگا تھا۔ بابا اور عباس میں خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ جب بابا ساتھ نہ

ہوتے تو وہ دونوں واک کرتے۔ ہوئے دنیا جہان کی باتیں



رباب گم صم سانس روکے، اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سماعتوں نے جو سنا تھا کیا وہ سچ تھا؟ دونوں نے اعتراف کے سلسلوں کی جیسے یہ سرگئی شام امین تھی۔ اوائل سرما کی یہ ہلکی خنکی لیے شام کس قدر خوب صورت محسوس ہونے لگی تھی انہیں۔

”رباب کچھ تو بولو۔“ عباس نے حدت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ رباب کے دل کی اٹھل پٹھل بڑھی۔ اس نے خمورنگا ہوں سے عباس کو دیکھا۔

”عباس مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ مجھ سے کبھی ایسا بھی کہیں گے۔“ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اپنی محبت کو امر کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

اب عباس شاہ علی شاہ کے پرنس میں ہاتھ بٹانے لینے لگا تھا۔ اس نے چند ہفتوں میں کمپنی معمولات و امور احسن طریقے سے ہینڈل کر لیے تھے علی شاہ مطمئن تھے۔ عباس جلد از جلد سہل ہونا چاہتا تھا تا کہ پرنس سے

رباب کے پر پوزل کے بارے میں بات کر سکے۔ عباس نے ایک دن ماں کا اچھا موڈ دیکھ کر ان سے بات کی تھی۔

وہ شدید حیرت میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے ہائی سوسائٹی کی ماڈرن امیر گھرانے کا لڑکی لانا چاہتی تھیں جبکہ ریٹائر ایس پی معین الدین متوسط طبقے کے فرد تھے اور رباب وہ نور خسانہ شاہ کو برگزیدہ پسند نہیں تھی۔

ہر وقت سر پر دوپٹہ اوڑھے کھڑی۔ انہیں تو فیشن بہیل بہو چاہیے تھی جو ان کے سوشل سرکل میں موو کرنے کی اہلیت رکھتی ہو، خسانہ شاہ ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا رباب کا خیال چھوڑ دے۔ وہ بیٹے کی بچہ سے بخوبی واقف تھیں اس کا ہر فیصلہ اٹل بہتا ہے۔ آج تک عباس نے ماں سے کوئی فرمائش نہیں کی تھی نہ ہی اس نے کبھی کسی بات کے لیے ضد یا اصرار کیا وہ والدین کی فرماں بردار

اولاد تھا۔ علی شاہ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ کئی بار معین الدین سے مل چکے تھے، جو ایک شریف انٹنس آؤٹی تھے۔

رخسانہ شاہ چاہتی تھیں عباس کا رجحان رباب کی

کرتے۔ محبت کی جزیں دونوں کے تکلین دل میں تیزی سے پھیل رہی تھیں۔ رباب شدت پسند تھی یہی اس کے عشق کا حال تھا۔ بنا کچھ کہے ایک دو بجے کی بات سمجھ لیے ان کی محبت میں کوئی کھوٹ یا قطع نہیں تھا۔ زندگی کس قدر چارمنگ ہے عباس شاہ کی سنگت میں اسے پتہ چلا تھا۔ رباب سوچتی اگر عباس شاہ مجھ سے پھڑ گیا تو میں مر جاؤں گی اس کے بنا اب جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

عباس کو رباب نے بتا دیا تھا کہ کن حالات میں اس نے عمار احمد سے محبت کی تھی۔ اب وہ عمار سے بات نہیں کرتی تھی۔ نرگس خالہ پریشان حال مانا کے پاس آئی تھیں وہ رباب کے بدلتے رویے سے فکر مند تھیں۔ مانا نے

رباب کو سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے مانا کو صاف انکار کر دیا کہ خالہ عمار کی کہیں اور شادی کر دیں تو مانا نے اسے سمجھانا چاہا۔

”پلیز مانا! آپ میرے لیے فکر مند نہ ہوں، میں سمجھدار ہوں مجھے اپنے تمام فیصلے خود کرنے ہیں، میں آل آپ کے پاس ایسا کوئی حق نہیں ہے جو آپ مجھ پر

انہی مرضی چلائیں۔“ بابا کو اس نے نہایت اطمینان سے قائل کر لیا تھا۔

”بابا! میں نہیں سمجھتی کہ عمار کے ساتھ میں زیادہ دور تک چل سکوں گی اس لیے بہتر ہے کہ ابھی سے راہیں الگ کر لیں۔ مجبوراً کسی کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی جا سکتی۔“

”ٹھیک ہے بیٹا تمہاری زندگی ہے تمہیں اس پر پورا حق ہے میں تمہارے لیے دعا گو ہوں گا۔“

اس شام عباس کے ساتھ راک کرتے ہوئے دونوں دوریہ درختوں کے درمیان لمبی سڑک پر چلتے چلتے ایک سنگی بیچ پر بیٹھ گئے تھے۔

”رباب میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہوں۔“ وہ چونکی۔

”جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو اپنے رب سے تمہارے دائمی ساتھ کی التجا میں ہیں تمہارا ساتھ مانگا ہے رباب تم میرے لیے بے حد ضروری ہو چکی ہو۔“

”جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو اپنے رب سے تمہارے دائمی ساتھ کی التجا میں ہیں تمہارا ساتھ مانگا ہے رباب تم میرے لیے بے حد ضروری ہو چکی ہو۔“



لیکن باب پہنا کر ڈاکٹر ختم ایک بے گمرانے کی بہو ہو۔  
 ”مجھے یونہی رہنا پسند ہے؟“ اس نے مختصراً جواب دیا  
 اور مسکراتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔



عمار احمد کی رہائش لندن میں بھی جہاں وہ اعلیٰ تعلیم کے  
 حصول میں مشغول تھا وہ یونیورسٹی کے نزدیک ایک  
 قدرے سستے اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر تھا۔ یہ اپارٹمنٹ  
 کلاس فیلو میکس کیلنل کی مدد سے ملا تھا، میکس ساؤتھ  
 افریقہ سے تھا یہاں پر وہ بھی اسکا لرشپ اسٹوڈنٹ تھا  
 دونوں ہوشل کی بجائے یہاں پر رہتے تھے کیونکہ وہ  
 پارٹ ٹائم چھوٹی موٹی جاب بھی کر سکتے تھے۔ میکس  
 عادت کا بھی اچھا تھا اکثر وہ ایک اینڈ کی رات رہا ب سے  
 لیپ ٹاپ پر بات کرتا تھا۔ یہ لیپ ٹاپ میکس کا تھا۔  
 رہا ب اب عمار سے کترانے آئی تھی۔ وہ بار بار میسج کرتا  
 جواب نہ آتا رہا ب سے اس نے بھی محبت کی تھی۔ وہ پہلی  
 لڑکی تھی جو عمار کی زندگی میں آئی تھی۔ اس کی بے اعتنائی  
 نفاخر بھری بے رخی کسی صورت عمار سے سہار نہ پار ہی تھی۔  
 وہ ٹوٹ کر پوری طرح بکھرا۔ اس کا کافی حد تک عمار احمد کی  
 اسی کی وجہ سے چکا تھا۔ عمار تمام ہرات اپنے بستر پر کروٹیں  
 بدلتا رہتا۔ اس شب جب پور شہر شدید سردی اور دھند کی  
 لپیٹ میں تھا عمار نیند آنے کی وجہ سے بالکونی میں ٹہل رہا  
 تھا۔ جب سے امی نے اسے بتایا تھا رہا ب نے منگنی توڑ  
 دی ہے وہ مسلسل ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ نیم بستہ رات  
 کے باوجود اس کے پورے وجود پر پسینے کی نمی اتر آئی تھی وہ  
 برداشت کی حد سے عبور کر بیٹھا تھا آنکھیں میس کر  
 آنسوؤں سے جل گئی تھیں۔

”عمار.....“ میکس نے اس کا کندھا آہستگی سے  
 دبایا۔ عمار کا گہرا ارتکاز ٹوناوہ سیاہا ہو کر بیٹھ گیا۔  
 ”ایٹی پرائلم۔“

”نو۔“ عمار نے زور سے دونوں گال رگڑنے میکس  
 اس کے سامنے ہتھوں کے بل بیٹھ گیا۔  
 ”کیا ہوا عمار پلیز تم اپنی پرائلم مجھ سے شیئر کر سکتے ہو۔“

طرف سے ہٹ جائے لیکن یہ آئس برگ پکھلنے والا  
 نہیں تھا۔ علی شاہ نے رخسانہ شاہ کو سمجھایا ہمارا بیٹا سمجھدار  
 ہے اس نے آج تک ہم سے کسی بات پر تقاضا نہیں کیا۔  
 اپنی پسند کا لائف پارٹنر چننا اس کا حق ہے وہ خوش و مطمئن  
 ہے تو ہمیں بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ تم عزت  
 و تکریم کے ساتھ معین الدین کے گھر عباس کا رشتہ لے کر  
 جاؤ..... رخسانہ شاہ جانتی تھیں ان کی مخالفت انہیں بیٹے  
 سے متعلقہ کر دے گی۔ حالات کے پیش نظر یہی بہتر تھا کہ وہ  
 خوشی خوشی رہا ب کو بہو بنا کر لے آئیں۔ خدا کا یہی حکم تھا  
 ان دونوں کے مقدر خدا نے لکھ دیئے تھے۔ پھر بھلا  
 رخسانہ شاہ کیا کر سکتی تھیں۔ منگنی اور پھر شادی شاندار  
 طریقے سے انجام پائی تھی۔ دونوں بہت خوش تھے۔  
 رہا ب اکثر سوچتی عباس شاہ آتی آسان سے مجھے مل گیا  
 اگر ہمارا ظن خدا کو منظور نہ ہوتا تو؟ وہ کانٹا شہتی رہا ب  
 ب ایسا مت سوچو اندر سے باز پرس ہوئی میرا یقین  
 میری شدتیں خدا کے حضور فیض یاب ہوئیں اور میرے  
 رب نے وہ حلیم شہداء گئیں لہجوں والا عباس شاہ میرے  
 نصیب میں لکھ دیا۔ وہ مفروضہ ہونے لگتی۔

وہ تھا ہی ایسی شدتوں سے چاہے جانے کے قابل یا  
 توتی آنکھوں والا عباس شاہ کھل طور پر اس کی دسترس میں  
 تھا۔ عباس بھی اسے بہت چاہتا تھا لیکن رہا ب کی محبت تو  
 پاگل پن کی حد تک تھی۔ عباس شاہ سے اس کا سچا تعلق  
 تھا اب وہ ہزاروں سال جینا چاہتی تھی۔ اور صرف  
 عباس شاہ کے لیے راوی چین ہی چین کھتا رہا اور رہا ب  
 اپنی اس جنت نما زندگی میں گم ہوتی چلی گئی۔

رہا ب ساس سسر کی عزت کرتی تھی۔ رخسانہ شاہ  
 بظاہر خوشی دکھائی دیتی لیکن دل سے رہا ب سے شدید  
 خائف تھیں۔ محبت پاشی سے اسے ہرٹ کرنے سے  
 نہ چوکتیں۔

”بیٹا! ہر وقت چادر نما دوپٹہ مت لپیٹے رہا کر ڈھونڈی  
 اسٹیکش لک دو خود کو تمہاری بری میں تمام جوزے لیتی اور  
 لیس کلکیشن تھے۔ پہنا کر ڈھونڈی تم نے کبھی نہیں پہنا پہلے



بارعمار کو اٹھا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا عمار بھی اس کے ساتھ پہنچے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے تر رہونا ہی پڑا۔  
 کیلی گنار بھائی بہت ہنس کر گار رہی تھی۔ اس کی آواز بہت پرسوز تھی۔

”یہ میرا دوست ہے۔ عمار احمد۔“ میکس نے تعارف کرایا۔

”مسٹر عمار تم میرا گانا سنائے مجھے اچھا لگا۔“ عمار اس کے ہاتھ غور سے دیکھ رہا تھا۔ لانی انگلیوں والے اس کے لمبے ہاتھ خاصے چمک دار تھے۔ اس کی پلمیں گھنی اور مزی ہونی تھیں آنکھیں لانی، ارمونی تھیں۔ وہ بچی کلاس میں واقعی خوب صورت لڑکی بنی جانی ہوئی اس سولہ سالہ لڑکی میں غیر معمولی بات ضرور تھی وہ بھی جھینپ رہا تھا۔ وہ کون سا بچہ تھی تھی پھر کافی کی طرف توجہ ہو جاتی۔ کافی نام نہان لڑکا تھا۔ عمار اب اٹھنا چاہتا تھا۔ اور ہی کلمات کہتے ہوئے کیلی نے رنجوشی سے ہاتھ دیا۔



جہاں شاہ نے لاہور کی بڑی سنبھال لی تھی۔ ملی شاہ بے فکر ہو چکے تھے۔ ملی شاہ رباب سے خوب مل مل گئے تھے جبکہ رخسانہ شاہ کو یہ بالکل اچھا نہیں لگتا حال ہی میں وہ ڈینٹس کے آپ سنے ان شان بیٹے میں شفٹ ہو گئے تھے۔ عمار رباب سے جو ڈیورینٹ آیا تھا۔ رخسانہ شاہ کی روٹین وہی تھی کلب، پارٹی، شاپنگ، افتتاحی تقریبات میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شامل ہونا، فیشن انڈسٹری میں خاصی پہچانی جاتی تھیں۔

یہ عباس کی محبت کا رشتہ تھا رباب دن بدن نکھرتی جا رہی تھی۔ رخسانہ شاہ رباب کی شادابی دیکھ کر کڑھتی امرت کو ہمیشہ اپنی جانب جھکی۔ سائورت بھائی ہے جو گلاب کی طرح تروتازہ ہو جس میں مقناطیسی کشش ہو رخسانہ شاہ کو رباب سے خدا واسطے کاہر تھا بیٹے کی بیوی پر توجہ برداشت ہی نہ کر پاتیں۔ اس گھر کے دونوں مرد صرف رباب کی طرح سرانی کرتے دکھائی دیتے جیسے رخسانہ شاہ کی کوئی وقعت و اہمیت نہ رہی تھی اور بے معنی ہو گئی تھیں گلبرگ کا

یوں دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ میں کئی دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں تم ڈسٹرب ہو عمار اگر واقعی تم مجھے دوست سمجھتے ہو تو مجھ سے بات کرو۔“ عمار نے اپنے اور رباب کے بارے میں مختصر میکس کیالی کو بتا دیا۔

”میں صرف رباب کی خاطر یہاں بیٹھنا چاہتا تھا کہ زندگی کو اس کی توقعات کے مطابق بنا سکوں، میں زندگی کے تمام خوب صورت موسم اس کے ساتھ انجوائے کرنا چاہتا تھا۔“ میکس نے اسے بہت سلی دی۔

”عمار سب کچھ بھولی کر دوسرے سمسٹر کی تیاری کرو اپنا سی ایس ایس عمل کرو۔“ میکس نے اسے دلاسا دیا۔ عمار نے مسکراتے میکس کی جانب دیکھا اور اس کے گلے لگ گیا۔

آج عمار کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی وہ بعد ہی پونہوشی سے آ گیا تھا۔ کل ویک اینڈ تھا اور آج وہ خوب سونا چاہتا تھا۔ وہ لیٹا ہی تھا کہ اسے چاہی سے لاک کھولنے کی آواز آئی۔

”آج تم جلدی آئے۔“ میکس تھکے تھکے انداز میں اندر داخل ہوا تھا۔ اور نوٹ اتارتے ہوئے اس نے زور سے جھاز جس پر برف کی سفیدی تھی۔

”سونا چاہ رہا تھا اس لیے جلدی آ گیا۔“ عمار نے میکس کی طرف پہرہ کرتے ہوئے نیند سے نوجھل آواز میں جواب دیا۔

میکس کے والدین چند سال پہلے انتقال کر گئے تھے تب وہ کچھ عرصہ تک ماں کی ایک رشتے دار کے گھر رہا تھا۔ کروڑی آئی اور اس کی بیٹی تمہارا ہی تھیں وہ آئی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا کروڑی کا ہر چند کچھ سال پہلے ان ماں بیٹی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس کی بیٹی کیلی میرین میٹرک میں پڑھتی تھی وہ اسکول سے آنے کے بعد ایک کار میٹس فیشنری کے اسکرٹ ڈیزائنر بنی تھی۔ اس طرف ماں بیٹی کا گزارہ اچھے طریقے سے ہو رہا تھا۔ کیلی کی آواز بہت اچھی تھی۔ وہ تیار بھی بجاتی تھی۔ میکس نے کیلی سے وعدہ کر لیا تھا آج آنے کے لیے اسی لیے میکس بار



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)



رنگارنگ کہانیوں کے آراستہ دلچسپ حیرت  
**AAANCHAL.PK.COM**

تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے



**قلندرات**

دنیا کو سحر کرنے اور انسانیت کو اپنی انگلیوں پر پھیلانے والے ذات کے قلندروں کا دلچسپ اور حیرت انگیز سفر

دید بان

عالمی سازشوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے لیے بطور خاص ہر شدت اور شدت کا ایک دلچسپ ناول

جگمگ

تاریخ کے صفحات میں محمود سرزمین پنجاب کی لمبی دیکھ دو انسان جو کلا رنگ داستانوں میں شملہ ہوتی ہے

**AAANCHALNOVEL.COM**

قارئین کی دلچسپی کے لیے نئے نئے سلسلے

خوشبو سخن: منتخب غزلیں، نظمیں۔ ذوق آہنی اقتباسات، اقوال زریں، احادیث و بیروہ معروف و غیبی۔ کالم حافظہ شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل چاہیے

پہلے کی صورت میں (021-35620771/2)

پورا آفس رباب سنبھال رہی تھی، کہنی کا کوئی مسئلہ گھر کی کوئی بات کے لیے رباب سے مشورہ لیا جاتا اس کی بات کو فوجیت دی جاتی۔ ڈاکٹر رخسانہ شاہ رباب سے کہتیں۔

”بیٹا اب ہمیں جلدی کوئی گندھوز دو میری بھی داوی بننے کی خواہش ہے۔“ رباب مسکرائی اسے اچھا لگ رہا تھا کہ ماں آج کل اچھے موڈ میں ہیں۔

”ماں آپ ہمارے لیے دعا کیا کریں ناں۔“ رباب نے بائیس ان کے گلے میں حائل کر دی۔

”خدا تم دونوں کو سلامت رکھے جوڑی بنا کے رکھے“ آج شام تم میرے ساتھ ڈاکٹر بلقیس کے کلینک چلنا وہ تجربہ کار گائنا کالجوسٹ ہیں۔“

”ٹھیک ہے ماں۔“ عباس اور رباب خوش تھے ماں کو ان کی فکر تو ہے ناں۔ ڈاکٹر بلقیس نے چیک اپ کے بعد بتایا تھا رباب بالکل ٹھیک ہے یہ میڈیسن استعمال کریں اللہ کرم کرے گا۔ نسخہ رخسانہ شاہ کے پاس تھا دوسرے دن ناشتے پر رخسانہ سے دواؤں کے متعلق سمجھا رہی تھیں۔ تین چار قسم کی میڈیسن تھیں۔

رباب نے ایک بار بھی وہ دوائیں نہیں کھائیں تھیں۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ کھائے تم ایسے ہی واہم کرتی ہو اس نے خود کو سرزنش کی اُپندرہ دن بعد رخسانہ شاہ پھر میڈیسن لے آئیں۔

”رباب ڈاکٹر بلقیس نے اب یہ دوائیں تجویز کی ہیں۔“

”ماں ڈاکٹر بلقیس مجھے چیک کیے بنا ایسے ہی میڈیسن کیسے دے سکتی ہیں۔ ذرا نسخہ مجھے دکھا میں۔“

”وہ تو شاید میڈیکل اسٹور پر ہی رہ گیا ہے تم فکر نہیں کرو میں جاؤں گی تو لے آؤں گی۔ تم یہ آج سے ہی شروع کرو۔“

”جی ماں۔“ اب رباب کا شک یقین میں بدل چکا تھا۔ کہ ماں اسے غلط دوا میں استعمال کرانا چاہ رہی ہیں۔

رباب شروع تو سے ہر بات مہربان سے شیئر کرتی تھی دونوں ایک دوسرے پر بھرپور ٹرسٹ کرتے تھے رباب



نے اپنے خدشات عباس کے سامنے رکھے تھے۔ وہ ان مردوں میں سے نہیں تھا جو بلاوجہ بحث میں پڑ کر بدگمانوں کو مزید بڑھا دے۔

سے پوچھو۔“  
 ”پاپا! میں نے بہت کوشش کی ہے لیکن وہ کچھ نہیں بتاتا۔“ رباب صاف بہانہ دیتی اور اس کی پریشانی کا علم اسے بخوبی تھا۔



دیک اینڈ کی دو پہر وہ دونوں بالکونی میں کھڑے تھے لندن شدید ٹھنڈ کی لپیٹ میں تھا۔ لوگ گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اچانک میکس کا سیل فون بجا۔  
 ”کیکی ہاؤ آر یو۔“

”میکس تم گھر پر ہو؟“

”ہاں لیکن تم کہاں ہو؟“

”تمہاری ہلڈنگ سے تھوڑے فاصلے پر ہوں۔ کچھ دیر میں پہنچتی ہوں۔“ اور ایک گھنٹہ بعد وہ آگئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پلاسٹک بیگ تھا۔ جس میں فریش فش کا ڈسپوزیبل کوریئر تھا۔ اس نے فش کچن سیلب پر رکھ دی تھی۔ عمار ایئر کے نزدیک بیٹھا لیپ ٹاپ کھولے ہوئے تھا۔ اس نے ایک دو بار کچن کاؤنٹر کے پاس کھڑی کیکی میریمن اور میکس کو باتیں کرتے دیکھا۔

آج کیکی نے ریڈا۔ انٹرنل اسکرٹ پہنا ہوا تھا۔ گلے میں میچنگ لانا تھی۔ کلائیوں میں رنگ برنگے کڑے تھے آج لائٹ مینڈ۔ اب تھا اس کے بدن سے اٹھتی پرفیوم کی دھبھی خوشبو یہاں سے مائل کو خوش گواریت میں تبدیل کر گئی تھی۔ اب کی بار عمار کی توجہ چمکتی آسٹریں سے زیادہ اس سیاہ قام لڑکی کی طرف۔ غیر محسوس انداز میں تھی۔ یقیناً میکس نے اسے سچ تیار کرنے کو کہا تھا۔ اس دوران اس نے باقی تمام کام بھی نمٹ دیئے تھے۔ کھانا اس نے بہت مزے دار بنایا تھا۔ عمار رغبت سے کھا رہا تھا۔ وہ کیکی میریمن پر بھی نظر ڈال لیتا۔ عمار کو آج وہ زیادہ توجہ طلب دکھائی دے رہی تھی۔ کیکی بہ سانولے چمک دار چہرے پر مسکراہٹ بہت جاندار تھی۔ کھانے کے دوران وہ مسلم کیونٹی کے متعلق مختلف سوال کر رہی تھی کہ اسلام کیسے دنیا میں پھیلا؟ وہ مختصر کیکی دیتا رہا تھا۔

”ٹھیک ہے ربابی تم وہ میڈیسن مجھے دے دینا میں چیک کروالوں گا تاکہ ماں کی بابت تمہارا دوسرا ختم ہو سکے۔ عباس کے دوست احمر کی بیوی گائنا کالوجسٹ تھیں میڈیسن وہاں بھجوائی تھیں چند روز بعد عباس کو احمر کا فون آیا اس نے بتایا وہ انہیں لائبریری میں ٹیسٹ کے لیے بھجوائی تھیں۔ اور پھر رباب کے خدشے کی تصدیق ہوگئی تھی۔ عباس کو شدید شاک پہنچا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا ماں اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا کریں گی۔ عباس نے رباب کو منع کر دیا تھا ماں سے اس ٹاپک پر بات نہ کرے بلکہ ہمیشہ ان کی عزت کرنے خیال رکھو۔ میری ماں ہیں۔ وہ گھر کے ماحول کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رباب ماں کا بہت خیال رکھتی وہ اکثر رباب سے پوتے کی خواہش کا اظہار کرتیں۔

رباب کا تیسرا مہینہ چل رہا تھا ان دنوں نے کسی کو نہیں بتایا تھا ماں اب گھر پر ہی رہتی تھیں رباب کا خیال رکھتیں اس کے لیے قیمتی تحفے بھی لاتیں بظاہر عباس کے چہرے پر وہ بھی مسکان ہر لمحہ رہتی لیکن وہ کم گو ہونا چاہتا تھا۔ رباب جانتی تھی ماں کے اس رویے نے عباس کو اذیت ناک کی کہہ رہے ہمنور میں ڈال دیا۔ ہے۔ وہ جانتا تھا ماں کو کبھی بھی متوسط طبقے کی رباب پسند نہیں ہے وہ ہمیں جدا کرنا چاہتی ہیں۔ وہ اولاد نہ دینے کا ایشو کریت کرنا چاہتی ہیں۔ تاکہ وہ اس کی شادی کسی مل اوڑھی بیٹی سے کرا سکیں۔ عباس شدید ڈسٹرب تھا۔ اعصابی کھنچاؤ کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ والدین کی فرماں بردار اولاد تھا پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ فرسٹریشن تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ رباب فون کرتی رہتی وہ فون نہ اٹھاتا تھا تب پاپا کے پاس جانتی تھی وہ بھی عباس کے لیے فکر مند تھے۔ اس کی اچانک بدلتی اسے تھمبیر تا طبیعت پر۔

رباب اسے کوئی پریشانی ضرور ہے تم اس



”میرے گھر کے نزدیک سیکٹر 8-F میں ترکی کی ایک فیملی رہتی ہے وہ خواتین بڑے بڑے کپڑوں میں خود کو چھپا کے دکھتی ہیں۔“

”ہاں ہمارے مذہب میں خواتین کو اپنے پردے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔“

”اچھا اب میں چلتی ہوں۔“ ایک الوداعی نگاہ عمار پر ڈالتی وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی۔



ناشتے کے دوران فز اور گرین پیاز کا آلیٹ دکھ کر رباب کا وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔ اسے ابکائی آنے لگی تھی۔ ماں نے معنی خیزی سے عباس کی طرف دیکھا۔

”عباس رباب کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

”جی ٹھیک ہے رات کو پچھلانا سیدھا کھالیا ہوگا۔“

”شام کو میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گی۔“

انہوں نے عباس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ماں آپ یونہی فکر مند ہو رہی ہیں ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔“ رباب میں آنے والی اس تبدیلی پر بظاہر وہ خوش دکھائی دے رہی تھیں جبکہ ان کا دماغ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ وہ کسی بھی طرح سے اس بچے کو دنیا میں آنے سے روکنا چاہتی تھیں۔ انہیں تو ہر صورت میں صالحی سے عباس کی شادی کرانا تھی۔ صالحی کے نام ایک فیکٹری تھی جو اس اکلوتی اولاد کو جینز میں ملتی تھی۔ رباب اب بھی عباس کے ساتھ چیک اپ کروانے جایا کرتی تھی۔ عباس اور رباب کے باہمی فیصلے سے طے یہ پایا کہ رباب آخری وقت اپنی ماما کے گھر گزار لے۔ رخسانہ شاہ نے سنا تو انہوں نے خاصا واویلہ نچایا اور ان سب سے تامل نہیں ہوئی تھیں۔ عباس کا صبح کا ناشتہ رباب ہی بناتی تھی۔ عباس آٹھ بجے تھیں باقی باقی آج بھی وہ تیاری میں مصروف تھا۔

”عباس تم تیار رہو لو میں تمہارا ناشتہ بناتی ہوں۔“

آج میرے ہاتھ کا ناشتہ کر نہیں پھر تو خانساں کے ہاتھ کا ناشتہ ہی کرنا پڑے گا۔“ آج اسے ماما اپنے گھر لے جانے کے لیے آرہی تھیں۔ عباس نے اس کے

عارض کو نرمی سے چھوا۔

”بابی میں تمہیں بہت مس کروں گا۔“ عباس اداس تھا۔ رباب عباس کی اداسی کم کرنے کی کوشش میں مسکرائی۔

”اچھا تم اب تیار ہو میں ناشتہ بناتی ہوں۔“

”میرا ناشتے کے لیے دل نہیں چاہ رہا جاتے ہوئے فریج سے جوس نکال کر پیوں گا۔“ اسے خدا حافظ کہتا وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ سیر میاں اترتے عباس نے ماں کو کچن سے نکلنے دیکھا تھا۔ ماں تو کبھی بارہ بجے سے پہلے اٹھتی نہیں اس وقت کچن میں کیا کر رہی تھیں؟ اسی حیرانی کے عالم میں وہ جوس لینے کچن کی طرف بڑھا۔ کچن کی انٹریس کے وسط میں اسے کچھ چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ عباس نے جھک کر دیکھا کوئی سیاں نما چیز تھی۔ اس نے فرش پر انگلی سچ کی دوا لٹا کر جو پھیرا ہوا تھا ماربل کے چوڑی ٹائلز والے سلپری فرش پر عباس ایک دم سے ٹھٹکا وہ تازہ گرایا گیا آٹل تھا حالانکہ رات و خانساں کچن کی اچھی طرح صفائی دھلائی کے بعد اپنے لوارٹر میں جاتا تھا۔ عباس اب بھی فرش کو دیکھتا تھا فریج سے جوس نکالنا وہ بھول چکا تھا۔ کڑیاں آہستہ آہستہ جزی رہی تھیں صبح سے پہلے رباب ہی کچن میں آتی تھی عباس کا ناشتہ بنانے وہ آدمی سوئی آدمی جاگتی ہوتی تھی۔

”کیا..... کیا یہ ماں نے؟ اودہ میرے خدا.....“ وہ وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا اچھا رہا تھا۔ اس سے یہ شدید درد برداشت نہیں ہو پارہا تھا۔ سرد درد کا اسے کچھ عرصہ سے مسئلہ تھا وہ بمشکل اٹھا اور اپنے کمرے تک آیا۔ اگر رباب غسل کر کر جاتی تو کیا..... کیا ہوتا بار بار یہی خیال اسے ستا رہا تھا رباب پھر سوئی تھی آہٹ باکراس۔ آکھیں کھولیں۔

”عباس تم ابھی گئے نہیں۔“

”بابی میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے مجھے پینا کر دے دو۔“ وہ دنوں ہاتھوں سے سر پکڑے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

”عباس اچانک کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ وہ سچ بست



تھیلیوں سے عباس کی گرم پیشانی دباری تھی۔

”میں پاپا کو اٹھاتی ہوں۔“

”راہی تم کہیں نہیں جاؤ گی۔“ عباس نے اس کا

ہاتھ پکڑا۔

”دیکھو راہی بچن میں مت جانا وہاں آکل گرا ہوا ہے“

کہیں تم سلف نہ ہو جاؤ۔“

”واٹ.....“ رباب نے حیرانگی سے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی

تھی یہی وجہ تھی عباس کی طبیعت خراب ہونے کی اب وہ

دوا کی کے زیر اثر تھا۔ اس کے چہرے کا اضطراب قدرے کم

ہو چکا تھا۔ اس نے پاپا کو کال کی وہ صبح کی واک پر نکلے

ہوئے تھے۔

”پاپا عباس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ جلدی

سے آ جا میں۔“ ڈاکٹر کبیر صدیقی نے ابھی طرح چیک

کیا تھا۔

”ابھی تو یہ دواؤں کے زیر اثر ہیں اٹھ جائیں تو ان کی

پوزیشن بتائے گا۔“ ڈاکٹر صدیقی کے چہرے پر تشویش

تھی۔ شام ہوئی تھی لیکن عباس نہیں اٹھا۔ رباب میں سکت

نہیں تھی بت بن چکی تھی شام کو ڈاکٹر کبیر صدیقی نے

عباس کو ہاسپٹل ایڈمٹ کرانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کی

رپورٹس نسلی بخش نہیں تھیں۔ عباس کو نیند میں گئے چہرے

کھٹنے ہو چکے تھے۔ پھر چوبیس سے اڑتالیس گھنٹے ہو گئے

عباس کو ہوش نہ آیا۔ رباب صدمے سے غمگین تھی وہ

کہاں بیٹھی ہے کیا سوچ رہی ہے۔ اسے کچھ پتہ نہیں چل رہا

تھا۔ خاموشی سے ٹکر ٹکر سب کو۔ گھنٹی راتی۔ ماں گنگ ہو چکی

تھیں کسی سے انہوں نے بات نہیں کی تھی ہاتھ میں تسبیح

پکڑے آنکھیں بند کیے اللہ سے فریادیں کرتی بیٹے کی

سلامتی اور صحت مانگ رہی تھیں۔ ماں کی خود پسندی غرور

خدا کو پسند نہیں آیا تھا۔ اسی بیٹے پر غرور تھا ناں جس کے

بچے کو ختم کر کے اپنا بیٹے کو دولت کے عوض کیش کرانا

چاہتی تھیں۔ رخسانہ شاہ کے سامنے ان کا اکلوتا بیٹا لاش کی

صورت ان کے سامنے بے سدھ پڑا ہوا تھا۔

علی شاہ نے رباب کو ماما کے ساتھ بھیجا تھا اس کے

چہرے پر زروی کھنڈی تھی اسے، پیروں پر وہ کھڑی نہیں ہو

پا رہی تھی۔ دو دن سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ وہ زندہ تھی

تو عباس شاہ کے لیے وہ اس کے دل میں دھڑکن کی طرح

تھارگوں میں خون بن کر دوڑتا تھا وہ شخص اس کی آنکھوں کا

نور تھا۔ ڈاکٹرز کے ہسپتال۔ رپورٹس چیک کرنے کے

بعد بتایا تھا۔ انہیں کچھ عرصہ سے مائی گرین کی شکایت تھی

اس بار ڈھنی دباؤ کی وجہ سے لاپا پر شدید حملہ ہوا ہے جو دماغ

کی نسوں کو سکیئر چکا ہے۔ اسی وجہ سے عباس قومہ میں جا چکا

ہے۔ علی شاہ کو نگان کے سر پر آسمان آ گرا ہے پیروں تلے

سے زمین نکل گئی ہے۔ بمشکل خود کو سنبھال کر گویا ہوئے۔

”سر جن اس کا دورانیہ کتنا ہو سکتا ہے؟“

”شاہ صاحب کچھ کہا نہیں جا سکتا چند دن چند مہینے“

چند سال یا اس سے بھی زیادہ۔“ علی شاہ نے سر دوڑوں

ہاتھوں میں تھام لیا۔



ویب اینڈ پرنٹنگ ان۔ پاس آئی تو عمار گھر رہی ظہر

کی نماز پڑھ رہا تھا۔ یہاں سے مسجد کافی دور تھی سو وہ اکثر

گھر رہی نماز پڑھ لینا۔ کئی نے چٹن کاؤنٹر پر کچھ پکٹ

رکھے اور وہی ٹیک لگائے عمار احمد کو دکھتی رہی۔ وہ کس

طرح رکوع و سجود کر رہا تھا اور کبھی سے دیکھ رہی تھی۔ کئی

نے چہرے میں اس طرح عادت کبھی نہیں کی تھی۔ وہ بہت

کم چہرے جاتی تھی کیونکہ اس کی می کو اپنے مذہب سے لگاؤ

نہیں تھا۔ بس صلیب کا نشان آگشت شہادت سے بنا کر

جیسے وہ مطمئن ہو جاتی، کئی کو بھی اس نے عیسائیت کے

بارے میں آگئی تھی وہ تباہ تھی اور جانتی تھی بیسویں قار

کی وہ اسی ہے اور وہ خدا کے نیک بندے تھے خدا جو

آسمانوں میں رہتا ہے۔

عمار نے جائے نماز نہ کرنے ہوئے کئی کی طرف

دیکھا جو باہر وہ مسکرائی آج اس نے منٹوں کو پھونکا پتک

اسکرت پہنا ہوا تھا جس پہ پوشیت تھی وہ خاصی تیاری کے

ساتھ آئی تھی۔ وہ اچھی لگ رہی تھی یا عمار کو اچھی لگنے لگی

تھی۔ عمار صبح سے اداں تھا کئی کو دیکھ کر طبیعت کچھ بہل گئی



تھی۔ امی نے رات کو عمار کو فون پر بتایا تھا۔ عباس شاہ قومہ میں چلا گیا ہے اور چند روز پہلے اس کا بیٹا ہوا ہے۔

”عمار تم عبادت کر رہے تھے کیا پڑھ رہے تھے؟“ کیکی میرین کے سبب میں تجسس تھا۔

”میں نماز پڑھ رہا تھا۔“ پھر عمار نے اسے صورت اخلاص کا ترجمہ سنایا۔ وہ پتھریا خوش رہی۔

”عمار بہت تاثیر سے ان الفاظ میں۔“ عمار پر اشتیاق نکالوں ستاس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا دیکھ رہے ہو؟“

”آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔“

”مذاق نہیں کرو۔“

”مذاق نہیں کرو باوقی اچھی لگ رہی ہو۔“ وہ سنجیدگی سے بول۔

”عمار تم بہت گند لگتے ہو۔“

”کیکی تم بھی تو پریشانی ہو۔“

”نہیں میں سیاہی مائل سے ہوں۔“ عمار بڑا وجہ متکرایا تھا تاکہ اس کا موڈ درست ہو۔

”بہت دیر ہوگئی میں تم لوگوں کے لیے کھانا بناتی ہوں۔ میں برونیز لاتی ہوں۔“ کیکی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ عمار غیر ارادی طور پر کیکی کے بارے میں سوچنے سے

خود کو روک نہیں پا رہا تھا۔ وہ سے مس کرتا تھا اور جب وہ آتی تو عمار کے اندر کے موتم بہت اچھے ہو جاتے کیکی نے عمار کو نماز یاد کرانے کو کہا تھا چند دنوں میں وہ چوری نماز

یاد رہ چکی تھی۔

ایک مرتبہ عمار نے سورہہ یاسین بمعہ ترجمہ ایسے سنائی تھی فصاحت دم بخود کر دینے والی حساسیت تھی ان الفاظ میں۔

”عمار یہ الفاظ کیسے اس دنیا سے آئے؟“ کیکی نے اپنی دانست کے مطابق سوال کیا تھا پھر عمار نے آسان الفاظ میں اسے سمجھایا۔

”جو تمہارا اور میرا خدا ہے اس نے اپنے ایک خاص فرشتے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ہمارے آخری نبی

صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک پہنچے۔“

”میں اپنے مذہب کے بارے میں بھی زیادہ نہیں جانتی۔ میری مٹی نے مجھے عادت نہیں ڈالی نہ ہی حیرت جاکر عبادت کرنے کو کہا میرا باپ شہ کرتا تھا مٹی جو کمانی وہ نے

ازنا پھر مٹی نے مجھے بھی اپنے ساتھ کام پر لگایا ہمیشہ وہ میرے باپ کا غصہ مجھے زور و کوب کر کے نکالتی رہتی میر

باپ مٹی کو گایاں دیتے مٹی مجھے گایاں دیتا ہمارے ہلڈ سیکٹر میں ایک نیچر رہتے تھے۔ میرا بڑھنے کا شوق دیکھا تو

مجھے اپنے خرچے پر انڈیشن دلا دیا مٹی نے بہت غصہ کیا لیکن سرنے مٹی کو راضی کر لینا میں شروع سے پڑھائی میں

اچھی تھی سرنے کی کوشش سے مجھے اس کا رشپ مل گیا میں نے کسرت پاس کرنی اس دوران میرا باپ ہمیں چھوڑ کر افریقہ

چلا گیا۔ مٹی نے شکر کیا۔ اب نی پر کوئی تشدد کرنے والا نہیں تھا۔“ عمار کیلی کی باتیں غور سے سنتا رہا وہ جب بھی آتی ان

کا اپارٹمنٹ چکا جاتی پورے پینٹے کا کھانا بنا کر فریج میں رکھ جاتی۔ میکس بھی اب مٹی کیکی کے نام سے جف کرنے

لگا تھا۔ چھ عرصہ سے عمار اس ہڈنگ میں رہنے والے بزنس مین کے تین بچوں کو بوشن دے رہا تھا جہاں سے

اسے خاصی بڑی رقم ملتی تھی۔ اس ویب اینڈ وہ کئی کو ایک انڈی ریسٹورنٹ میں ڈنر کمانے لے آیا تھا۔ مٹی بہت

خوش تھی وہ ہتمام سے تیار ہو کر آتی تھی۔ اب وہ سر پرنت سے اسٹاپس اسٹارٹ بھر لینے لگی تھی۔ ویٹر کھانا سرو

کر کے جا چکا تھا۔

”تم مجھے اپنے مذہب کے بارے میں اتنی ڈیٹیل سے بتا چکے ہو۔ اب میں دانتا تمہارے مذہب کو ان سے

سمجھنے اور محسوس کرنے لگی ہوں۔ نماز ایک دن میں نے مٹی سے پمپ کر نماز پڑھا۔ تم۔ مجھے طرانیات محسوس ہوئی۔

میں مان مسم ہوں پر ان الفاظ کی تاثیر نے مجھے بہترین احساس بخشا۔ عمار میں مسلمان ہونا چاہتی ہے۔“

عمار سانس لیتا بھول چکا تھا بے چینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ٹیبل پر رکھے ریڈ گلابوں کے اس پار بیٹھی کیکی اب بھی

اس کی نگاہوں کے مرکز میں تھی۔ جو مسلسل مسکرا رہی تھی۔



عمار نے اسے مایوس کر دیا تو..... تو.....! اس سے آگے سوچنے بچھنے کی صلاحیت جیسے مفلوج ہو چکی تھی، کیکی کے چہرے پر خوف ہلکورے لے باتھا۔

”عمار خاموش کیوں ہوں؟“ کھٹی کھٹی آواز بمشکل اس کے گلے سے برآمد ہوئی۔

”کیکی تم سے ایک بات کہوں تم یقین کرو گی؟“

”ہاں کیوں نہیں۔“ وہ بدتور کرب کے عالم میں تھی۔

”ہمارا کلچر بہت الگ ہے میرے چیرٹس کے بھی میری بابت کچھ خواب ہیں، مجھے نہیں لگتا کہ وہ ایسا چاہیں گے۔“ کیکی وحشت زدہ ہو کر سے کھتی رہی۔

”عمار میں نے اپنے رب کے بھروسے پر ہی تو تمہارا دائمی ساتھ اس سے مانگا ہے۔“

”کیکی اگر تمہیں اپنے رب پر اتنا یقین ہے تو پھر وہ ہمیں جدا نہیں کرے گا۔“ کیکی نے محسوس کیا عمار کا لہجہ بے حد پر اعتماد اور مضبوط ہے۔



عباس شاہ کو قومہ میں نئے چھ ماہ ہو چکے تھے۔ اس کا تین ماہ کا بیٹا سعد عباس ہو بہو باپ کا ہم شکل تھا۔ رباب کو یقین نہیں آتا تھا جو شخص اس کی زیست میں دھڑکن کی مانند بس رہا تھا وہ اس کے بنا کیسے جی رہی ہے۔ اس کے دکھ کو عباس نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اپنے بیٹے کی آمد سے بھی اس کی نیند نہ ٹوٹی، رباب بار بار ہسٹیں نینٹتی، اندر سے ٹوٹ چکی تھی۔

ان چھ ماہ کے دوران رباب باقاعدگی سے مہاس کے پاس ہسپتال کے اس اسپیشل روم میں آتی تھی۔ جہاں اس کا مجازی خدادنیا و مافیہا سے لاطلق گہری مسافتوں بھری نیند کے زیر اثر تھا۔ وہ عباس سے، لیے ریڈ روز لاتی اسے یقین تھا عباس کو ان کی خوشبو محسوس ہوتی ہوگی میری موجودگی کا احساس بھی اسے ضرور ہوتا، وگا۔

رباب کے ہونٹوں پر بیٹی سی مسکان ابھرتی لیکن آنکھیں سنگ اٹھتیں، جب بھی آتی سعد کو ساتھ لے کر آتی۔ وہ سعد کے بارے میں بہت محتاط تھی۔ یہ تو قدرت کا

”کیکی تم نے اتنی جلدی یہ فیصلہ کس وجہ سے کیا؟“

”تمہاری وجہ سے۔“

”کیکی تمہاری مٹی مان جائیں گی؟“

”نہیں؟“

”میں اپنی مرضی کی مالک ہوں، مٹی کو منالوں گی۔ مٹی اور میں ہی تو ایک دوسرے کے لیے ہیں وہ تھوڑے نخرے دکھائی ہیں پھر مان جانی ہیں، میں نے مٹی سے تمہارا ڈاکر کیا تھا کہہ رہی تھی کسی دن تمہیں گھر لاؤں۔“ لہجے سرکتے رہے نگاہیں اپنی اپنی پلیٹ پر تھیں لیکن ذہن کہیں اور بھٹک رہے تھے۔

”عمار.....“ کیکی کے پکارنے پر اس نے اسے دیکھا۔

”میں مسلمان ہو جاؤں گی پھر تم مجھ سے شادی کر لو گے۔“ کاٹھازور سے عمار کی پلیٹ پر گرا، کیکی سانس روکے عمار کے جواب کی منتظر تھی۔ عمار کو امید نہیں تھی کیکی یوں اسے پر پوز کر دے گی۔

”پلیز عمار جلدی جواب دو ورنہ میری سانس بند ہو جائیں گی۔“

”تو تم صرف اس وجہ سے مسلمان ہونا چاہتی ہو؟ تمہارے دل میں صرف طمع ہے خدا کی خالص محبت نہیں۔“ عمار کے لہجے میں تناؤ دور آیا تھا۔

”عمار تمہارے حصول کے لیے یہ طمع بھی تو اس رب نے میرے دل میں اجاگر کیا ہے۔“ کیکی کے لہجے کی پور پور پر یقین تھی۔ عمار کی حیرت تھی کہ ختم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ کیکی کو گھورنے کے انداز میں اس کا بھرپور اعتماد دیکھ رہا تھا۔ اس نے بمشکل رکا ہوا سانس بحال کیا۔ کیکی کے چہرے پر کیسا تقدس نور جھللا رہا تھا۔

”عمار میں نہیں جانتی مجھے کب تم سے محبت ہو گئی۔ صرف چھ ماہ سے تمہیں جانتی ہوں، لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے میں مدتوں سے تمہیں جانتی ہوں۔“ اس وقت عمار دو دھاری تلواریں پر کھڑا تھا، کیکی کو اپنا اس کے لیے قطعی ممکن نہیں تھا اس کے چیرٹس کبھی کیکی کو قبول نہیں کریں گے اگر



تھا جو رسی ان کے لیے ڈھیلی ہے وہ ایک لمحہ میں اس طرح رب کھینچے گا ساتھ ان کی روح بھی دار کے تختے پر چڑھتی جائے گی۔ اپنی اولاد کی شکل میں انہیں اذیت ناک مل رہی تھی جو لوہو لہان کی گردن کا موق بنی رہتی۔ رخسانہ شاہ ٹھیک ہو سکتی تھیں اگر عباس شاہ تو۔۔۔ سے نکل آتا ابھی تک ڈاکٹرز نے ایسی کوئی امید نہیں دلائی تھی۔ ابھی سے ابھی ٹریٹ منٹ چل رہی تھی۔ گل ماں بیوگی کے بعد رباب کے پاس آگئی تھیں۔ انہوں نے۔۔۔ حد کو اسی طرح سنبھال لیا تھا جس طرح رباب کو اپنی آغوش میں سمیٹا تھا اب وہ پاپا کے ساتھ دوبارہ آفس سنبھال چکی تھی۔



یکلی میر عین مسلمان ہوئی تھی مٹی نے تھوڑا دوا دیا چھاپا پھر خاموشی سادھ لی۔ اس آ اسلامی نام مومنہ رکھا گیا تھا۔ وہ اب بھی ایک اینڈ پر عمار کے پارٹنر بنتی تھی۔ عمار نے ماسٹرز کیمپل کر لیا تھا۔ اب وہ شارٹ کورس کر رہا تھا۔ وہ ایک کمپیوٹر کمپنی میں جاب بھی کر رہا تھا۔ سیلری خاصی تسلی بخش تھی۔ مومنہ کے لیے وہ اچھے ہی جذبات رکھتا تھا جیسے کبھی رباب کے لیے تھے۔ زندگی چلتی رہتی ہے رباب کی بے وفائی اس نے سہا لی تھی۔ اسے زندگی کو کامیاب بنانا تھا عمار نے والدین سے مومنہ کا ذکر کیا تھا وہ سخت تنفر میں انکار کر چکے تھے۔

”ایک سیاہ قام لڑکی کو ہماری بہو بناؤ گے زمانہ ہم پر ہنسے گا تم بس واپس آ جاؤ۔“

”پلیز اماں! آپ تو اں ہیں مجھے کبھی پہلے میں ایک محبت کھو چکا ہوں وہ بارہ ایسا میں سہا نہیں ماؤں گا۔“ وہ گھنٹوں فون پر وادین کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتا۔ عمار نے مومنہ کے بغیر کسی اور سے کبھی شادی نہ کرنے کی دھمکی دے دیا تھی۔ عمار نے یقین دلایا تھا مومنہ نے عیسائیت چھوڑ کر خلوص نیت اور دل سے اسلام قبول کیا ہے اس لیے نہیں کہ میری محبت میں اس نے یہ اقدام اٹھایا ہے بلکہ خدا کی سچی چاہ نے اسے بے بس کر دیا ہے میں تو صرف وسیلہ بنا ہوں۔

مجزہ تھا جو سہما آج اس کی گود میں تھا۔ زندگی کے اس قدر بڑے تصادم پر ہر احساس سے ماورا ہو چکی تھی۔ وہ سوچتی کاش اس صبح اس نے عباس کی بات نہ مانی ہوتی اور بچن میں اس کا ناشتہ بنانے چلی آتی۔ عباس اس شدید جھٹکے سے تویخ جاتا جس نے عباس کے حواس سلب کر کے اسے قومہ میں پہنچا دیا تھا۔ ماں کا ایسا روپ وہ برداشت نہیں کر سکا تھا۔ وہ..... بیٹا جس نے آج تک ماں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات نہیں کی تھی اس نے اپنی آنکھوں سے لیکن میں پھیلا آئل اور ماں کو وہاں سے نکلنے دیکھا تھا۔ پھر اسے شاک کیسے نہ پہنچتا جس دن سے عباس قومہ میں گیا تھا رخسانہ شاہ نے جب سادھ لی تھی۔ صرف اپنے کمرے کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ انہیں خود سے گھن آتی کراہیت محسوس ہوتی۔ رخسانہ شاہ کو خدا سے اپنے بیٹے کی نئی زندگی چاہیے تھی اب ان کا زیادہ نام عبادت میں گزرنے لگا تھا۔ انہیں یقین تھا وہ رحمان رحیم ضرور انہیں معاف کر دے گا اور ان کی دعا میں مستجاب ہو جائیں گی گہری چوٹ کھانے کے بعد وہ سنبھل چکی تھیں۔ خدا کی خدائی کو مدد کے لیے پکار رہی تھیں پھر وہ کیسے نا ایک ماں کی پکار سنتا۔

رباب نے علی شاہ کو نہیں بتایا تھا کہ کس وجہ سے عباس کا مائی گرین شدت اختیار کر گیا تھا جو قومہ میں جانے کی وجہ بنا۔ علی شاہ انہیں معروف سٹارٹسٹ کے پاس بھی لے کر گئے تھے رخسانہ شاہ سے اب جو بات بھی کہی جاتی فوراً مان لیتیں۔ وہ ہنسنے میں دوبار عباس کے پاس جاتیں اور کہتیں۔

”عباس اب انہر حاذ بیٹا میں تمہارے لیے اداس ہوں۔“ اس کے سامنے گھنٹوں بیٹھی کسبج پڑھتی رہتیں۔ رباب نے رخسانہ شاہ کو معاف کر دیا تھا۔ اکثر رباب نے سہ کو ان کی گود میں دینا چاہا تو وہ ہاتھ سے روک دیتیں اور اونچی سرگوشی کے ساتھ بڑبڑاتیں۔

”اللہی میرے عباس کی اولاد کو سلامت رکھ۔“ دل کی گہرائیوں سے صدا بھرتی رخسانہ شاہ نے کبھی نہیں سوچا



”ماشا اللہ۔“ خوشی سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔  
 ”مومنہ تم مجھے دنیا کی ہر عورت سے بڑھ کر حسین لگ  
 رہی ہو۔“

”عمار تم مجھ سے محبت کر۔ نہ ہو شاید اس لیے۔“ دوپٹہ  
 تپہ کرتے ہوئے بولی۔

”میں تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا نکاح کے بعد  
 تمہارا ویزے کے لیے پاکستان ابھری میں اٹلائی  
 کروں گا۔ پھر ہم ایک مہینے کے لیے پاکستان جائیں گے  
 تو دیکھنا وہاں کے لوگ کس قدر محبت کرنے والے ہیں۔“

ایسی برہم آئی بڑا اپارٹمنٹ، نے نئس گے اسے خوب  
 نریش کریں گے۔ جاہ۔ لے ساتھ تم دوبارہ پڑھائی بھی  
 شروع کر دینا میں شام کو تمہیں پڑھایا کروں گا۔“ مومنہ  
 نے گانا چھوڑ دیا تھا عمار فرمائش کرتا تو اسے نعت سنا دیتی۔

فیوجہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ دونوں کی گھنٹوں  
 تک شاپنگ مال میں گھومتے تھے۔ واپسی پر عمار نے اسے  
 فریش سرنٹ گلابوں کا بکے دیا تھا۔ مئی مومنہ کی شادی کو لے  
 کر خوش تھیں۔

”میں نے اسلام قبول کر لیا یہ اس کی مرضی تھی میں  
 کیوں جب اختلاف کرتی۔“ مئی نے یہ بات اپنے دل کو  
 سمجھائی تھی۔ چونکہ مومنہ کسی صورت کھونا نہیں چاہتی  
 تھیں۔ ہمیشہ مئی نے اپنے زمیندہ کا غصہ اس پر اتارا تھا  
 اب وہ اپنے رویوں کی تلافی مانا چاہتی تھیں۔



گلابی جازے کے خوشگوار دن رباب عرس کے  
 پاس بیٹھی تھی۔ سعد گل ماں کے پاس تھا تقریباً ایک گھنٹہ  
 سے رباب اس سے باتیں کر رہی تھی۔ جانے کیوں رباب  
 کو یقین تھا عباس کی سوچ کی حساسیت کچھ نہ کچھ ضرور ہے  
 وہ اس کی باتیں ضرور سنتا ہے۔ یہ سوچ کر ایک آسودہ  
 مسکراہٹ خود بخود رباب کے ہونٹوں پر ریگ جاتی۔  
 ایک بار مئی رباب کو محسوس ہو عباس نے آنکھیں جھپکی ہیں  
 اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ فوراً ڈاکٹر کو بلا لائی۔  
 ڈاکٹر زقارے مطمئن دکھانا دے رہے تھے۔ اب اکثر

”عمار تمہاری خوشی یہی ہے تو ٹھیک ہے تم شادی  
 کر کے اسے پاکستان لے آنا پھر ہم شاندار ولیمہ کریں  
 گے۔“ بیٹی کی خوشی کے سامنے اماں مجبور تھیں۔ عمار  
 آفس کے بعد سیدھا مومنہ کے گھر پہنچا تھا۔ مئی تپاک  
 سے ملی تھیں۔ عمار نے دروازے سے اندر جھانکا۔ مومنہ  
 مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی۔ کافی بیٹے ہوئے عمار نے  
 اسے بتایا تھا میرے پیرنس نے بخوشی شادی کی اجازت  
 دے دی ہے۔

”ریشمی۔“

”ہاں۔“ مومنہ بہت خوش تھی۔ دونوں کی آنکھوں میں  
 یقین تھا۔

”مومنہ ان شاء اللہ تمہاری دعا میں ضرور مستجاب ہوں  
 گی وہ رب کل ہے رب کائنات ہے جسے رحمان و کریم  
 کہتے ہیں۔“

”عمار آج میں نے عورت یا سین زبانی یاد  
 کر لی ہے۔“  
 ”سبحان اللہ“

آنے والے جمعے کو ان دونوں کا نکاح ہونا قرار پایا تھا  
 بعد نماز جمعہ بہت خوب صورت وینڈنگ ڈریس اماں نے  
 بھجوا دیا تھا۔ بے بی بی پنک گل کے احتجاج میں بھاری کام  
 دار شرارہ لگتے شرت دوپٹہ بہت بھاری تھا ساتھ چوڑیاں  
 اور ایک سیٹ گولڈ کا بھی تھا۔ مومنہ کو یہ سب چھوٹا سا  
 تو لگ رہا تھا۔

”یہ سر پر لو۔“

”عمار یہ بہت کام والا دوپٹہ ہے۔“ وہ چوڑی کا مدار پٹی  
 باتھ سے چھوٹے اپنے اندر اٹھتی خوشی نہ چھپا پائی۔

”مومنہ اسے یوں لیتے ہیں۔“ عمار نے اس کے سر پر  
 دوپٹہ لگایا۔ یہ کمر اس کی سائولی رنگت پر بہت سج رہا تھا۔  
 عمار بہت سا اسے دیکھتا رہا۔

”ساتھ میں جیولری بھی ہے۔ یہ نیکا پہنو ہاتھ پر۔“  
 عمار نے سفید کندن اور گولڈ کانیہ کا اس کی پیشانی پر رکھتے  
 ہوئے کہا اس کے بالوں میں انکا دیا۔



ایسا ہوتا وہ آنکھیں جھپکتا ہونٹ جنبش کھاتے اس کے ہاتھ پر دم سی لرزش ہوتی اب ڈاکٹر زبیر بہت پر امید تھے۔ فوری طور پر امریکہ سے اسپیشلسٹ سرجن کو بلوایا گیا تھا۔ ڈاکٹر مستعدی سے ٹریٹ منٹ دے رہے تھے۔ رخسانہ شاہ جس نے بھی پابندی سے نماز نہ پڑھی تھی اب پوری پوری رات بارگاہ الہی میں گزار دیتیں۔ آسمانوں کی وسعتوں میں چھپا رہا رخسانہ شاہ کی کارکردگی دیکھ رہا تھا۔ ایک بار بھی انہوں نے رباب سے معافی نہ مافیٰ معافیاں تو وہ اپنے رب سے مانگ رہی تھیں۔ بس میرا خدا راضی ہو جائے پھر رباب بھی راضی ہو جائے گی لیکن اب انہیں صبر کیسے آتا وہ نہ زندوں میں تھا نہ مردوں میں وہ تو درمیان میں لٹک رہا تھا اس کی ماں کس اذیت میں تھی یہ تو ایک ماں ہی جان سکتی ہے ان کا بیٹا انہی کی وجہ سے یہاں تک پہنچا تھا ان کے بارے میں سائیکاٹرسٹ نے بھی یہی کہا تھا اگر رخسانہ شاہ کا بیٹا ٹھیک ہو جاتا ہے تو یہ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گی ورنہ دنیا کا کوئی علاج ان کا ذہنی توازن درست نہیں کر سکتا۔

عباس کو لے کر ڈاکٹر کافی پر امید تھے۔ وہ جلد گہری نیند سے جاگ سکتا ہے قوم میں یقیناً وہ منتا ہے عباس کی آنکھوں کے کناروں پر اکٹھی محسوس ہوتی تھی۔ اس ویک اینڈ پر رباب سعد کو اپنے ساتھ لائی تھی۔

سعد ایک سال کا ہو چکا تھا۔ اپنی توتلی زبان میں اماں..... بابا کہتا تو رباب اسے خود سے پہنچ لیتی اس کے پنک گالوں کے بوسے لیتی۔ اس وقت بھی رباب عباس سے سعد کی باتیں کر رہی تھی۔ وہ چنگی عباس کچھ دیر سے آنکھیں جھپک رہا تھا۔ اس نے سیدھے ہاتھ کی دو انگلیاں ہلائیں رباب ٹکر کر عباس کو دیکھ رہی تھی۔ خوشی کی گھٹی گھٹی سسکی اس کے گلے سے برآمد ہوئی۔ وہ اب تو اتر سے پلکیں جھپک رہا تھا اور پھر اس نے پوری آنکھیں کھول دی تھیں۔

رباب کا سانس رکا ہوا تھا۔ رباب نے سعد کے ہاتھ میں پکڑا کھلونا زور سے نیچے پھینکا عباس نے گردن کو ہلکی سی جنبش دے کر آواز کی جانب دیکھا۔ تشکرانہ آنسو تھے کہ

رباب کی آنکھوں سے ٹھم، انہیں رہے تھوڑے جلدی سے عباس کے قریب آئی۔

”عباس.....!“ اس نے آنسوؤں بھری ہنسی کے ساتھ اسے پکارا عباس نے متحرک سے انداز میں رباب کی طرف دیکھا۔ رباب کا چہرہ اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ وہ نہلا عکس عباس کے ذہن میں ابھرا وہ مسکرایا رباب نے والہانہ شدت سے اس کا ہاتھ دبایا وہ پھر سے مسکرایا عباس کی انگلیوں میں حرکت ہوئی گہری خاموشی کا طلسم ٹوٹا ایک سال تین ماہ چار دن سات گھنٹے کے بعد اس نے زبان ہلائی۔

”رابی..... بی.....“ لمحے کے ہزاروں حصے میں رباب کی دنیا روشن ہوئی اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے کسے اپنی خوشی کا اظہار کرنے سے فوراً ڈاکٹر کو بلانا چاہیے تھا لیکن وہ تو جیسے غمگین ہو چکی تھی۔ اس اجاںک ملنے والی خوشی میں زمین۔ نے اس کے پیر اپنی جانب پہنچ لیے تھے۔ اور پھر جب وہ غم نے کچھ سوچنا شروع کیا تو ڈاکٹر کو بلانے بھاگی۔ ڈاکٹر کے پینل نے نفسی چیک اپ کے بعد مبارک باد دی تھی۔ یہ مکمل طور پر قومہ سے باہر آچکے ہیں۔ علی شاہ اور رخسانہ شاہ بھی فوراً پہنچ گئے تھے۔ خدا نے ایک ماں کی فریاد سن لی تھی۔ اس کے بچے کو ٹھیک کر دیا تھا۔

رخسانہ شاہ کا چہرہ آنسوؤں سے جل تھل تھا انہوں نے عباس کے سامنے معافی کے لیے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ تب عباس نے ماں کے تھوں کو تھام لیا۔ وہ بار بار تیشنی بھرے انداز میں رباب کی جانب دیکھا قدرت کے اس انوکھے معجزے پر وہ بے حد خوش تھی۔



آج بدھ تھا اور مومنہ کو بے قراری سے جمعہ کا انتظار تھا آج اس نے فیسٹری سے ایک ہفتہ کی چھٹی لے لی تھی اسے اب اکثر اپنے اندر بار بار عمارتی دکھائی دیتا وہ عمار کے احساس کی خوشبو اور مہمے 67 وقت سائیکل پر اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ جب ہی پیچھے سے آئی ایک تیز رفتار کار



شدت پسند مسلمان بنتی چلی گئی۔ مومنہ اکثر عمار سے کہتی۔  
 ”مجھے سمجھ نہیں آتی آسانوں کی وسعتوں میں چھپے اس  
 رب نے میرے اندر شدید۔ بے تابیوں بھری اپنی محبت  
 کیسے ڈال دی۔ ورنہ میں تو ایک گناہ گار بندی تھی جس نے  
 کبھی کلمہ نہیں پڑھا تھا عمار تم وہ بل بے اور خدا نے میرے  
 اندر کی روح کو اپنی محبت سے محسوس کر دیا۔“ ایسی باتیں کر کے  
 وہ ہمیشہ اس پیداہی نام نہاد مسلمان کو شرمندہ کر جاتی تھی۔  
 مومنہ تو جا چکی ہے لیکن اپنی انمنٹ محبت اس کے دل میں  
 ہمیشہ کے لیے نقش کر گئی تھی۔

عمار نمازی اور تہجد گزار بن چکا ہے وہ ہر وہ کام کرتا ہے  
 جو مومنہ نے ایک سال اسلامی زندگی میں کیے عمار ہر جمعہ  
 مومنہ کی قبر پر جاتا ہے اس سے باتیں کرتا ہے اور قرآن  
 پاک اور کئی آواز میں پڑھتا۔ اسے مومنہ کے نصیب پر  
 رشک آتا ہے۔ وہ اس لیے پاکستان نہیں جا رہا کہ اسے ہر  
 جمعہ مومنہ کی قبر پر جانا ہوتا ہے۔

ایک رات جب وہ تہجد کی نماز کے بعد کچھ وقت آرام  
 کرنے لیٹا تو اس کی آنکھ لگ جاتی ہے۔ اس نے خواب  
 میں مومنہ کو دیکھا وہ کچھ کچھ ناخوش نظر آ رہی تھی جب اس  
 نے وجہ جاننے کے لیے اس سے پوچھا۔

”کیا بات ہے مومنہ تم مجھ سے ناراض کیوں ہوں؟“  
 ”اس لیے کہ تم اپنے والدین کو بھول گئے ہوں کہ ان  
 پر بھی تمہارا حق ہے تم ان کی انکساری اولاد ہو کیا ہمارا دین ہم  
 کو یہ سب سیکھتا ہے کہ ہم اپنے فراموش بھول جائے۔“  
 بتاؤ عمار۔“

اچانک اس کی آنکھ کھل جاتی ہے وہ اپنے آپ کو سینے  
 میں شراور پاتا ہے اور دیوار کی گھڑی کی طرف نگاہ ڈالتا  
 ہے تو نماز فجر کا وقت ہوتا دیکھ کر وہ اٹھ کا وضو کر کے نماز ادا  
 کرتا ہے اور پھر اپنے رب سے اپنی غفلت کی رورور معافی  
 مانگتا ہے اور پھر واپس پاکستان، جا کر والدین کی خدمت کا  
 نیت کرتا ہے۔



کی اسے عمر ماری تھی۔ وہ سائیکل سمیت کئی قلابازیاں کھاتی  
 روڈ لائیٹ کے ایک پول سے پوری قوت سے ٹکرانی تھی۔  
 پھر اسے پتہ نہ چلا۔ اس وقت قریبی ہاسپٹل میں ایمر جنسی  
 میں اس کا آپریشن چل رہا تھا۔ عمار بخ بستہ وجود کو بمشکل  
 سہارہ دیئے کھڑا تھا۔ وہ خدا سے مومنہ کی زندگی کی بھیک  
 مانگ رہا تھا۔ مئی ایک بیچ پر نجیہ بیٹھی تھیں۔ کتنا وقت گزرا  
 عمار نہیں جانتا تھا اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب  
 ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر آپریشن تھیٹر سے باہر نکلے وہ دوڑ کر ان  
 کے قریب پہنچا۔

”آئی ایم سوری مسٹر عمار ہم مومنہ کو نہیں بچا سکے۔“  
 عمار پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا ڈاکٹر نے اس  
 کا کندھا تھپتھپایا۔ وہ بیچ پر ڈھے جانے والے انداز میں  
 بیٹھ گیا۔ اس نے چھت کے اس پار آسانوں میں بسنے  
 والے اپنے رب کو دیکھا۔

”میرے مالک میں شکوہ.....“ اس کے ہونٹ جیسے  
 جکڑے گئے زبان پتھر کی ہو گئی اسے یاد آیا مومنہ نے ایک  
 بار اس سے کہا تھا عمار اپنے رب سے کبھی شکوہ نہ کرنا  
 کیونکہ رب کائنات بخوبی جانتا ہے کیا ہمارے لیے بہتر  
 ہے اس کے فیصلوں میں اس کی مصلحت پہنچا ہوتی ہے۔  
 مئی اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی تھیں۔

”آئی! صبر کریں صبر کرنے والوں کو خدا عزیز رکھتا ہے  
 ہمیشہ مجھ سے مومنہ کہتی تھی خدا کی رضا کو اپنی رضا بنا لو اس  
 کے بدلے وہ تمہیں بے شمار اجر عظیم عطا کرے گا میرے  
 خدا کی رضا یہی تھی تو مجھ ناچیز کی کیا مجال۔“ تب وہ آئی  
 کے گلے لگ کر رو دیا۔ دنوں کے آنسو خاموشی سے بہ  
 رہے تھے۔

بظاہر عمار مضبوط دکھائی دے رہا تھا لیکن اندر سے آج  
 عمار عمار نہیں رہا تھا اس کے تمام پاکیزہ جذبے مومنہ اپنے  
 ساتھ لے گئی تھی۔ جو بنا کھوٹ بنا طمع کے تھے۔ مومنہ نے  
 ایک سالہ مسلم زندگی میں پچاس سالہ زندگی کا علم حاصل  
 کر لیا تھا اس دوران اس نے اپنے رب کو پہچانا جو اس کی  
 شہ رگ سے بھی نزدیک تھا۔ تب وہ غیر محسوس قوت سے





مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے  
خانقاہوں میں بھی کہیں لذت اسرار بھی ہے  
علم کی حد سے پرے بندہ مومن کے لیے  
لذت شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے

سجاؤ ہمارے پیچھے میں کھس پائے، ایسا پہلے بھی ہوا تھا جو  
اب ہوتا تو ہمارے ”بے چارے“ وہ ہمیں ہمارے حال پر  
چھوڑ کر ایک طرف ہو بیٹھے کہ۔

”بھئی کر لو اپنا یہ شوق بھی پورا۔ چھان لو مجھے اسکولوں کی  
خاک واپس تو اوقات میں آ ہی پڑے گا تمہیں کہ ”جنتوں  
دی کھوتی، او تھی ای آن کھاتی۔“ تو مشہور ہے ہی ناں آخر  
کار۔“ بس یہ طعنہ یہ چیخ مہیا آگ لگانے کو کافی تھا۔

سواب ”ہم“ تھے اور یہ چاری ہماری ”جوتی“ جو خچ خچ  
کراہ دہائیاں دے دنی گئی کہ

”بی بی بس کرو، بن تے میری وی آخر ہو گئی  
اے۔“ تو جناب ہم آپ کو رہتا ہے تھے کہ اس عمارت کی  
پیشانی پر سجا یہ خوب صورت، شعر پڑھ کر کان تو ہمارے  
کھڑے ہوئے ہی تھے ہم خود بھی کھڑے ہو گئے۔ ہمارا  
بس نہیں چل رہا تھا کہ ہم فوراً اندر جائیں اور اپنے لاڈلوں کی  
قسمت چکانے کے لیے اس عالی شان اسکول کو آ جائیں  
مگر..... ہائے افسوس..... 1۔ مکول بند تھا کیونکہ اس روز اتوار

قسمت نوع بشر تبدیل ہوتی ہے یہاں  
اک مقدس فرض کی تکمیل ہوتی ہے یہاں  
اس خوب صورت سب منزلہ عمارت کے ماتھے پر کسی  
چمک دار تاج کی طرح جگمگاتے اس شعر نے پل بھر میں  
ہماری توجہ اپنی طرف مقبول کرائی۔ پچھلے کئی دنوں سے ہم  
اپنے بچوں کا اسکول تبدیل کروانا چاہ رہے تھے کیونکہ جانے  
کیوں اور کیسے ہمیں یہ خط سا ہو گیا تھا کہ جتنا مہنگا اسکول  
ہوگا جتنی زیادہ فیس ہوگی اتنی ہی تعلیم کا معیار بلند ہوگا۔

بس جی یہ خناس ہمارے سر میں سماتا تھا کہ ہم ٹھہ لے کر  
سارے کے سارے اسکولوں کا تیا پانچا کرنے چل نکلے۔  
اب یہ اور بات کہ اتنے دن چل خوار ہونے کے باوجود ہمیں  
خاطر خواہ کا سہانی حاصل نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ ہمارے شوہر  
نامدار نے ہمیں بہتر سمجھانے کی کوشش کی کہ پڑھائی تو  
سارے اسکولوں کی ایک جیسی ہی ہوتی ہے یہ تو بچے کی اپنی  
صلاحیت ہے کہ وہ کس طرح و علم حاصل کرتا ہے اور کتنا فیض  
اٹھاتا ہے اپنے اساتذہ سے مگر ناں جی کوئی بات سیدھے



ساتھ۔ ہم تو یہ سب کہہ کر بہ جا وہ جا اور ہمارے ”بے چارے وہ“ منہ اور آنکھیں کھلے ہمارے قدموں کے نشانات ہی تکتے رہ گئے (کہ فرزند گیلہ تھا اور جوتی کچھڑ والی، سوشان بن گئے فرزند پر) اور اب جو انہوں نے مسخرے سے نعرہ لگایا تو ہمیں یاد آیا کہ اس اسکول کے چکر میں ہم تو بازار جانا ہی بھول گئے۔ دھت ترے کی، اب پھر ان کے ترے کر کے ان کے ساتھ ہی ہانا پڑے گا۔

.....☆☆☆.....

اگلے دن ہم نے وہ عظیم مہر کہہ کر سونے کا سوچ ہی لیا اور گھر میں کسی کو بھی بتائے بغیر اسکول کی طرف چل پڑے۔ اب چونکہ وہ اسکول باہر سے بہت خوب صورت اور شاندار لگ رہا تھا اور بڑا بھی کافی تھا۔ اس کے ”معیار“ کے حساب سے ہم نے بھی ابھی خاصی تیری کر ڈالی بچوں کو اسکول اور میاں صاحب کا فیس روانہ کر کے بعد اپنا سب سے مہنگا اور خوب صورت سوٹ نکال کر۔ تری کیا اور فائنٹ تیار ہونے چل دیے۔ نیا جوڑا پہنا، میچنگ جیلری سے خود کو آراستہ کیے تک سب سے دیڈی ہو گئے۔ اپنی اتنی بھر پور تیاری کے دوران میں ایک بار بھی احساس نہیں ہوا کہ ہم کسی ”شادی“ پر نہیں بچوں کے اسکول جا رہے ہیں لیکن بات تو پھر وہ ہی آجی ہے ناں کہ ہم پر اس عورت کا رعب کچھ زیادہ ہی پڑ چکا تھا یا پھر اپنی دیورانی کی باتیں گونج رہی تھیں ہمارے دماغ میں جو سوچے سمجھے بغیر انارنج رنچ گئے۔

ارے آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہی داستان ساری۔  
ٹھہریے ہم آپ کو ذرا تفصیل سے بتاتے ہیں کہ یہ ”کیڑا“  
ہمارے دماغ میں گھسا کب اور کیسے۔

.....☆☆☆.....

چند سال پہلے تک ہم اپنے سسرال میں مل جل کر رہتے تھے کیونکہ تب تک n رے ایک ہی دیور کی شادی ہوئی تھی اور ہم سب کا گزارا بہت اچھا ہو رہا تھا پھر جیسے ہی نوید (چھوٹے دیور) کی شادی کا سلسلہ شروع ہوا تو ہمیں عینجدہ گھر میں شفٹ ہونا پڑا، کیونکہ اب فیملی بڑی ہو رہی تھی۔ لہذا گزارا مشکل ہو گیا تھا۔

تھا اور ہفتہ وار چھٹی خیر جی ہم کہاں ہار ماننے والے تھے۔  
”بھئی اسکول کی ریپوشیشن کا تو ہوتا کیا ہی جاسکتا تھا ناں  
آس پڑوں والوں سے۔“ اور یہی سوچ کر ہم نے ساتھ  
والے گھر میں دستک دے ڈالی، بتل اس لیے نہیں کہ حسب  
معمول لائٹ صاحبہ لمبی رخصت پر تھیں۔ تن، چار بار کی  
دستک کے جواب میں گیٹ ایک جھٹکے سے کھلا اور جو  
صاحب اس بڑے سے کھلے گیٹ سے برآمد ہوئے ان کا  
سائز دیکھ کر ہمیں فوراً یقین آ گیا کہ ”اتنا بڑا“ دیور کیر گیٹ  
کس لیے لگوا یا گیا اور پھر ان کا حلیہ ماشاء اللہ اس قدر گھریلو  
اور ”سنڈے والا“ تھا کہ دیکھ کر ہی ہمارے ہوش اڑ گئے وہ  
اتنے خاصے موٹے تازے صاحب صرف چار خانے کا تہہ  
بند باندھے، بڑا سالنے مکے کے سائز کا پیٹ نکالے نیند  
بھری موٹی موٹی سرخ آنکھوں سے ہمیں ایسے گھور رہے  
تھے جیسے ابھی نکر یا مکار کز ہمیں زمین میں گاڑ دیں گے۔  
لوتی اب کہاں کی تحقیق اور کدھر کی ریپوشیشن ادھر سے جو  
ہم نے سر پر عیر رکھ کر دوڑ لگائی تو اگلا روڈ کراس کر کے ہی رفقہ  
تھی وہاں کھوڑی دیر رک کر اپنی پھولی سانسوں پر قابو پایا اور  
مرے مرے قدموں سے گھر کی راہ لی، گھر پہنچے تو یہ بھی بھول  
چکے تھے کہ ”اتوار“ کو باہر لینے کیا گئے تھے؟ وہ تو میاں  
صاحب نے خالی ہاتھ آتے دیکھا تو ”پھر بھول گئیں۔“ کا  
نعرہ مستان لگایا تو ہمیں یاد آیا کہ ہم تو اتوار بازار شاپنگ کرنے  
گئے تھے اور وہ بھی بڑے کرفٹر سے میاں صاحب کی آفر ٹھکرا  
کر بہ چارے کیسے ترے ہی کرتے رہ گئے تھے کہ

”چلو بیگم اتنی گرمی میں کہاں ہیل ٹوڈ ہوتی رہو گی میں  
لے چلتا ہوں بائیک پر اتوار بازار۔“ پر ناں جی ہم کیا کریں  
اپنی ”ازیل ٹو“ جیسی طبیعت کا جو جس بات پر ازگی سواڑگی۔  
”جی نہیں، ہم اکیلے ہی جائیں گے اور ہفتے بھرتی  
شاپنگ کر کے ہی آئیں گے۔ اپنی آپ تو ایسے کنجوس ہیں  
کہ کچھ لینے بھی نہیں دیتے۔ جس چیز کی طرف ہاتھ  
بڑھا میں فوراً جھٹک دیتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے اس کی۔  
ابھی تو پہلے والی ہی ختم نہیں ہوئی۔ پیسے کیا بیڑوں پر آگتے  
ہیں جو ضائع کرتی ہو۔ تو بس ہمیں نہیں جانا آپ کے



ہمارے دو بچے اور دونوں اچھے بھلے گورنمنٹ اسکول جاتے تھے کیونکہ ان کے ابو اور چاچو بھی اسی اسکول کے تعلیم یافتہ ہیں اور اس اسکول کا معیار بھی ابھی تک تو بہت اچھا جا رہا تھا اور کچھ ویسے بھی ہمارے بیٹے ماشاء اللہ بہت ذہین اور ہوشیار ہیں۔ (کسی کو بتائیے گا مت وہ دونوں ذہانت میں پورے کے پورے اپنے ابو پر گئے ہیں) مگر یہاں بات پھر وہ ہی آ جاتی ہے کہ

”میں نہ مانوں؟“ تو ہم نے کبھی ”ہاں“ کے سامنے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہی نہیں اور ہمیشہ بڑے فخر سے سب کو بتاتے ہیں کہ امر (بڑا والا) بالکل ہم پر گیا ہے اور اسفر (چھوٹا والا) ہمارے اکلوتے بھائی دانیال کی ڈینوکا پی سے حالانکہ ہمارے دونوں بیٹے اول جماعت سے ہی اول پوزیشن لے رہے ہیں اور ہم۔ ہم تو مر کے پاس ہوتے تھے اور ہادانیال تو وہ بھی پاسگ مارکس لے ہی آتا تھا تو ہم تہ رہے تھے کہ جب تک ہم سب اکٹھے رہتے تھے خوب مزہ میں تھے بچوں اور ان کے بابا کا تو چہ نہیں مگر ہم واقعی بہت مزے میں تھے کام کا اتنا بوجھ بھی نہیں تھا اور امر، اسفر کی پڑھائی کے سلسلے میں بھی ان کے ابو اور چاچو ان کی بھر پور مدد کرتے تھے لیکن جب سے ہم اس نئے گھر میں آئے لگتا تھا سب گڑبڑ ہو گیا کام کے بوجھ کی وجہ سے اکثر ہم جھنجھا جاتے یا چڑچڑے ہو جاتے تو ہمارے میاں صاحب فوراً ہماری مدد کو آگے آتے اور ہمارے ساتھ مل کر گھر کے کام کاج بھی کر لیتے اور بچوں کو پڑھاتے تو اب بھی وہ خود ہی تھے اس روز ہم اپنی سسرال ملنے گئے تھے۔

”بھابی آپ کو پتا ہے ہم نے راس اور ضویا کو نئے اسکول میں داخل کرا دیا ہے سچ بھابی اتنا اچھا اسکول ہے کہ کیا بتاؤں؟“ ہماری دیورانی ہادیہ نے اپنے مخصوص انداز میں آنکھیں میچتے اور مٹھیوں کو میچتے دائیں بائیں جھولتے ہوئے ہمیں ہنسنے لگانے کی بھر پور کوشش کی۔

”کیا مطلب؟ راس اور ضویا تو اچھے جا رہے ہیں اسکول، گھر کے نزدیک بھی ہے اور اس کا تو زلٹ بھی بورڈ میں 91 سے 95 فیصد ہے پھر کیا مسئلہ ہے تم لوگوں کو مسئلہ تو

ہمیں بنا ہوا ہے وہ کھوناں، امر اور اسفر کو کتنی دور پڑ گیا ہے اسکول نئے گھر سے۔“ ہم نے حسب معمول اس کے جوش و خروش پر ٹھنڈے پانی کا بجا اور مٹھینے کی بھر پور کوشش کی یہ الگ بات کہ اندر سے ہم جل بھن بھن گئے تھے اور فطری تجسس کا شکار بھی ہو رہے تھے۔

”ارے بھابی، آپ تو کچھ پتا ہی نہیں ہے کہ دنیا کہاں بستی ہے رستاق کی گورنمنٹ اسکولوں کے بچوں کو کون پوچھتا ہے اسٹینڈرڈ بنانا ہے تو بچوں کو مہنگے اسکولوں اور اکیڈمیوں میں داخل کرانا ہی پڑے گا ہاں۔“ ہماری دیورانی صاحبہ نے حسب معمول پنڈلم کی طرح ڈولتے ہوئے ہمارے صبر پر بھر پور بار کیا۔

”ارے چھوڑ دو مٹی، یہ تو ہر سے کس نے کہہ دیا آخر کو ہم تو اب بھی تو سرکاری اسکولوں کا بچوں میں پڑھے ہیں اور ہمارے شوہر حضرات بھی پچھوہ اچھے سرکاری مہدوں پر ہیں تو ہمارے بچے کیوں نہیں جا سکتے آگے بھلا؟“ ہم نے حسب معمول تاک سے ہمیں اڑائی۔

”یہ سن تو بھابی یہ ہی تو بات ہے دو زمانہ اور تھا اس دور میں سارے ہی لوگ سرکاری اسکولوں میں پڑھتے تھے اور پھر نمبر بھی اچھے لاتے تھے، استاد بھی محنت سے پڑھاتے تھے اور بچے بھی خوب دل لگا کر پڑھتے تھے مگر اب زمانہ بدل گیا ہے بھابی۔ اب اگر کسی پر اپنے اسٹینڈرڈ کی دھمک بٹھانی ہو تو اپنے ذہن کی نوکری یا تنخواہ کا رعب جمانے کی ضرورت ہی نہیں صرف اور صرف مہنگے اسکولوں میں پڑھنے والے اپنے بچوں کے اسکوٹر اور اکیڈمیوں کے نام بتا دو بس اگلا بندہ حجت اتی لیے تو میں نے تو اپنے دونوں بچوں کو مہنگے والے انگلش میڈیم اسکول میں داخل کرا دیا ہے پتا ہے آپ کو فیس کتنی ہے اسکول کی؟ دس ہزار داخلہ فیس، ہزار روپے ماہانہ اور فنڈز ذریعہ علیحدہ۔“ اس نے کچھ اس طرح فخر اور غرور سے بتایا جب سے اس کے بچے نرسری اور کے جی میں ہی کنٹرل اور ٹیچ لگ گئے ہوں، اس کا یہ انداز اور غرور دیکھ کر تو ہمارے تلوؤں سے لگی اور سیدھی سر پر جا بھگی۔ ایسے بھانجرا جیسے کلیجے میں لہ بٹھنا محال ہو گیا اور پھر واقعی



ہم زیادہ دیر نہیں بیٹھے گھرا کر دات بھر سوچنے کے بعد اپنے میاں جی سے اس موضوع پر بات کی پر ناجی وہ تو کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھی، ہمیں ہی سمجھانے بیٹھ گئے۔

”لو ہو، کیا ہو گیا ہے تمہیں بیٹھا جیسے بھلے تو جا رہے ہیں دونوں اسکول اور ہاویہ کا کیا ہے تمہیں پتا تو ہے کہ اسے نئے نئے شوٹے چھوڑنے کا شوق ہے۔ تم پھر بھی اس کی باتوں میں آ رہی ہو جیسا چل رہا ہے پہلے دنوں۔“ ہمارے کھڑے تیر دیکھ کر انہوں نے بات بدلنے میں ہی عافیت سمجھی مگر ہم..... ہم تو جیسے ڈٹ ہی گئے تھے ہمارے دماغ میں کیزا گھس چکا تھا لہذا ہم اب پورے جوش و خروش کے ساتھ اس مہم کو سر کرنے پر توجہ دے گئے۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اس میں نفع کتنا ہے اور نقصان کتنا۔

☆.....☆.....☆

ہم تک سک سے تیار خرماں خرماں اس سہ منزلہ عمارت کی طرف روانہ ہو چکے تھے اس وقت دن کے دس ساڑھے دس کا وقت ہو رہا تھا اسکول کے باہر باوردی انکراں کھڑا تھا اب اگر یہ مقلید دور ہوتا اور مقلید دور ہا تو پھر باوردی درہان کھڑا ہوتا کچھ بھی آتا تھا مگر بچوں کی درس گاہ کے باہر درہان، گری، سردی کی دھوپ میں گھس جانے والی رنگت پر گہرے نیلے کی وردی، سبز ٹوپی پہنے اپنے قدم سے بڑی اور وزن سے وزنی بندوق کا اندھے پر لٹکائے وہ اس طرح مستعد کھڑا تھا جیسے ابھی ہمسایہ ملک کے فوجی اندانخواستہ سرحد سمجھ کر حملہ کرنے والے ہوں اور یہ فوجی سادہ بان انیس نیست و نابود ہی تو کر دے گا۔ خیر، رکشے والے کو انتظار کرنے کا کہہ کر ہم نے اندر کی طرف قدم بڑھائے مگر ہمارا راستہ روکے وہ درہان کا رڈ چوکیدار صاحب کھڑے تھے۔

”جی میڈیم کس سے ملنا ہے آپ کو؟“ اخلاق کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے وہ ہمارا راستہ روکے کھڑا تھا۔

”اسکول کے پرنسپل صاحب سے ملنا ہے ہمیں۔“ ہم نے اپنے لیے اس کے منہ سے ”میڈم“ کا لقب سنا تو خواجوا گردن اٹھا کر حجاب دیا۔

”جی، کیا کام تھا آپ کو پرنسپل سر سے۔“ اب کے دورہ!

سوال آیا تو ہمیں غصہ ہی آ گیا۔

”کیوں، تمہیں کیوں پتا میں تم کیا ٹھیکیدار لگے ہو یہاں کہ یا مالک ہو اس جگہ۔“ نے تمہیں ہی سارا انٹرویو دینا پڑے گا۔“ ہمارے اندر کا جلالی ابا انگریزی لے کر بیدار ہو گیا اور ہم نے اس غریب کی اگلی بات سننے بغیر ہی اسے ہاتھ سے اسے برے دھکیلا اور سیدھے ہاتھ سے گیت کو دھکا لگا کر اندر جا گئے۔

گیت سے اندر داخل ہو کر ہمارے چہرہ نہیں اٹھائیں طبق روشن ہو گئے باہر سے انتہائی خوب صورت اور دیدہ زیب نظرا نے والی عمارت اندر سے کی پرانی حویلی کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ ہم جس جگہ کھڑے تھے وہ غالباً کسی زمانے میں دلان رہا ہوگا، مگر اب وہاں پلاسٹک کی کرسیوں کی لائن لگی تھی اطراف میں جس سے وزٹرز میرا کا بائٹل رہا تھا ہم ابھی ہونے بنے کھڑے دیکھ ہی رہے تھے کہ جا میں کدھر، کہ جانے کہاں سے ایک آیا ٹائپ، خاتون برآمد ہو میں لوڈ ہمیں اپنی معیت میں لیے اندرونی منزل کی طرف چل پڑیں مائندہ کہیں جا کر ایک کمرے کے باہر ہمیں چھوڑ گئیں کہ

”یہ آفس ہے آپ اندر چلی جائیں۔“ دل کڑا کر کے ہم نے اس کمرے کے اندر قدم رکھا دوڑے کے بالکل سامنے دیوار گیر الماری تھی جس کے اندر کتابیں اور فائلز تھی ہمیں الماری کے اوپر ٹرائیاں اور شیلڈز سجائی گئی تھیں کمرے کے دائیں طرف ایک بڑی آٹا گلاس ٹائپ میز تھی جس کے آگے آف وائٹ اور میرین کنٹراس میں کرسیاں پڑی تھیں اور کرسیوں کے بالکل پیچھے چائیر سوفا سی میٹیشن کا پڑا تھا فرش پر میرون رنگ کا نیوز ٹائپ تھا۔ پرنسپل کی چیئر کے بالکل پیچھے دیوار پر دائیں طرف قائد اعظم اللہ بائیں طرف علامہ اقبال کی تصاویر تھی۔ جن کے درمیان تقریباً آدھا فٹ اونچی ایک سفید پگ والے ہانڈی کی تصویر لگی تھی اب غالباً پرنسپل صاحب کی نظر میں پایائے قوم اور مصوٰر پاکستان کا قد ان ہانڈی کے قد سے چھوٹا تھا یا صرف ڈیزائن کے لیے ایسا کیا گیا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

نیشنل کے اوپر ایک جانب دو تین پیچوز رکھے تھے ایک



سے کیوں ٹپکنے لگا تھا)

”اچھا، اچھا تو گورنمنٹ اسکول میں پڑھتے ہیں نیچے آپ کے آپ نے بہت چھا کیا جو ان کو ہمارے اسکول میں داخل کرانے کا سوچا بھلا بتاؤ اب وہ معیار کہاں رہ گیا گورنمنٹ اسکولوں کا اسکولوں کی دیواروں پر تو لکھا ہوتا ہے ”ماد نہیں پیدا“ اور ”پڑھا لکھا پاکستان“ مگر اپنے ایمان سے بتائیں کیا ہر استاد کے ہاتھ میں ڈنڈا نہیں ہوتا اور پڑھاتے کیا ہیں گورنمنٹ اسکولوں کے اسٹاڈنٹس تنخواہ لینے جاتے ہیں اور پڑھائی پر توجہ کوئی ہے ہی نہیں اب دیکھیے گا آپ کے نیچے کیسے شائستگی اور برائت ہوتے ہیں مدنی، ہم تو نالائق سے نالائق بچوں کو گھوڑوں کی طرح چلا لیتے ہیں یہ گورنمنٹ اسکولوں کے نیچے کیا چیز ہیں؟“ وہ کسسل اپنی شان میں قصیدے پڑھتے ہوئے کوئی قابل ڈھونڈنے میں معروف تھے وہ نہ ہمارے لہو بہ لہو بدلتے چہرے کے زلویے اگر غلطی سے بھی دیکھ لیتے تو شاید اتنا کچھ نہ فرماتے۔

”کیا مطلب ہے آپ؟“ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں کہ سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے نیچے اور پڑھانے والے اساتذہ سب کے سب نالائق ہیں آپ کی جرأت کیسے ہوئی یہ سب کہنے کی آپ کو معلوم ہے ہمارے نیچے اول جماعت سے اپنی کلاسز میں فرسٹ آر ہے ہیں اور آپ..... آپ خود بھی تو گورنمنٹ اسکول سے ہی تو پڑھیں ہوں گے ناں کیونکہ ہمارے آپ کے زمانے میں تو پرائیویٹ اسکولوں، ایڈمیٹوں کی وہاں بھٹی ہی نہ تھی واکر آپ اپنے تعلیمی ادارے اپنے سابقہ اساتذہ کی خود عزت نہیں کرتے تو آپ قوم کے معماروں کو کیا سکھائیں گے؟“ اب کہ ہمارے استاد کا جناتی جلالی بابا بھر پورا انگڑائی لے کر جگ ٹھٹھا تھا بلکہ صرف جاگای نہیں تھا پوری طرح قارم میں آ گیا۔

”اور یہ جو شعر آپ نے اپنے اسکول کے ماتھے پر جموہر کی طرح تاک رکھا ہے نا، 76 کا مطلب ذرا گہرائی سے سمجھیں پہلے اس کتاب کی قسمت بد میں گے کسی کی اور آپ کیا تکمیل کریں گے کسی مینڈن قرض کی آپ تو بس فیس بنوریں فیس یہ..... یہ جو چھوٹی چھوٹی عمروں کی ایف اے،

طرف ایشیائی کا سامان سجا تھا جبکہ دوسری طرف دو تین رنگوں کے فون اور اسٹراکام پڑے تھے ابھی ہم یہ نظر غائر کرے کا جائزہ ہی لے رہے تھے اور چھت تک تو ابھی پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک بھاری مردانا واز کانوں سے نکرائی۔

”جی فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں میں آپ کی؟“ ہم ایک دم چونک کر تصویروں کے مین نیچے ”ڈھیر ہوئی شخصیت“ کی طرف متوجہ ہوئے (بھئی جو سا نرا اور حجم تھا ان صاحب کا تو اسے ڈھیر ہونا ہی کہتے ہیں) ہمیں شکل کچھ جالی پچانی لگی اب نئی ٹینشن لگ گئی کہ ان صاحب بہادر کو دیکھا کہاں ہے ابھی، ہم اس پر غور فرمائی رہے تھے کہ وہ صاحب پھر گیا ہوئے۔

”جی محترمہ بیٹھیے پلیز اور بتائیے کہ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“

”ارے باپ رے باپ یہ تو وہی کل والا گھریلو خلیے والا بلکہ بے ہودہ خلیے والا خونخوار دیو قامت بندہ ہے ہمیں ایک دم بیٹھے بیٹھے یا فاقی گیر دل میں ناگواری کی لہری اٹھی کہ جو استاد خود نہیں جانتا کہ اس نے اپنے گھر کا دروازہ کھولنے سے پہلے اپنا حلیہ درست کرنا ہے وہ اپنے طلبا کو کیا سکھائے گا کہ زندگی کے مشکل ادوار کا در کھولنے سے پہلے کیسا حلیہ اور کیسا رویہ ہونا چاہیے خیر دل پر جبر کر کے ہم نے ان کی طرف دیکھا۔

”جی ہم نے اپنے بچوں کا ایڈمیشن کرانا ہے، کافی اسکول دیکھے ہم نے مگر دل نہیں پاتا ہی نہیں۔“ ہم نے اپنی طرف سے ذرا حصے سے بات کی تھی۔

”جی، جی ضرور کیوں نہیں، ہم تو بیٹھے ہی آپ لوگوں کی خدمت کرنے کے لیے“ انہوں نے اپنی بڑی بڑی سرخ آنکھوں سے گھبراتے ہوئے سفید ہاتھوں والی تیسری شکل کرکھنڈ ”آپ کے نیچے پہلے کتس پڑھتے ہیں؟“ اب لگا باقاعدہ انٹرویو کا آغاز ہو گیا ہو۔

”جی وہ گورنمنٹ ہائی اسکول کے انکس میڈیم سیکشن میں پڑھتے ہیں بڑا امر 7th اور چھوٹا اسٹریٹ 6th میں۔“ ہم نے بڑے فخر سے بتایا (تجانبانے خود بخود یہ فخر ہمارے لیے



کہتے ہوئے ہم اٹھے اور ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ بریک کی قیل ہو گئی اور اس گھنٹی کے ساتھ جو طوفان بدتمیزی ایک دم مچا لاماں اونیٹھ ہمارے تو طوطے کی طرح، فائنٹ میں سب ایک ساتھ ہی زلزلے۔

ایک شور تھا بچوں کا جو کلاسوں کے اندر اور باہر کود رہے تھے۔ پلے ٹراؤنڈ تو تھا نہیں ان لیے بس میزھیوں سے ہی اوپر نیچے دوڑیں لگاتے پھر رہے تھے اور بولی بولی بالکل لولکل گھریلو خاص طرے لڑکوں کی۔

لو جی آج کچھ میں آیا ہے "بدا چھا اور بدنام برا" کیسے ہوتا ہے۔ اگری زبان گورنمنٹ اسکولوں کے بچے استعمال کریں تو بد سے اور یہی پرائیویٹ اسکولوں کے بچے پولیس تو فیشن واو بھتی واہ ہم نے مڑ کر ایک جتانی نظر پر پوسل

صاحب پڑالی اور  
 ہیں کو کتب چھو نظر آئے۔ یہ ہیں کچھ  
 دیتے ہیں یہ ہو کا بازی۔ کھلا  
 کہتے ہوئے باہر کی راوی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے پرائیویٹ اسکول یا ادارے دکھارے کا کام کرتے ہیں یا ان کا دہرا معیار ہے مگر جس طرح زندگی کے ہر شعبے میں کالی بھرتیں ہوتی ہیں اسی طرح ہر شعبے کو بھی ایسے لوگ اور ایسے ادارے کھوکھلا گئے ہیں۔ یہ سوچے۔ بے بغیر کہ نقصان کس کا ہے، ہم اپنے مستقبل کے ساتھ تو خرابی پھیل رہے ہیں تو پھر گلہ کس سے کریں۔ شکوہ یوں کریں اور حکایت کون سے گا ہماری۔ دن مندرت کے ساتھ یہ دیکھا دیکھی کی جینے چال ہمیں کسی اندھے کنوئیں کی طرف۔ لے جا رہی ہے ہم جانتے ہیں مگر جانتے بوجھتے آنکھیں بند کیسے چلے جا رہے ہیں۔ بس چلے جا رہے ہیں۔ آپ کا یا خیال ہے اس بارے میں ہم غلط کہہ رہے ہیں یا ٹھیک۔ سوچے گا ضرور.....!!

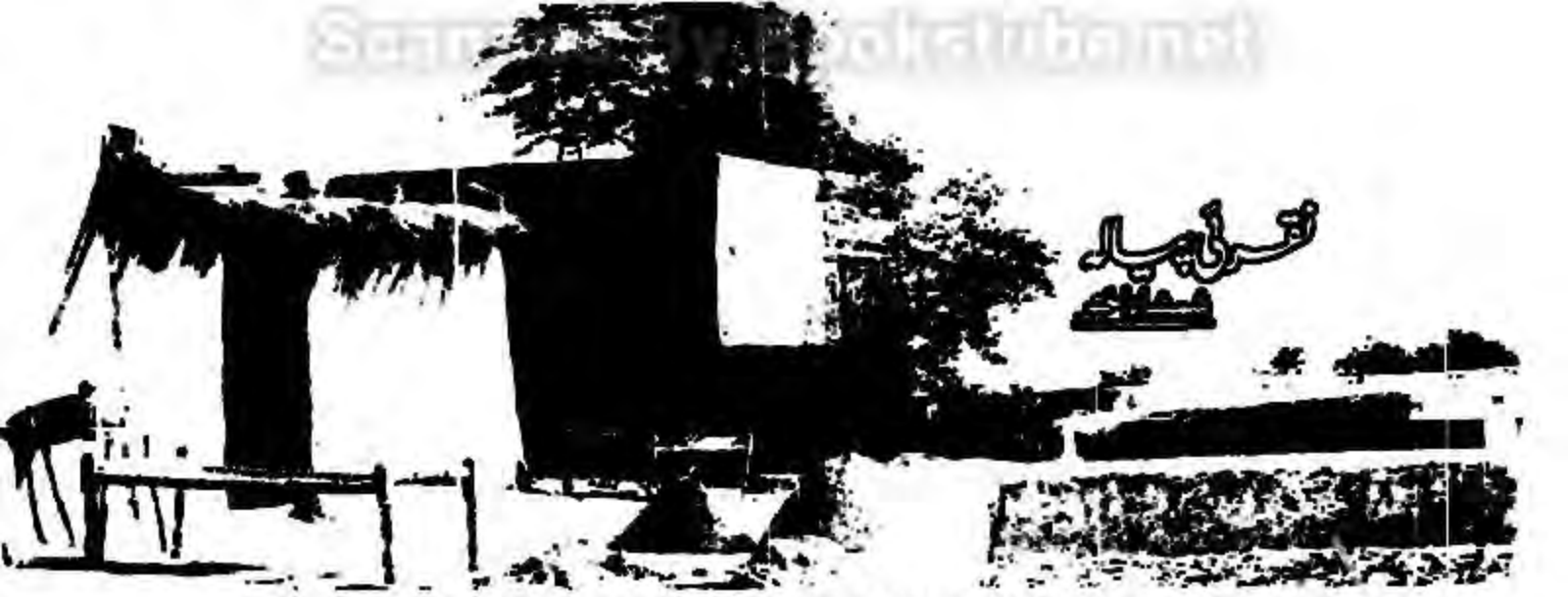


نی اسے پاس نیچر زرخمی ہوئی ہیں ناں آپ نے..... زیادہ فیس لے کر تنخواہ کیا دیتے ہیں آپ انہیں کچھ خدا کا خوف ہے کہ نہیں..... فی بچہ ہزار ہا سو فیس اور فی استانی تنخواہ 25000 سے 30000 بس جبکہ گورنمنٹ اسکولوں میں برائے نام فیس ہے اور نیچر زرخمی تنخواہ پر کشش اور تاحیات آپ کا کیا بھروسہ کرکل ہی یہ نمائی استانی اپنی تنخواہ بڑھانے کی بات کرتی اور آپ انہیں نکال باہر نہ کریں۔ "ہم نے کمرے کے کھلے دروازے سے نظر آنے والی کلاسوں کے اندر پڑھانے والی اٹھارہ، انیس سالہ لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا۔"

"دیکھیے۔ دیکھیے محترمہ آپ جا سکتی ہیں ہمارے اسکول کے داخلے بند ہو چکے ہیں اور اگھر کھلے بھی ہوتے تو آپ کے بچوں کے لیے کوزہ جگہ نہیں سے یہاں۔" وہ ایک آواز بولے جو کمرے کے دروازے سے دہرائی تو بھانجھنے لگے تھے۔ ابھی ہم نے ہاتھ تپتے کے لیے نہ کھولا ہی تھا کہ سامنے والی کلاس سے کسی بچے کے چیخنے کی آواز آواز کے نقاب میں دیکھا تو وہ رامنہ کھلے کا کھلا روٹیا دو تین بچوں کو اپنے سر منے کپڑے کیسے وہ "نوعمر نیچر" انہیں بڑی طرف سے ہینٹ سے ہینٹ رہی تھی۔ بچے رو رہے تھے پتا نہیں کت فریشیشن کیا تھی جو وہ بچوں کو مار مار کر نکال رہی تھی۔ اس سے ذرا آگے جو نظر گئی تو تمہاری تباہ کلاس کو پہنچیں پر کھڑے پیدا ابھی اس کلاس کا نظارہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اگلی کلاس کا منظر سامنے تھا۔ مس صاحب اپنی سیٹ پر بیٹھی تیسری بچوں کی کاپیاں چیک کر کر کے ہوتی جہاں کی طرف اڑا اڑا کر ان تک پہنچا رہی تھی۔ ہمارا منہ تو جہت کے مارے کھلا ہی تھا پرنسپل صاحب کا تو مارے خلت کے رنگ ہی بدل گیا۔

"جی تو یہ ہے آپ کے اسکول کا "ڈوسپلن" اور یہ ہے وہ "پیار" جو آپ بچوں کو دیتے ہیں بہت خوب، پرنسپل صاحب آپ نے تو ہماری آنکھیں ہی کھول دیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ، ہمارے بے چارے میاں صاحب جو بات ہمیں اتنے دنوں سے نہیں سمجھا پارہے تھے وہ آپ نے ہمیں پل بھر میں سمجھا دی آپ کا بے حد شکریہ جناب۔"





## نرسی پیالہ

جب خواب نہیں کوئی کیا زندگی کا کرنا  
 ہر صبح کو جی اٹھنا ہر رات کو مرجانا  
 سقراط کے پینے سے کیا مجھ پہ عیاں ہوتا  
 خود زہر پیلا میں نے تب اس کا اثر جانا

جدا کی کیا ہوتی ہے اسے اب پتا چلا تھا اور عمر کا  
 اکیلا پن بھی کیا وہ کوئی بھی تک خواب دیکھ رہا تھا یا  
 حقیقت میں تھا ہو گیا تھا۔ ہر انسان کو موت کا ذائقہ  
 چکھنا ہے رضیہ کی موت اسے ہر پہلے بے گل کیے  
 جا رہی تھی۔ موت سے زیادہ موت کی وجہ نے اس  
 کے اندر طوفان برپا کر رکھا تھا۔  
 ”تھوڑا سا آرام کروا با!“ عائشہ نے سوچی ہوئی  
 آنکھوں سے باپ کی طرف تکیہ بڑھایا جو تقریباً  
 پوری رات ہی سے گھنٹوں میں سردیئے دیوار سے  
 ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔  
 آرام کیسے آتا میں سالہ شادی شدہ زندگی میں  
 پہلی بار وہ رات کو گھر میں نہیں تھی ورنہ تو بیٹیوں سے  
 ملنے یا کسی بھی خوشی غم میں اکیلی شریک ہوتی تو دن  
 ہی دن میں واپس آ جاتی۔  
 ”تتا کے ابا اکیلے ہوں گے بیمار رہتے ہیں“  
 ضرورت پڑ جائے گی کسی نیز کی تو تھک ہوں گے۔“  
 پر اب تو ہر رات ہی اکیلا ہوں گا یہ خیال ہی غلام  
 حیدر کی نہیں سمجھ رہا تھا۔  
 کون پسیلوں پر گرم پانی کی بوتل سے ٹکڑ کرے  
 گا گرم گرم تہوہ اور سوپ کیسے بنے گا۔ یادیں  
 چنگاریوں کی طرح سینے پر سرگردل و جگر جلا رہی تھیں  
 جب وہ اس کے گھر میں آئی تو وہ غیر سنجیدہ سا بکھرا  
 بکھرا نوجوان تھا۔  
 والدین میں ذہنی ہمہ تنگی اور اتفاق نہ ہو سکا تو  
 وہ الگ ہو گئے تو ماں اسے لے کر نانا تانی کے پاس  
 آ گئی تب وہ دو سال کا تھا۔ پانچ سال کا ہوا تو ماں  
 نے بھی جیون ساتھی جن لہا باپ نے کبھی اس کی خبر  
 نہ لی کہ کس حال میں ہے۔ سو تیلاباپ شروع شروع  
 میں تو ٹھیک رہا پھر اس کے سوتیلے بہن بھائیوں کی  
 آمد کا تانتا بندھ گیا۔ ہر مال ایک بچے کا اضافہ وہ



اپنی قدر رکھونے لگا۔

گئی ہر وقت گھر کے خیالوں میں کھوئی رہتی۔

”غلام حیدر تم نے سُن تو ٹھیک طرح سے  
 کر دیئے تھے ناقارم پر۔“

”ہاں ہاں یہ پوچھنے کی بات ہے بھلا۔“  
 ”کوئی مسئلہ ہی نہ بن جائے۔“ اس نے فکر مند  
 ہو کر پوچھا۔

”تُو بڑی وہی عورت ہے۔“ وہ ہنس کر کہتا۔  
 ”تم نے پوچھا ہم وہاں کب تک گھر بنا سکیں  
 گے۔“ اس کی آنکھوں کا اضطراب صرف وہی سمجھ  
 سکتا تھا جس نے اسے تیرہ سال سے اپنے گھر کے  
 خواب کے ساتھ جیتے دیکھا۔

”سنو غلام حیدر! ہم دو کمرے بنائیں گے ایک  
 اپنے لیے اور ایک عائشہ اور حنا کے لیے جب بھی وہ  
 آتی ہیں رات گئے تک۔ بچ کتنا شور کرتے ہیں۔ صبح  
 تک میری تو نیند ہی اڑ جاتی ہے چھت پر جانے کے  
 لیے کتنی سڑھیاں نہیں گی وروہ کہیں دور خلاؤں میں  
 گھورنے لگتی تو غلام حیدر دگلتا کہ وہ دل ہی دل میں  
 جیسے سڑھیاں گن رہی ہو ایک دو..... تین.....

”مگر تم اکیلے چھت پہنچتی نہ جانا۔“ وہ اچانک  
 بولی۔ ”کسی کا ہاتھ بکڑ کر جانا، نظر بہت کمزور ہو گئی  
 ہے تمہاری۔ پہلے گھر میں بائے تو آنکھ کا آپریشن بھی  
 کروالیں گے۔“

دونوں ہی دن رات، اپنی دو مریے کی متوقع  
 جنت کے تانے بانے ہی میں الجھے رہتے یہ خواب  
 ہی تو غریب کی زندگی میں تلخیوں کو کم کرنے کا آسرا  
 اور امیدیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں سے کم  
 نہیں ورنہ تو سینے میں۔ سانس بھی گھٹنے لگتی ہے کئی  
 کمزور لمحے آئے ٹوٹ کر بکھر جانے والے لیکن وہ  
 ایک دوسرے کا سہارا بن کر محبت کی گھسی چھاؤں میں  
 آگے بڑھتے رہے۔ اسی دوران دو ننھی پریاں آنگن

ماں چھوٹے بچوں میں مصروف ہوتی اور وہ بھوکا  
 ہی اسکول چلا جاتا جیسے تیسے دسویں پاس کر لی اب  
 سویتلا باپ کھل کر اسے بُرا بھلا کہتا طبیعت میں اتنا  
 اور خودداری تھی لہذا ایک دوسرے شہر سے آئے  
 دوست کے ساتھ رہنے لگا۔ ایک چھوٹی سی نوکری  
 ڈھونڈ لی تو گزر بسر ہونے لگ گئی۔ کبھی کبھار ماں  
 سے ملنے چلا جاتا۔ باپ کی صورت سے نا آشنا پھر  
 ایک شادی میں ایک دور کی خالہ کی نظر اس پر پڑ گئی۔  
 ”پڑھا لکھا ہے کھاتا ہے اور سب سے بڑھ کر  
 اکیلا نہ سانس نہ تند۔ ارے آج کل کہاں ملتا ہے ایسا  
 رشتہ۔“ ایک بڑی بوڑھی نے مشورہ دیا۔ ”چار بیٹیا  
 لیں تیری بیاتے بیاتے بوڑھی ہو جائے گی۔  
 ارے کہہ تو بات چلاؤں۔“ تب خالہ نے نیم رضا  
 مندی کا اظہار کر دیا حالانکہ دل سے چاہ رہی تھی کہ  
 رشتہ ہو جائے۔ بڑی بیٹی تیزی سے قد نکال رہی تھی  
 اور باپ چار سال سے چار پائی پر پڑا تھا اور وہ رضیہ  
 کی اٹھان دیکھ دیکھ کر پاؤں کی ہوئی جاری تھی۔

زندگی ایک نظام میں جڑ گئی اسکول ٹیچر تھا  
 ہمیشہ دیر سے جاتا رات کو دیر تک دوستوں کی گفتگوں  
 میں رہتا۔ اب تو ہر چیز گھڑی کی سوئیوں پر چلنے لگی۔  
 رضیہ خواب بہت دیکھتی جاگتی آنکھوں کے  
 خواب... خوابوں اور امیدوں کے بغیر زندگی کا غنڈ  
 کے پھولوں جیسی ہے بغیر خوشبو کی۔

غلام حیدر نے بے چینی سے پہلو بدلا فرش پر درمی  
 کے اوپر بیٹھا وہ تقریباً آٹھ گھنٹے جوڑ جوڑ دیکھنے لگا۔  
 رضیہ کبھی اس طرف سے آ جاتی کبھی اس طرف  
 سے۔ جب سے وہ پلاٹ کی پہلی تین قسطیں جمع کروا  
 کر آیا تھا وہ بہت خوش اور پُر جوش تھی۔ اپنے گھر کی  
 تمنا جیسے کسی جو تک کی طرح اس کے من میں چٹ



### فضہ اسلم

اسلام علیکم! ڈیر قارئین میرا نام فضہ اسلم ہے اور کاڑھ شہر کے ایک نواحی گاؤں سے میرا تعلق ہے ہماری کاسٹ رائے کھل ہے ہم زمین دار لوگ ہیں۔ میرے دو بھائی اور ہم باج سسٹرز ہیں۔ میری تین بہنیں اور ایک بھائی میری بہن ہے۔ میری ایک سسٹر کی ڈیوٹی تھوڑی ہو چکی ہے ان کا ایک ہی بیٹا ہے گھر میں میرا نمبر پانچواں ہے۔ 3 مارچ میری ڈیوٹی آف برتھ ہے جس ایف اے کر رہی ہوں آج کل کافی عرصے سے بڑھ رہی ہوں۔ بڑی مشکوٰوں سے ہم شہر سے آج کل منگواتے ہیں میری سسٹر شازیہ آج کل کی دیوانی ہے اور وہ تمام آج کل سنبھال سنبھال کے رکھتی ہے کسی کو نہیں دیتی پڑھنے کے لیے۔ میری کزن فرینڈ آبرو بھی آج کل پڑھتی ہے آج کل کی فوٹو رائٹرز میرا ٹریف نازیہ کنول ام مریم حمیرا نگاہ ہیں۔ شاعری سے لگاؤ ہے خود بھی کرتی ہوں۔ میرے فوٹو شاعر وحسی شاہ ہیں فوٹو کلر پنک وائٹ ہنک اور پھولوں میں گلاب کا پھول پسند ہے، یکٹریس فوٹو ریما صاحبہ صنم بلوچ ہیں۔ میری آج کل فرینڈز میں بشری باجوہ جاناں شاد علی ام کلثوم غزالہ راؤ ہیں۔ میں بشری باجوہ سے مل بھی چکی ہوں۔ پسندیدہ رشتہ ماں کا اور دوستی کا ہے۔ میں بہت حساس اور نرم مزاج ہوں۔ مجھے ہنرہ بے حد پسند ہے اور راوی بھی۔ دریائے راوی ہمارے گھر کے قریب ہی ہے مجھے کھانے میں بریانی پسند ہے کبھی کبھی کھانا بنا لیتی ہوں باقی شازیہ باجوہ ہی زیادہ کام کرتی ہیں۔ مجھے پر خلوص محبت کرنے والے لوگ پسند ہیں۔ چھوٹے مغرور لوگ پسند نہیں ہیں سادگی پسند کرتی ہوں۔ فوٹو شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آج کل کے تمام سلسلے میرے فوٹو ہیں آج کل سے بے حد پیار ہے۔ پسندیدہ موسم بہار کا ہے جب ہر طرف ہریالی چھا جاتی ہے میرا آج کل فرینڈز کو سبھی پیغام ہے کہ وہ نماز پڑھا کریں اللہ سے دل کی بات کریں اللہ سے دوستی کریں۔ وہ آپ کی سنتا ہے آج کل کے لیے آج کل کے اسٹاف رائٹرز قارئین کے لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہنسنا بستا قائم دائم رکھے آمین۔

میں اتریں رضیہ کو بیٹے کا چاؤ تھا۔ سے دیکھتے آئے تھے۔

”پیشیاں تو رب کی رحمت ہوتی ہیں بھلی مانس دیکھ تو کیسے مہک رہا ہے ہمارا گھران کیوں کی خوشبو سے۔“ غلام حیدر دونوں کو کھیلنا دیکھ کر نہال ہو جاتا۔

ماستری کی تنخواہ میں گھر کب تک چلتا اس نے شام کی ٹوشن لینا شروع کر دی۔ کب دن لکھا سورج ڈھلتا پتا ہی نہ چلا جب دونوں بنیں گریجویٹ ہو گئیں تو ان کے بیاہ کی فکر سے غلام حیدر کے کندھے جھک گئے ہمیشہ حلال کمایا اور بچوں کو کھلایا دال روٹی اور بیجوں کی تعلیم دن رات محنت کی حالانکہ اس کے ساتھ والے کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور اپنے گھروں کے مالک ہو گئے۔ بچیوں کی شادی کے چکر میں ایسے گھن چکر بنے کہ گھر کا خیال تو کسی کو نے میں مایوسی کی چادر اوڑھ کر سو رہا جو وہ جوانی

تاروں بھرا آسمان ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے ہلکروں کے خیال ہی سے دونوں کی آنکھیں سووند نے لگیں۔

”سنو غلام حیدر اگر ہی میں چھت پر بیٹھ کر ٹھنڈے پانی کا پیالہ پینے میں کتنا مزہ آتا ہوگا مجھے تو سوچ کر ہی پیاس لگ گئی۔“ جس زدہ کمرے میں لو دیتے پکھے کو وہ حسرت سے دیکھتی اور کہنے میں پڑے چھوٹے سے داز کولر سے پانی نکالنے لگ جاتی۔

ریٹائرمنٹ کا پیسہ لیا اور کچھ کمیشیاں وغیرہ اکٹھی کر کے اور گھر میں کی گئی بچوں کو ملا کر بچیوں کے ہاتھ پہلے کر دیئے تو غلام حیدر جیسے پھر سے جوان ہو گیا، بیٹیوں کے فرض کی ادائیگی والدین کو کتنا معتبر



وہ لجاجت سے بولی تو غلام حیدر شرمندہ سا ہو گیا۔  
 ”غریب کچھ خرید۔، چلا بھی جائے تو صرف  
 حسرتیں اور نئے دکھ ہی خرید کر لاتا ہے۔“ وہ بھی اس  
 کی ضد کے آگے ہار گیا۔

رضیہ کو پیالہ تولے دیا مگر وہ سوٹ لے کر نہ  
 دے سکا جو وہ کل دیکھ کر آیا تھا اور ساری رات اس  
 کی تعریفیں کرتا رہا۔ دکان کے سامنے سے گزرتے  
 اس نے سوچا کاش وہ سوٹ بک گیا ہو تو دل اس  
 چہن سے بچ جائے گا۔ کاش کی طرح گڑا تھا۔  
 سوٹ اپنی پوری آب و تاب سے دنگا اس کی مفلسی  
 پر ہنس رہا تھا مگر رضیہ، چہرے پر سوٹ سے بھی  
 زیادہ خوب صورت اور لہرے رنگ بکھرے تھے  
 اور اسے سوٹ نہ ملنے پر زرا بھی ملال نہ تھا اور غلام  
 حیدر سوچ رہا تھا۔

”ہاری خواہشیں ہمیشہ ادھوری کیوں رہتی ہیں  
 آخر تم اس کا کیا کرو گی؟“ وہ بولا۔

”گھر میں ہم ہیں تو کتنے لوگ اور ڈھیر برتنوں  
 کا ہے جب اپنا گھر بنے، ان غلام حیدر تو اس کی صحبت  
 پر بیٹھ کر ٹھنڈا پانی پیا کریں گے اس میں۔“ تو وہ کتنی  
 ہی دیر اس کی محسوسیت بہنستا رہا کہ وہ چڑھ گئی۔

”تو تمہارا کیا خیال ہے نہیں بنے گا اپنا گھر؟“  
 وقت پڑ گیا کراڑا تاربا اور پیالہ صندوق کی سطح سے ہوتا  
 ہوا نیچے پیندے میں جا گیا رضیہ کے خوابوں کی  
 طرف۔ بچیاں بیٹھے، بعد گھر میں کچھ تنگ دستی ہی  
 ہوئی تو غلام حیدر نے دکان پر چھوٹی سی نوکری کر لی۔  
 گزارہ پھر چلنے لگا دو بہنوں کا کیا خرچہ کلو ہی ہی ختم  
 نہ ہوتا مگر جب عائشہ اور حنا آ جاتیں تو دو دنوں ہی  
 میں اڑ جاتا وہ اکثر شکایت کرتی۔

”اری بھلی مانس! جہاں کے حصے کا کھٹا ہوتا ہے  
 کھا جاتی ہیں کیوں ناشتہ ساری کرتی ہے۔“

اور آسودہ کر دیتی ہے بلاشبہ گھر ایک دم سونا ہو گیا۔  
 رضیہ بات بات پر یاد کر کے روتی۔

”اری بھلی مانس بیٹیاں گھر رکھنے کی چیز  
 نہیں، راجہ مہاراجہ نہ رکھ سکے یہ غریب  
 مانس کیسے رکھتا۔“

”اللہ کوئی بیٹا ہی دے دیتا گھر میں بہو آتی  
 پوتے پوتیا کھیلتے تو رونق لگ جاتی۔“ وہ جمل کر کہتی۔  
 ”یہ قدرت کے فیصلے ہیں بھلی مانس! ہماری کیا  
 مجال کہ دل دین رب کے ہر فیصلے میں بندے کے  
 لیے بھلائی ہے۔“ وہ اسے تسلی دیتا تو وہ سرد آہ بھر کر  
 خاموش ہو جاتی۔

وہ ایک بار پھر بچکیاں لے کر رونے لگا بیٹیاں  
 باپ کو حوصلہ دیتی رہیں عزیز واقارب تسلیاں دینے  
 لگے مگر اس کے سینے میں تو آگ سی لگی تھی جسے زار  
 زار پتے آنسو بھی بجھانے میں ناکام تھے۔ بیٹیوں  
 نے سہارا دے کر کھڑا کیا تو وہ لڑکھڑا کر رضیہ کی  
 چار پائی پر گر گیا۔ نیند کا جھونکا آنے بھی نہ پایا کہ وہ  
 ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ رضیہ کا صندوق کھول کر کچھ تلاش  
 کرنے لگا، کپڑوں کی تہوں کے نیچے سے شاپر میں  
 پٹنا ایک نقرئی رنگ کا نقشی پیالہ اس کے ہاتھ میں تھا  
 اور وہ چاروں طرف سے اسے گھما گھما کر دیکھ رہا  
 تھا۔ آنسوؤں کے دھندلکے میں منظر بدلنے لگا، ان  
 کی بڑی بیٹی حنا جب چھ ماہ کی تھی تو وہ رضیہ کو میٹے پر  
 لے کر گیا تھا کہ اچانک ایک دکان پر وہ ٹھنک کر رک  
 گئی۔ دھوپ میں لشکارے مارتے چاندی جیسے برتن  
 رضیہ نے بچپٹ کر ایک نقشی پیالہ اٹھالیا۔

”میرے پاس پیسے کم ہیں۔“ وہ قیمت سن  
 کر بولا۔

”ٹھیک سے میں اپنا سوٹ نہیں لیتی، صرف حنا کا  
 فرائڈ ہی خریدیں گے لیکن مجھے یہ پیالہ لے دو۔“



## بشری کوثر وارث علی

استاد: میرے ایک اہلی آپ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ کون ہے جو بن بنائے مہمان کی طرح حاضر ہوا ہے نہ جان نہ پہچان تو جی ہم اپنا کھل تعارف کرواتے ہیں لیجیے تعارف حاضر ہے۔ میرا نام بشری کوثر ہے بی بی۔ بی بی اسٹوڈنٹ ہوں۔ 7 اکتوبر کو اس جہان فانی میں تشریف لائی ہم ماشاء اللہ ستائندہ بہن بھائی ہیں میرا عمر دو ماہ ہے۔ نوشہرہ و رکال کے نزدیک گاؤں سادو و رکال میں رہتی ہوں۔ مجھے سرخ گلاب بہت پسند ہے رنگوں میں سفید اور کالا رنگ پسند ہے۔ کھانے میں بریانی پسند ہے آس کریم تو خاص طور پر مردیوں میں پسند کرتی ہوں۔ لہا اس میں قیص شلوار اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ آچل سے رشتہ تقریباً چھ سات سال پرانا ہے۔ فورٹ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی اور میرا شریف طور ہیں۔ نسکی شاعری جو ہمارے جذبات کا اظہار کرے جو دل کے تاروں کو چھیڑ دے بہت پسند ہے۔ پسندیدہ شعرا میں وحی شاہ ساغر پروین شاکر اور احمد فراز پسند ہیں۔ چیوری وغیرہ میں صرف ٹاپس پسند ہیں۔ گت لین اور دیادونوں اچھے لگتے ہیں۔ خوبیاں اور خرابیاں تو ہم سے وابستہ توگ ہی بتا سکتے ہیں وہ میرے خیال میں کوئی بھی انسان کھل طور پر خوبیاں کا مرقع نہیں ہوتا ہر کسی میں اگر خوبیاں ہیں تو خامیاں بھی ہوں گی اور اگر اس میں خامیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی خوبی سے بھی نوازا ہوگا۔ اسی طرح مجھ میں بھی خامیوں کے ساتھ خوبیاں بھی ہیں خاص طور پر جب کوئی جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو غصہ بہت آتا ہے جذباتی بہت زیادہ ہوں مزاج کی بہت سنجیدہ ہوں، تمہاری پسند ہوں۔ مہندی بہت اچھی لگتی ہوں تقریباً ہر کام بڑی مہارت سے کرتی ہوں لکھنا بہت اچھا لگتا ہے پرائیوٹ ٹیچر ہوں۔ ویل بننے کا ارادہ ہے۔ میری فٹنگ کا بہت شوق ہے خاص طور پر لنگ ڈرائیو اور رات کا سفر۔ میں سید سوگند پسند کرتی ہوں اور آخر میں تمام فرینڈز کے نام آپ چھوٹا سا پیغام پمپیز کی پرائیوٹ مہارت کریں جب مان اعتماد دوتا ہے تو اس کی کرچیاں سیدھی دل میں چھپتی ہیں۔ کوشش کریں کتابوں کی بات سے کسی کا دل نہ کھٹے اللہ حافظ۔

پھر اچانک ایک دن غلام حیدر نے دیکھا اخبار میں اشتہار تھا کہ دو مرلے کے پلاٹ قسطوں پر دیئے جا رہے ہیں وہ آتے ہوئے اخبار چھلے لایا۔ رضیہ کو دکھایا تو کھل اٹھی برسوں سے کونے میں سونے خواب نے مایوسی کی چادر چھینکی اور پھر جاتی آنکھوں کا تارا ہو گیا۔

”نہیں نہیں غلام حیدر! ہم یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں گے کچھ بھی کریں گھر ضرور بنائیں۔ ہم پشٹن کے پیسوں سے گزارہ کر لیں گے ساتھ والی کے ساتھ میٹھی ڈال کر پھٹی میں لے لوں گی تم وکان والے سے کہو چند ماہ کا ایڈوانس دے دے۔ بھلے ہی مکان کرائے کا ہے ہم کون سا بھاگے جا رہے ہیں اتنے سالوں سے بیٹھے ہیں۔“ وہ ایک ہی سانس میں بولے جا رہی تھی۔

”اچھا اچھا کرتے ہیں کچھ۔“ وہ مسکرایا تو رضیہ کو مید بندھائی۔

سر پر قرض چڑھا وہ پہلی تین قسطیں ادا کر آیا اور اب پانچ ہزار ماہانہ ادا کرنے تھے۔ آج اس نے رضیہ کے چہرے پر برسوں حد پھرونی رنگ دیکھے جو فکری پیار خریدتے ہوئے دیکھے تھے۔ خواہشوں کے رنگ کی عمر میں بھی پھلے نہیں پڑتے۔ غلام حیدر نے بغور اس کا چہرہ دیکھا، ہوئے سوچا غلام حیدر بڑی دیر تک پیالے کو دیکھتا رہا جانے کتنی ہی بار اسے رضیہ نے مانجھا چھو اور محبت سے لپیٹ کر رکھا تھا اسی لیے برسوں بعد بھی اس کی آب و تاب دیکھی ہی تھی اس نے کبھی بے پڑہ مسائل کے باوجود بھی پیالے اور اس سے جڑی خرابی کو ماند نہ پڑنے دیا اور جب وہ تین ماہ کی قسط منع کروا کر آیا تو رضیہ نے



گاکہ ہمارے ساتھ بہت بڑا فراڈ ہو گیا وہ جگہ تو بکاؤ  
تھی ہی نہیں، کوئی فراڈ کمپنی چکمہ دے گئی۔

”تم بتاتے کیوں نہیں۔“ اور پھر الفاظ اس کے  
لبوں سے پھسلنے لگے رضیہ نے سینے پر ہاتھ رکھا تو  
ایک ہائے کے ساتھ ہی وہ زمین پر ڈھیر ہو گئی۔

”رضیہ..... یا.....“ غلام حیدر کی چیخ سے درو  
دیوار مل گئے اور پھر اسے ہوش نہ رہا۔ رضیہ کے بعد  
جیسے اس کا دل بھی دنیا سے اٹھ گیا اس نے ٹریک  
سے پیالہ نکالا اور کچھ سوچ کر قبرستان کی طرف چل  
پڑا اور راستے سے کچھ باجرہ اور چاول لیے اور قبر پر  
بکھیر کر پیالہ بھر کر پانی ر لکھا یا۔

اگلے دن جب وہ دیرے سویرے قبر پر گیا تو  
نقرونی پیالہ غائب تھا، وہ بوڑھے گورکن کی جمونپڑی  
تک گیا اس کا بیٹا بیٹھا سگ۔ بیٹ میں جس بھر رہا تھا۔  
”دیکھو۔“ وہ مریل سی آواز میں بولا۔ ”کل  
میں نے اپنی بیوی کی قبر پر ایک نقرونی پیالہ پانی بھر  
کر رکھا تھا اب وہ نہیں ہے۔“ وہ اٹھ کر قبر تک آیا  
ادھر ادھر نظریں دوڑائیں، سگریٹ کا گہرا کش لیا  
زیر لب مسکرایا اور سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے  
ہوئے بولا۔

”کوئی مٹی وٹی کا ر لکھ دیتے بڑے میاں! ایسی  
چیزیں یہاں کون چھوڑتا ہے۔“ اور جمونپڑی کی  
طرف چل دیا۔ غلام حیدر قبر پر گر گیا وہ قبر سے چٹ  
کر یوں رو رہا تھا جیسے اسے ڈر ہو کہ اب کوئی رضیہ کا  
بے جان جسم بھی نکال کر لے جائے گا۔



ایک بار پھر پیالے کو اس جانفشانی سے رگڑا کہ وہ ڈر  
گیا جیسے وہ آخری بار۔ نگھ رہی ہو جانے یہ منحوس  
خیال اسے کیوں آیا وہ اسے بار بار دیکھ رہی تھی۔ کبھی  
پانی سے بھر کر ہونٹوں کو لگاتی پھر لو برساتے چھت  
کے پٹھے کو دیکھتی اور پھر بڑا سامنہ بنا کر مسکرانے لگی۔  
”اب بس کروڑ رکھ دو اسے۔“ اس نے ٹوکا۔

”کیوں آج ہی تو اسے چمکانے کا وقت آیا  
ہے دیکھو تو سہی غلام حیدر اس پر کندہ کلیاں جیسے  
کھل سی گئی ہیں۔“

”ہاں تھوڑی دیر تمہارے ہاتھ میں اور رہا تو  
وہ خوشبو بھی دینے لگیں گی۔“ وہ مسکراتا ہوا دکان  
پر چلا گیا۔

سیڑھیاں ڈرا بڑی اور چوڑی رکھنا، عائشہ اور حنا  
کے بچے شرارتی ہیں کہیں گرنہ جائیں اکثر وہ گھر کو  
چاروں طرف سے حقارت سے دیکھتی، کتنا کھنن زدہ  
سے زندگی کے تیس سال تو اس نے اپنے گھر کے سینے  
میں گزارے تھے اسے تو وہ ڈر بہ کہتی تھی اور پھر تین  
ماہ بعد وہ قسط جمع کرانے جا رہا تھا سفید براق شلوار  
قیص بڑی مشکل سے سلوٹس نکالی تھیں۔ رضیہ  
جاتے ہوئے اس کے بوٹ پرانے کپڑے سے  
صاف کرنا بھی نہ بھولی اور بار بار بول رہی تھی یہ  
ضرور پوچھنا کہ ہم گھر کب تک بنوانا شروع کریں  
اگر وہ اجازت دیں تو سینٹ اور اینٹوں والوں سے  
بات کرتے آتا جب وہ دروازے سے نکل رہا تھا اس  
نے رضیہ کی آواز سنی تھی وہ ابھی پر اس کا منہ لٹکا دیکھ کر  
وہ بھی پریشان تھی۔

”کیا بات ہے غلام حیدر! کیا وہ ابھی گھر بنانے  
کی اجازت نہیں دے رہے۔“

”کوئی بات نہیں اتنی جلدی بھی کیا ہے۔“ مگر  
غلام حیدر سارے رستے سوچتا آیا کہ وہ کیسے بتائے





خوشبو سے ہواؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ  
 موسم کی اداؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ  
 مل جائیں تو جیون کو سجا دیتے ہیں لیکن  
 پچھڑیں تو دعاؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ

یہ نہیں کہ کس کا فون تھا؟“ س نے اس کے ماتھے سے  
 پسینہ صاف کرتے ہوئے کہ جبکہ وہ خاموش رہی۔  
 ”ہاتھ روم گئی تھی فون۔ بات تو باہر چلی گئی کہ کہیں آواز  
 سے آپ کی آنکھ نہ کھل جائے۔“ اس نے بہانہ بتایا وہ  
 مطمئن ہوا کہ نہیں یہ بات ان کے لیے قابل غور نہیں تھی  
 اس وقت وہ خاموش تھا۔ ماٹھے پر شکنیں نہیں تھی یہ بات  
 ہی قابل تسلی تھی۔ وہ اس کا گل پتھپتا کر بیڈ پر دروازہ ہو گیا  
 اس نے بھی جان بچنے پر خدا کا شکر ادا کیا اور کروٹ بدل  
 کر آنکھیں موند لیں جبکہ اس کے شوہر نے بیڈ کے  
 دوسرے سائیڈ چھت کو گھورتے ہوئے اپنی سوچوں کو ایک  
 نقطے پر مرکوز کر دیا۔

”میسے آپ کو مل جائیں گے“ فکر مت کیجیے بس میرا  
 کام ہو جانا چاہیے۔“ وہ دھیرے سے بولی کہیں رات  
 کے اس پہر کوئی اس کی آواز نہ سن لے۔  
 ”میں نے کہا تھا کہ کل میں خود آ کر آپ سے ملتی  
 ہوں۔“ وہ دھیرے سے غرائی تھی اور فون بند کر کے  
 واپس بیڈ پر دروازہ ہو گئی ایک نظر سائیڈ پر سوائے اپنے  
 شوہر پر ڈالی اور پھر آنکھیں موند کر سکون کا سانس لینے  
 لگی تب ہی اپنے چہرے پر کسی چیز کے رینگنے کا احساس  
 ہوا تو جھٹکے سے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ ڈر کے  
 مارے رکا ہوا سانس خارج کیا۔ وہ بدستور بغور اس  
 کے چہرے کی سمت دیکھ رہا تھا۔

”دیکھتی ہوں تم کیسے میرے بیٹے کو اپنا گرویدہ کرتی  
 ہو ایسا عمل کرواؤں گی کہ وہ تم سے دور بھاگے گا۔“ یہ آواز  
 اس کے کانوں میں پڑی تو اس نے فوراً آنکھیں کھول  
 دیں۔ آس پاس تو کوئی بھی نہیں تھا پھر اس نے اپنے

”کہاں سے آ رہی ہو؟“ دھیرے سے سوال کیا تھا  
 مگر اس کا گلہ خشک ہو گیا پھر مصنوعی انداز میں مسکراتے  
 ہوئے تڑپا کر بولی۔  
 ”کوئی نہیں روٹف نمبر تھا۔“  
 ”سوٹ ہارٹ! میں نے پوچھا کہاں سے آ رہی ہو“



بڑھی اور پانچ ہزار نکال کر بیگ میں رکھے اور باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے کہ اسے میں سانس مل گئی۔  
 ”کہاں جا رہی ہو بیٹا!“ انہوں نے نرمی سے پوچھا۔  
 ”ہوں ایسے پیار سے دل رسی ہیں جیسے اندر سے ایسی ہی ہوں۔“ وہ سوچ کر رہ گئی پھر مصنوعی سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

”امی! ابھی آ رہی ہوں سوچا دوست سے مل آؤں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے جاؤ۔“ انہوں نے چوں چوں کے بغیر اسے جانے دیا وہ اپنی سانسیں بحال کرتی بہر نکل گئی۔  
 جس منٹ بعد وہ عامل کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ پیسے کے کر سے تسلی دے رہے تھے۔ اسے ان کے سامنے رہی بیڑیوں سمیٹنے اور کمرے کے عجیب و غریب ماحول سے وحشت ہو رہی تھی۔ وہ ڈبڈبا رہا تھا باری آ جانے کے بعد وہ فوراً وہاں سے نکل لی۔ لوگوں کا ایک ہجوم دروازے کے باہر اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا وہ نقاب لگا کر سیدھی گھر کی جانب بڑھی۔ اسے شہاب کے آنے سے پہلے پہنچنا تھا۔



”میں پیسے لے آئی ہوں میرا کام ہو جائے گا ناں!“ وہ فون پر رشتاء سے پوچھ رہی تھی۔

”تم فکریوں کرنی ہو بڑی جان! وہ بہت اچھے عامل ہیں تمہارا کام ضرور ہو جائے گا۔ بس تم وہ سرو جو میں کہوں یا نال بابا کہیں۔“ اس کو جواب دیتے بتا ہی اسے فون رکھنا پڑا تھا کیونکہ شہاب ہاتھ لے کر نکل آئے تھے۔ شہاب نے ایک نظر سامنے بیڈ پر بھی ہانیہ پڑا لی اور پھر الماری سے شرٹ نکال کر پہنتے ہوئے لا کر کھول کر پیسے نکالنے سمیٹنے کے بعد ایک نظر ہانیہ کو دیکھا اور پھر استفسار کیا۔  
 ”ہانیہ! تم نے پیسے لیے تھے؟“

”جی۔“

”کیوں؟ کیا ضرورت تھی ابھی تو پچھلے ہفتے ہی تم نے تین ہزار لیے تھے اور اب پھر پانچ ہزار؟“ اس نے

مانتے برآ پاپینہ صاف کیا اور پھر اپنی غم گسار دوست کو فون کرنے لگی جو اس کی اور شہاب کی مکملی کے بعد سے ہر بات سے باخبر تھی۔ اسی نے شادی کے بعد اسے نئے گھر میں رہنے کے طریقے بتائے تھے اسی نے اطلاع دی تھی کہ شہاب کی امی بڑی چال باز خاتون ہیں۔ وہ اپنے بیٹے کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے نہ جانے کون کون سے عمل کرواتی ہیں اور تو اور وہ تو یہ بھی چاہتی تھیں کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی اور لڑکی سے شادی کرے۔ اس کے لیے بھی وہ ایک خاص قسم کا عمل کرواتی ہیں یہ سب جاننے کے بعد ہانیہ کا دل شہاب کی امی کی طرف سے متنفر ہو گیا تھا مگر رشتاء کے کہنے پر بھی وہ کسی قسم کے ناگوار اثرات پر سے پر لائے ان کے سامنے رہتی اور خوش اخلاقی سے پیش آتی اور آج کل تو شہاب بھی اس سے دور دور رہنے لگے تھے۔

رشتاء کے مطابق عمل کا اثر ہو رہا تھا وہ شہاب جو شادی کے بعد اس کے آگے پیچھے پھرا کرتا تھا وہ اب اس سے اور بڑھتا جا رہا تھا۔ ہانیہ کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی وہ شہاب کو بے پروا چاہتی تھی اور اسے خود سے دور ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے رشتاء کے کہنے پر اس کے ساتھ وہ بھی ایک عامل کے پاس گئی جس نے لینین دلایا کہ اس کا شو بھرتین مینے کے اندر اندر اس کی منگی میں ہوگا اور اس کی ماں کے عمل کا رتی بھر بھی اثر نہیں ہوگا پھر اسے اس عمل کے لیے پیسے بھرنے ہوں گے رشتاء کے سمجھانے پر وہ خوشی خوشی اس عمل کے لیے راضی ہو گئی۔ رشتاء نے فون اٹھایا تو اس نے فوراً سب کچھ اس کے گوش گزار دیا۔

”مجھے پتا تھا یہ سچی تو ضرور ایسا ہی کچھ سوچ رہی ہوں گی پر تمہیں یہ اشارہ ملا ہے کہ وہ ابھی بھی اپنے گندے کام اسی ملک کے ساتھ کر رہی ہیں! بس تم آج جا کر عامل بابا کو پیسے دے تاکہ وہ تمہارا کام جلد از جلد کر دیں۔“

”ٹھیک ہے میں ابھی نکلتی ہوں ابھی تو شہاب بھی آفس گئے ہیں اس سے پہلے کہ آ جائیں میں دے آتی ہوں۔“ ہانیہ فوراً اس کے حکم کی تعمیل کرتے الماری کی سمت



رزگارنگ کہانیوں کے آراستہ لچسپ جریہ

AANCHALPK.COM

تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے



قندازات

دنیا کو بخیر کرنے اور انسانیت کو بری انگلیوں پر بچانے  
والے ذات کے قندازاتوں اور جلاویذ کی قندازات تحریر

وید بان

عالمی سازشوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے  
لیے بطور خاص ارشد علی رشک ایک لچسپ ناول

جگر بے سنگم

تلاش کے صفحات میں محترمہ سرزمین پنجاب کی لمبی  
دلگداز داستان جگلا رسک داستانوں میں شملہ دتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

تاریخ کی دلچسپی کے لیے خوبصورت سلسلے

خوشبو سخن، منتخب غزلیں، نظریں۔ ذوق آگہی اقتباسات،  
اقوال زریں احادیث وغیرہ معروف مدنی اسکالر حافظ  
شہیر احمد سے اپنے ذہنی وی مسائل کا حل جانے

پہچاننے کی صورت میں رجسٹریشن (021-35620771/2)

نری سے پوچھا۔  
”اب کیا میں اپنے خرچے کے لیے بھی پیسے نہیں  
لے سکتی؟ آپ تو بس میرے پیسے کو گنتے رہا  
کریں۔“ ایک تو پہلے ہی رمشاء سے پوری بات نہیں  
ہوئی تھی اوپر سے شہاب کی تفتیش..... وہ تو پھٹ ہی  
پڑی تھی۔

”اس میں اتنا چیخنے والی کیا بات ہے ہانیہ! تمہارے  
ہر خرچے کو تو میں پورا کرتا ہوں اور یہ اوپر کے خرچے کہاں  
سے آئے۔ اتنے سارے پیسے کہاں خرچ کرتی ہو مجھے تو  
کہیں نظر نہیں آتے“ کوئی چیز تمہارے پاس نئی نظر نہیں  
آ رہی وہی سب ہے جو میں نے دلویا تھا۔“ وہ اب بھی  
آرام سے بات کر رہا تھا۔

”ارے میری دوست کے بیٹے کی سالگرہ تھی اسے  
گفت دینا تھا۔“ وہ منہ پھیر کر جھوٹ بولنے لگی۔  
”ہانیہ! ہم ہر مہینے میں پانچ دس ہزار کے کفلس دینا  
افورڈ نہیں کر سکتے ہیں۔ دیکھ بھال کر خرچ کیا کرو اب  
مجھ سے کدوس ہزار روپے دینے ہیں کہاں سے دوں؟“ وہ  
اس سے پوچھ رہا تھا۔

”یہ کیجیے.....“ وہ انھی اور الماری سے اپنا زیور نکال کر  
اس کی طرف پھینک دیا۔ ”بیوے دیجیے اپنی اماں کو۔“ وہ  
انہوں سے اسے دیکھ کر رہ گیا اور ہانیہ کے پیسے نکال کر  
ماں کے کمرے میں لے گیا جبکہ ہانیہ نے زیور اٹھا کر  
واپس دراز میں رکھا اور بیڈ پر منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔



”اپنی امی کو جو دس ہزار دینے دے وہ الگ اور جو باقی کے  
پیسے تھے وہ بھی ان کی الماری میں رکھوا دیئے اور مجھے کہتے  
ہیں جس چیز کی ضرورت ہو مجھے کہو۔ وہ تو اور بھی دور  
ہوتے جا رہے ہیں۔“ وہ رمشاء سے بات کرتے ہوئے  
رودنی تھی۔ رمشاء کو جیسے اس پر ترس آ گیا تھا وہ بھی روتی  
ہو رہی آواز میں بولی۔

”رومت ہانیہ! لگتا ہے وہ دس ہزار روپے انہوں نے  
اپنے بیٹے سے اسی عامل کو دینے کی غرض سے لیے ہیں



وہ اس کا جواب سن کر مایوس ہوئی پر تبھی ہانیہ کے دماغ میں ایک نام آیا۔

”رمشاہ تم..... تم کر لو ان سے شادی۔ تم تو میری بیسٹ فرینڈ بھی ہو اور تم سے بہتر میرے حالات کو کون سمجھتا ہے۔“ اس نے کہا تو وہ اس سے کرنٹ لگا۔

”کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟ میں نے تو ہمیشہ شہاب کو بھائی سمجھا ہے۔“ وہ گویا پوری طرح انکاری ہوئی۔

”پلیز پلیز رمشاہ..... میری خاطر۔“ وہ اب کے رو دی۔

”ٹھیک ہے پھر تو انہیں منالے اور چندرہ ہزار کا بندوبست کر۔“

”کیا..... میں کیسے سناؤں ان کو ہاں وہ جب شادی کا نام لیں گی تو کسی طرح تیرا نام ان کے گوش گزار کروں گی۔“

”پاگل ہے کیا؟ چاہتی کسی اور کو ڈھونڈ لیں گی تو بس ان کے سامنے میرے نام کی مالا جوتی رہا کر اور شہاب کے سامنے بھی پکار ان کا ذہن خود بخود میری طرف ہو جائے گا۔“

”ٹھیک ہے اب رکھتی ہوں۔“ وہ فوراً تیار ہو گئی۔



آج صبح ہی رمشاہ اس کی ساس سے مل کر گئی تھی ان کے کاموں میں خود مدد کی، خیب باتیں کیں بظاہر تو وہ ہانیہ کے بارے میں خاموش تھیں مگر ان کے بات کرنے کے انداز سے رمشاہ کو لگا تھا کہ وہ اس سے تالاں ہیں۔ رمشاہ کی خوش اخلاقی دیکھ کر وہ سن ہی من مسکرائی تھی۔

وہ شام کی چائے لان میں بیٹھی پی رہی تھیں کہ ہانیہ بھی اپنا کپ لیے ان کے پاس آ بیٹھی وہ حیران رہ گئیں کہ آج ہانیہ شادی کے بعد پہلی بار ان کے ساتھ چائے پی رہی تھی۔ پچھلے ایک سال میں یہ واقعہ پہلی بار ہوا تھا وہ مسکرائیں تو ہانیہ بھی مسکرائی۔ پھر اس نے رمشاہ کی تعریفوں کے بل ہانڈھنے شروع کیے اتنے کہ امی حیران رہ گئیں نہ جانے اس نے کون کون سی خوبیاں گنوائی تھیں۔

جیسی تو نتیجہ اچھا آ رہا ہے۔ یہ تین پانچ ہزار دینے سے کچھ نہیں ہوتا اب کے بڑی رقم کا بندوبست کر کیونکہ اب جو وہ کرنے والی ہیں اس کے لیے بڑی رقم چاہیے ہوگی۔“

”کیا کرنے والی ہیں وہ؟“ اس نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔

”وہ میں سنجال لوں گی تو بس پیسے کا بندوبست کر۔“

”رمشاہ کوئی بڑی بات ہے؟“ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”ہاں، بارہواہ دراصل عامل بابا نے عمل کر کے پتا کیا ہے کہ وہ اس کی شادی کی تیاری کر رہی ہیں اور لڑکی بھی ڈھونڈ رہی ہیں۔“ رمشاہ نے بتایا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

”کیا کہہ رہی ہو تم رمشاہ! کچھ کرو میں تو مر ہی جاؤں گی ان کے بغیر۔“ آنسو فوراً آنکھوں کی بازو توڑتے باہر نکل آئے تھے اس نے وہائی دی۔

”تم فکر مت کرو میں کچھ سوچتی ہوں۔“

”ہانیہ! میرے پاس ایک آئیڈیا ہے اگر تم اپنے کسی جاننے والی سے اس کی شادی کروا دو تو تمہیں دوسری عورت سے نجات مل جائے گی۔ تم اس لڑکی کو یہ بات بتا دینا اور جب اس کی حرکتوں سے تمہاری ساس کا دماغ درست ہو جائے اور عامل بابا کا عمل پورا ہو جائے تو تم اسے طلاق دلو اور دینا۔ تمہارا گھر بھی بنا رہے گا۔“ رمشاہ نے آئیڈیا دیا تو وہ خوش ہو گئی۔

”یہ ٹھیک ہے پر رمشاہ شادی کرے گا کون؟“ اس نے مایوسی سے پوچھا۔

”سوچو کوئی تو ہو گا جو تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتا ہو۔“ اس نے رمشاہ کے کہنے پر سوچ کے گھوڑے دوڑانا شروع کر دیے۔

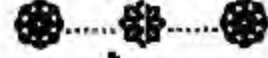
”میری چھوٹی بہن!“ اس نے ذہن میں آتے ہی نام لیا تو رمشاہ نے فوراً زبجکٹ کر دیا۔

”پگلی کیا تک رہی ہو وہ تمہاری بہن سے کیوں شادی کروائیں گی۔ تم سے کروا تو لی کوئی اور سوچو۔“



امی چائے ختم کر کے انھیں اور ایک جملہ بول کر اس کے  
ارمانوں پر پانی پھرتے ہوئے چلی گئیں۔  
”جس کے گھر بھی جائے راج کرے خدا  
رمشاہ کو اچھا گھر نصیب کرے۔“ وہ پیر پختی ہوئی  
کمرے میں آگئی۔

شام گئے جب شہاب آتا تو اس کے سامنے بھی رمشاہ  
کی تعریفیں کرنے لگی اور وہ بس مسکراتا رہا اس کی طرف  
سے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ پا کر وہ منہ بنا کر رہ گئی۔



کل اسے شہاب نے پانچ ہزار روپے دیئے تھے  
کچھ شاپنگ کرنے کے لیے اور وہ پیسے شاپنگ کے  
بجائے عامل بابا کو دینے چل دی۔ شہاب جو آفس کے  
کام سے باس کے ساتھ سائیڈ ایریے کی طرف آیا ہوا تھا  
اس نے ہانیہ کو ایک سنسان علاقے کی طرف جاتے دیکھا  
تو وہ باس سے اجازت لے کر اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ گلی  
سے گزر کر کٹرز پر بنے ایک گھر میں گھسی تو چند منٹ بعد وہ  
بھی اندر چلا آیا۔ دروازہ کھلا تھا اور کافی لوگ جمع تھے مگر وہ  
کہیں نہیں گھی بھی اس کی نظر کمرے کے دروازے کے  
ساتھ کھلی کھڑکی پر پڑی تو وہ اس طرف چلا آیا اور ذرا سا  
پردہ اٹھا کر دیکھنے لگا تو سامنے اسے وہ بھی نظر آگئی وہ  
بھی کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔

ڈری سبھی سی ہانیہ اسے پیسے دے رہی تھی اور وہ اس  
سے مزید پیسے نہ لانے پر استفسار کر رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ  
نہ آیا۔ ہانیہ نہ جانے کیا کہہ کر نکل آئی تھی تو ابھی وہ کچھ  
سوچ ہی رہا تھا کہ ایک اور ہستی آندھی طوفان کی طرح  
کمرے میں گھسی اس نے پردہ اٹھا کر دوبارہ دیکھا تو اس  
کی تمام حسیں بیدار ہو گئیں جو گفتگو اس نے ان دونوں  
کے درمیان سنی تھی وہ شاکڈ رہ گیا۔

”وہ کمال صرف پانچ ہزار روپے کر گئی ہے اس لیے  
تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔“ عامل نے اپنی بے حد کراخت اور  
سکروہ آواز میں کہا تو وہ دونوں آنکھیں پھاڑے اسے  
دیکھنے لگی پھر رو بہ روی ہوئی۔

بچا  
نہ پھول نہ خوشبو نہ رنگ نہ جگنو نہ تتلیاں ہیں  
ہماری آنکھوں میں تو نہ خوابوں کی کرچیاں ہیں  
وہ پیارے لمحے تو خواب ٹھہرے خیال ٹھہرے  
جو درمیاں ہیں ہمارے وہ باقی تلخیاں ہیں  
وہ جان کر بھی فریب کھاتی ہیں چاہتوں کے  
عجیب سادہ طبیعتوں کی یہ لڑکیاں ہیں  
جو چاند چہرے تھے چمنوں میں چھپے ہیں سارے  
تمام بستیوں کی سونی سونی سی گھڑکیاں ہیں  
شرارتی ہیں جو میری سکھیاں سہیلیاں ہیں  
یہ روز و شب ہیں حیات کے یا پہیلیاں ہیں  
پرورین افضل شاہین..... بہادر نظر

”ایسے کیسے نہیں پایا گا؟“ اسے وہاں دیکھ کر  
شہاب کی حیرانی عروج پر تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا  
کہ وہ ایسی ہوگی۔

”شکار تو میں ہی تمہارے پاس لاتی تھی نا۔“ اب کہ وہ  
دوبارہ گویا ہوئی تو وہ اس کی استموجہا ہوا۔

”تمہارا کام بھی ہو رہا ہے نا تم بھی تو شہاب کو پانے  
کے لیے اس بے قصور اور مصوم لڑکی کو استعمال کر رہی تھی  
اور وہ پاگل تو تمہارے کہنے پر اسے تمہارے حوالے کرنے  
کی تیار پاں بھی کر رہی ہے۔“ عامل گویا ہوا تو وہ چونک گیا  
وہ کچھ سمجھ نہیں پایا تھا۔

”وہ بے وقوف ابھی تک کچھ نہیں کر پائی ہے۔ اس  
نے ابھی تک میرے بارے میں کوئی بات نہیں کی نہ ہی  
کوئی ایسا کام جو شہاب کی اس کو اس سے متفرک کرے بلکہ  
ہمارا سارا کیا دھرا ابھی ویسا ہی ہے وہ یہی سمجھتی ہے کہ  
شہاب کی امی اس پر جادو کرے اور اسے قابو کر رہی ہیں اور وہ  
بے وقوف اس سے دور نہ جانے کے لیے آپ کے چکر  
میں آگئی۔ میں نے بھی نہ جانے کیا کیا کر کے اس  
شہاب کو اس سے متفرک کرنے کی کوشش کی مگر کمال ہے جو  
اس کے سر پر جوں تک رہا نہ ہو۔ وہ جاہل ابھی تک اسی



میں سمیٹ لے پر شاید وہ اس طرح اس کا یقین نہ کرتی  
اگر کرتی بھی تو من میں خلش رہ جاتی۔ اس لیے رمشاء کا  
اصل چہرہ اس کے سامنے لا ضروری تھا۔ اس نے اپنے  
دوست کو جو ایس بی تھا کو اس جھوٹے عامل کے بارے  
میں تفصیلات دیں اور اس کی لٹناؤنی حرکات سے آگاہ کیا  
تو اس نے فوراً تحقیقات کے لیے اپنے چند افسر اس کام پر  
لگا دیئے اب بس کسی طرح رمشاء کا اصل چہرہ ہانیہ کے  
سامنے لانا تھا۔



”میں نے ان کے سامنے تمہاری بہت تعریفیں کی  
تھیں شاید اسی لیے انہوں نے آج تمہیں بلایا ہے لیکن  
وعدہ کرو رمشاء کہ مجھے میرا شہاب لوٹا دو گی۔“ آخری بات  
کہتے ہوئے دل جتنا ڈر گیا تھا اس کی عکاسی آنکھوں سے  
نکلنے والے موتیوں کی لڑی کر رہی تھی۔ شہاب کا دل ڈوب  
گیا ابھی رمشاء نے مکاری سے کہا۔

”نہیں میری جان! تم فکرت کرو وہ تمہارا تھا اور تمہارا  
ی رہے گا میں تو بس تمہاری مشکل آسان کرنا چاہتی  
ہوں۔ بس تم یہ سب سوچنا چھوڑ کر پیسوں کا بندوبست کرو  
وہ ہمیشہ تمہارا رہے گا۔“ رمشاء کہہ کر رکی تو شہاب اندر  
داخل ہو گیا ہانیہ نے فوراً گال پر لڑھک آنے والے نسو  
صاف کیے۔

”ارے بھئی ہانی! تم نے پائے وغیرہ کچھ نہیں پلائی  
اپنی دوست کو جاؤ لے کر آؤ۔“ ہانیہ اٹھ گئی مگر اس کا دل  
بالکل نہیں چاہا تھا کہ وہ شہاب کو رمشاء کے پاس چھوڑ کر  
جائے۔ اس کا دل ڈر رہا تھا کہ نہیں واپسی پر وہ پرایا ہو کر نہ  
ملے کہیں جب وہ آئے تو شہاب اسے پہچاننے سے انکار  
نہ کر دے۔ کئی گریس من میں الجھ رہی تھیں۔ ہزار  
دسو سے دماغ و دل پر ہتھوڑے سارے تھے دل میں عجیب  
شور مچا تھا۔ عجیب قسم کا ڈر لگ رہا تھا جسے ہمیشہ اپنا بنا کر  
رکھنے یا جس کی ہو کر رہنے۔ لے لیے وہ اتنی شدید مشکلات  
کا سامنا کر رہی تھی۔ ڈر لگا تھا کہ نہیں وہ اسے کھونہ دے  
دو آنسو مزید تیزی سے پھسے، جنہیں وہ بے دردی سے

گنوار کے ساتھ رہ رہا ہے۔ کہا بھی تھا کہ وہ کسی اور کو پسند  
کرتی ہے مگر نہیں اسے تو جیسے اس سے کوئی غرض ہی نہیں  
ہے۔“ رمشاء بڑی مکاری سے سب کہہ رہی تھی۔

”تو یہ تھا ہانیہ کی بیسٹ فرینڈ اور میری کزن کا اصل  
چہرہ۔“ وہ اب سمجھا تھا اس نے ہانیہ کو اکثر اس سے باتیں  
کرتے سنا تھا مگر کبھی کوئی شک نہیں کیا لیکن جب وہ ایک  
دفعہ رات میں کسی سے بات کر کے لوٹی تو اسے شک ہوا  
کیونکہ اس کے پوچھنے پر وہ گھبرا گئی تھی اور پھر رمشاء جو کہ  
اس کی دوری کزن بھی تھی نے ہانیہ کو لے کر کافی کچھ اسے  
بتایا تو بھی وہ یقین نہیں کر سکا تھا پھر ہانیہ نے پیسے لینے  
شروع کیے تو اس کا یقین پختہ ہو گیا کہ اس کے پیچھے ضرور  
کوئی معاملہ ہے اور آج اتفاق سے وہ سچ جاننے میں  
کامیاب ہو ہی گیا کہ کیسے سادہ لوح ہانیہ کو رمشاء نے اپنا  
مطلب نکلوانے کے لیے مہرہ بنایا تھا۔ وہ شہاب کو پانا  
چاہتی تھی اور اس نے ہانیہ کو استعمال کیا۔

رمشاء پھر جو ہتی گئی وہ خود بخود وہی سب سوچنے لگی  
جب انسان کو کوئی چیز بے حد پسند ہو تو وہ اسے لے کر  
بہت زیادہ محتاط ہو جاتا ہے۔ محتاط رہنا ہانیہ کی غلطی نہیں تھی  
بلکہ اپنی دشمن جیسی دوست کو اپنی ہر بات سے باخبر رکھ کر  
اس کے کہنے پر اندھا دھند اعتبار کرنا اس کی غلطی تھی۔  
شہاب جانتا تھا یہ سب رمشاء کا کیا دھرا ہے بھی تو ہانیہ اس  
کی اتنی تعریفیں کر رہی تھی۔

”کچھلی دفعہ چار ہزار تمہیں دینے تھے اب کے  
ایک پائی بھی نہیں ملے گی اور جا کر اس سے کہو کہ مزید  
انتظام کرے۔“

شہاب ان دونوں کو وہیں بحث میں الجھا چھوڑ کر گھر  
آ گیا کیونکہ اسے آفس جانے کا موڈ نہیں تھا۔

وہ کافی اداس لگ رہی تھی اسے دیکھ کر کوئی بھی اندازہ  
لگا سکتا تھا کہ وہ کسی محاذ پر لڑ رہی ہے مگر وہ جان نہیں پایا  
تھا۔ وہ اکیلی جان اس کے لیے اس کے ساتھ رہنے کے  
لیے اتنی تنگ و دو کر رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس کی  
ساری تکلیفوں میں دور کر دے ساری غلطی بھی مٹا کر خود



ولین نائنز ڈے کیا ہے؟

جب بیٹی چوکھٹ پارے  
اور عزت کا بھیو پارے  
جب باپ کی عزت کو جو جائے  
جب بھائی کو طعنے ملتے ہوں  
جب ماؤں کے دل ملتے ہوں  
جب بہنوں کی نظر سے جھک جائیں  
جب سانس لیوں پر رک جائیں  
جب شرم و حیا کا آمیزہ  
جب اک کنواری دو نیزہ  
جب بے شرمی کو اپنا لے  
جب خود کو ذلت میں ڈالے  
اور غیر کے سینے لگ جائے  
پھر اپنا آپ گنوائے  
تو افسوس.....  
صد افسوس.....  
ایسی حالت کو لوگو!  
تم ولین نائنز ڈے۔ جتے ہو؟

جاز بہ دریافت عباسی..... دیول مری

کوشش کی۔ اسے علم نہیں تھا کہ سسرال کیسا ہوتا ہے اس کے گھر کی پہلی شادی تھی اور اس سے پہلے کسی کو سسرال کا تجربہ نہیں تھا سو اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے کئی تعویذ گنڈے اور عمل والی کہانیاں سنائیں جن کا انجام دردناک ہوتا ہے اور چچی کے بارے میں کہا کہ وہ تمہیں اس سے دور کروانے کے لیے عمل کرواتی ہیں اور اس کا دماغ جو ہمیشہ مثبت سوچ تھا منفی سوچنے لگا۔ میں جو چاہتی تھی ہانیہ وہی سوچنے کی اور پھر میں نے اسے ایک جھوٹے عامل سے ملوایا اور عامل کے ذریعہ سے کہلوایا کہ وہ تمہاری دوسری شادی کرنا چاہتی ہیں اور پھر میں نے ہانیہ کو یہ سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ تمہاری شادی مجھ سے کروا دے کیونکہ میں اس کی دوست ہوں اور جب اس کا کام

رگڑتے ہوئے اٹھی اور باہر نکل گئی۔

”اور سناؤ رمشاء! کیا چل رہا ہے بڑی امی ٹھیک ہیں؟“

”ہاں کچھ خاص نہیں بس تمہا دن گزر رہے ہیں۔“

بڑی مکاری سے معصومیت چہرے پر سجا کر بولی۔

”تو ڈھونڈ لو کسی کو تمہیں تو کوئی بھی مل جائے گا۔“

اس نے شاید طنز کیا تھا۔

”جو چاہیے وہ نہیں مل رہا نا، کوششیں جاری ہیں۔“

امید ہے سچو جلد ہی اور بہتر سامنے آئے گا۔ وہ ایک ادا سے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

”تمہاری کوششیں رائیگاں چلی گئیں تو؟“ اس نے

خدا شہ ظاہر کیا۔

”سب کچھ تمہیں نہیں کر دوں گی میں۔“ اس کے لہجے

میں ایک جنون تھا، بھی شہاب کو پردے کے پار سے آئی

ہانیہ دکھائی دی تو وہ رمشاء والے صوفے پر جا بیٹھا اور ہانیہ

کی سمت دیکھتے ہوئے کہا جو اس کی آواز سن کر پیچھے ہی

رک گئی تھی۔

”تمہاری تمام کوشش میرے لیے ہیں ناں رمشاء؟“

اس نے اچانک کیسا سوال کیا تھا کہ رمشاء اور ہانیہ دونوں

کے حواس اڑ گئے تھے۔

”میں ان کی ہمیشہ قدر کرتا ہوں جو میری بے پناہ پناہ

کرتے ہیں۔ رمشاء کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ تم نے میرے

لیے کیا کچھ نہیں کیا تا کہ تمہاری قدر میری نظروں میں

مزید بڑھ جائے اور مجھ کو مت کرنا۔“

”یہ پوچھو کیا کچھ نہیں کیا تمہارے لیے بچپن سے

تمہیں پسند کرتی ہوں پر جب پتا چلا کہ تمہاری شادی

میری بیٹ فرینڈ ہانیہ سے ہو رہی ہے تو جیسے وہ لوح

میرے لیے قیامت تھا۔ بہت کوشش کی کہ شادی نہ

ہونے دوں تمہیں بھی کہنے کی کوشش کی مگر موقع نہیں ملا

امی کو کہا تو انہوں نے بڑی طرح سے ڈانٹ دیا پھر سوچا

کسی نئے طریقے سے اپنا کام کروں اور پھر ہانیہ کو خود پر

مزید بھروسہ دلوایا۔ اسے تم سے اور چچی سے متنفر کرنے کی



ہو جاتی۔ ”رمشاہ شہاب کا لہجہ اس کے الفاظ سن کر دنگ رہ گئی تھی۔ اسے لگا تھا کہ اپنے لیے اس کی محنت اور کوششیں سن کر وہ اس کا ہو جائے گا مگر یہ تو سب الٹ ہو گیا تھا۔ وہ خالی ہاتھ رہ گئی۔

”نکل جاؤ اس سے پیسے کہ اس نقلی عامل کی طرح تمہیں بھی جیل کی سلاخوں کے پیچھے کروادوں۔“ وہ فوراً وہاں سے نکل گئی تھی وہ جا۔ نے کیا خیالات لے کر وہاں سے نکلی تھی مگر اتنا تو طے تھا کہ ب ہانیہ کا بھروسہ مکمل طور پر کھو چکی تھی۔ کمرے سے نکلے ہوئے صدمے سے بے حال گھنٹوں کے بل گرتی ہوئی ہانیہ کو دیکھا جس کی آنکھوں میں اس کے لیے زانے بھر کی نفرت تھی۔ وہ نظر انداز کر کے نکل گئی اس کے پیچھے ہی شہاب بھی آ گیا اس نے دھیرے سے ہانیہ کو اٹھا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ ہانیہ کی آنکھوں میں ندامت پشیمالی اور دکھ کے آنسو تھے۔ وہ روتے ہوئے اپنی نادانیوں، غلطیوں کی معافی مانگنے لگی۔ اپنی بے وقوفانہ حرکتوں کو کوئی نہ لگی مگر اس نے بغیر کچھ کہے اسے مزید خود میں سمولیا۔ وہ معافی کے علاوہ بہت زیادہ معافی میں کچھ بول نہیں پائی تھی۔ تمام کے تمام دکھ آنسوؤں میں بہ رہے تھے۔

آخر وہ اپنی کس کس غلطی کو کتنی ساری غلطی تو اس کی ہی تھی جو دشمن جیسی دوست کی باتوں میں آ گئی مگر شہاب نے اس کی کوششیں ناکام بنائی تھیں۔ ندامت کے آنسو ختم ہوئے فوراً ہی تمام گریہیں کھلتی چلی گئیں اور اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کی بے وقوفی کا کوئی غلط انجام سامنے نہیں آیا ورنہ تو زمانے بھر کی رسوائی اس کا متدرج ہوتی وہ تو اپنی زندگی شہاب کے بغیر سوچ کر ہی ڈر گئی تھی۔



ہو جائے گا تو میں تم سے دور چلی جاؤں گی اور راستہ کلیئر ہو جائے گا۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ وہ تو راضی بھی ہو گئی مگر میں تم سے الگ نہیں ہوں گی۔ الگ تو ہانیہ کو ہونا ہے میں تو ساری کی ساری کوششیں ہی تمہیں پانے کے لیے کر رہی ہوں اور میری کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔“ وہ لفظ بہ لفظ بتا گئی جانے کیا تھا شہاب کی آنکھوں میں کہ وہ پوری طرح کھل گئی۔ شاید یقین تھا کہ وہ اس کا ہاتھ تھام لے گا بھی شہاب بولا۔

”اور اسی لیے تم نے مجھ سے یہ جھوٹ بھی بولا تھا کہ ہانیہ کا کسی اور کے ساتھ انٹیمز بھی ہے وہ پیسے وہاں خرچ کرتی ہے۔“ اس کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ہانیہ واقعی صدموں کی زد میں آ گئی۔ اتنا بڑا دھوکہ اتنا بڑا فریب اتنی گریہوں اور اتنے پردوں میں لپٹا ہوا تیرہ وہ اپنی ہی دوست کے ہاتھوں بے وقوف بن گئی تھی۔ اس نے اپنی ماں جیسی ساس پر شک کیا تھا۔ اچھا ہی تھا کہ آج وہ گھر پر موجود نہ تھیں ورنہ تو ان پر کیا گزرتی۔

وہ سوچ کر پاگل ہو رہی تھی کہ شہاب کیا سوچے گا کیا وہ واقعی اپنی ہانیہ سے متنفر ہو جائے گا۔ کیا واقعی اب مجھے اکیلے اس کے بغیر رہنا ہوگا۔ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں جیسے ختم ہو گئی تھیں بھی شہاب کی آواز سنائی دی۔

”تم نے مجھے پانے کے لیے بہت محنت کی اور غلط کی۔ تمہیں کوئی حق نہیں تھا کہ تم مجھے حاصل کرنے کی کوشش کرتی تم نے غلط طریقے سے کام کرنا چاہا۔ ہانیہ کی اچھائی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اس کی تمام تر کوششیں جائز تھیں کیونکہ مجھے پانے کے لیے تم نے جو اسے کہا وہ کر گئی تھی کیونکہ اسے تم پر بھروسہ تھا اتنا سب ہونے کے باوجود بھی اس نے ماں سے بھی غلط رویے میں بات نہیں کی کیونکہ وہ ماں کی عزت کرتی ہے اور تمہیں شرم نہیں آتی کہ اس عامل کے ساتھ مل کر تم اپنے مالی حالات کو بھی بہتر کرتی رہی۔ حد ہوتی ہے مکاری کی رمشاہ! تم دوست ہو کر اپنی بیسٹ فرینڈ کو اجاڑنے چلی گئی وہ تو اچھا ہوا کہ مجھے سب پتا چل گیا ورنہ تو تم اپنے ارادوں میں کامیاب





وہ اک سایہ جو تحفے میں دیا تھا اس کو خوبوں نے  
وہی اب اس کا آنجل ہے وہی اب اس کا گہنا ہے  
لکھا تھا ریت پر اک دوسرے کا نام کیوں ہم نے  
نتیجے میں جو صدمہ ہے وہ ہم دونوں کو سہنا ہے

فاطمہ مسکن سے بے حال گھر لوٹی تو نوری آئی ہوئی تھی، نوری اس کی بچپن کی سہیلی تھی دونوں میں بہت محبت تھی۔

”کیسی ہو نوری؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔  
”میں تو ٹھیک ہوں تم سناؤ؟“  
”بس کیا بتاؤں، بہت تھک جاتی ہوں بچے ناک میں دم کرو پتے ہیں۔“ وہ نوری کے قریب بیٹھتے ہوئے مسکن

زود لہجے میں بولی۔ بے اسے بی ایڈ کرنے کے بعد وہ گاؤں کے واحد اسکول میں استانی لگ گئی تھی۔ فاطمہ ذہین بھی بہت تھی اس کا شمار گاؤں کی چند پڑھی لکھی تیز دار لڑکیوں میں ہوتا تھا۔

”تو چھوڑ دو نوکری، کیوں دماغ کھپاتی ہو اور ویسے بھی شادی کے بعد ثاقب تمہیں شہر لے جائے گا اس کی نوکری شہر میں ہے۔“ نوری کا لہجہ آخر میں شرارتی سا ہو گیا تھا۔

ثاقب اس کا خالہ زاد تھا اور اب منگیتر بھی۔ اس کی

بات پر فاطمہ صرف مسکرا دی لیکن اس کی مسکراہٹ بھیگی سی لگی۔

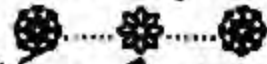
”سچ کہتی ہوں فاطمہ تم بہت خوش نصیب ہو آج میں تمہاری خال کے گھر بھگ گئی تھی اتنے خوش تھے وہ لوگ کہ جیسے کسی شہزادی کو پوہنا ہے۔“ نوری کے لہجے میں دوست کے لیے رشک تھا۔ فاطمہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”نوری میں کپڑے بدل آؤں تم جانا مت آج میں نے امی سے پالک گوشت پکانے کو کہا تھا تمہیں بھی پسند ہے نا میں آتی ہوں تو پھر مل کر کھا کر کھاتے ہیں۔“ جلدی جلدی اپنی بات کہہ کے وہ نوری کا جواب سننے بغیر ہی نکل آئی۔

ثاقب عظیم سے جب سے اس کی منگنی ہوئی تھی اسے اس کا ذکر پونہمی کوفت میں جتا کر دیتا تھا اور جب اس کا دل تو مراد علی کا اسیر تھا چند ماہ پہلے اس کے نمبر پر مراد کی کال آئی تھی۔ وہ بہت شائستہ انسان تھا تب ہی تو فاطمہ



جیسی سلجھی ہوئی لڑکی اس سے محبت کا ارتکاب کر بیٹھی تھی۔  
 کپڑے بدل کر اور منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار  
 کر جب وہ واپس آئی تو نوری اس کی منتظر تھی۔ اس نے  
 اور نوری نے مل کر کھانا کھایا، ڈھیروں باتیں کیں، قاطرہ  
 بظاہر مسکرا رہی تھی لیکن اس کی مسکراہٹ میں وہ بے ساختگی  
 اور شوخی نہیں تھی جو ہونی چاہیے تھی۔



اگلا دن اتوار کا تھا، قاطرہ گھر میں اکیلی تھی اماں محلے  
 میں خالد نذیراں کے گھرانے کے اکلوتے بیٹے کی شادی کی  
 مبارک باد دینے گئی تھیں۔ شادی تو خیر نہیں تھی کیونکہ لڑکی  
 اپنے گھر سے بھاگ کر آئی تھی۔ محلے والے خوب لعن  
 طعن کر رہے تھے لیکن بیٹہ بیٹھ بظاہر تو سب ہی مبارک  
 باد دینے گئے تھے سوا ماں بھی ہلی گئیں۔

کافی میلے کپڑے جمع ہو گئے تھے اماں کے گھر سے  
 نکلتے ہی قاطرہ نے مشین لگائی۔ کپڑے، دھوئے ہوئے  
 وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ کپڑے دھوئے کے بعد  
 قاطرہ مشین دھور ہی تھی، جب دروازے پر کھٹکا ہوا قاطرہ  
 نے چونک کر دیکھا تو حسب توقع نوری ہی تھی۔

داخلی دروازے کے آگے تھوڑی سی نشیمنی جگہ تھی جب  
 بھی بارش ہوتی یا مشین لگائی جاتی تو وہاں پانی جمع ہو کر  
 کچھ سا بنا دیتا تھا۔ اپنے دھیان میں اندر داخل ہوتی  
 نوری کا پہلا قدم ہی کچھڑ میں پڑا تھا وہ پھسکی اور پھر وہڑام  
 سے نیچے۔ برآمدے میں کھڑی قاطرہ کا بے ساختہ تہہ  
 نکل گیا۔ اس کے تہہ پر نوری نے اسے گھور کر دیکھا۔

”اچھا طریقہ ہے مہمانوں کے استقبال کا۔“  
 ”مہمان.....؟ تم بھی اپنا شمار مہمانوں میں کرتی  
 ہو؟“ اس نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پینٹائیں  
 پھر قریب آ کر اسے سہارا دے کر کھڑے ہونے میں  
 مدد دی۔

”صرف مہمان نہیں، میں اپنا شمار بن بلائے مہمان  
 میں کرتی ہوں۔“ نوری نے ہڑے ہوتے ہوئے صحیح کی  
 تو پھر وہ دونوں ہنس پڑیں۔ نوری کے کپڑوں پر کافی کچھڑ

لگ گئی تھی، قاطرہ کو دیکھ کر اُھن ہوئی۔  
 ”نوری تم میرے کپڑے پہن لو اور اپنے کپڑے  
 مجھے دے دو میں دھو دیتی:وں۔“ نوری نے انکار کیا لیکن  
 پھر قاطرہ کے اصرار پر اسے ماننے ہی پڑی۔

”ویسے ناقب بھی بہت خوش نصیب ہے تم خوب  
 صورت اور پرچی لکھی ہونے کے ساتھ سکھڑ بھی ہو۔“  
 نوری نے کپڑوں کی دُعا ہوئی تاریں دیکھتے ہوئے  
 تو صغی انداز میں کہا تو اس کا سوڈا آف ہو گیا۔

”ہر بات میں اس کا ذکر ضروری ہے کیا؟“  
 ”بالکل ضروری ہے کیونکہ وہ صرف کزن ہی نہیں  
 منگیترا اور پھر ہونے والا شوہر بھی ہے۔“ قاطرہ نے سر  
 جھٹکا، نوری سے ہر بات شہر کرنے کے باوجود وہ مراد والی  
 بات چھپا گئی تھی۔

”اچھا چھوڑو تم، عظمیٰ کی سناؤ۔“ قاطرہ نے اچانک  
 ہی موضوع پلٹا۔

”کون عظمیٰ.....؟“ نوری خاک نہ بھی۔  
 ”ارے بھئی خالد نذیراں کی نئی نویلی بہو جو ہفتہ بھر  
 پہلے ہی ہمارے محلے میں آئی ہے۔“

”اچھا.....“ نوری نے سر ہلایا۔ ”ہاں پرسوں میں  
 بھی گئی تھی خوشی سے چہا۔ رہی تھی وہ مجھے تو ایک آنکھ نہ  
 بھائی۔“ نوری نے منہ بنا کر بتایا تو قاطرہ چونکی۔

”کیوں..... تمہیں اس کی خوشی سے کیا  
 تکلیف ہے؟“

”مجھے تکلیف نہیں ہے لیکن اس کے پیچھے تو کسی کو  
 ہوگی نا اپنے عشق کی نہ طراپنے گھر والوں کی عزت کو  
 خاک میں ملا آئی ہے۔“ وہ دونوں صحن میں بیٹھی تھیں  
 چار پائی بچھا کر اس طرح کہ قاطرہ کے لگائے ہوئے  
 موچے کے بے شمار پودے ان کے پیچھے تھے اور کچھڑ  
 بائیں طرف۔ نوری۔ گہری سانس لے کر سوچے کی  
 خوشبو اپنے اندر اتاری، قاطرہ کو موتیا بہت پسند تھا بھی تو  
 صحن میں جا بجا اس نے سوچے کے پودے لگا رکھے تھے  
 اس کی بات پر قاطرہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔



شاخ سے اپنا ناتا توڑ لیں اور خود کو غلامتوں اور پستیوں میں گرالیں تو پھر وہ کسی کے لیے بھی محبت، کشش اور عزت کی حق دار نہیں ہوتیں۔ ان کا انجام بھی یہی ہوتا ہے مگر سزا اور روندے جانا۔“ نوری کی باتوں پر فاطمہ سکتے زدہ تھی اسے میٹرک پاس نوری سے اتنی سمجھ داری کی توقع نہیں تھی پھر اچانک ہی وہ زبر سے ہنس پڑی۔ اس کی بے موقع اور بے وجہ ہنسی پر نوری نے اسے گھورا۔

”تم تو بہت اچھا فلسفہ بول لیتی ہو نوری! مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا۔“ وہ بمشکل ہنسی روکتے ہوئے بولی تو نوری چڑھی۔

”ہاں تو کیا جن کے پاس ڈگریاں ہوتی ہیں ذہین بھی صرف وہی ہوتے ہیں الہا پڑھ لوگ عقل سے پیدل ہوتے ہیں۔“

”بس کرو نوری! آج تو تم مجھے حیران کرنے پر تلی ہو۔“ فاطمہ نے اسے مزید بولنے سے ٹوک دیا تو وہ لب بھینچ گئی۔

”اچھا بتاؤ تم نے کیا سوچا ہے کہ اپنے سوٹ پر کس رنگ کے دھاگے سے کڑھائی کرو گی؟“ فاطمہ کے موضوع بدلنے پر نوری پھر سے نارٹل ہو کر اسے اپنے کپڑوں کے بارے میں بتانے لگی وہ دونوں انہی باتوں میں مصروف تھیں کہ اماں آئیں۔ انہیں بھی کچھڑ سے گزر کے آتا تھا لیکن چونکہ وہ سی گھر کی فرد تھیں اس لیے ذہنی طور پر تیار بھی تھیں کہ کپڑے سے گزرنا پڑے گا۔ کچھڑ میں سنبھل سنبھل کے قدم رکتے ہوئے موچے کے پھول بھی ان کے قدموں کی زد میں آ گئے کتا اور سب تھوڑے تھوڑے نوری کا۔ فاطمہ نے ہونٹ مہینچ لیے۔ ان کے قریب آنے پر نوری نے سلام کیا جبکہ فاطمہ بولی۔

”اماں کیسی تھی رجیم کی دلہن؟“ اس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

”اچھی تھی خوب صورت ہے لیکن کیا قائمہ ہے تو گھر سے بھاگی ہوئی عزت تو خاک بھی نہیں۔“ اماں کے سادگی میں کیے گئے تبصرے پر نوری نے فوراً ان کی ہاں

”تو اسے اس کام کے لیے بھی تو اس کے گھر والوں نے ہی مجبور کیا نا اگر وہ خوشی سے اس کی شادی رجیم (خالہ نذیراں کے بیٹے) سے کر دیتے تو وہ کیوں یہ انتہائی قدم اٹھالی۔“

”ایک تو مجھے تم پڑھے لکھے لوگوں کی یہ بات بہت بُری لگتی ہے۔ غلط بات پر بھی ہار نہیں مانتے ہو! انہا بحث کیے جاتے ہو۔“ نوری نے فاطمہ کی بات پر افسوس سے کہا۔

”غلط بات کیوں اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزارنا تو اس کا حق ہے۔“ فاطمہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

”لیکن اس نے اپنے اس حق کو بہت غلط طریقے سے استعمال کیا ہے۔“

”یقیناً اس کے پاس اور کوئی راستہ بچا ہی نہیں ہوگا۔“ فاطمہ کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ عظمیٰ کی وکالت کیوں کیے جا رہی ہے۔ نوری نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور ہاتھ پیچھے بڑھا کر موچے کے پھول توڑنے لگی۔

”مت کرو نوری! ان سے ہی سارا آنگن مہکتا ہے۔“ وہ بے ساختہ نوری کو ٹوک گئی۔

نوری نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر توڑے ہوئے سارے پھول بائیں طرف موجود کچھڑ میں پھینک دیئے جہاں وہ چھوڑی لگی تھی پھر بولی۔

”ان موچے کے پھولوں سے آنگن مہکتا تھا تمہارا لیکن اب کچھڑ میں تھمرنے کے بعد یہ اپنی رقت کھو چکے ہیں۔ تم انہیں یہاں سے نہیں اٹھاؤ گی کیونکہ اب یہ غلامت سے بھر چکے ہیں یہ نہیں پڑے رہیں گے اور گل سڑ جائیں گے یا پھر کسی کے قدموں تلے آ کے روندے جائیں گے اور یہ سزا شاخ سے ٹوٹنے کی ہے۔ تمہیں جتنی محبت شاخ سے بڑے پھولوں سے تھی کچھڑ میں گرے ہوئے پھولوں سے ہرگز اتنی نہیں ہوگی۔ بس اتنی ہی بات ہے فاطمہ! لڑکیوں کی مثال بھی ایسے ہی ہے وہ بھی اپنے ماں باپ کے آنگن میں لگا موچے کا پھول ہوتی ہیں اپنی خوشبو سے اپنے آنگن کو مہکاتی ہیں لیکن پھر خود ہی اپنی



میں ہاں ملائی۔

ہے من پسند شریک حیات ہو اس سے بڑھ کر اور کیا خوش  
نصیبی ہوتی ہے۔ فاطمہ کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی  
پھر وہ بول اٹھی۔

”اجازت دیں پھر، اوقات ہوگی میں آج اسکول  
سے ویسے بھی لیٹ ہوں۔“ عظمیٰ کے سر ہلانے پر وہ  
مسکراتے ہوئے اپنے رستے پر چل پڑی لیکن اس کا  
ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔



کافی دن ہو گئے تھے زہری نے چکر نہیں لگایا تھا اور نہ تو  
وہ روز ہی آتی تھی۔ فاطمہ اب تہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے  
کم ہی جاتی تھی۔ فارغ ہوئی تو سوچا کہ نوری کے گھر کا ہی  
چکر لگائے اماں کو بتانے کی تو انہوں نے اجازت کے  
ساتھ ہی تاکید کر دی۔

”جلد آنا ہنڈیا بھی ہنڈھانی ہے پھر۔“ وہ سر ہلاتے  
ہوئے باہر نکل گئی۔ گلی میں اکاؤڈ کا ہی لوگ تھے وہ اپنے  
دھیان میں کم جا رہی تھی کہ اچانک اسے سامنے سے  
بھینس آتی دکھائی دی۔

”ہائے اللہ.....“ فاطمہ کی بھینسوں سے جان جاتی تھی  
وہ بنا سوچے سمجھے جس گھر کے دروازے کے ساتھ کھڑی  
تھی وکیل کے اندر داخل ہو گئی اپنے پیچھے دروازہ بند  
کرتے بھی اس کا دل دھڑک رہا تھا۔

”ارے فاطمہ.....“ اوس کی آواز تھی۔ فاطمہ نے  
چونک کر دیکھا اور پھر گہری سانس بھری اس نے سامنے  
عظمیٰ کھڑی تھی۔ وہ بنا سوچے سمجھے ان کے گھر گھس آئی  
تھی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم آئی ہو ہمارے گھر، مجھ  
سے ملنے؟“ عظمیٰ کی آواز میں بہت خوشی تھی اس نے  
آگے بڑھ کر فاطمہ کو گرم دوشی سے گلے لگایا اور وہ جو ان  
کی غلط فہمی دور کرنے کا سوچ ہی رہی تھی اس بات پر آگے  
سے یہ کہنا کہ وہ ڈر کر آنا ہے مناسب نہ لگا اس نے  
مسکراہٹ ہونٹوں پر سجالی۔

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے چند قدم دور ہی تو

”بالکل ٹھیک خالہ! جوڑکی اپنے گھروالوں کی عزت

منی میں رول دے اس کی عزت گس نے کرنی ہے۔“  
فاطمہ نے غور کرنوری کو دیکھا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ  
نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے باورچی خانے میں چلی آئی  
اسے پتا تھا کہ اماں اور نوری اس لڑکی کے نیچے ادھیڑوں کی  
اس نے منظر سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔



فاطمہ نے عجلت میں چادر اوڑھی بیگ اٹھایا اور باہر کی  
طرف لپکی آج وہ اسکول سے لیٹ ہو گئی تھی۔ وہ گلی میں  
نکلی تو گلی سنسان تھی صرف خالد نذیراں کے گھر کے آگے  
ایک خوب صورت سی لڑکی جھاڑو لگا رہی تھی۔ فاطمہ کو اسے  
پہچاننے میں چنداں مشکل پیش نہ آئی وہ یقیناً عظمیٰ تھی  
خالہ کی بہن۔

قریب آنے پر اس نے فاطمہ کو دیکھا اور مسکرا دی۔  
بہت دوستانہ سی مسکراہٹ تھی اب فاطمہ کے لیے سلام کرنا  
ضروری ہو گیا تھا۔

”میرا نام فاطمہ ہے۔“ سلام کے بعد اس نے اپنا  
تعارف کروایا تو عظمیٰ نے سر ہلادیا۔

”ہاں اس دن تمہاری امی آئی تھیں اور تمہارا ذکر کیا تھا“  
غائبانہ تعارف ہے تم سے میرا۔ تم ٹیچنگ کرتی ہوتا؟ میں  
بھی پہلے کرتی تھی۔“

”ارے یہ تو بہت اچھی بات ہے اگر آپ چاہیں تو  
میں آپ کے لیے اپنے اسکول میں بات کروں جبکہ نکل  
آئے گی۔“ اسے یہ جان کر کہ وہ پڑھی لکھی ہے از حد خوشی  
ہوئی تھی۔

”اچھا پھر میں رحیم سے پوچھ کر بتاؤں گی۔“ رحیم  
کے نام پر اس کے چہرے پر ایک شرمیلا سا تاثر پھیلا۔

اب کے فاطمہ نے اسے بہت غور سے دیکھا وہ  
خوب صورت تو تھی لیکن بہت زیادہ نہیں۔ ہاں اس میں  
کشش بہت تھی خاص طور پر اس کی آنکھیں تو ستاروں کو  
بھی مات دیتی تھیں شاید یہ چمک خوشیوں کی ہے۔ ظاہر



میرا گھر ہے فارغ تھی تو سوچا کہ مل آؤں۔“

”بہت اچھا کیا آؤ اندر بیٹھتے ہیں۔“ وہ اسے اندر لے آئی۔

کمرہ بہت سادگی سے سجا تھا، معمولی سا فرنیچر لیکن سب بہت صاف سترا تھا۔ فاطمہ مسہری پر جا کر بیٹھ گئی، عظمیٰ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ ہلکی بات بے بات اس کے لبوں سے پھوٹی تھی اس کی آنکھیں جھک رہی تھیں۔

”آپ بہت پرکشش ہیں۔“ فاطمہ بلا ارادہ کہہ اٹھی اس کی بات پر عظمیٰ زور سے ہنس پڑی۔

”مجھے رحیم کی محبتوں نے خوب صورت بنا دیا ہے فاطمہ! رحیم کی محبت اس کا ساتھ اگر مجھے نصیب نہ ہوتا تو شاید تمہیں مجھ سے زیادہ مصورت کوئی نہ لگتا۔“

”لیکن محبت کا ساتھ بھی تو نصیب سے ملتا ہے۔“ فاطمہ نے کہا تو وہ بول اٹھی۔

”نہیں فاطمہ! بسھی بسھی نصیب سے جنگ کر کے اپنے حصے کی خوشیاں چھیننا پڑتی ہیں۔“ فاطمہ اس کی بات کا کوئی مناسب سا جواب دینے ہی لگی تھی کہ اس کی نظر وال کلاک پر گئی۔

”ارے اتنی دیر ہو گئی باتوں میں پتا ہی نہیں چلا۔“ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، اماں کی تاکید یاد آئی تھی۔ عظمیٰ دروازے تک چھوڑنے آئی تو اسے اچانک یاد آیا۔

”آپ نے رحیم بھائی سے بات کی تھی جا ب کے سلسلے میں؟“

”ہاں کی تھی لیکن وہ کہتے ہیں کہ تم خود پر ذمہ داریاں مت ڈالو گھر کے کام بھی ہوتے ہیں۔“ فاطمہ نے سر ہلایا اور باہر نکل آئی، دل میں اماں کا خوف بھی تھا۔

گھر آئی تو اماں کا مزاج حسب توقع بگڑا ہوا تھا۔ اماں نے اسے ٹیکھی نگاہوں سے گھورا تو وہ گھبرا کر اندر آگئی چند لمحوں بعد اماں بھی پیچھے تھیں۔

”کہاں سے آ رہی ہے تو.....؟“

”اماں..... وہ..... اس نے کچھ کہا چاہا کہ اماں نے

ٹوک دیا۔

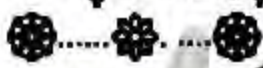
”توری کا نام مت! بناؤ تمہارے جانے کے بعد آئی تھی یہاں مجھ سے جھوٹ بول کر آخر تو کہاں گئی تھی فاطمہ؟ تجھے آزادی دی تھی پڑھایا لکھایا اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ٹو اب.....؟“

”اماں خدا کے لیے۔“ فاطمہ نے زچ ہو کر ان کی بات کاٹی۔ ”میری بات تم ہی سن لیں آپ۔“ پھر اس نے ساری بات کہہ سنائی۔ اماں نے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا کچھ دیر بعد پھر بولیں۔

”اچھا ٹھیک ہے لیکن اس لڑکی سے زیادہ راہ و رسم بڑھانے کی ضرورت نہیں، اچھے اعمال نہیں ہیں اس کے اگر وہ عزت دار ہوتی تو یوں نہ کرتی۔“

”اچھا میں اب نہیں بولوں گی اس سے اب خوش۔“ فاطمہ نے تنگ آ کر ہاتھ جوڑے تو وہ کمرے سے نکل گئیں۔ پیچھے فاطمہ نے لہری سانس لی۔

”بتائے بغیر محلے کے ایک گھر میں چلی گئی تو یہ حال ہے مراد کا تو نام بھی لپا نہ قیامت برپا کر دیں گی اماں۔“ فاطمہ نے از حد پریشانی سے سوچا۔



وقت کے کھنگول میں دنوں مہینوں کے سکے گرتے رہے ڈیڑھ سال گزر گیا۔ فاطمہ اب تک کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی۔ مراد کے ارے میں اماں سے روز بات کرنے کا سوچتی اور ارادہ توڑ دیتی اسے یقین تھا کہ اماں یا کوئی بھی اس معاملے میں اس کا ہم نوا نہیں بنے گا۔

اس دن والے واقعے کے بعد فاطمہ عظمیٰ سے نہیں ملی تھی۔ کچھ اماں کا خوف اور کچھ شاید وہ اندر سے بھی خائف تھی۔ محلے میں اب عظمیٰ کی بیماری کا چرچا تھا، سنا تھا کہ اب وہ بستر سے اٹنے کے بھی قابل نہیں رہی۔ اماں اس کی عیادت کو گئی تھیں واپس آئیں تو فاطمہ سے کہنے لگیں۔

”تمہارا بہت پوچھ رہی تھی بیمار ہے جا کر مل آؤ۔“

”سوچ لیں۔“ فاطمہ نے طنز سے انہیں دیکھا تو وہ



نظریں چراگئیں۔  
 ہے کہ اگر وہ میرے پاس ہوتی تو اسے مجھ سے کراہیت نہ  
 محسوس ہوتی۔“ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔  
 ”آپ اپنی امی سے معافی مانگ لیں۔“  
 ”ان سب کے لیے تو میں آج سے ڈیڑھ سال  
 پہلے ہی مر گئی ہوں۔“ فاطمہ نے دکھ سے نچلا لب  
 دانتوں تلے دیا۔

”رجیم بھائی آپ کا خیال نہیں رکھتے؟ آپ کا علاج  
 بھی ہو رہا ہے کہ نہیں؟“ فاطمہ کب سے مچلتے سوال کو  
 زبان تک لے آئی۔ اس کا مناسب علاج اور دیکھ بھال  
 ہوتی تو وہ اتنی بری حالت میں نہ بترنہ ہوتی۔  
 ”ایک مصلے ہوئے پھول۔ سے کسی کو کیا دلچسپی فاطمہ!  
 وہ میرے ساتھ وہی سلوک کر۔ نے ہیں جس کی میں حق دار  
 ہوں۔“ اس نے واضح جواب نہیں دیا تھا لیکن فاطمہ سمجھ  
 گئی۔

”کتنے پیارے رشتے میں پھوڑ آئی فاطمہ! کوئی ایسے  
 بھی کرتا ہے بھلا؟“ وہ تڑپ رہی تھی ٹپک رہی تھی۔ فاطمہ  
 نے اس کا ہاتھ تھام کر بے اختیار اسے تسلی دی اور پھر اسے  
 ڈھیر ساری تسلی دلا سادینے کے بعد وہ گھر آئی تو اس کا دل  
 بہت بوجھل تھا۔

گھر واپس آ کر اس نے سب سے پہلے اپنا موبائل  
 اٹھایا اس کی سم نکالی اور رو رہی پینٹ۔ وی ایک ٹکٹکاش کا خاتمہ  
 ہو گیا تھا۔

”جس گاؤں نہیں جانا اس کے کوس کیا گنتا۔“ اس کی  
 منزل مراد نہیں تاقب تھا اور اسے اسی کے راستے پر چلنا تھا۔  
 وہ وضو کرنے کے لیے غسل خانے کی طرف بڑھ گئی اس  
 رب عظیم کا شکر بھی تو ادا کرنا تھا۔ جس نے عظمیٰ کے انعام  
 سے عبرت ولا کر اسے بھٹکنے۔ بے بھالیا تھا اور ساری بھٹکی  
 ہوئی نڑکیوں کے راہ راست پر آنے کی دعا کرنی تھی۔  
 اس نے جان لیا تھا کہ موتیے کے پھول آنگن میں  
 تین اچھے لگتے ہیں کچھ میں نہیں۔



”ہاں جاؤ بھی پھر شام ہونے والی ہے۔“ اماں کے  
 کہنے پر فاطمہ اٹھ کھڑی ہوئی دل تو اس کا اپنا بھی تھا عظمیٰ  
 سے ملنے کا لیکن اماں کو توجہ بھی دکھانے ضروری تھے اور  
 جب وہ عظمیٰ کے پاس پہنچی تو بے اختیار ہی اس کی چارپائی  
 سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئی۔

چارپائی پر ایک نیچف و نزارہ جو دپڑا تھا جس کا چہرہ اور  
 جسم پیپ بھرے دانوں سے بھرا تھا۔ ایک میلی سی چادر  
 اس کے اوپر تھی جس پر کھیاں بجنسنار ہی تھیں۔ یہ وہ عظمیٰ  
 تو نہیں تھی جس سے وہ ڈیڑھ سال پہلے ہی تھی تب اس کی  
 آنکھوں میں ستارے دکھتے تھے اور آج ان میں قبرستان  
 کی سی ویرانی تھی اسے دیکھ کر کراہیت کا بھرپور احساس  
 ابھرتا تھا وہ خستہ حالی اور بربادی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

اللہ جانے اسے کیا بیماری تھی شاید اس کا علاج بھی  
 نہیں ہو رہا تھا اور سناج کل ناقابل علاج کوئی کوئی بیماری  
 نہیں۔ وہ بھی کسی کے آنگن میں لگا موٹیے کا پھول تھی جو  
 اب گل سڑ رہا تھا اپنی غلطی سے غلاقت میں لتھڑ چکا تھا۔  
 ”کیا خوشیوں کی عمر اتنی مختصر ہوتی ہے؟“ اس نے  
 دکھے دل سے سوچا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسی خوشیوں کی  
 عمر مختصر ہی ہوتی ہے جن کے تاقب میں دعائیں نہیں  
 جکتا ہیں اور بددعا میں ہوں۔ کسی کی بربادی پر بندہ اپنی  
 خوشیوں کی بنیاد رکھے تو وہ خوشیاں ہوا کا ایک آوارہ جھونکا  
 ثابت ہوتی ہیں۔

فاطمہ کو دیکھ کر اس کی ویران آنکھوں میں شناسائی کی  
 رت اتری وہ بدقت مسکرائی تھی۔

”کیسی ہیں آپ؟“  
 ”دیکھو تو تمہارے سامنے ہی ہوں عبرت کا منہ بولتا  
 ثبوت۔“ وہ بہت آہستہ آہستہ بول رہی تھی جیسے بولنے  
 میں بھی دقت ہو رہی ہو۔

”ایسا مت کہیں۔“ کچھ بھی تھا فاطمہ کو اسے اس حال  
 میں دیکھ کر بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

”مجھے میری ماں بہت یاد آتی ہے فاطمہ! مجھے یقین



# حرف زندگی

سید: ضواریہ

جس طرح دریا بجھا سکتے نہیں صحرا کی پیاس  
اپنے اندر ایک ایسی تشنگی بن جائے  
وسعت میں لوگ کھو دیتے ہیں خود اپنا شعور  
اپنی حد میں آئے اور آگہی بن جائے

واقعات چھپے ہوتے ہیں جس لمحے میں انسان نے اپنے  
ایمان کی خاطر اپنی گردن نوا دی اسی لمحے دنیا کے ایک اور  
گوشے میں دوسرے شخص نے ایمان کی خاطر کسی کی  
گردن کاٹ دی جس لمحے میں ایک ماں نے اپنے بچے  
کی جسمانی بھوک مٹانے کی خاطر خود کو بیچ دیا اسی لمحے  
ایک ایٹمی بمب نے اپنی ماں کا گھاکاٹ دیا ایک لمحے میں  
ایک مسلمان گھرانے میں ایک بچے نے آنکھ کھولی ایک  
اور گوشے میں ایک مشرک کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اسی  
لمحے ایک جگہ شہنائیاں گئیں قہقہے تھے تو دوسری جگہ ماتم  
آہ و نغاس.....!

جس لمحے ایک سبت پر پھول برسائے جا رہے تھے  
اسی لمحے ایک مسجد پر آتش برسانی جا رہی تھی ہمیں نعت  
اور اذان کی آواز کہیں نہ ملے اور گاٹے کی آواز کہیں  
عبادت کا آغاز اور کہیں ملامت کی ابتداء کہیں کوئی بیٹی کو  
ڈولی میں بٹھاتا ہے اور کہیں کوئی کس کی بیٹی کی قیمت لگاتا  
ہے ایک ہی لمحے میں نہیں دن سے تو ہمیں رات.....  
کہیں صبح ہے تو کہیں شام ایک لمحے میں انسان جیتا ہے  
ایک لمحے میں مرتا ہے اب انسان کی زندگی کئی سالوں پر  
محیط ہوتی ہے اور وہ اپنے تمام زندگی میں تمام سالوں میں  
جو کچھ کرتا ہے۔

قطرہ قطرہ جرعہ جرعہ جو درد غم اشکوں کی صورت بہتا  
ہے وہ تمام اعمال وہ تمام اوار دنیا کے ایک سرے سے

شاید آپ کو یقین نہ آئے شاید آپ مجھے مخلوط الحواس  
یا پھر بالکل ہی تہذیب نا آشنا سمجھ کر رد کر دیں۔ مگر یہ ایک  
حقیقت ہے روز روشن کی طرح واضح ان مٹا ناقابل  
تردید اور قابل یقین ادراک۔

گزشتہ چند روز سے بہت عجیب و شدید قسم کا  
اضطراب میری روح کے نہاں خانوں میں سرگمرا رہا ہے  
ایک خوف کسی مہیب سائے کی طرح میرے وجود و روح  
سے چپک گیا ہے کچھ کھودینے کا خوف کسی زیاں کا  
خوف ایک ایسے زیاں کہ جس کا ازالہ ممکن نہیں..... میں  
کچھ کھو رہا ہوں ہاں میں وقت کے انمول اور بے مثال  
لمحے کھو رہا ہوں..... لمحوں کا زیاں کھو رہا ہوں اور یہ جرم  
نہیں اپنی ذات کے اندر ایک گناہ ہے..... اپنی جان پہ ظلم  
ہے ایک سماعت ایک لہجے اپنے چھوٹے سے سینے کے اندر  
کیسی بشارتیں کیسے ہزار رنگ و سانی رکھتا ہے مجھے اس کا  
پورا ادراک ہے۔

ایک لمحے میں کتنے اسرار کتنے انکشافات چھپے ہوتے  
ہیں میں جانتا ہوں ایک چھوٹے سے وجود کا چھوٹا سا لمحہ  
اپنی ذات کے اندر ایک صدی ہوتا ہے ایک صدی جتنے  
واقعات ایک صدی جتنے حادثات سمیٹے ہوئے ہوتا ہے  
اور یہی ایک لہجے اپنی ذات کے اندر ایسے کشف اور الہامات  
چھپائے ہوتا ہے کہ جس پر یہاں شکار ہو جائیں وہ ولی بن  
جائے اسی لمحے میں کائنات کی ان گنت کہانیاں ان گنت



ارتقائے کونیا کے لرزیدہ وجود میں دیکھنے کی کوشش کرتے تو  
ازل سے اب تک جنوں خیزیوں میں مبتلا ہے کسی ایک  
تجربہ اکیلی اور تنہا ہادی ایسی روشنی کی کرن جو اندھروں  
سے تباہی لڑی ہو اسے دیکھنے کے لیے اپنی ستم طرازیوں کو  
ٹھہرنے دے اور اسی مختصر دورانیے میں صرف یہ سوچنے  
بجھنے کی کوشش کر کہ ہم مفلوک الحال درویدہ دل لوگوں  
نے تیرا کیا گناہ ہے؟ کون سی مٹی صحت ہے جس کی لاج تو  
نے سنبھال رکھی ہے۔

دیکھ! ذرا ایک لمحے کی فرصت دے میری بات  
سن.....!

میرے ذہن کے ویران گونوں میں لاتعداد خاراگ  
آئے ہیں میرے سینے کی تاریکیوں میں ان گنت باتوں  
کے پتھر سر اٹھانے لگے ہیں ہم مسافروں کے محبت گزیدہ  
لوگ تو ازل سے اپنی سانسوں سے نثر رہے ہیں ابھی یہ  
سوچنے کی کوشش کر کہ جن کو تو ہر نگہ گیدے ہوئے ہے وہ  
مظلوم لوگ کیا اپنی رگوں میں اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ  
تیرے جبر سہہ پا میں کیا ازل کے متحمل کندھے اور  
نا ڈال وجود یہ بوجھ سہا سکیں۔ تیرے جبر کی تو کچھ ایسی  
حالت ہے جیسے کوئی بھوکا بھڑیا کسی مردار کو تاریک  
گھاؤں کی جانب گھسیٹے لیے بارہا ہو۔

اے زندگی! کچھ ذرا ٹھہراں معصوم قطرے کی زندگی  
کے حساب جتنا ٹھہر جاوے اپنے اندر بے بسی کے ایانج اجسام  
کو سمو کر کسی دھندلی آنکھ سے گھر خود کو خاک کے حوالے  
کر دیتا ہے۔

تو بھی ہم درویدہ دامن لڑکوں کے ساتھ وہی کچھ  
کر رہی ہے جو ایک بھڑیا کسی مردار کے ساتھ کرتا ہے۔  
ہمیں ختم کرنے کو تو یہ گھوٹا کا احساس زیاں ہی کافی  
ہے کہ جنس یا مریم یا مرمر کہ جنس یہ زیاں تو ساتھ ہی  
رہتا ہے.....!

پتھر

دوسرے سرے تک کا جائزہ لیا جائے تو ایک لمحے میں  
واقع پذیر ہو جاتے ہیں۔

پیدا ہونے سے مرنے تک... ایک لمحے کا تو کھیل  
ہے سارا ایجاد بنیاد تخلیق آغاز انجام سب ایک لمحے کا  
فیصلہ ہے ایک لمحے کا کھیل ہے کن کیون ایک لمحے کا  
معاملہ تھا اور نجات کی تقسیم نے اسے صدیوں کے کندھوں  
پر محیط کر دیا لیکن اس سارے پھیلاؤ کوئی جمع تقسیم  
ضرب ریاضی کے کسی بھی کھیلے پر تقسیم کیا جائے تو حاصل  
ایک لمحہ ہی ہے گا وہ ایک لمحہ جس سے نظر بچائی جائے تو  
زمین پر رہنے والے ادنیٰ کثیرے سے بھی بچ اور کم سے اور  
اگر دیکھا جائے تو ایک کوہ گراں سب ایک لمحے کا کھیل  
ہے مگر اس ایک لمحے کے سامنے انسان اتنے حصوں  
میں تقسیم ہو چکا ہے کہ اسے کچھ بھائی نہیں دیتا وہ سوچنے  
بجھنے سے قاصر ہے اس کا اپنا پھیلاؤ ہی اس کے لیے کار  
جہاں بن کر رہ گیا ہے اس کار جہاں سے ابھی اچھے وقت  
کے تھال میں مہن مہن کرتے کرتے لمحے ماضی کے پاتال  
میں گم ہوتے جا رہے ہیں مجھے یہ احساس زیاں بے چین  
کیے دیتا ہے دھڑکنیں مضطرب ہیں ایک خوف سا  
شریانوں میں سرسراتا ہوا محسوس ہوتا ہے مٹ جانے کا  
خوف مقصد زندگی پانے سے پہلے ہی انجام سے دوچار  
ہو جانے کا خوف..... آخرت کا خوف..... یہ احساس ہوتا  
ہے کہ کہیں میں کچھ غلط تو نہیں سوچ رہا۔

احساسات پر برف سی جم جاتی ہے وجود کے  
عضلات انجن کے زنگ آلود پرزوں کی طرح بے کار  
ہو جاتے ہیں۔

اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ یہ زندگی آخر  
کیا ہے کیا ہے جو اس میں چمپا ہوا ہے زیاں..... صرف  
زیاں کا بوجھ کندھوں کو جھکائے جاتا ہے اور میں خون آلود  
نظروں سے زندگی کے تر و تازہ چہرے کو تکتا ہوں اور کہتا  
ہوں.....!

دیکھ.....! ذرا ایک لمحے کے لیے اپنی خود سری اور اپنی  
دشستوں کو ستانے کا موقع دے کسی ایک زرد لمحے کے  
قدموں کی چاپ سننے کو ٹھہر۔  
کسی ایک ٹوٹی چٹنی بکھرتی ہوئی سانس کے





یہ چراغ بے نظیر ہے، یہ ستارہ بے زباں ہے  
 ابھی تجھ سے ملتا جلتا کوئی دوسرا کہاں ہے  
 کبھی پا کے تجھ کو کھونا، کبھی کھو کے تجھ کو پانا  
 یہ جنم جنم کا رشتہ تیرے میرے درمیاں ہے

برقرار رہے گا؟ ایسا کیا واقعات ہمیں بتاؤ گی؟ تاکہ آج کی  
 جو ہنری نسل ہے وہ جائیں اور سبق لیں۔" میزبان نے  
 چپ کا روزہ توڑا۔

"جہ میں اہمیت نہیں یہ سب کہنے کی کیا ہوا میرے  
 ساتھ۔" مہمان نے کہا اور رونا شروع کر دیا۔

"اف یہ کیا سچ ڈرامہ لگا دیا تم نے۔" رامش نے  
 زمین سے ریسموٹ چیمہ ما۔

"یہ ڈرامہ تھا آنکھ میں ہیں یا بین؟ یہ مارنگ شو تھا۔"  
 زمین نے واپس ریسموٹ لینے کی کوشش کی۔

"تو یہ بھی کسی ڈرامے سے کم ہوتے ہیں کیا؟ ایسا  
 لگتا ہے تھیٹر ہو رہا ہو۔ ہیں ناچ گانا وہیں رونا دھونا اور

پھر شادیاں کرادو انکس کی پہلے سے شادی شدہ ہیں اور  
 کسی کی نعلی شادیاں۔" رامش خائف تھا ان مارنگ  
 شو سے۔

"ارے تو ہمارا نام پاس ہو جاتا ہے اور ضروری  
 نہیں سب ڈرامہ کر۔ ہے ہوں اس لڑکی کو دیکھو تم۔"

میری زندگی کوئی انوکھی نہیں تھی اپنی مرضی کی گزار  
 رہی تھی جو من بھاتا کرتی پہنتی اور جتنی مجھے گھر والوں  
 نے بھی نہیں ٹوکا پر آج میں جو کچھ نہ ہوں اس ایک  
 حادثے کی وجہ سے ہوں میں نے کس طرح اپنے آپ  
 کو دلہل سے بچایا میں ہی جان سکتی ہوں۔"

ایک معروف ٹی وی چینل پر میزبان اپنی مہمان سے  
 سوال جواب میں لگی ہوئی تھی اور اس کی زندگی کا نیا بدلاؤ

کیسے آیا وہ کیا تھی اور اب کیا ہے اس پر گفتگو ہو رہی تھی۔  
 "کبھی کبھی میں سوچتی ہوں اگر میں سچ گئی تو اس میں

میرے اللہ ہی کی حکمت تھی اس کا ساتھ تھا جو میں کبھی  
 گئی مجھے ہدایت دی اس نے۔" مہمان نے گفتگو کا

سلسلہ کچھ دیر چپ رہ کے وہیں سے جوڑا..... میزبان  
 اس دوران چپ بیٹھی رہی..... اسٹوڈیو میں خاموشی تھی

ایسا لگ رہا تھا کہ یا تو وہاں کوئی بھی نہ ہو یا سب کو ہی  
 سانپ سونگھ گیا ہو۔

"اب تم کیا سمجھتی ہو جو بدلاؤ تم میں آیا ہے وہ اب



گیارہ بجے زمین کی کام والی آئی اسے دیکھ کر زمین کی چیخ نکل گئی۔

”یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟“ زمین نے اپنی کام والی شہراں سے پوچھا۔

”بی بی بس کیا بتاؤں میرے مرد نے تختہ دیا ہے۔“ کام والی نے آہ بھری۔

”باجی ایک بات تو بتائیں۔“ اب اس نے زمین کو مخاطب کیا۔

”ہاں پوچھو۔“ زمین اسے اندر لے آئی اور اس کے لیے چائے نکال کے رکھی۔

”باجی آپ جو یہ صبح سوئی وی پر دیکھتی ہو جس میں ہم جیسی عورتیں آتی ہیں کیا وہ صبح ہوتی ہیں؟ میں بھی وہاں جاؤں گی اپنے مرد کے ملاف آواز اٹھاؤں گی۔“

زمین اس کی بات سن کر ٹھنک گئی۔

”تم پوری دنیا کے آگے رو مارو گی؟“

”باجی باقی لوگ بھی تو کرتے ہیں۔“ شہراں نے انگلی ٹھوڑی پر رکھ کہا۔

”دوسرے لوگ جو کریں گے وہ تم بھی کرو گی یہ لوگ بڑھا چڑھا کے بناتے ہیں پوری دنیا کے سامنے اپنا ہی مذاق اڑاتے ہیں۔“ زمین اب اسے سمجھا رہی تھی۔ جسے خود مارنگ شوا جھمٹے آتے تھے۔

”بس باجی ہم کیا ہماری اذیت کیا ادھر کام کر کے گھر جاؤ ادھر شوہر بھرا بیٹھا ہوتا ہے ہم جائیں تو کہاں جائیں؟“ زمین کو کوفت ہو۔ نے لگی کہ کام شروع کرنے کے بجائے اس کے دکھڑے لون سے..... کیا واقعی صبح کے شوڑ میں ڈرامے ہی ہوتے ہیں؟

”اچھا اب آرام ہو گیا ناب تھوڑا بہت کام پر بھی نظر کر کر دو۔“

”خود تو باجی کمرے میں مڑے سے لیٹی رہتی ہے ہائے ہماری قسمت.....“ شہراں بڑبڑاتی کام پر ٹنگ گئی۔

.....☆☆☆.....

زمین ریمورٹ لینے میں کامیاب ہو گئی اور وہی مارنگ شو لگا دیا۔

”مجھے صبح صبح تو ناشتہ اچھے سے کرنے دیا کرو بیگم صاحبہ۔“

”اچھا تم بیٹھ کے سیاسی ڈرامے دیکھو اور میں بقول تمہارے مارنگ شو والے ڈرامے نہ دیکھوں کیا یہ کھلا تضاد نہیں۔“ زمین نے ریمورٹ رامش کے حوالے کیا اور باورچی خانہ میں ناشتہ لینے چلی گئی۔ دونوں نے ساتھ بیٹھ کے ناشتہ کیا۔

”یاد ہے زمین جب تم شادی ہو کر آئی تھیں تمہیں چائے تک بنانی نہیں آتی تھی۔“ رامش نے زمین کو چھیڑا۔

”ہاں جیسے تمہیں بہت اچھی آتی تھی بنانی چائے۔“

زمین نے زبان چڑائی۔

”بھئی میں کیوں بنانے لگ گیا تمہیں رکھا کیوں تھا اپنے پاس پھر؟“ رامش اب اسے مزید چھیڑا۔

”کیا مطلب میں کیا نوکرانی ہوں؟ مجھے تم نے رکھا ہے؟ شادی کی ہے نکاح کیا ہے آئی کبھی۔“ زمین نے کھانے والے چمچے کے ساتھ کانٹے کو رامش کی جانب کر کے کہا۔

”اوہ بیگم صاحبہ کیا مار ڈالنے کا ارادہ ہے؟“ رامش نے دونوں ہاتھ اوپر کر لیے۔

”چپ چاپ ناشتہ کرو ورنہ ایسا نہ ہو تم پر میں کس کرادوں اور مارنگ شو میں لے جاؤں اور پھر دکھیا ری بن جاؤں۔“ زمین نے چائے کی چسلی بھر کے آنکھ گھمٹاتے کہا.....

رامش ہنستا رہ گیا..... اسی ٹوک جھونک میں ناشتہ کیا اور وہ دفتر روانہ ہو گیا.....

”باجی ایک بات تو بتائیں۔“ اب اس نے زمین کو مخاطب کیا۔

”ہاں پوچھو۔“ زمین اسے اندر لے آئی اس کے لیے چائے نکال کے رکھی۔



رنگارنگ کہانیوں کے آراستہ دلچسپ جزیروہ  
**AANCHALPK.COM**  
 تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے



**قلم مرذات**

دنیا کو سنجیدگی سے دیکھنا اور اس کی ساری باتوں پر غور کرنا  
 والے ذات کے قلم نگار حوالہ اچھا ہے اور یہی قلم نگار تحریر

**دید بان**

عالمی سازشوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے  
 لیے بطور خاص مرشدی ارشدی ایک دلچسپ ناول

**جگہ سے سنگم**

تاریخ کے صفحات پر محفوظ سر زمین پنجاب کی مادی  
 دلگداز داستان جگہ سے سنگم داستانوں میں شملہ ہوتی ہے

**AANCHALNOVEL.COM**

**تاریخ کی دلچسپی کے لیے خوبصورت سلسلے**

خوشبو خن، بختب عزیز، ہمیں، ذوق آگہی، اقتباسات،  
 احوال زریں، احادیث و میرہ معروف، دینی اسکالر حافظ  
 شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل چاہیے

پہننے کی صورت میں (2) 021-85620771

”ہیلو جی جی میں ٹمن بات کر رہی ہوں اوہ اچھا کب سے مار رہا ہے وہ اپنی بیوی کو اچھا اچھا آپ اس کی کیا لگتی ہیں؟ اچھا اچھا آپ کے ہاں وہ کام کرتی ہیں دیکھیں آپ انہیں کسی دن یہاں لے آئیں ہم پہلے تو ان کی تفصیلات لیں گے پھر اس پر کام کریں گے..... ہاں جی وہ کیا ہے نا ہم پورا سین بناتے ہیں جن کی کہانی کو کر رہے ہوتے ہیں اس کو اپنے لفظوں میں لکھتے ہیں پھر جن کی کہانی ہوتی ہے انہیں بتاتے ہیں سمجھاتے ہیں کب سے کیا بولتا ہے کہاں رونا ہے وغیرہ وغیرہ..... اچھا چلیں ٹھیک ہے آپ بتا دیجئے گا..... اللہ حافظ۔“ زمین نے اسی مارنگ شو میں کال ملائی تھی جس کے نتیجے میں اسی میزبان لڑکی نے اس کے سوالات کے جواب دیئے۔

”رامش صحیح کہتے تھے یہ لوگ واقعی ذرا بے تو نہیں کرتے اللہ کی پناہ ویسے آزمانے میں حرج کیا ہے؟“ زمین خود ہی سوچتی اور پلان بنانے لگ گئی کیسے شکران کو لے جائے گی اور کہانی بتائے گی ظالم شوہر کی۔

”کچھ دن گزر جانے کے بعد اسے تاریخ مل جاتی ہے وہ شکران کو چھٹنے کے لیے تیار کراتی ہے۔“

”با جی ہمیں وہاں کرنا کیا ہوگا؟“

”وہاں گانا گاؤ گی تالیاں بجاؤ گی۔“ زمین شکران کے سوال پر تپ گئی۔

”ظاہر ہے وہ تم سے سوال جواب کریں گے تمہارے بارے میں پوچھیں گے اور کیا؟ اب چپ چاپ چلو کوئی بات کی تو رستے میں ہی چھوڑ جاؤں گی۔“ شکران نے اپنی تیسرا دکھ کی اور سر اثبات میں ہلایا۔

وہ لوگ اس ٹی وی چینل کے دفتر پر پہنچے تو پہلے ہی اتنا رش اور گہما گہما ہی لگی ہوئی تھی ٹمن کا پوچھ کر اس کے کمرے کی طرف چلے لیکن انہیں انتظار کرنے کو کہا گیا تھا۔

”آپ لوگ یہاں بیٹھیں وہ ابھی آتی ہوں گی جب تک میں آپ کے لیے کچھ لے آؤں چائے یا کچھ ٹھنڈا؟“ ایک لڑکی نے ان سے پوچھا..... زمین کو وہ



اب اسے ساتھ بٹھایا۔  
 ”باجی دیکھو کسی کو جتنا نہیں۔“ وہ لڑکی ہاتھ جوڑ کے کہنے لگی۔  
 ”کیا مطلب کھل کے بولو۔“ زمین تشویش میں جلتا ہو گئی۔  
 ”وہ باجی اصل میں میں یہاں کام کرتی ہوں تو یہ ٹمن میڈم ہیں انہوں نے کہا تھا کہ وہ مجھے ٹی وی پر لائیں گی اور اداکاری کروائیں گی۔“  
 ”اچھا تو کروایا کیا؟“ زمین مزے سے اس کی بات سننے لگی۔  
 ”ہاں جی باجی صبح کے وقت جاتا ہے نا جی اس میں ابھی کچھ دن پہلے ہی تو.....“  
 ”اچھا اچھا تم وہی ہونا جس نے کہا تھا کہ میں بدل گئی ہوں کچھ ہوا تھا میرے ساتھ ایسا یاد آ گیا واقعی تم نے تو اچھا کام کیا تھا۔“ زمین نے اس کی بات کاٹ کر اپنی بات کی۔  
 ”جی باجی ویسے آپ کے ساتھ جھٹائی ہے وہ بھی کام کرے گی یہاں کیا؟“ اس لڑکی نے مصومیت میں پوچھا۔  
 ”ہاں نا جی تو لائی ہوں ٹمن کو ضرورت تھی۔“ زمین نے بھی اس لڑکی کی طرح اپنی کام والی کو اداکاری کرنے والی کا بتایا۔  
 ”ہاں جی اور پیسے بھی ملتے ہیں۔“ اس لڑکی نے تو ساری بات بتادی اور بچا کیا:  
 ”ارے تم یہاں کیا کر رہی ہو جاؤ اپنا کام کرو۔“ اچانک ٹمن اور شکران آگئے تو ٹمن نے اس لڑکی کو جانے کا کہا۔  
 ”جی میڈم۔“ وہ لڑکی چنگی لیکن زمین کا دل ضرور خراب کر گئی۔  
 ”اچھا تو ہم بھی چلیں؟“ زمین وہاں سے جانا چاہ رہی تھی۔  
 ”جی جی بالکل اور یاد سے اسے ٹمن دن بھواتے

لڑکی دیکھی دیکھی ہی لگی..... سوچنے لگی کہاں دیکھا ہے؟  
 ”جی آپ چائے لے آئیں ہمارے لیے ہم انتظار کرتے ہیں۔“ زمین کے بتانے پر وہ لڑکی چلی گئی پر زمین سوچتی رہی اس نے کہاں دیکھا ہے؟  
 ”السلام علیکم کیسے ہیں آپ لوگ؟“ ٹمن آگئی تھی اور بڑے تپاک سے ملی۔  
 ”ہم ٹھیک ہیں آپ بتائیں۔“ زمین نے جواب دیا اور ساتھ ہی چائے اور دیگر لوازمات بھی آگئے اور وہی لڑکی آئی۔  
 ”مجھے آپ دیکھی ہی لگ رہی ہیں کہاں پر یاد نہیں آ رہا۔“ زمین نے سوال کیا۔  
 ”سنو تم جاؤ اب۔“ ٹمن نے اس لڑکی کو جانے کا کہا۔  
 ”آپ اس لڑکی کو چھوڑیں اپنا مسئلہ بتائیں۔“ ٹمن نے زمین کے ساتھ چینی شکران کی طرف اشارہ کیا۔  
 ”جی وہ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ اس کا شوہر اسے.....“  
 ”اچھا اچھا ٹھیک ہے میں سمجھ گئی آگے کا کام آپ ہم پر چھوڑ دیں..... ممکن ہو تو اسے دو تین روز صبح چھڑوا دیا کریں تاکہ ہم اس سے سا کیلے میں بات چیت کریں۔“  
 ”چلیں ٹھیک ہے ویسے ابھی بھی آپ جاہر تو اسے اکیلے لے جاسکتی ہیں اور کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ سکتی ہیں۔“ زمین نے ٹمن کی بات کا جواب دیا۔  
 ”چلیں ٹھیک ہے آپ انتظار کریں ٹی وی دیکھیں میں انہیں لے جاتی ہوں۔“  
 ”ٹھیک ہے شکران تم جاؤ ان کے ساتھ۔“ شکران چپ چاپ اٹھی اور ٹمن کے ساتھ چل پڑی۔  
 زمین ٹی وی دیکھ کر وقت گزارنے لگی پھر وہی لڑکی اندر آ گئی۔  
 ”ارے سنو ذرا۔“ زمین نے اسے پکارا۔  
 ”جی.....“  
 ”جسہیں کہاں دیکھا ہے سمجھ نہیں آ رہا۔“ زمین نے



## شیویں گل

اسلام علیکم! آچل کے اشاف اور قارئین کو شیریں کی طرف سے بیٹھا سا سلام قبول ہو۔ 20 اکتوبر کی صبح کو پیدا ہوئی اس لیے اشار لبراً ہے آچل اور میرا ساتھ چار سال سے ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ ہم صرف دو ہی بیٹھیں ہیں بڑی میں ہوں اور چھوٹی نانا کشہ صدیقہ ہے۔ زبان پنجابی ہے تو جناب اب ذرا خوبیوں اور خامیوں کی طرف آتے ہیں خامی یہ ہے کہ ست بہت ہوں دوسروں پر جلد اعتبار کرتی ہوں۔ خوبی یہ ہے کہ کسی سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی رحم دل بہت ہوں جو کام دیا جائے اس کو پورا کرتی ہوں۔ کمر میں گلابی اور پیلا کمر بہت پسند ہے لباس میں ساڑھی اچھی لگتی ہے۔ پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور فورٹ کتاب قرآن پاک ہے۔ نمبرز کے معاملے میں بے حد خوش نصیب ہوں دوست بھی کافی زیادہ بنا رکھے ہیں جن میں گل معراج، حمیرا، عین نقیہ، رحمن اور نبیلہ بیست فریڈز ہیں۔ پسندیدہ رائٹرز عمیرہ احمد، سمیرا شریف اور اقراء صغیر ہیں۔ کھانے میں جاول اچھے لگتے ہیں بیٹھا بہت شوق سے کھاتی ہوں۔ پسندیدہ ناول ”محبت اور خدا محبت دھنک رنگ اوڑھ کر“ معنف اور پیر کامل علیہ السلام ہیں۔ کھینوں میں کرکٹ اور آٹھ نمک چھوٹی بہت پسند ہے۔ ناول لکھنے کا اور پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ صبح کا وقت اچھا لگتا ہے شاپنگ کرنے کا حد سے زیادہ شوق ہے ہمیشہ وہی چیز پسند آتی ہے جو مشکلوں سے بنتی ہے۔ میرا خواب ہے ڈاکٹر بننا اور انسانیت کے لیے بہت سارے کام کرنا۔ ڈائری قارئین اپنی رائے ضرور دیجیے گا اللہ حافظ۔

رہے گا جیسے ہی یہ تیار ہو جائے گی ہم اس کا شو کرادیں گے۔“ زمین نے ہنستے مسکراتے بات کی۔  
دونوں نے ایک دوسرے سے اجازت لی اور زمین شکران کو لیے نکل گئی۔

”نہ کریں رامش۔“ زمین کا موڈ آف ہو گیا۔  
”معاف کرویں بیگم صاحبہ چلیں آگس کریم کھانے چلتے ہیں موڈ بہال ہو جائے گا۔“ رامش کو پتا تھا زمین کا موڈ آگس کریم کا سن کر نہ کھل جائے گا۔  
”اچھا اب اتنا کہہ لی رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔“ زمین نے بھنویں اچکا۔ کہا۔

”جی۔“ زمین نے بے زاری سے جواب دیا۔  
”کیا بات ہے خیر تو ہے نا؟“ رامش نے زمین کے اس انداز پر چونک کے پوچھا۔  
”کچھ نہیں بس ایسے ہی شاید سر میں درد ہو رہا ہے۔“

زمین کو کچھ بوجھ نہیں تو سر درد کا کہہ گئی۔  
”اس نالائق سر درد کی تو..... لیکن یہ تو تھوڑا تمہیں یقین ہے کہ شک کہ سر درد ہے؟“ رامش پھر چڑانے والے موڈ میں آ گیا۔  
”آف آپ بھی نا ادھر سر درد سے پھنسا جا رہا ہے اور ہوتے دیکھ کر پوچھا۔



خدشیں لے لو پر تنخواہ بہت دیر بعد دیتی ہیں کبھی کوئی غلطی ہو جائے پتھر مارنے سے بھی نہیں چوکتی۔“

”استغفر اللہ! میں نے کب ایسا کیا اس کے ساتھ اور یہ اتنا جھوٹ کیوں بول رہی ہے؟“ زمین کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا واقعی اب پتھر لگائی دے۔

”ایک کالر ہیں ہمارے ساتھ بات کرتے ہیں ان سے جی السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام۔“

”کون ہیں ہمارے ساتھ؟“

”میں جیلہ کی جاننے والی ہوں بلکہ اس کی مالکن کی پڑوسن ہوں۔“

”جی جی کیا کہیں گی آپ...؟“

”اس بے چاری پر واقعی بہت ظلم ہوتا ہے زمین رامش نام ہے پڑوسن کا۔ اسے سمجھاتی بھی ہوں لیکن آج اس بے چاری کو یہاں دیکھ کے افسوس ہوا۔“ زمین بوہل قدموں سے اٹھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے سب جھوٹ بول رہے تھے اب تو اس کا نام بھی آ گیا تھا گوکہ ضروری نہیں تھا کہ وہی زمین ہو لیکن جاننے والے تو جاننے تھے کہ یہ اسی کے ہاں کام کرتی ہے۔

اس کا دل بری طرح مجروح ہوا کہاں وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی واقعی یہ سب ڈھونڈ رہا ہے؟ یہاں اس کے ساتھ ہی دھوکہ ہو گیا.....

شکراں کی تو اس نے اگلے دن کلاس لگائی اسے کام سے ہی نکال دیا اور اس مارنگ شوکی لت سے خود کو آزاد کیا رامش وہ تو اب سکون میں تھا صبح صبح وہ اسے اب بھی چھیڑتا ہے مارنگ شو نہ دیکھنے پر..... پر جانتا نہیں کہ زمین نے دیکھنا کیونکر چھوڑا۔



”جی وہ دوست سے ملنے جاؤں گی۔“ زمین نے بہانہ گھڑا۔

”اچھا ٹھیک ہے دھیان سے جانا۔“ رامش نے ہدایت دی اور دفتر کے لیے روانہ ہوا۔

زمین بھی ٹی وی اسٹیشن پہنچ گئی۔

”آج جو ہماری مہمان ہے اس کے لیے مجھے بے انتہا افسوس ہے..... اس کے ساتھ سب نے ظلم کیا..... کب کیسے ہوا یہ ظلم آئیں ہم ان سے ہی پوچھتے ہیں۔“

شکراں کی تین دن کی پریکٹس بھی ذرا سا بھی نہ گھبرائی۔

”کیا نام ہے آپ کا۔“ من نے پوچھا۔

”جیلہ۔“

”ہں اس کا نام جیلہ کب سے ہو گیا؟“ زمین دور کہیں پتھی ہوئی تھی۔

”جیلہ مجھے بتاؤ کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ؟“

من کی آواز میں درد تھا زمین اب شکراں کے جواب کی منتظر تھی۔

”میں کیا بتاؤں بی بی جی ساس الگ مجھے باری رات میں جب میرا مرد آتا ہے وہ بھی مارتا ہے نشے کی حالت میں۔“ شکراں نے یہ کہا اور رونا شروع کر دیا۔

”ہیں اس کی ساس بھی رتی ہے؟ اس نے تو کبھی نہیں بتایا۔“ زمین نے دل میں سوچا۔

”تو تم ان کا یہ ظلم کیوں سہتی ہو؟“ من نے سوال کیا۔

”کیا بتاؤں بی بی جی..... میں کماتی ہوں اپنے بچوں کے لیے میاں کوئی خرچ نہیں دیتا۔“ شکراں نے ڈوٹے سے آنسو پونچھے۔

”ہیں اس کی شادی کو تو دو تین ماہ ہوئے ہیں بچے کہاں سے آئے؟“ زمین تماشا دیکھ رہی تھی۔

”تم نے بتایا تھا جہاں تم کام کرتی ہو وہ بھی تم پر ظلم کرتے ہیں؟“ من کے اس سوال نے تو زمین کو بوکھلا کے رکھ دیا اس نے کب ظلم کیا؟

”بی بی جی وہ بھی میرا خیال نہیں رکھتیں بس کام کرا لو



# حصہ اول

حافظ شبیر احمد

## شمزیدہ

جواب:- مسئلہ ۱:- قسم کی اہمیت کے متعلق عالم سے رجوع کریں۔ وظیفہ جاری رہیں۔

مسئلہ ۲:- سورۃ قریش ۱۱۱ اول و آخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف۔ اچھی اور جلد نوکری کے لیے دعا کریں اور کچھ نہ پڑھیں۔

## تحریم..... جھٹو

جواب:- آیات شفاء صبح و شام 7، 7 مرتبہ پڑھ کر دم کریں اور پانی بھی نہیں۔

۲:- بچی جب سو جائے تو ماتھے اور سینے پر انگلی (شہادت) سے (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) لگھ دیا کریں۔ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

## بشری ملک..... فیصل آباد

جواب:- مسئلہ ۱:- کوئی حل نکالیں۔  
۲:- مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد 7، 7 مرتبہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھا کریں۔

## م ع..... ملنگٹ

جواب:- فرض نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر "یا قوی" 11 مرتبہ پڑھا کریں۔ قوت حافظہ کے لیے۔

بعد نماز عشاء سورۃ قریش 111 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔

معاشی مسائل اور گھر بکنے کے لیے دعا کریں۔  
شمزیدہ کرن..... چھوٹا گھسیت پورہ

جواب:- آپ نے اپنے والد کا نام تو لکھا نہیں خط میں؟ استخارہ کر لیں۔

معاشی حالات کے لیے سورۃ قریش 111 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ پھر دعا کریں۔

صلائمہ اقبال..... چچیچہ وطنی

جواب:- آیت شفاء آیات ہیں یہ کسی وظائف کی کتاب میں مل جائیں گے اور انٹرنیٹ پر بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ صبح شام 7، 7 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ اپنے لوہروں کو کیا کریں۔ جو درود استعمال میں ہے اس پر اور پانی کی بوتل پر بھی دم کر لیں پانی بھی صبح شام پیا کریں۔

فرحانہ فیض..... میرو پور آزاد کشمیر  
جواب:- فجر کی نماز کے بعد سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

## ہما..... کراچی

جواب:- فجر کی نماز کے بعد سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

## اقصی اسلام

جواب:- استغفار اور درود شریف کثرت سے پڑھا کریں سکون قلب کے لیے۔

## رافیہ اسلام..... کینیا

جواب:- عشاء کی نماز کے بعد سورۃ قریش 111 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ چاب اور معاشی حالات اچھے ہونے کی دعا کریں آپ بھی پڑھیں اور شوہر بھی۔ صدقہ بھی دیں۔

## بشری بین احمد..... راولپنڈی

جواب:- بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

بعد نماز عشاء سورۃ الفلق اور سورۃ الناس 1، 1 تسبیح روزانہ رکعت بندش ختم کرنے کے لیے بہن خود کرے یا والد۔

## تحریم قطامہ..... سرگودھا

جواب:- مسئلہ نمبر ۱:- سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پانی پر دم کر کے پلایا کریں روزانہ 11، 11 مرتبہ بھائی کے لیے سورۃ قریش درود شریف اور نوکری کے لیے۔

مسئلہ نمبر ۲:- صدقہ دیجنا رہا کریں۔



افراد کو پلائیں۔ تمام مسئلوں کے لیے دعا بھی کریں۔

ط ج ..... گجرات

جواب:- بعد نماز عشاء 313 مرتبہ آیتہ کبریٰ سے پڑھیں اول یا آخر 11.11 مرتبہ اور شریف۔

اللہ سے دعا کریں معافی مانگیں جو آپ کے حق میں بہتر ہے اللہ تعالیٰ وہ فیصلہ فرمادے۔ آمین۔

مسئلہ نمبر 43:- پڑھائی شروع کر دیں اور دماغ کے لیے معجون استعمال کریں۔

مسئلہ نمبر 5:- "العنزل" بعد نماز فجر 101 مرتبہ اول و آخر 3.3.3 مرتبہ درود شریف۔ (جس نے رو پلے دیے ہیں وہ پڑھے) مقصد بھی ذہن میں ہو درود دعا بھی کریں۔



<http://facebook.com/elajbilquran>  
[www.elajbilquran.com](http://www.elajbilquran.com)

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ہمارے کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔  
[rohanimasail@gmail.com](mailto:rohanimasail@gmail.com)

فجر اور مغرب کی نماز کے بعد سورۃ فلق اور سورۃ الناس 11.11 مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ رشتہ میں رکاوٹیں نہ آئیں۔ سسرال والوں کے دل میں جگہ بنانے کے لیے ایسا عزیز 101 مرتبہ فجر کی نماز کے بعد اول یا آخر 3.3.3 مرتبہ درود شریف دعا بھی کریں۔

علفشہ رحمت علی ..... گوجرانوالہ

جواب:- مسئلہ نمبر 1:- بھائی کی طرف سے جو پریشانی تھی اگر ختم ہوگئی ہے تو ٹھیک ہونے تک جاری رکھیں۔

مسئلہ نمبر 2:- اللہ کو صبح تہا رمتا اور شام سورۃ طحہ کی شروع کی 5 آیات 21 مرتبہ پانی پر دم کر کے پلائیں۔ اول و آخر 11.11 مرتبہ درود شریف۔

گھر کی خیر و برکت کے لیے سورۃ قریش ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ پڑھیں۔

مکزیہ بی بی ..... ضلع جہلم

جواب:- بعد نماز فجر سورۃ شمس سورۃ فلق سورۃ الناس 21.21 مرتبہ اول یا آخر 11.11 مرتبہ درود شریف۔

پڑھتے وقت مقصد ذہن میں ہو۔ بعد میں تصور میں لا کر پھونک ماریں۔ ایک گلاس پانی پر دم کر کے ابھوکو پلائیں۔

معاشی حالات کے لیے سورۃ قریش 111 مرتبہ اول یا آخر 11.11 مرتبہ درود شریف بعد نماز عشاء سب افراد بھی پڑھ سکتے ہیں۔ دعا بھی کریں۔

علفشہ ..... سلاخوالی

جواب:- سورۃ قریش بعد نماز عشاء 111 مرتبہ اول یا آخر 11.11 مرتبہ درود شریف۔ پڑھتے وقت مقصد ذہن میں ہو۔ بعد میں ایک گلاس پانی پر دم کر کے گھر کے تمام

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے اپریل ۲۰۱۵ء

گھر کا مکمل پتا

والدہ کا نام

نام

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں

آنجل \* مارچ \* ۲۰۱۵ء 278



## میں نے

مہمونہ رومان

ام حسنہ..... کوٹ مومن

یہ تیرے غلام کی عید ہے ابھی اور حسرت دید ہے  
مجھے چوم لینے دو جاہاں ابھی دل میرا تو بھرا نہیں

فیضہ جٹ..... سرگودھا

جو شخص نور دیدہ حیدر کے ساتھ ہے  
روزِ جزا وہ شافع محشر کے ساتھ ہے  
پلاسے نہ رہیں گے ہم قیامت میں دیکھنا  
اپنا بھی ربا ساقی کوڑ کے ساتھ ہے

جازیہ ضیانت عباسی..... دیول مری

اس کو غرور حسن تھا تو میں انا پرست  
وہ جا رہا تھا مجھ سے پکارا نہیں گیا  
شبنم مغل..... حیدرآباد سندھ

ہمیشہ ہی نہیں رہتے چہرے نقابوں میں  
کبھی کردار کھلتے ہیں کہانی ختم ہونے پر

آنسہ شبیر..... ڈوگر گجرات

انعام کی پروا ہوتی تو ہم عشق کرنا چھوڑ دیتے  
عشق ضد کرتا ہے اور ضد کے ہم بے تاج بادشاہ ہیں

سعدیہ اخلاق..... جھنگ

نظر سے دور رہ کر بھی کسی کی سوچ میں ہونم  
کسی کے پاس رہنے کا طریقہ ہو تو تم جیسا

منشا یوسف..... 157 این بی

مت پوچھ ہم سے ہماری بزدلی کا عالم اے ابلیس  
غافل ہیں مگر شوکر جب بھی لگے عجبہ خدا کو ہی کرتے ہیں

کوثر خالد..... جڑانوالہ

ہماری بھی سننے بڑی مزے کی ہے  
زندگی سے یوں کھیلے جیسے دوسرے کی ہے

شازیرہ ہاشم..... کھڈیاں قصور

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آسکتا نہیں  
محو حیرت ہوں دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

قائزہ بھٹی..... چوکی

سوال یہ نہیں کہ وہ گیا کدھر

سوال یہ ہے کہ وہ گیا کیسے  
حسن گیلانی، ابن صدیقی..... آزاد کشمیر

کبھی یوں ہوا تیرے پیار میں میری نمازیں قضا ہوئیں  
کبھی یوں ہوا تیری یاد نے مجھے رب سے ملا دیا

فرحان علی..... تلہ گنگ

دل میں کتنے زخم ہیں کسی کو کیا پتا  
یہ لوربات ہے ہم مسکرا کر جیتے ہیں دلانے دالوں کے سامنے

عائشہ مدیقہ..... چکوال

اگر کسی کو یاد کرنے کی قیمت ہو ایک پیسہ  
تو سنو تم اربوں کے مقرض ہو میرے

شیخ فیاض..... بہتی بزدل

اداسیاں ہیں مگر وجہ غم نہیں معلوم  
دل پہ بوجھ سا ہے شاید تنہا ہو گئی ہوں میں

ارم کمال..... گھل آباد

جو چل سکو تو کوئی ایسی چال چل جانا  
مجھے گماں بھی نہ ہو اور تم بدل جانا

حرار مضرن..... اختر آباد

میرا اس شہر عداوت میں بسیرا ہے  
جہاں لوگ مسجدوں میں بھی دوسروں کا برا سوچتے ہیں

شگفتہ خان..... محلوال

جن کی آنکھوں میں اشک دیتے ہو  
ان میں نیندیں پھر نہیں بستیں

سونا شادہ بٹیشی..... کبیر والا

حسن توقع میرے پیار نے  
حسب ضرورت جاہاں مجھے

سیدہ جیاعر س..... تلہ گنگ

تم میری آنکھوں کے تیرے بھلا پاؤں گے  
ان کئی باتوں کو بھو گے تو یاد آؤں گا

ہم نے خوشیوں کی طرح دکھ بھی اکٹھے دیکھے ہیں  
صفی زینت کو پلاؤ گے تو یاد آؤں گا

علازہ یونس چنڈہر..... جلاپور پشپاں

ذرا سا بات کر۔۔۔ کا سلیقہ سیکھ لو تم بھی  
ادھر تم بات کرنے، واہر دل ٹوٹ جاتا ہے

علیہ سے اشد..... جلاپور

ہارا تذکرہ چھوڑ ہم ایسے لوگ ہیں جن کو



جب کہا تم نے میری زندگی ہو تم

نبیلہ ملک..... پونالہ

محبت میں نہیں ہے شرط۔ لئے اور چھڑنے کی  
یہ ان بے غرض لفظوں سے بہت آگے کی دنیا ہے  
عائشہ نورعاشا..... شاد و آل، کجرات

ورق ورق میری نظروں میں کائنات کا ہے  
کہ دست غیب سے لکھی ہوئی کتاب ہوں میں  
گل بان..... بان

دیکھ کی مانند کھا گیا مجھ کو رفاقت کا یہ غم  
وگر نہ بہت تائب تھے گزریے دنوں میں ہم  
فریدہ جاوید فری..... لاہور

میرا پیار امر ہے پیار سے  
تیری چاہ کی مٹنی مٹنی  
ترے حسن کا سوتا جھوٹا  
میرے عشق کی مٹی مٹی

آئی ایس راجپوت..... کجرات

جسم کی دراڑوں سے روح نظر آنے لگی راج  
بہت اندر تک توڑ گیا مجھے عشق اس کا  
عائشہ نور..... راولپنڈی

عزیزان محبت ہے بس اتنا ہی لکھ پائے  
بہت گزور رشتے تھے بہت مضبوط لوگوں کے  
عابد محمود..... ملکہ ہائس

انکوں میں بہ گیا۔ ہر ایک خواب آرزو  
چہرے پر حسرتوں کا بول رہے ہیں ہم  
نیلمہ شرافت..... جتوکی

محبت مل نہیں سکتی مجھے معلوم ہے لیکن  
مگر خاموش رہتا ہوں محبت کر جو بیٹھا ہوں  
نورین لطیف..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

اے کاش یہاں برس جائے نور کی بارش  
ایمان کے شیشوں پر بڑی سرد پڑی ہے



biazdill@aancha.com.pk

مچھتیں کچھ نہیں کہتیں وقائیں مار دیتی ہیں  
فصیحا صف خان..... ملتان

رات ڈھلتی رہی پاند جلتا رہا  
چراغ دل شب بھر یاز میں سلگتا رہا  
سامعہ ملک پرویز..... بھیرہ خانپور

پھر سے جھگنے لگی تیری قربت کی خواہش  
دھند میں لپٹی سرد شاموں میں  
رافیہ کنول..... دائرہ دین پناہ

روز ڈوبتا ہوا سورج یہ درس دیتا ہے اقبال  
مغرب کی طرف جاؤ گے تو ڈوب جاؤ گے  
ماریہ سحر..... پورے والا، حبیب کالونی

ہم نے پوچھا کہ بھول تو نہ جاؤ گے  
وہ مسکرا کر بولے سوچ کر بتائیں گے  
فاطمہ خالق قاتی..... فیصل آباد

یوں تو شاعری سے میرا کوئی واسطہ ہی نہ تھا  
لفظوں میں مگر تیرا ذکر مجھے اچھا لگا  
مشاعلی مسکان..... میانوالی

اس کو کھونے کا بہت دکھ ہے مگر  
ہم اسے پانے کے اسباب کہاں سے لاتے  
ہما ایوب..... عارف والا

منا ہوں ٹوٹ کر تو چھڑتا ہوں شان سے  
میں خوش مزاج شخص بہت دل سے منا ہوں  
طیبہ سعید عطاریہ..... کھیمال، سیالکوٹ

اگر تو اتفاقاً مل بھی جائے  
تیری فرقت کے صدمے کم نہ ہوں گے  
جمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین

وقفا پرست نہیں جو وقفا شعار نہیں  
وہ شخص کیا جسے انسانیت سے پیار نہیں  
فریب کھائے ہیں دہر میں اس قدر میں نے  
تیرا تو کیا مجھے اپنا بھی اعتبار نہیں

مدیحہ نورین مہک..... برنالہ

برہادیوں کا جائزہ لینے کے واسطے  
وہ پوچھتے ہیں حال میرا بھی بھی  
ایس آر مسکان..... جام پور

باتوں میں تمہاری سٹ گئی حیات میری



# دش مکالمہ

طلعت آغاز

رِس ملائی

اجزاء:

دودھ

خشک دودھ  
بیکنگ پاؤڈر

اشا

چینی

گھی

الابچی

بادام، پستے

ترکیب:

ایک کلو

ایک کپ

آدھا چمچ

ایک عدد

ایک کپ

ایک چمچ

پانچ عدد، دانے نکال دیں

حسب ضرورت

دودھ میں چینی، الابچی اور بادام پستے ڈال کر بال  
لیں۔ خشک دودھ میں بیکنگ پاؤڈر اٹھا اور گھی ملا کر گوند  
لیں۔ ہاتھ چکنے کر کے چھوٹی چھوٹی تکیہ بنالیں۔ دودھ  
میں جوش آ جائے تو درمیانی آئینے کر کے ساری تکیاں ڈال  
دیں چمچ مسلسل چلاتی رہیں تھوڑی دیر بعد یہ پھول جائیں  
اور دودھ گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کریں اور پیش  
کیجیے مزید رِس ملائی تیار ہے۔

پنجم، پنجم، پنجم..... کورنگی کراچی

میت بال کری

اجزاء:

چکن یا بیف

کئی ہوئی پیاز

لال مرچ

نمک

ڈبل روٹی کا سلائس

دھنیا پسا ہوا

ہری مرچ

گرہوی کے لے

۲۵۰ گرام

ایک عدد

آدھا چمچ

ایک ٹی اسپون

ایک عدد

ایک ٹی اسپون

عدد

ٹماٹر ہار یک کٹے ہوئے

نمک لال مرچ

باریک کٹی پیاز

پساحضیا

ہلدی

تیل

ہر ادھنیا

ترکیب:-

تمام چیزوں کو چوبیس میں ڈال کر اچھی طرح کس  
کر لیں۔ چھوٹے چھوٹے کوفتے بنا کر فرائی کر لیں۔

گرہوی

تیل گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال دیں۔ ہلکی  
فرائی ہو تو بانی چیزیں ڈال دیں تھوڑا پانی ڈال کر مسالا  
خوب بھون لیں۔ جب مسالا اچھی طرح بھن جائے  
تو اس میں کوفتے ڈال روم پر رکھ دیں۔ ہر سے دھنیے  
سے گارنش کریں۔

عزیز قاسم..... کراچی

کس کھانا قیمرہ

اجزاء:-

گائے کا قیمرہ

چکن کا قیمرہ

نمک

اورک لہسن پسا ہوا

پیاز

لال مرچ پس پیس ہوئی

املی کا گود

لیموں کا رس

ہری مرچیں

ہر ادھنیا

کونگ تیل

ترکیب:-

پیاز کو ہار یک آٹلیٹ کی طرح چوب کر لیں، دونوں قسم

عدد

حسب ذائقہ

ایک عدد

۲ ٹی اسپون

ایک چمچ

۲، ۲ ٹیبل اسپون

حسب ضرورت

۲۰۰ گرام

۲۰۰ گرام

حسب ذائقہ

ایک کھانے کا چمچ

دودھ

ایک کھانے کا چمچ

تین کھانے کے چمچ

دو کھانے کے چمچ

تین سے چار عدد

آدھی گھی

آدھی پیالی



کر لیں۔ اب اس میں کٹا لہسن، ٹماٹر، سونف، رائی، کلونجی، زیرہ، اجوائن، کٹی لال مرچ، ہلدی اور نمک شامل کر کے فرائی کریں۔ اُتارنے سے پہلے شملہ مرچ اور ہری پیاز ڈال کر کس کر کے سرو کریں۔

ادرجمان..... جھنڈو سندھ  
تھائی تھلا ہوا آدشت

اجزاء:-

آدھا کلو	انڈر کٹ
۲ عدد	پیاز (باریک کٹی ہوئی)
۲ عدد	شملہ مرچ (باریک کٹی ہوئی)
۶ عدد	تازہ لال مرچ (باریک کٹی ہوئی)
ایک کھانے کا چمچ	لہسن (چوب کیا ہوا)
ایک کھانے کا چمچ	کالا سرکہ
۲ کھانے کے چمچ	تھائی سوٹ چلی ساس
۲ کھانے کے چمچ	دوسر ساس
۲ کھانے کے چمچ	نمک
۵ کھانے کے چمچ	تیل
سجانے کے لئے	تسی کے پتے اور ٹماٹر

ترکیب:-

انڈر کٹ کی لسیا بیاں آٹ لیں۔ اس میں لہسن، سرکہ، ایک کھانے کا چمچ تیل، نمک ملا کر گھسنے کے لیے رکھ دیں۔ فرائنگ چین میں باہا تیل گرم کر کے گوشت تل میں۔ اس میں پیاز اور شملہ مرچیں شامل کر کے چند منٹ بکنے دیں۔ پھر لال مرچیں، دوسر ساس اور تھائی سوٹ چلی ساس ملا کر ایک منٹ پڑائیں اور چولہا بند کر دیں۔ مزید ارڈش کو تسی کے پتوں اور ٹماٹر سے سجائیں۔

عائشہ سلیم..... کراچی

کشمیرنا تنجن

اجزاء:-

آدھا کلو	چاول
آدھا کلو	بکرے کا گوشت
دو عدد	پیاز

کے قے کو دو کر عیحدہ پھنتی میں خشک کرنے رکھ دیں۔ پین میں کوئنگ آئل کو درمیانی آئج پر گرم کریں اور اس میں پیاز کو بٹکا سا نرم ہونے تک فرائی کریں۔ اور ک لہسن اور گائے کا قیمر ڈال کر درمیانی آئج پر پکنے رکھ دیں جب قے کا اپنا پانی خشک ہونے پرا جائے تو اس میں نمک اور لال مرچ ڈال کر بھونیں۔ چکن کا قیمر ڈال کر ڈھک دیں اور ہلکی آئج پر پانچ سے سات منٹ پکائیں۔ پھر املی کا گودا، ہری مرچی، ہرا دھنیا اور بیوں کا رس ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ پانچ سے سات منٹ بعد اچھی طرح ملا کر چولہے سے اُتار لیں۔ ڈش میں نکال کر پراٹھے یا پوریوں کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

ہالہ سلیم..... کراچی

اچاری بیف چل

اجزاء:-

آدھا چائے کا چمچ	زیرہ
چوتھائی چائے کا چمچ	اجوائن
ایک کھانے کا چمچ	کٹی لال مرچ
چوتھائی چائے کا چمچ	ہلدی
حسب ذوق	نمک
۲ عدد	شملہ مرچ
۲ عدد	ہری پیاز
آدھا کلو	بیف یونی
ایک کھانے کا چمچ	اور ک لہسن پیسٹ
آدھا کب	تیل
ایک کھانے کا چمچ	کٹا لہسن
۲ عدد	ٹماٹر
ایک چائے کا چمچ	سونف
آدھا چائے کا چمچ	رائی
چوتھائی چائے کا چمچ	کلونجی

ترکیب:-

بیف یونی اور اور ک لہسن کے پیسٹ کو اتنا اُبال لیں کہ وہ گل جائیں۔ اس کے بعد گرم تیل میں فرائی



ایک کپ	فرنج بین	ایک عدد	پورا ہسن
ایک کپ	کئی گاجر	دو کھانے کے کچھ	سونف
آدھا کپ	کئی نمائز	دو کھانے کے کچھ	ثابت دھنیا
آدھا کپ	مٹر	ایک عدد	تیز پات
آدھا کپ	کئی شملہ مرچ	دو کھانے کے کچھ	چینی
ایک کھانے کا کچھ	گرم مسالا	دو کھانے کے کچھ	لیموں کارس
ایک کھانے کا کچھ	زیرہ	ایک کھانے کا کچھ	ثابت گرم مسالا
ایک کھانے کا کچھ	ادرک ہسن پیسٹ	حسب ذائقہ	نمک
ایک کھانے کا کچھ	ہری مرچ	چوتھائی پیالی	مکھن
ایک کھانے کا کچھ	پسا گرم مسالا	چوتھائی چائے کا کچھ	کھانے کا رنگ
گارش کیسے	نمائز	سجاوٹ کے لئے	خشک میوہ اور مرہ
حسب ضرورت	پانی	چند تیکے	زعفران
حسب ذوق	کئی اورک	سجاوٹ کے لئے	ہرا دھنیا اور کئی پیاز
حسب ذوق	نمک		

ترکیب :-

ایک پین میں گوشت اور ایک ٹمبل کے کپڑے میں سونف، ثابت دھنیا، ایک پیاز اور ہسن کی پوٹی بنا کر ایک جبک پانی کا ڈال کر درمیانی آنچ پر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت نرم ہو جائے اور بخنی تیار ہو جائے۔ دوسرے پین میں مکھن گرم کریں اور دوسرا پیاز سنہرا کر لیں اور نرم گوشت ملا کر بھونیں۔ لیموں کارس، بخنی اور چاول ڈال دیں۔ جب پانی خشک ہو جائے اور چاول تیار ہو جائیں تو زعفران اور کھانے کا رنگ چمک دیں، خشک میوہ اور مرہ ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ آخر میں ہرا دھنیا اور کئی پیاز سے سجا کر پیش کریں۔

جویریہ ضیاء..... کراچی

عربین راس

ام ایمان..... کوہاٹ

سونی پلاؤ

اجزاء :-

آدھا کلو  
دو عدد  
ایک پکٹ  
ایک چائے کا کچھ  
ایک کھانے کا کچھ

چاول  
شملہ مرچ  
چکن پیس  
نمک  
چکن پاؤڈر

آدھا کلو  
آدھا پاؤ  
ایک عدد  
ایک کپ  
ایک کپ

اجزاء :-

چاول  
کامٹی  
پیاز بڑی  
تیل  
سوٹ کارن



نمک اور کالی مرچ پاؤڈر کس کر کے مکھن سے برش کر کے  
گرل کریں۔ گرم گرم کہ ب اور دہی ٹیبلو کچپ یا سوس  
کے ساتھ سرو کریں۔

سحر خالد..... بھکر

میرٹا لوف

اجزاء:-	قیمہ
آدھا کلو	کتنا ہوا پیاز
آدھا کپ	گارلک پیسٹ
ایک ٹیبل اسپون	ٹماٹر کا پیسٹ
۳،۲ ٹیبل اسپون	گرم مسالا پاؤڈر
ایک ٹی اسپون	پسا ہوا زیرہ
ڈیزھنی اسپون	پیٹ
آدھا کپ	انڈے
۳ عدد	لیمن
جوس ۲ ٹیبل اسپون	پارسلے یا ہرا دھنیا
۲ ٹیبل اسپون	کالی مرچ
آدھا لی اسپون	مکھن
۴ ٹیبل اسپون	نمک
حسب ضرورت	

ترکیب:-

قیمہ کتنا ہوا، پیاز، گارلک پیسٹ، پیٹ پسا ہوا،  
زیرہ، گرم مسالا پاؤڈر، ٹماٹر کا پیسٹ، پارسلے، انڈے،  
لیمن جوس، نمک اور کالی مرچ چوڑے میں ڈال کر کس کر لیں  
اور ساتھ ہی مکھن بھی ملا لیں۔ ایک لوف ٹن میں یہ مرکب  
ڈال کر پچیس منٹ تک ۲۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر بیگ  
کر لیں۔ ٹھنڈا کر کے۔ ملائس کاٹیں اور گارلک بریڈ کے  
ساتھ مزے کریں۔

کور طفیل..... حیدر آباد



سفیہ مرچ  
سرکہ  
پیلارنگ  
کشمش

ترکیب:-

چاول اہال لیں اب ایک پین میں چار کھانے کے چج  
آئل لیں اور اس میں شملہ مرچ اہلی ہونی چکن پس نمک  
اور پکن پاؤڈر سفید مرچ سرکہ کشمش ڈال کر فرائی کریں  
اور پھر ایلے ہوتے چاول ڈال کر کس کریں اور پیلارنگ  
ڈال کر پانچ منٹ دہیں۔

سحرش قاطرہ..... حافظ آباد

قیمہ پسی

اجزاء:-	شمن قیمہ
آدھا کلو	شملہ مرچ ایک عدد
باریک چوڑ کر لیں	انڈا ایک عدد
پھینٹ میں	کالی مرچ پاؤڈر
ایک چائے کا چج	سرخ مرچ
ایک چائے کا چج	کارن آئل
۳ کھانے کے چج	نمک
آدھا چائے کا چج	اور پکانو
آدھا چائے کا چج	تھام
آدھا چائے کا چج	مکھن
۲ کھانے کے چج	وڈن اسکورڈ
حسب ضرورت (پانی میں بھلجے)	آلو
دیں) (گرلند دہی ٹیبلو)	شملہ مرچ
ایک عدد	گاجر
ایک عدد	
ایک عدد	
حسب ضرورت	نمک، کالی مرچ پاؤڈر

ترکیب:-

قیمے میں تمام اجزاء کس کر کے تھوڑی دیر کے لیے رکھ  
دیں۔ پھر اسکورڈر چلا کر گرل کر لیں۔ دہی ٹیبلو میں



اسٹائل میں مزید خوب صورتی کا باعث ثابت ہوں گے۔

### بیوٹی ٹیپس

نوجوان لڑکیوں کے چہرے پر کیل مہاسے اور دانے ٹھکانا عام سی بات ہے لیکن جلد کا داغ دھبوں اور نشانات سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی صفائی کا خاص خیال رکھا جائے اور دانوں کو پھیڑنے کی کوشش نہ کی جائے پھل کو پھوڑنے کے بجائے انہیں از خود ٹھیک ہونے کا وقت دیں اور مندرجہ ذیل طریقے اپنائیں۔

زیادہ سے زیادہ پانی پئیں۔

دن میں کئی مرتبہ منہ دھوئیں۔

چہرے کی اضافی چکنائی سے نجات حاصل کرنے

کے لیے اسٹریجمنٹ استعمال کریں۔

ہلکی سبزیاں اور پھل کھائیں۔

مرغن غذاؤں سے دور رہیں۔

میک اپ استعمال نہ کریں۔

روزانہ باقاعدگی سے شاور لیں۔

اپنے ناخنوں کو تراش کر رکھیں تاکہ ان میں چھپے

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

**سائل کے ساتھ لائین سائل میں جنت**

فیشن میں آئے دن نئے نئے انداز متعارف ہوتے

ہی رہتے ہیں لیکن ان میں چند ایک چیزیں ایسی بھی ہیں

جن کی مقبولیت پر فیشن کے بدلنے رجحانات کوئی اثر نہیں

ڈالتے جیسے کہ مردیوں کے موسم میں شال خود بخود فیشن

ٹریڈ کا حصہ بن جاتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب

ہوگا کہ اگر اس موسم میں ملبوسات کے ساتھ ان کا اضافہ نہ

کیا جائے تو کچھ کمی سی محسوس ہوتی ہے۔

شالیں دیدہ زیب رنگوں اور ڈیزائن کے ساتھ موسم

سرمایہ سکون کا احساس بخشنا ہیں اور سردی کی شدت

سے بچانے کے لیے معاون ثابت ہوتی ہیں۔ نیز بلکی

ہونے کی وجہ سے انہیں اوڑھنے میں بھی آسانی رہتی

ہے۔ شمینا، کشمیری، سلک، اریلیم ایڈی شدہ شالیں

خواتین میں بے حد مقبول ہیں۔ خواتین عموماً شلوار قمیص

## بیوٹی ٹیپس

روبین احمد

### سرحیوں کی رت اور ملبوسات کا

#### اسٹائل

فیشن کا دوسرا نام اگر تبدیلی رکھ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ فیشن ہی کیا جو بدلتی رتوں کے ساتھ تبدیلی سے ہمکنار نہ ہو ہر رت کے اپنے ذائقے اور ہر موسم کے اپنے تقاضے ہیں جو ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ضرور ہوتے ہیں اور اسی اختلاف میں دراصل فیشن کا حسن پوشیدہ ہے۔ بدلتے موسم کے ساتھ ملبوسات کا فیشن بھی یعنی طرز پر تبدیل ہوتا ہے لہذا سردیوں کی نوید ملتے ہی ملبوسات کا اسٹائل بدلنے لگتا ہے۔ لان کے ہلکے پھلکے لباس کی جگہ قدرے دبیز کاشن، لینن اور اون کے ملبوسات کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ تاہم کراچی جیسے شہر میں جہاں سردیوں میں بھی موسم بہت زیادہ سرد نہیں ہوتا بلکہ معتدل اور مرطوب ہی رہتا ہے زیادہ گرم کپڑے تیار کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لیے آپ جارح اور شیفون بھی پہن سکتی ہیں اور موسم سرما میں سوئٹرز یا بھاری بھاری کپڑے لادنے کے بجائے با آسانی اپنی مرضی کا ہر فیشن اپنا سکتی ہیں اگر کبھی اچانک موسم کے تیز بدلنے دکھائی دیں تو اس کے لیے بھی ترکیبیں موجود ہیں ایسے مواقع پر اپنے عام سے ڈریس کے ساتھ کوئی جیکٹ وغیرہ پہن لیں اور اگر باہر جانا مقصود ہو تو سر پر کوئی اچھا سا اسکارف لپیٹ لیں فیشن کا فیشن اور سردی سے بچت بھی۔

لڑکیاں خاص طور پر اس موسم میں اپنی کسی بھی پسندیدہ شرٹ کے ساتھ ڈینیم کے جیکٹ اور پینٹ پہننے کو ترجیح دیتی ہیں کیونکہ یہ اسٹائل آج کل خاصا ان ہے اور لڑکیوں پر بجا بھی خوب ہے۔ فیشن کے مطابق ہونے کے باوجود یہ آؤٹ لک سادہ اور پر وقار ہے۔ نفاست سے بنائے گئے بال اور خوب صورت سینڈلز آپ کے



ساری تک و دو صرف چہرے کو پرکشش بنانے پر کرتے ہیں لیکن عمومی صحت مجموعی جلد اور دیگر اسباب کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں جس کے سبب حسین نظر آنے کے لیے بڑے پارڑ بیلنے کے باوجود مطلوبہ نتائج نہیں ملتے۔ اس لیے اگر آپ میرا آ زمانوں کوں سے تنگ آ چکی ہیں اور سدا بہار خوب صورتی کی متمنی ہیں تو یہ بات سمجھ لیں کہ ہمارے ظاہری حسن کا انحصار جلد کی شادابی پر ہے جلد انسانی جسم پر ایسی قدرتی حفاظتی پرت ہے جو اپنے اندر موسمی تبدیلیوں اور اثرات کو جذب کر لیتی ہے۔ بلاشبہ یہ ہماری صحت کا اظہار ہے۔ چنانچہ اگر ان کی مناسب دیکھ بھال سے غفلت برتی جائے تو مضر اثرات فوری طور پر ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں جو پریشانی کا باعث بنتے ہیں اس لیے ماہرین خوب صورتی کے لیے اس کے صحت مند ہونے پر زیادہ زور دیتے ہیں کیونکہ صحت مند جلد چہرے کے لیے مضبوط ذہن کی طرح کام کرتی ہے۔ عموماً ہماری خواتین اپنی آئینہ گزرنے کے بعد بیس اکیس برس کی عمر میں جلد کے بارے میں احتیاط شروع کرتی ہیں اور اسی کوشش میں لگی رہتی ہیں کہ ان کے سارے مسائل چھٹی بجاتے حل ہو جائیں اور انہیں زیادہ محنت بھی نہ کرنی پڑے۔ ان تمام الجھنوں سے بچنے کا واحد اور آسان راستہ یہ ہے کہ جلد کی حفاظت کم عمر میں شروع کریں۔ کیونکہ یہ بلڈ کی نگہداشت کا بہترین عرصہ ہوتا ہے۔ ہم عمر کے اس دور کا بھرپور فائدہ نہیں اٹھاتے اور بعد میں پچھتاتے ہیں، اگر جلد کی حفاظت اور اس میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر کم عمر میں ہی توجہ دے دی جائے تو خوب صورتی تا عمر برقرار رہتی ہے لیکن وہ تمام خواتین جو عمر کے اس دور سے نکل چکی ہیں پریشان نہ ہوں کیونکہ وہ اپنے معمولات میں ہلکی تبدیلیوں کے ذریعے جلد کو شاداب بنا لیتی ہیں۔

فائزہ اسلم..... رحیم یار خان



کے ساتھ کنٹراسٹ میں شامل اور ہنا زیادہ پسند کرتی ہیں جبکہ لڑکیاں جینز اور کرتی کے ساتھ شامل کا اضافہ کر کے اپنے اسٹائل میں جدت کے ساتھ چارچاند لگاتی ہیں۔ موسم کی مناسبت سے سردیوں میں ملبوسات کے گہرے رنگ خاصے "ان" ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ ہلکے رنگوں کی شائیں لباس کی شان بڑھا دیتی ہیں بالکل اسی طرح گہرے رنگ جیسے کالے رنگ کے لباس کے ساتھ نہ صرف خوب صورت ڈیزائن اور شوخ رنگوں کی شامل اچھی لگتی ہے۔ بلکہ لباس میں انفرادیت بھی پیدا کر دیتی ہے۔ لباس کی خوب صورتی میں اضافے کا باعث بننے والی ان شالوں میں ان کی تین ان کی کواٹھی کے مطابق رکھی جاتی ہیں اس لیے اپنے بجٹ یا ریج میں رہتے ہوئے ان کی خریداری کی جاسکتی ہے تاہم اگر ایک ہی بار مناسب قیمت میں اچھی کواٹھی کی شال خرید لی جائے تو بار بار خریدنے کے جنجوت سے بچا جاسکتا ہے چونکہ سردیاں سال میں ایک ہی بار آتی ہیں لہذا اچھی کواٹھی کے سبب خراب نہ ہونے کی صورت میں یہ کئی سیزن تک ساتھ بھائی ہیں اوڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی حفاظت بھی ضروری ہوتی ہے تاکہ ان کی خوب صورتی اور ملائمت برقرار رہے شائیں دھونے وقت سرف کا استعمال کریں اور ہلکے ہاتھوں سے دھوئیں موسم سرما کے بعد محفوظ رکھنے کے لیے ہمیشہ پلاسٹک کی گھلی کا استعمال کریں اس طرح ان کے رنگ خراب نہیں ہوں گے اور آپ اطمینان کے ساتھ انہیں مختلف پہناؤں کے ساتھ اوڑھ سکیں گی۔

### سدا بہار خوب صورتی

چمکتی دکتی جلد ہر خاتون کا خواب ہوتی ہے بالخصوص لڑکیاں ہنسی مسکراتی خوب صورت ماڈلز اور ایکسٹریس کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہیں اور ان جیسا نظر آنے کی دھن میں ہر ٹونکا اور حربہ آزمائشی ہیں لیکن نتیجہ صفر رہتا ہے یا شاد و نادر کامیابی ملتی بھی ہے تو وہ دیر پا ثابت نہیں ہوتی۔ دراصل اگر ان ناکامیوں کی وجوہات جاننے کی کوشش کی جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ہم



## میرنگے خیال

ایمن وقار

حمد باری تعالیٰ

دلکش دلکش منظر سارے  
اس کی قدرت کے ہیں نظارے  
دریا سمندر پہاڑ بنائے  
طرح طرح کے پھول کھلائے  
صحرا اس کے جنگل اس کے  
دور آفاق پر بادل اس کے  
چاند اور سورج اس نے بنائے  
تارے فلک پر خوب سجائے  
گرمی ہو یا خوب ہو جاڑا  
ہر موسم ہے اس کا پیارا  
اس نے سب کچھ پیدا کیا ہے  
وہ ہی تیرا میرا خدا ہے

عمران فائق..... ایک

تمنا

نبی ﷺ کے شہر میں مجھ کو جو قبر مل جائے  
تو میرے دل کا یہ ارمان بھی نکل جائے  
طواف کعبہ خدا نے مجھے نصیب کیا  
مدینے جانے کا ارمان بھی نکل جائے  
بلالہا سر کا ﷺ نے مدینے میں  
کہ میرے چاہنے والوں کا دل بہل جائے  
مدینے جا کے نہ دونوں بھی تمنا ہے  
میرا قیام مدینہ میں دم نکل جائے  
نبی ﷺ کے روئے کا جی بھر کے کر لوں نظارہ  
کہو قضا سے گزری کی گزری کو مل جائے  
میں اپنے چہرے کی زینت اسے بنا لوں گی  
ماہی خاک مدینہ جو مجھ کو مل جائے

ماریہ کنول ماہی..... چک درکان

غزل

پہنچی آزاد اچھے لگتے ہیں  
پھول شاخوں پہ روز کھلتے ہیں  
جو پہاڑوں سے چشمے بہتے ہیں  
پھر ندی سے گلے وہ ملتے ہیں  
پڑ سارے اس میں ہیں لیکن  
بارشوں میں نکھر کے ڈھلتے ہیں  
جب ہواؤں کا ساز بجا ہے  
مور جنگل میں رقص کرتے ہیں  
پھول اور پتوں میں نہیں کوئی فرق  
جب بھی دیکھو وہ ہنستے رہتے ہیں  
دنیا میں زندہ دل رہو ہدم!  
مستقل کب ٹھمانے رہتے ہیں  
رزق ملتا ہے پتروں میں جنہیں  
یہ کرشمے سب رب کے ہوتے ہیں  
جو جدائی سے پھر گیا خانم  
اس کو فطرت کے راز ڈستے ہیں

فریدہ خانم..... لاہور

نظم

ایک مدت سے تعمیر کر رہی ہوں میں  
چاہتوں کے مکاں  
جس میں کڑی سزا میں  
بے اتفاقی  
نظرتوں کی ہر ایک گٹھڑی  
کو دفن کر کے  
میں نے شہب الف سے  
بنیاد رکھی ہے اس مکاں کی  
سو جس کی بنیاد میں ہوش مل  
پڑ غلوں جذبے  
ہزار جانتیں  
بھلا وہ کھیں اس کے اثر سے  
کب تک رہ سکتے ہیں وراس سے



میں بھی اسی یقین کے سہارے  
گزار رہی ہوں یہ لمحے سارے  
کبھی تو پھینک دینا پڑیں گے دل پر  
نفرتوں کے موسم پھینک دینا  
تمہارے قلب تک میری رسائی ہوگی  
تمہاری بے رحم طبیعت کو  
میری محبتوں سے آشنائی ہوگی  
زندہ ہوں میں اسی یقین کے سہارے  
گزار رہی ہوں یہ لمحے سارے

حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین

غزل  
روشنی کی خواہش میں آنکھیں جلا بیٹھی  
میں سارے خواب سہانے بھلا بیٹھی  
خواب رتوں سے بہار کی آس لگا کر  
میں ننھی کلی جیسی بیٹی مرجھا بیٹھی  
میری سادہ دل ماں کو بھلا کیا معلوم؟  
وہ کے اپنی لاڈلی گڑیا دلا بیٹھی؟  
باہل کے گھر سے کوئی سندھیہ نہ ملا  
میں پڑھ لیس آ کر سب کچھ گنوا بیٹھی  
اس شخص سے میرا نبھا ہو نہیں پایا  
جس کے بندھن میں خود کو بندھا بیٹھی  
میری ماں بھی نہ جان پائی وہ دکھ  
جو خود کو میں تنہائی میں سنا بیٹھی

چندا چوہدری..... حویلیاں  
نظم

حصہ میں اس طرح سے چاہوں  
کہ تمام چاہیں تم پر ختم ہواے جان!  
کوئی حسرت وصال کی  
کوئی لمحہ تپشلی کا  
کوئی پھول بھی غم کا  
تیری راہ میں نہ گل پائے.....!

میرا غزل صدیقی... کراچی

غزل  
ہجر کے صحرا میں نیری یاد کے پیچھے  
بہت دور نکل آئی اک خواب کے پیچھے  
شاید کہ ہو افسردہ وہ بھی میرے بنا  
عمر گزار دی میں نے اسی خیال کے پیچھے  
اسے بھول جانا اتنا بھی محال نہیں مگر  
میری دھڑکنیں چلتی ہیں اس کی سانس کے پیچھے  
یہ دل بھی گواہ اس کا جان بھی گواہ اس کی  
کیا ہوں ہے کس کا ہاتھ دل برباد کے پیچھے  
دیکھو یوں بیچ راہ میں ساتھ مت چھوڑو  
اپنا سب ہی کچھ لٹا دیا تیری ذات کے پیچھے  
اب جا کے میرے دل کو حمیرا یہ یقین آیا  
عمر بھر بھگتی رہی ہیں سراب کے پیچھے  
حمیرا قریشی..... لاہور

غزل  
ٹوٹ جائیں نہ اپنے خواب آجا  
ڈھل نہ جائے کہیں شباب آجا  
موسم گل ہے منتظر تیرا  
رو رہے ہیں بھی گلاب آجا  
میں اکیلا ہوں قریہ شب میں  
آ مرے پاس ماہتاب آجا  
دل کے زخموں کا کچھ بھرم رکھ لے  
حسرتوں کے لیے گلاب آجا  
تپشلی بڑھ گئی ہے حد سے اب  
ساقیا آج بے نقاب آجا  
ظلم کر ہم پر یا کہ پیار حکیم  
ہم نے لیٹا نہیں حساب آجا  
حکیم خان حکیم..... ایک

غزل  
نظر کے سامنے نیرے سوا نہیں کوئی  
تو اس قد میں ہے دوسرا نہیں کوئی  
تجانے کتنے اندھیروں نے گھیر رکھا ہے



غم مناؤ یہی مناسب ہے  
گھر کی وحشت ہی کام آئے گی  
دل لگاؤ یہی مناسب ہے  
تیرا راشد اداں رہتا ہے  
لوٹ آؤ یہی مناسب ہے  
راشد ترین..... منظر گڑھ

غزل

زخم جو اعتبار دیتا ہے  
بچنے والوں کو مار دیتا ہے  
آزمائش قدم قدم پر ہمیں  
موسم نو بہر دیتا ہے  
کوئی آتا نہیں ہے ملنے کو  
روز وہ اعتبار دیتا ہے  
زندگی کیا دے راستہ اس کو  
غم سے ہمت جو ہار دیتا ہے  
جان دے کر وطن کا رکھوالا  
قرض سارے اتار دیتا ہے  
کون دیتا ہے زندگی کا شعور  
زخم دل بار بار دیتا ہے  
عشق دیتا ہے دل کو بے تاب  
آنکھ کو انتظار دیتا ہے  
اک تبسم تمہارے ہونٹوں کا  
دل میں خوشیاں اتار دیتا ہے  
دیکھنے رب دو جہاں تیر  
کب نیا روگار دیتا ہے

غیر رضوی..... کراچی

شہر دل کی گلیوں میں  
شہر دل کی گلیوں میں آ رہا ہو کا عالم ہے  
سسکیاں ابھرنی ہیں  
ان دنوں کی یادوں میں  
جب خوشی کے جھولے میں  
اعتبار کا رشتہ..... ایک پیار کا رشتہ

احلا جس سے ہو ایسا دیا نہیں کوئی  
ٹھہرے ہی سوچنا اور شاعری کرنا  
علاوہ اس کے میرا مشغلہ نہیں کوئی  
نجانے آج کل اس کا مزاج کیسا ہے  
ابھی تو اس سے ہوا رابطہ نہیں کوئی  
کسی کے در کی گدائی ہمیں بھی حاصل ہو  
ہمیں وہ مرتبہ حاصل ہوا نہیں کوئی  
قدیر رانا بھلا کس طرح ملے آ کر  
تیری زبان پر حرف دعا نہیں کوئی  
قدیر رانا..... راولپنڈی

غزل

کنارا کرو گے کنارا کریں گے  
محبت کے دکھ کو گوارا کریں گے  
کرو گے محبت محبت ملے گی  
محبت میں درد خارا کریں گے  
اگر بے وفائی کرو گے جو ہم سے  
تیرے غم میں آنکھیں ستارا کریں گے  
کبھی ہم کو ان سے ہوئی تھی محبت  
محبت ان ہی سے دوبارہ کریں گے  
تیرے لوٹ آنے کی خوشی میں ہم بھی  
بہت خود کو ہم سنوارا کریں گے  
تیرا پیار فری میری زندگی ہے  
محبت کو ہم آشکارا کریں گے

فریدہ جاوید فری..... لاہور

غزل

چھوڑ جاؤ یہی مناسب ہے  
پھر نہ آؤ یہی مناسب ہے  
عشق پاگل سے عشق اندھا ہے  
ذوب جاؤ یہی مناسب ہے  
تم سے جاناں یہی توقع تھی  
دل دکھاؤ یہی مناسب ہے  
اس نے تم کو بھی چھوڑ جانا تھا



جانندی راتوں میں  
 بیٹیوں کے گیت کا..... دور کے اک جھرنے سے  
 اس نگر میں شاداں تھا  
 ایک ایک گلی میں گیت  
 اعتبار کا گایا..... اور بہار کا گایا  
 ہر طرف اجالا تھا روشنی تھی خوشبو تھی  
 سات رنگ کی تھی  
 ننھے ننھے پھولوں سے ہمکلام ہوتی تھی  
 ایک قہرا یا پھر  
 اعتبار پھر نوتا  
 جھوٹ کا پرندہ تب  
 شہر کی فصیلوں پر روز آ کر تھا  
 اور ٹل کا قصہ  
 قاتلوں کے لہجوں نے شہر کو سنایا تھا  
 دوستی کا ورشتہ  
 خوشبوؤں میں بستہ تھا  
 ٹوٹ ہی گیا آخر.....  
 ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ ہی گیا آخر  
 شہر دل کی گلیاں پھر  
 راز کھولا کرتی تھیں ہر سوچ چا کرتی تھیں  
 ان دنوں سے روشنی ہے  
 روشنی بھی خوشبو بھی  
 اب تو نملہ بلبل بھی خفا سا لگتا ہے  
 مان ٹوٹ جانے کے  
 دل کو بھی جلانے کے  
 اور دھوکا کھانے کے  
 سیا گھنٹا دھیرے سے بادلوں کا سایہ ہے  
 اس کے بعد ہستی میں موت سا اندھیرا ہے  
 شہر دل کی گلیوں میں موت سا سناٹا ہے  
 بین کرتی یادوں کی  
 سسکیاں ابھرتی ہیں  
 شہر دل کی گلیوں میں

شہر دل کی گلیوں میں.....!  
 عرشہ ہاشمی..... کوئی AK  
 انگبار  
 دل کے اداس نام و دور پر  
 دیے اس کے جلا کے  
 یاد کے صحرا میں  
 اشکوں کی رسم جھم کب رکھا ہے  
 بیٹے دنوں کی راکھ میں  
 جلا کے انگلیاں  
 آنسوؤں کی برسات کب تھی ہے  
 وہ اور بھی شدت سے یا آیا  
 دیکھا جب بھی اسے بھلا کے  
 حد نظر تک ہوا محسوس  
 زیست میں ہر بل تیری گئی ہے  
 اشک روک کر بھی دیکھا  
 ٹھہری ہوئی پلکوں پر نگاہ ہے  
 لاکھ سناٹا جا ہا  
 دل کے ہر گوشے پر اک تصویر جمی ہے  
 اور تصویر پر جا بجا  
 میرے آنسوؤں کی نمی ہے  
 فصیحا آصف خان..... ملتان  
 لقمہ  
 روئے روئے سے  
 یہ سارے دن ہیں  
 لہو ہو وطن سے سارا  
 کیسے روئے کیسے ہے،  
 وہ ماں.....!  
 جس کا نور نظر  
 گولیوں کی بارشوں میں  
 نہا گیا ہے.....  
 صنم ناز..... گوجرانوالہ  
 غزل



محبت کے معاملوں میں  
عجیب تر نہ یہ معاملہ تھا  
اس کے ہونٹوں پر ہنسی تھی  
ادھر لیوں پر سسکیاں تھیں  
وہ ہنستا ہوا جا رہا تھا  
وہ روتے ہوئے تک رہتی تھی  
محبت کو ہار کر وہ  
زندگی بھی گنوا چکی تھی  
ایک لڑکی اس بے وفا پر  
جان اپنی لٹا چکی تھی

عنایت اللہ عنایت..... موحیہ

خاموش رشتہ

اے ہمد!  
تم نے کبھی  
لفظوں کا سحر نہیں  
مجھ پر بھونکا  
قربت کا کوئی جگنو میرے تاج محل میں  
نہیں ٹانکا.....

کبھی دلفریب جلوں کا جال  
میری ذات کے گرد نہیں بنا  
مگر پھر بھی

اے ہمد!  
تمہاری آنکھوں کی روش  
میری آنکھوں میں اپنے ساتھ کے  
دیے جلاتی ہے  
تمہاری متنی خیز مسکان  
میرے دل کے تاروں کو  
چمکے سے چھیٹر جاتی ہے  
کیونکہ.....

اے ہمد!  
یہ خاموش رشتہ بڑا عجیب ہوتا ہے  
بڑا دلفریب ہوتا ہے

روئے مہتاب سے آج کل کو ہٹایا جائے  
جلوہ حسن تو اک بار دکھایا جائے  
کسی نے دیکھا ہے بھلا حسن مجسم ایسا  
ہو اگر کوئی اسے سامنے لایا جائے  
روز پیتا ہوں مگر پیتا ہوں سے خانے میں  
آج کی شام تو نظروں سے پلایا جائے  
ایک مدت سے رہے ہجر کے تارے ہمد  
دل کی اب سچ پر مجھ کو بھی سلایا جائے  
میں کسی اور حوالے سے تجھے پاؤں گا  
مجھ کو ہاتھوں کی لکیروں میں نہ لایا جائے  
میں نے ہوتا ہے مسخاؤں کے ہاتھوں مقبول  
میرے مشکل کو ابھی اور سجایا جائے  
ہو اگر کوئی تو وہ آئے مقابل یارو  
آئینے کو ذرا آئینہ دکھایا جائے  
آخری گیت دقاؤں کا لکھا ہے میں نے  
محفل عشق میں جو دل سے سنایا جائے  
آج ساحل پر عجب رقص بھنور ہوتا ہے  
غم کی لہروں کو بھی گرداب میں لایا جائے  
خالدایاز ساحل.....

لقم

دہمی دہمی  
مدھم مدھمی  
صدا کہیں سے ابھر رہی تھی  
مجھ کو نہ چھوڑ جاؤ  
اک لڑکی بے وفا سے  
فریاد کر رہی تھی  
وہ رو رہی تھی  
وہ ہنس رہا تھا  
وہ چاہتی تھی اس بے وفا کو  
جو چھوڑ کر  
اسے جا رہا تھا  
اک کی چاہت اک کی نفرت



بڑا قریب ہوتا ہے

شع مسکان..... جام پور

غزل

کانتوں سی اس دنیا میں وہ پھولوں جیسی  
جیون بھول بھلیوں میں وہ رستوں جیسی  
اجلی اجلی مہکی مہکی روشن روشن  
میری سوچوں جیسی جذبوں جیسی  
جھلمل جھلمل کرتی اترے دل کے نغمن میں  
رات اندھیروں میں وہ چاند اجالوں جیسی  
جاگتی آنکھوں سے بھی اس کو دیکھتے رہتا  
وہ خوابوں میں آنے والی پرپوں جیسی  
لو برساتی دوپہروں میں اس کی یادیں  
شغندی کروں جیسی بلکہ رنگوں جیسی  
اک چہرے کا لپکا ہے میرے چاروں جانب  
میں ہوں اور یہ دنیا ہے آسوں جیسی  
سلی ریلواز کی..... بھکر

ظالم ڈھایا جا رہا ہے

سراسر ظلم ڈھایا جا رہا ہے  
غریبوں کو ستایا جا رہا ہے  
عداری کا تماشا ہے سیاست  
نیا کرتب دکھایا جا رہا ہے  
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کسی کو  
عجب چکر چلایا جا رہا ہے  
بقا ہر چھوٹے فتنوں کو دبا کر  
بڑا فتنہ اٹھایا جا رہا ہے  
ذرا ہم خواب سے چونکے تھے اے دل  
تھپک کر پھر سلایا جا رہا ہے  
طالب رونی کی ہے بھوکوں کو یارب  
انہیں گانا ستایا جا رہا ہے  
کہاں آئین اسلامی کہاں ہم  
یہ دھوکا ہے جو کھایا جا رہا ہے  
یہ ذلت اور آزادی کی نعمت

ہمیں انو تپا جا رہا ہے  
بصیرت ہے تو پنیم دل سے دیکھو  
مسلمانوں کو منایا جا رہا ہے  
نورین لطیف..... ٹوبہ ٹیک سنگھ  
تلاش

وہ اکثر مجھے جب بھی

کتاب محبت کھنگالنے دیکھتا ہے

تو اکثر سوال کرتا ہے

کہ تم کتاب محبت میں

کون سا راز تلاش کرتی ہو

کون سے سوال کا جواب تلاش کرتی ہو

مگر وہ انجان ہے کہ

مجھے کتاب محبت کا ہر برق از بر ہے

میں تو بس میری کتاب محبت لکھنے والے

مصنف کا نام تلاش کرتی ہوں

کوثر ناز..... حیدرآباد

دعا

یارب تیرے در پر کھڑی حقیر بندی  
ہاتھ اٹھائے حرف دعا ڈھونڈتی ہوں  
سر سے پائیک گناہوں میں گوندھی  
مریض لا روا کے لیے دعا ڈھونڈتی ہوں  
تو مشکل کشا تُو مالک ارض و سماں  
ہر آفت میں تجھ سے ہی پناہ مانتی ہوں  
تیری ذات ہے۔۔۔ مثال تُو صفات میں یکسا  
کی اپنی ذات میں، ہی ہر خطا ڈھونڈتی ہوں  
نہیں ہے نا امید فرزین موسم تزاں سے  
ہے دل میں خدا آنا کو اپنا حبیب مانتی ہوں

سیدہ فرزین حبیب..... کراچی





# دوست کیسے ملے

بہا احمد

نازیہ کنول نازیہ سمیرا شریف طور اور آصفہ کے نام  
السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب؟ نازیہ آیا آپ  
کہاں ہیں پلیز جلدی سے آجائیں اپنا نیا ناول لے  
کر۔ سمیرا شریف طور مجھے آپ کی ہر کہانی بہت بہت  
پسند ہے! آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ ہیلو آصفہ! کیسی  
ہو اے ٹھیک ہی ہوگی اے اتنا حیران کیوں ہوتی  
ہوں میں ہی ہوتی ہماری دوست نورین کیسا لگا؟ اب  
سوئی نہ ہو جانا خوشی میں۔ آپ سب اپنا بہت خیال  
رکھنا اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا! اللہ حافظ۔

نورین خلیل مسین..... مظفر گڑھ

پیاری دوستو کے نام

مدیحہ کنول! کیسی ہو؟ تم بھی غائب ہو سکتی کے  
بعد کہیں بیاہ تو نہیں کر لیا۔ نیرنگ خیال میں تمہاری  
شاعری دیکھی بہت اچھی ہے۔ پڑھ کر مزہ آیا شاہ  
زندگی! ایس بتول شاہ خساء عباس دعا ہاشمی کیسی ہو  
آپ سب؟ حافظہ سمیرا آپ کو میری چیزیں اچھی لگتی  
ہیں (جزاک اللہ) اور اب فیصل آباد کی رہائشی نبیلہ  
مراد کیسا لگ رہا ہے۔ تھوکی سے اتنی دور جانا سنو!  
19 جنوری کو تمہاری شادی کی پہلی سالگرہ تھی بہت  
بہت مبارک ہو اور 25 جنوری کو تمہاری سالگرہ تھی  
بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک تمہیں اپنی  
رحمتوں کے سائے تلے رکھے اور تمہیں اور منزہ کو دنیا و  
آخرت دونوں میں سرخرو کرے آمین۔

فائزہ بھٹی..... تھوکی۔

ماہ رخ (سیال) کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے کیسی ہیں آپ؟ آپ  
نے ہمارے لیے فرینڈ شپ ریکوئسٹ بھیجی ہمیں آپ  
کی ریکوئسٹ قبول ہے۔ ہم نے بہت لیٹ رہ پلائے

کیا اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں! دراصل ہم  
اپنے ایگزام میں بہت بزدلی تھے۔ اس وجہ سے ہم  
آپ کو وقت پر جواب نہیں دے سکے یقیناً آپ  
ہماری ایکسیسز قبول کر لیں گی۔ میں اور ابرش فرینڈز  
ہیں اب آپ بھی ہماری فرینڈز ہیں۔ چلیں! ہم آپ کو  
اپنا تھوڑا سا تعارف کرو دیں! ہم دونوں ایم بی بی  
ایس کی اسٹوڈنٹ ہیں! اس لیے بہت بزدلی رہتی  
ہیں۔ این صدیقی، تمن ٹیلانی بھی ہماری فرینڈز  
ہیں۔ آج کل سے ہمارا تعلق تقریباً تین سال پرانا ہے  
میری منگنی ہو چکی ہے جبکہ ابرش کا نکاح ہوا ہے وہ بھی  
بہت ہی ہینڈسوم لڑکے سے۔ ہم دونوں بہت ہی خوش  
نصیب ہیں! زیت کا فیاضی بھی بہت ہینڈسوم ہے۔  
اب آپ بھی اپنا تعارف روانہ! امید ہے آپ ہمیں  
ہمیشہ یاد رکھیں گی اور ہماری دوستی کا رشتہ سچے دل سے  
نبھائیں گی۔ ہمارے لیے دعا بھی کیجیے گا کہ ہم ایم بی  
بی ایس اچھی طرح مکمل کر لیں! اللہ حافظ۔

ابرش آشیہ زیت مكرم..... ہیاں بالا

تمام طالب علموں کے نام

السلام علیکم! امید واثق ہے کہ آپ سب خیریت  
سے ہوں گے میرے مخاطب پاکستان کے تمام  
طالب علم ہیں۔ میرے بہن بھائیو! آپ سب جانتے  
ہیں کہ ملک کن مشکل حالات سے گزر رہا ہے۔ ایسے  
حالات میں جب ہم اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں  
دہشت گرد ہمیں اپنے مقاصد اور نظریات سے بھٹکانا  
چاہتے ہیں۔ پاکستان میں ہم کے جہاد کو روکنا چاہتے  
ہیں تاکہ ہم اور ہمارا ملک ترقی کی دوز میں آگے نہ  
بڑھ سکیں۔ ہماری ننھی کلیوں کو لوچتے پھر رہے ہیں  
تاکہ مائیں اس خوف سے ہم و فراسٹ کا رستہ چھوڑ  
دیں مگر سلام ہے ان ماؤں پر جو اپنے لخت جگر کی  
قرہانیاں دے کر بھی خوف، کاشکار نہیں ہوئیں۔ علم  
کے اس جہاد میں باطل کو ٹلسٹ دیتے ہوئے ان  
ماؤں نے اگرچہ اپنی گویا خالی کر لیں مگر ان کی



مبارک ہو اللہ تم کو ہزاروں ایسی سالگرہ منانے کی توفیق دے اور اللہ میری عمر بھی تم کو لگا دے۔ میم سمیعہ اور حنا کو سلام ہمیشہ خوش رہیں صد مسکراتی رہیں آمین۔

انراء لیاقت..... حافظ آباد

پیاری دوستوں کے نام

میری پیاری سی دوستوں ثانیہ طہصہ، فروا، عصمت، صبا، سونیا، آنہ، سب کو میرا سلام۔ کیسی ہو دوستو! میرا بہت مبارک ہو تمہیں لب ٹاپ ملا ہے۔ ثانیہ طہصہ اور فروا آپ کی پڑھائی کیسی چارہی ہے۔ ثانیہ تم جو چاہتی تھیں اب تمہاری خواہش پوری ہوئی ہے۔ طہصہ اور فرنا تم معصوم ہو کے بننے کا ڈرامہ کرتی ہو ہا ہا ہا۔ ویسے تم میری بہت اچھی دوستیں ہو اور تمہارا کیا حال ہے کیا کرتی ہو اب۔ کہیں شادی وادی تو نہیں ہو یا تمہاری جو رابطہ بھی نہیں کرتی۔ باجی ثانیہ میں بہت خوش ہوں میں جلد ہی آپ کے گھر آؤں گی۔ میری طرف سے میری ساری کلاس فیلو (جو پہلے تھیں اور اب ہیں) سلام۔ میری دعا ہے کہ آپ جلد سے وابستہ لوگ ہمیشہ خوش اور مسکراتے رہیں اللہ حافظ۔

انراء وکیل..... لیلیانی سرگودھا

آنجل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ سب سے پہلے دعا ہامی اللہ آپ وصبر عطا فرمائے آمین۔ بے درپے صدقات پر دل دکھ سے بھر گیا اتنے قریبی رشتوں کی جدائی انسان کو واقعی توڑ پھوڑ کر رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ خالہ اور نانا جی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے آمین۔ گلینڈ ڈییر! کیسی ہو آپ؟ بہن کی شادی کی بہت مبارک ہو۔ چاند اور ستارہ (عبیدہ انڈیاوی) کیسے ہیں؟ میری طرف سے بہت سا پیار نورین شاہد کیا حال ہے جناب آپ کا؟ کاجل شاہ جی! کیا حال ہے آپ کا؟ بیٹی کیسی ہے

جھولیاں حقیقتاً خالی نہیں ہوئیں بلکہ اللہ کی رحمت ان پر عزم ماؤں پر برابر برس رہی ہے۔ پیارے طالب علموں اگر تم چاہتے ہو کہ ہم یہ جنگ جیت جائیں اور ہمارے بہن بھائیوں کا خون رائیگاں نہ جائے تو پھر ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنے اندر قوت پیدا کرو اور علم کے جہاد کو تیز کرو تاکہ دشمن کو واضح منہ توڑ پیغام حاصل ہو سکے ہم پاکستانی بچے ان کے اوجھے ہتھکنڈوں سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔ اللہ اس ملک و قوم پر اپنا رحم کرے اور ہمیں ان حالات میں ہمت اور تدبیر سے کام لینے کی توفیق دے آمین۔

عزرا یونس..... حافظ آباد

شہدائے پشاور کے نام

16 دسمبر پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دن کہا جاتا ہے 16 دسمبر کو ہی جنگال ہم سے جدا ہوا تھا۔ 16 دسمبر کو ایک بدترین سانحہ پشاور رونما ہوا ایسا بدترین دن جس نے کئی ماؤں کی گودیں اجاڑ دیں۔ ایسا بدترین لمحہ جس نے کھلتے ہوئے پھولوں کو توج لیا پھولوں کے شہر میں پھولوں پر ہی حملہ تاریخ کا ایک ناقابل فہم اور ناقابل برداشت سانحہ ثابت ہوا۔ وہ وقت کوئی بھی شخص نہیں بھول سکتا۔ خلیع فاطمہ عثمان طلحہ اور یمن اور اس جیسے جانے اور کتنے بچوں کے نام کون فراموش کر سکتا ہے۔ اب ایسے حالات میں جب ایک طرف ضرب و غصب آپریشن چل رہا ہے تو دوسری طرف ملک دشمن وطن عزیز کے مستقبل ٹھکی ٹھکیوں کے نونے کی درپے ہے ان حالات میں ہمارا قومی اور اخلاقی فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے اندر فہم و فراست پیدا کرتے ہوئے فرقہ واریت، نسل پرستی، صوبائیت اور تعصب سے بالاتر ہو کر صرف و صرف ملک و قوم کی بقا کے متعلق سوچیں کیونکہ یہ وقت جوش کا نہیں ہوش کا ہے۔ اللہ ہمارے اس وطن عزیز کو اپنی امان میں رکھے اور ہمیں حق کہنے اور سننے کی توفیق دے آمین۔ آخر میں اپنے بھائی عمر اور عثمان کو بہت بہت سالگرہ

آنجل مارچ ۲۰۱۵ء 2۴۱4



ہے کہ اللہ آپ کو ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے اس کے علاوہ مارچ میں ہمارے پیچھے بھی ہیں پلیز آپ سب دعا کریں کہ ہمارے پیچھے بہت اچھے ہوں آمین۔ اس کے علاوہ گفتگو باجی کنول آپنی اقصیٰ آپنی مومنہ آپنی دبا آپنی صنم آپنی سجدیہ باجی آپ سب کیسے ہیں؟ صنم آپنی آپ تو کالج میں جا کر بالکل بدل گئی ہو اور اقصیٰ آپنی آپ کو گھر سے دورہ کر کیسا لگ رہا ہے یقیناً آپ بہت مس کر رہی ہوں گی۔ کنول آپنی آپ بھی وہاں جا کر تھوڑی تھوڑی بدل گئی ہیں گھر کی یاد نہیں آتی کیا؟ اچھا اب اللہ حافظ۔

حسن گیلانی ابن صدیقی..... آزاد کشمیر  
حمید انگر کے نام

کچھ لوگ دنیا میں بہت کم عمر لکھوا کرتے ہیں۔ آپ کو پتا تو تھا کہ آپ کی بیٹی عظمیٰ آپ کو دیکھ کر جیتی تھی وہ گھر کے کسی کام کو پتا تو نہیں لگاتی تھی مگر آپ کے کپڑے خود پر لیس کرتی تھی جو تے پالش کرتی اور آپ کی ہر چیز کا خیال رکھتی تھی۔ آپ کہتے تھے کہ میری بیٹی عظمیٰ ڈاکٹر بنے گی۔ میں اپنی بیٹیوں کو اتنا پیاروں گا کہ جتنا کسی باپ نے بھی اپنی اولاد کو نہ دیا۔ حبیب عمارہ اور عظمیٰ کی آنکھوں میں خواب سما کر خود ابدی نیند سو گئے۔ آپ کراچی طرح معلوم تھا کہ عظمیٰ کتنی حساس ہے بات بات پر رو دینے والی اس کی ہر خواہش پوری کرنے والے اب وہ کس سے فرمائش کرے گی۔ کس کے لیے دروازے پر کھڑی ہوگی اور کس کے ساتھ کالج آ کرے گی آپ تو اسے اکیڈمی سے لینے آتے تھے۔ آپ کا بیٹا ابو بکر بہت چھوٹا ہے وہ یہ ذمہ داری اٹھائیں سکے گا۔ عظمیٰ پہلے بہت کم کلاس میں بات کرتی تھی اب تو بالکل ٹوٹ گئی ہے آپ کا شہ دیکھتے کہ اچھا تب جب آپ کی موت کی خبر عظمیٰ نے سنی ہوگی تو وہ کیسے تڑپتی ہوگی۔ موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جو ٹل نہیں سکتی۔ تمام بہنوں

آپ کی؟ اللہ زندگی دے اسے آمین۔ میں تو سمجھی تھی آپ ہانگی بجلی لڑکی ہوں گی پر آپ تو اماں ہیں دن اینڈ اوٹلی شاہ زندگی کدھر غائب ہیں اب آتے ہیں سالگرہ کی طرف تو میری موٹو بہن خدیجہ 5 مارچ بہت بہت مبارک ہو اللہ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیابی دے آمین۔ اسٹائلو میجر اپنی برتھ ڈے (10 مارچ) اللہ تمہیں پڑھنے کی توفیق دے آمین ہا ہا ہا۔ جویریہ لیاقت پی برتھ ڈے مسز انیلہ ساجدہ (23 مارچ) مٹی مٹی پی ریجن آف دی ڈے۔ اللہ آپ کو جلدی سے اماں بنا دے آمین۔ شیریں گل کیسی ہیں آپ؟ آپنی جیا عباس شمع مسکان طیبہ نذیر عاتشہ خان عاتشہ پرویز دیا آفرین کو بہت سا سلام خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں اللہ حافظ۔

روبی علی..... سید وال

ڈیئر فرح قاتلہ کے نام

سوٹ فرح! السلام علیکم امید ہے ایمان و صحت کی بہترین حالت میں ہوگی۔ فرح 3 مارچ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو کیسا لگا میراوش کرنے کا انداز۔ میں نے سوچا کچھ نئے انداز سے وش کروں شادی کے بعد بیا آپ کی پہلی سالگرہ ہے۔ شادی کے بعد بھول گئی ہو اور آتی ہو تو لٹنے آجایا کرو۔ اللہ تمہیں بہت خوشیاں دے تم اپنے گھر میں سدا خوش رہو آمین۔ وقاص بھائی اور باقی گھر والے سب ٹھیک ہیں؟ بتانا ضرور کیسا لگا میراوش کرنا اللہ حافظ۔

سعیدہ کنول..... ستیانہ

اپنے پیاروں کے نام

آنجل کے تمام قارئین کو ہماری طرف سے پیار بھرا سلام۔ سب سے پہلے دس مارچ کو میری (حسن گیلانی) اور تیرہ مارچ کو ابن صدیقی کی برتھ ڈے ہے اس کے علاوہ بارہ مارچ کو فائزہ آپنی کی سولہ مارچ کو مریم کی اور 23 مارچ کو امین عثمان کی ہے۔ آپ سب کو آپ کی برتھ ڈے مبارک ہو ہماری دعا



ہے سب بہت خوش و خرم ہوں گی۔ شاہ زندگی اریہ شاہ سہاس گل انا احب، شمع مسکان کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟ جواب مردود دینا میں جواب کی خاطر رہوں گی۔

سبا شہزادی..... ننکانہ صاحب  
جامعہ برکات الحدیثیہ ہشتیہ برنالی کی اسٹوڈنٹس کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے؟ یقیناً ٹھیک ٹھاک ہوں گی آپ سب۔ میری طرف سے امتحان میں ننانوے فیصد کامیابی حاصل کرنے پر مبارکباد اور مجھے خود بھی فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے پر مبارکباد آہم۔ ہماری نیچر زبان شائستہ باجی انعم باجی اقراء اور باجی عاصمہ کو شکریہ اور مبارکباد۔ جن کی انتھک کوششوں سے ہمیں کامیابی حاصل ہوئی۔ باجی شائستہ آپ کو پیاری سی پری کی مبارکباد اور مدیحہ نورین مہک زندگی شاہ اور نازیہ کنول نازی کو میرا سلام ادا کے لئے رب راکھا گڈ بائے اینڈ ٹیک کیئر۔

رہک وفا.....

اپنوں کے نام  
السلام علیکم! اسی ہے آپ سب اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے خیر و عافیت اور خوش و خرم ہوں گے۔ پیاری شہزادی ہادیہ مغل آپ نے 8 دسمبر 2014ء کو مغل گھر آنے میں تشریف لاکر ہمیں پھوپھو بننے کا شرف بخشا، آپ جلدی سے اپنی دادو کے ساتھ حیدرآباد ہمارے پاس آ جائیں ذی آر مس یو۔ 3 مارچ کو ہمارے پیارے بھائی مرزا بابریگ آپ کی برتھ ڈے ہے، ہم سب گھروالوں کی طرف سے آپ کو ڈھیروں مبارکباد۔ اللہ پاک آپ کو دین و دنیا کی ہر نعمت ادا سائش سے نوازے، بس آپ باجی وقت نماز کے پابن ہو جاؤ۔ زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے؟ ذرا یہ سر پر اترا آپ کو کیسا کا ضرور

سے گزارش ہے کہ وہ انکل کے لیے خصوصی دعا کریں اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے خاندان کو صبر کی توفیق دے آمین۔

ایس گوہر..... تاملیا نوالہ

خوب صورت لوگوں کے نام  
السلام علیکم! میری اولی فرینڈز کیا حال ہے دنیا کی سب سے خوب صورت پری دعا باجی آپ کے پیاروں کے چھٹڑ جانے پر بہت افسوس ہوا اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ ڈیئر پری شاہ میں بھی آپ کی فرینڈز ہوں۔ سوٹ ہارٹ جاناں یاد کرنے کا تہہ دل سے شکر یہ۔ مائی پری ڈول ہئی آپ سے سخت ناراض ہے اب بات مت کرنا مجھ سے مائی چلیلی فرینڈز شاہ زندگی شائستہ مغل نورین امیر سکندر نٹ کھٹ فرینڈز فوزیہ سلطانہ انصاری خوب صورت فرینڈز زندگی کی آس سمیرا تعبیر ابرش اینڈ زیست مکرم کیوٹ فرینڈز روکین حیدر زوباش خان نیلیہ نازش اینڈ چندا چوہدری کیسی ہیں آپ سب؟ مائی پریس ایمن وقاسم یو کا جل دی کیسی ہو اور ہماری گڑیا کیسی ہے ریٹا طاہر کوئی ناول ہی دے دو ڈیئر بلیو مزن اتنی ناراضگی اچھی نہیں کوئی تو بات کرو ورنہ ماما جان سے ڈانٹ پڑوانی پڑے گی۔ ڈیئر جانی درجنف سیال اتنی ڈگریاں لے کر کر کیا کرو گی؟ کچھ میرے نام بھی ٹرانسفر کرو سوٹ شمع مسکان آتی رہا کریں اچھا لگتا ہے۔ ڈیئر عائشہ پرد بزدل چھوٹا کیوں کرتی ہوں میں ہونا۔ آپ کی دوست ایس انجم کول رباب صبا بھٹی نورین شاہز سدرہ شاہین حمیرا عروش لاڈو ملک اریہ شاہ کرن شاہ امیر گل دھڑکن بلوچ خوش رہو موجیں کرو اپنے خرم۔ چے پرنی امان اللہ۔

ماہ رخ رہک حنا..... سرگودھا  
آنجل فرینڈز کے نام  
السلام علیکم! سب آنجل فرینڈز کیسی ہیں؟ امید



طیبہ نذیر کہاں ہو آپ؟ آنجل میں انٹری دو۔  
حافظہ سمیرا! آپی ارم کمال! عائشہ پرویز! تمنا بلوچ!  
عشنا کوثر سردار کو سلام۔

سزا بلوچ..... جھنگ صدر

میم زیب لتساء کے نام  
السلام علیکم! پیاری میم! زیب جو گورنمنٹ گرلز کالج  
میں اسلامیات کا مضمون پڑھاتی ہیں آپ بہت ہی  
اچھا پڑھاتی ہیں۔ ہم آپ کے کردار سے بہت ہی  
متاثر ہوئے ہیں اور پوری کوشش بھی کرتے ہیں آپ  
کے جیسا بننے کی۔ میم جو باتیں آپ ہمیں بتاتی ہیں وہ  
آج تک ہمیں کبھی بھی کسی نے نہیں بتائیں۔ آپ  
ہماری جتنی اصلاح کرتی ہیں اس کے لیے بہت بہت  
شکر ہے۔ میم بس آپ سے اب ہی درخواست ہے کہ  
ہمیں کبھی بھی چھوڑ کر نہ جائے گا کیونکہ آپ جیسی پھر  
ہمیں پھر نہیں ملے گی۔ میم! میں اپنی دعاؤں میں یاد  
رکھے گا اور ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو زندگی کی ہر راہ  
میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔

شاہین گروپ..... جلاپور بھیاں

آنجل کی کلیدیوں کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں آنجل قارئین! سمیرا شریف  
طور کیسی ہیں آپ؟ آپ کو دیکھنے کو دل کرتا ہے  
ڈھیروں باتیں کرنے کو دل کرتا ہے۔ نازیہ کنول  
نازی میرے سوالوں کے جواب دینے پر شکر یہ ادا  
کرتی ہوں دوستی کی پیش کس قبول کرنے پر خوشی  
ہوئی۔ پروین افضل شاہین صاحبہ آپ کیسی ہیں؟ میں  
آج بھی آنجل کھولتے ہی آپ کا نام ڈھونڈتی ہوں!  
اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد کی نعمت سے مالا مال فرمائے۔  
آپ نے مجھے مخاطب ہی نہ کیا سوچا شاید آپ ناراض  
ہیں معاف کر دیں۔ عائشہ نہ ن آپ کیسی ہیں آپ  
کے بارے میں کرن میں بڑھ چکی ہوں اللہ تعالیٰ  
آپ کے ہر خواب کو تعبیر بخشنے۔ بشریٰ ہاجوہ شادی کی  
ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دائمی خوشیوں

بتائے گا۔ ارے کامران بھائی آپ کے کان کیوں  
کھڑے ہو گئے ہا ہا ہا۔ آپ کو بھی سر پر اتز دیں گے  
ان شاء اللہ۔ اسامہ بھائی اپنا بے حد خیال رکھا کریں!  
اللہ پاک میرے گھر والوں دوست احباب عزیز  
رشتہ داروں اور کل امت محمدیہ پر اپنا خاص فضل و  
کرم فرمائے ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا  
فرمائے آمین۔

مریم مغل..... حیدرآباد سندھ

پیاری بھانجی کنول اور بیسٹ فرینڈ شمونہ کے نام  
السلام علیکم میری جان سے پیاری بھانجی کنول  
کیسی ہو تم اور تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے خدا  
تمہیں اور تمہاری ماما کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ میں  
کچھ دن پہلے گاؤں گئی تھی پر سوری خالہ کی جان  
تمہارے گھر چکر نہیں لگا سکی میں جانتی ہوں تم مجھ سے  
بہت زیادہ ناراض ہو رہا ہو تو خوش ہو جاؤ کہ تمہاری  
آئی اپنے پیارے آنجل کے ذریعے تم سے سوری  
کر رہی ہے۔ میری طرف سے علی حیدر اور شمشیر حیدر  
کو ڈھیر سارا پیار اور میری جان سے پیاری دوست  
شمونہ کیسی ہو جان سن! اور جس شہزادے کے تم  
خواب دیکھ رہی ہو مجھے نہیں لگتا کہ اس کا جنم ہوگا  
ہا ہا ہا۔ تم جہاں بھی رہو خوش رہو اور اپنا بہت خیال رکھا  
کرؤ اس کے علاوہ اگر آنجل کی کوئی بھی پری مجھ سے  
فرینڈ شپ کرنا چاہے تو سو سوٹ ویکم۔

انا یہ ملک..... خانوال

پیارے بھیا اور آنجل گرلز کے نام  
ہیلو نوآل آنجل گرلز! کیسے مزاج ہیں آپ سب  
کے اور سردی کے ساتھ کیسے نبرد آزما ہو رہے ہو۔  
پیارے بھیا سنو عباس 15 فروری کو آپ کی سالگرہ  
مگی بہت بہت مبارک باد۔ پروین آپنی اپنے پرنس  
بھیا کی آواز ہم نے بہت بار ریڈیو پروگرامز میں  
آن ایئر سنی ہے ان کو بھی سلام۔ اقراء آفرین فائزہ  
بذل ثویبہ نواز اعوان شہناز اقبال شازیہ اقبال



کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اگر میری زندگی کا ایک لمحہ بھی باقی ہے تو وہ بھی آپ کو لگ جائے۔ آپ کا سایہ آپ کے بچوں پر سدا قائم رہے۔ اللہ آپ کو شادی کی ہزاروں سالگرہیں نصیب فرمائے۔ ہماری زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہوں کوئی غم ہمارے قریب نہ آئے آمین۔

صائمہ عزیز..... میاں جنوں

نازی سمیرا پی کرشل گریڈ کے نام  
نازی آپی سمیرا آبی اور تمام کرشل گریڈ کو السلام  
علیکم! کیسے ہیں آپ۔ ب؟ میں الحمد للہ بالکل ٹھیک  
ہوں۔ ہنزی سمیرا پر نزا آپ دونوں بہت پیارا  
معصوم سا لکھتی ہو میری آپ دونوں سے درخواست  
ہے کہ اپنی نظر ضرور اتارا کریں۔ نازی آپی آپ  
اداس موسموں کی چھوڑیں تو میں بھی آپ کی اداسی  
دل کی گہرائیوں تک محسوس کرتی ہوں۔ دل کرتا ہے  
کہ آپ کے پاس آؤں آپ کو سنوں آپ کی اداسی  
وتہائی درد کو خود میں منتقل کر لوں۔ مجھے آپ کی اداسی  
سے بہت محبت ہے خوش رہا کریں ناں۔ مسکان  
جاوید نور ایمان آپ دونوں کا مجھے یاد رکھنے کا بہت  
شکریہ۔ سویت گریڈ ہلدی سے ہمارا آٹھل میں اپنا  
تعارف کرواؤ۔ میں دھننے کے لیے بے چین ہوں۔  
شیخ مسکان عائشہ خان آپ کے بغیر تو آٹھل ادھورا  
لگتا ہے حسرت ہی رہی تھی آپ دونوں میرا بھی ذکر  
کریں۔ حافظہ سمیرا سرگودھا آنے پر ویکلم جی! کرن  
ملک کوٹر کرن وفا اورین شاہد رشک حنا آمنہ ادا  
ڈریم گریڈ کیسی ہوا۔ آپ سب؟ آمنہ کرن! جلدی سے  
آٹھل میں اتاری دو۔ بہت یاد کر رہی ہوں میں آپ  
کو آمنہ اقبال مجھے بہت خوشی ہوئی یہ جان کر آپ کی  
تقریباً ساری عادتیں مری جیسی ہیں۔ کیا خیال ہے  
آپ کی اور میری دوستی ہو سکتی ہے؟ جواب ضرور دینا  
میں منتظر رہوں گی اللہ آپ سب کو خوش رکھے فی امان  
اللہ دعا گو۔

سے نوازنے آپ کی زندگی میں ہمیشہ خوشیاں  
رہیں۔ سزگت غفارت آپ کیسی ہیں؟ آپ کو اللہ تعالیٰ  
دنیا و آخرت میں کامیاب فرمائے۔ آپ کے لیے  
مانگی جانے والی ہر دعا کو قبول فرمائے۔ طیبہ نذیر  
نورین شاہد آپ دونوں کیسی ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو  
خوشیوں سے نوازے آمین۔ آپ سب کی دعاؤں  
کی طالب آپ سب کی بہن۔

شازیہ فاروق احمد..... خان بیلا

ٹوٹائی سویت سسر دعا ہاشمی کے نام  
مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیا لکھوں جب آپ کا درد  
پڑھا تو سوچا دعا کو میں خط لکھوں گی مگر الفاظ جیسے  
مجھ سے کم ہو گئے ہیں۔ جیسے خوشیاں روٹھ چکی ہوں  
جیسے خواہشوں کا حصول ناممکن رہا ہو جیسے دعاؤں کا  
حصار ٹوٹ گیا ہو۔ ماں کا پیٹنا بہت اذیت ناک  
مرحلہ..... قلم چلنا بھول چکا ہے مگر میری دعا ہے کہ  
اللہ عزوجل آپ کی والدہ صاحبہ اور باقی افراد  
خانہ کو جنت کے اعلیٰ مقامات عطا فرمائے اور انہیں  
بلند درجات سے نوازے آمین۔ اللہ عزوجل  
آپ کو ہمت حوصلہ و ریح یابی سے ہم کنار کرے  
آمین دعاؤں کے ساتھ اجازت آپ کی خیر خواہ  
طلب گار دعا۔

سامعہ ملک پرویز..... خان پور

پیارے دل جانی کے نام  
پیارے دل جانی آپ کو شادی کی سالگرہ بہت  
مبارک ہو آج سے سات سال پہلے میں آپ کی  
زندگی میں شامل ہوئی اس وقت سے لے کر اب تک  
زندگی کی ہر خوشی مجھے آپ کے دم سے ملی اور اللہ سے  
دعا ہے کہ ہمارا جو ساتھ 29 مارچ 2008 کو شروع  
ہوا تھا اللہ اس ساتھ کو تاقیامت رکھے۔ عزیز الرحمن  
صاحب آپ نے میرا ہر حال میں ساتھ دیا جس کے  
لیے میں آپ کی بہت مشکور ہوں میں آپ سے بہت  
محبت کرتی ہوں آپ کے بنارہنے کا تصور بھی نہیں



میرا تعبیر..... سرگودھا  
 اہل وطن تمام شہزادیوں اور رائٹرز کے نام  
 خیریت کی طالبہ بھیر ہے نازیہ آپنی! کیسی ہیں  
 آپ؟ سب اس آپنی ماہانہ 'قرۃ العین خرم ہاشمی' عمیرہ  
 احمد نمرہ احمد سیدہ غزل زیدی عالیہ حرا نازیہ جمال  
 ام مریم سیدہ ضو باریہ نادیہ فاطمہ رضویہ صدف  
 آصف حیا بخاری ام ثناء ام ایمن نعیم نگہت سیما  
 ارم کمال مونا شاہ قریشی شہا عرب سنی دعا ہاشمی آپ کا  
 دکھ سا بھجھا ہے صبر سے کام لیجیے۔ شبانہ امین شگفتہ  
 خان شبنم کنول شازیہ کنول انصافی سنیاں زرگر آرزو  
 شبیر فاطمہ گل شیریں گل تحریم اکرم حبا قریشی پارس  
 شاہ شہزاد بلوچ دوستی کرنے کا شکر یہ۔ صائمہ سکندر  
 سومرو دوستی کا شکر یہ میرا تعارف نومبر 2013ء میں  
 شائع ہو چکا ہے سجدہ رمضان سجدی دوست بنانے  
 کا شکر یہ۔ فروری میں جس کسی کی بھی سالگرہ تھی سب  
 کو سالگرہ مبارک ہو۔ دعاؤں میں یاد رکھیے اور سانحہ  
 پشاور کے شہید بچوں اور ان کے گھر والوں کے لیے  
 دعا گو رہیے اپنا اور اپنے چاہنے والوں کا خیال رکھیے  
 مجھے اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

شہناز اقبال شازیہ اقبال..... لودھراں  
 کچھ خاص دوستوں کی نام  
 السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب یقیناً ٹھیک  
 ٹھاک ہوں گے۔ سب سے پہلے عائشہ بسم (ماہوش)  
 کیسی ہو؟ قسم سے میں تو تمہارے جامعہ سے آنے  
 کے دن گنتی ہوں اور یقیناً تم بھی دن گنتی ہوگی (خوش  
 فہمیاں مہرباں) خیر تمہیں یہ کہنا تھا کہ..... قدر کیا کرو  
 ان لوگوں (عاصمہ) کی جو تم سے..... آگے تم خود  
 سمجھا رہی ہو۔ ثناء انمول گھر میں فارغ ہوتی ہو پھر  
 بھی ہمارے گھر نہیں آتی۔ آف سجدہ! 2 فروری کو  
 تمہاری سالگرہ تھی مجھے یاد تھا میں نے تمہیں وش کیا  
 ہے۔ آنجل کے ذریعے پھر کر رہی ہوں مٹی مٹی پھی  
 برتھ ڈے ٹویو اور ہاں فروری میں تمہاری شادی بھی

ہے خدا کے واسطے جس طرح کالج سے چھٹیاں کرتی  
 تھی اس طرح سسرال سے نہ کرنا۔ اللہ تمہاری آنے  
 والی ازدواجی زندگی کو خوشیوں سے ہمکنار کر دے  
 آمین۔ آمنہ! تم منہ نہ بناؤ تم بھی مجھے یاد ہو بلکہ اچھی  
 طرح اپنا خیال رکھنا اور رومانہ تم جب بھی فون کرتی  
 ہو سوائے پڑھائی کے کچھ اور تو کہتی ہی نہیں۔ عائشہ  
 کوٹ اقبال اور عائشہ تم دونوں کو سلام۔ عائشہ بشیر قسم  
 سے تم مجھے بہت یاد آتی ہو۔ سیکشن بی زیڈ سی۔ 1 اور بی  
 زیڈ پی۔ 1 کو بہت بہت سلام۔ تم سب لوگ بہت  
 اچھی ہو اقراء قیوم تم اپنی باتوں کے علاوہ سیدھی بھی  
 کر لیا کرو۔ انعم وعاصمہ تم لوگ بھی بہت اچھی ہو صبا  
 ظفر تھوڑی سی غریبی ہے۔ کشف تمہاری تو ہنسی ہی ہم  
 سب کی شان ہے (ہا ہا) کرن آفتاب کھوکھر! تم ہر  
 وقت دور داناہٹ نہ بنا کرو۔ فرح صبا رؤف میمونہ  
 اسری ایلنا صوفیہ قاترہ اساور سب کو بہت بہت  
 سلام۔ جب سے ہم لوگوں کی بی ایس سی کی کلاسز  
 شروع ہوئی ہیں ہم دونوں نے ایک دوسرے سے  
 صرف ایک بار بات کی ہے پتا نہیں کیوں خیر تم بھی  
 بہت اچھی ہو۔ مجھے اپنی پوری کلاس ہی بہت پسند ہے  
 اور نادیہ بلکہ زینب ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہا کرو۔ خیرن  
 اور عتیقہ تم لوگ بہت اچھی ہو اور عتیقہ مجھے تم سے  
 غزلیں سننے میں بہت حرا آتا ہے آخر میں ایک بار  
 پھر یہ دعا کہ اللہ میری ساری فیوز کو ہنستا مسکراتا رکھے  
 آمین ثم آمین۔ اس کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں  
 کالج میں ملاقات ہوگی اللہ حافظ۔

عائشہ صدیقہ..... چکوال



dgp@aanchal.com.pk



عائشہ نورعاشی..... سبھرات

کبھی جو تم

کبھی جو تمہارے ہاتھ سے کتاب گرے تو سمجھ لینا کہ کسی نے تمہیں یاد کیا ہے۔

کبھی جو تم اس میں رکھے پھول کو دیکھو تو سمجھ لینا کوئی داستان لکھ رہا ہے ان گزرے ہوئے حسین لمحوں کی۔

کبھی جو تم درختوں پر نام لکھا دیکھو تو سمجھ لینا کوئی اب تک چاہتا ہے تمہیں۔

کبھی جو ان دیکھے بھالے رستوں پر سفر کرو تو سمجھ لینا کسی نے ان پر ساتھ چلنے کی قسم کھائی ہے۔

اور کبھی جو تم گوشہ کا ارادہ کرو اور سفر کرو اسی راہ گزر پر تو سمجھ لینا کہ کوئی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

حسیر الملک..... میا نوالی

یادوں کی ایک کھڑکی

وہ جو چپکے سے آنکھوں کو سلانے میں تگن تھی کہ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور یادوں کی خاموش کھڑکی کو پٹ سے کھول دیا۔

وہ تمام تلخ یادیں جن کو وہ بھلا دینا چاہتی تھی دل و دماغ سے کھرچ ڈالنا چاہتی تھی انہوں نے اس کو دوبارہ سے بے چین و مضطرب کر دیا اس نے کہیں پڑھا تھا کہ ”یادیں دیمیک کی طرح ہوتی ہیں اور یہ انسان کو اندر ہی اندر چاٹ جاتی ہیں۔“

جب یادوں کی کھڑکی کھلی تو اس کی خشک ہوانے اس مضطرب وجود کو اپنی لپین میں لے لیا۔ اس کے بعد درد سے بھری ایک آہ سانی دی جس نے داستان ماضی کو تازہ کر دیا اور پھر اس کو یادوں کے خاموش درتے میں لے گئی اور وہاں تلخ حقائق کا سہ منا کر دیا جس نے اس وجود کی سسکیوں کو اشکوں میں ڈھال دیا اور پھر ایک آواز گونجی

سنو ابھی تو یہ درپے بند کر رہی ہوں تم میرا انتظار کرو یا نہ کرو لیکن مجھے پھر آنا۔ پھر آنا ہے۔

اور پھر یادوں کی کھڑکی پٹ سے بند ہو گئی۔

## یادگار

جو پرہ سالک

نعت رسول مقبول ﷺ

والی ہے تروتازہ پتا ہے تروتازہ  
توصیف نبی میں ہر غنچہ ہے تروتازہ  
ہر لفظ تروتازہ مصرع ہے تروتازہ  
کیا نعت محمد کا مطلع ہے تروتازہ  
کوئین مہک انہی فرمان رسالت سے  
سرکار دو عالم ﷺ کا لہجہ ہے تروتازہ  
سب شوق زمانے کے مرجھائے نظر آئے  
ہے نعت کا ذوق ایسا رہتا ہے تروتازہ  
طیبہ کی ہواؤں سے ایک کیف برستا ہے  
مہکا ہوا ہر جھونکا ہوتا ہے تروتازہ  
شاداب عقیدت کی شاخوں پر رہے ہر دم  
اک پھول جو روزانہ کھلتا ہے تروتازہ  
مہکار دودوں کی آتی ہے فضاؤں میں  
ہر لب پر رسالت کا نعرہ ہے تروتازہ  
جنت میں بھی حوروں نے چہروں پہ کہاں کر  
کیا خاک مدینے کی غازہ ہے تروتازہ  
ساجد کے قلم پر جب رحمت کی پڑی شبنم  
ہر شعر خیالوں سے نکلا ہے تروتازہ

محمد امین ساجد سعیدی..... بہاولپور

آج کل

آج کل لوگوں نے نام دے دیا ہے

☆ جہالت کو نیشن کا

☆ اوس کو محبت کا

☆ بے حیائی کو اعتماد کا

☆ منافقت کو نیا داری کا

☆ سادگی کو لائٹس کا

☆ عاجزی کو کمزوری کا



حرم فاطمہ..... جنگ

حاصل ہوا سے پسند کر لو۔

☆ رشتوں کے بندھن جو لوگ بناتے ہیں وہ اکثر  
نوٹ جاتے ہیں مگر جو رشتے خدا عطا کرتا ہے وہ ہماری  
سانسوں کی ڈوری سے بندھے ہوتے ہیں۔

ہر بین افضل شاہین..... بہادر لنگر

قرآنی معلومات

♥ قرآن مجید کے 30 پارے، 7 منزلیں 114  
سورتیں 6666 آیات، 8643 کلمات، 558 رکوع،  
323760 حروف اور 14 سجدے ہیں اور 29 حروف  
مقطعات ہیں۔

♥ قرآن مجید میں 6 سورتیں انبیاء کرام کے نام  
سے ہیں (سورۃ ہود، سورۃ یوسف، سورۃ یونس، سورۃ  
ابراہیم، سورۃ نوح، اور محمد)

♥ قرآن مجید کی سورۃ النمل میں 2 مرتبہ بسم اللہ آئی ہے  
♥ قرآن مجید میں 26 انبیاء کا ذکر آیا ہے اور  
سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰ کا آیا ہے۔ (۴۰  
سورتوں میں)

♥ قرآن کی پہلی وحی 17 رمضان المبارک کو غار حرا  
میں نازل ہوئی۔

♥ قرآن کی آخری وحی 9 ذی الحجہ 10 ہجری کو  
میدان عرفات میں نازل ہوئی۔

♥ قرآن پاک تقریباً 22 سال 2 ماہ اور 22 دن  
میں نازل ہوا۔

♥ قرآن پاک میں 86 سورتیں اور 28 ہجرتیں  
ہیں۔

♥ قرآن پاک کی سورۃ النور میں آخری وحی نازل ہے  
♥ نزول کے اعتبار سے قرآن پاک کی آخری سورت  
سورۃ النور ہے۔

♥ قرآن مجید میں واحد صحابی حضرت زید بن  
حارثہ کا ذکر آیا ہے۔

روبی علی..... سید والا

قیمتی سوتلی

بس کنڈیکٹری رومانوی غزل

اوجان میرے پیار کی میرے جذبات کی کر قدر  
سہراب گوٹھ، لالو کھیت، صدر..... صدر  
مجھے اپنے عشق کے سمندر میں کچھ اس طرح ڈوبا دے  
چل بھائی آگے آگے ہو جا دوسروں کو بھی جگہ دے  
جدا ہو کر اب ہمیں اتنا تو مت رلاؤ  
اماں! یہ بچے کو اپنی گود میں بٹھاؤ  
اپنی زلفوں سے ہمیں اپنے پیار کا سایہ دو  
ہاں خالا چلو اب کرایہ دو.....  
تیرے سنگ بیٹے ہوئے لمحے گئے گزر  
او بھائی، کرایہ پورا دے نہیں تو نیچے اتر  
جاڈیہ ضیافت عباس (دیول) مری

ری اشارت

❁ دل میں اگر سی پی یو ہوتا تو سب ہی یادوں کو  
سیو کر لیتے۔

❁ دھڑکن میں اگر ڈراما ہوتا تو زندگی کا بیک اپ  
لے لیتے۔

❁ دل میں جو بلیو ٹوتھ ہوتا تو باتوں کا  
ٹرانسفر کر لیتے۔

❁ آنکھوں میں جو ویب کیمر ہوتا تو تصویروں کو  
ریسٹو کر لیتے۔

❁ کاش زندگی بھی اک کمپیوٹر ہوتی تو ری  
اشارت کر لیتے۔

عائشہ پرویز..... کراچی

ہاتھ یاد رکھنے کی

☆ جو درخت زیادہ پھل دیتا ہے اس پر زیادہ پتھر  
پڑتے ہیں۔

☆ اپنی زندگی کو پھول کی طرح گزارو جو کھلنے والے  
ہاتھوں کو بھی مرکا دیتا ہے۔

☆ شرم کی کشش حسن سے زیادہ ہوتی ہے۔  
☆ جسے پسند کرتے ہو اسے حاصل کر لو یا پھر جو



شاگرد: کیونکہ میرا ایک جوتا اوکے پاس اور دوسرا امی کے پاس تھا۔

نورین طیف..... ٹوبہ فیک سنگھ  
جواب

حضرت لقمان نے باوجود عمر و رازی کے کوئی مکان نہیں بنایا ایک جھونپڑی میں جاں بحق ہوئے ملک الموت نے پوچھا۔

”باوجود اتنی طویل زندگی۔ کئے آپ نے مکان کیوں نہیں بنایا۔“

آپ نے فرمایا ”جس کی تاک میں آپ رہیں تو اس کو مکان بنانے کی کب سوجھتی ہے۔“

طیبہ بزمیر..... شادریوال گجرات  
نقطہ درازیاں

□ وقت پیسے سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ ہمیں پیسہ تو اور مل سکتا ہے وقت نہیں مل سکتا۔

□ افسوس کہ ہم نے وات کو گھڑیوں کے ہاتھوں سے دیا ہے۔

□ اپنے خوابوں کو حقائق ثابت کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اپنی آنکھیں کھول لیں۔

□ کچھ لوگ عظیم پیدا ہوتے ہیں کچھ عظمت حاصل کر لیتے ہیں اور کچھ پر عظمت ٹھونس دی جاتی ہے۔

□ عورتوں کو نہ تو بھگانے کے لیے معقول وجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی صلح کے لیے عورت کے ساتھ

سب سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ وہ ہزار مردوں جیسے کام کرے پھر بھی اسے عورت ہی کہا جاتا ہے۔

□ اکثر لڑکیاں فوجیوں سے شادی کرتی ہیں کیونکہ وہ کھانا پکا سکتے ہیں سلمائی کر سکتے ہیں بستر بنا سکتے ہیں

اچھی صحت رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں حکم لینے کی عادت ہوتی ہے۔

راجہ چوہدری..... فیصل آباد  
پے سی

ایک مرتبہ امام شافعی آپ خلیفہ کے پہلو میں تشریف

بارش کا ایک ننھا قطرہ بادل سے ٹپکا جب اس نے سمندر کی وسعت دیکھی تو شرمندہ ہوا اور دل میں کہا کہ اتنے بڑے سمندر کے سامنے میری کیا حیثیت ہے اس کے سامنے تو میں نہ ہونے کے برابر ہوں جب اس نے اپنے آپ کو حقارت سے دیکھا تو ایک سچی (صدق) نے اس کو اپنے منہ میں لے لیا اور دل و جان سے اس کی پرورش کی کچھ عرصہ بعد وہ ایک ننھا قطرہ قیمتی موتی بن گیا اور بادشاہ کے تاج کی زینت بنا۔

فضہ یونس..... گنگاپور  
بھول

رشتوں کی بقا کے لیے رابطے ضروری ہیں کیونکہ بھول جانے سے تو اپنے ہاتھوں سے لگائے گئے درخت بھی سوکھ جاتے ہیں۔

خوبی  
رشتوں کو ایسی خوبی سے استعمال کرو جیسے شہد کی کھی پھولوں سے رس تو لیتی ہے مگر پھولوں کو نقصان نہیں دیتی۔

احساس  
جس انسان کی سانس نکل جائے تو وہ زندہ نہیں رہتا اور جس انسان کا احساس نکل جائے وہ انسان نہیں رہتا۔

مدیحہ نورین مہک..... برتالی  
ایک کھی سی

ایک کھی سی  
چاروں جانب پھیل رہی ہے  
گئی زمانے ایک ہی بل میں  
باہم مل کر بیگ رہے ہیں  
اندر یادیں سوکھ رہی ہیں  
باہر منظر بیگ رہے ہیں

حصہ بتول..... بہاولپور  
وجہ تاخیر

نہیچر تم دیر سے کیوں آئے؟  
شاگرد: جی میرے ابو امی لڑ رہے تھے۔  
نہیچر: تو وہ لڑ رہے تھے تم کیوں دیر سے آئے۔

302

آنچل مارچ ۲۰۱۵

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY



فرماتے کہ ایک مکھی خلیفہ کو پریشان کر رہی تھی اس پر خلیفہ نے تنگ کر کہا۔  
 ”نجانے اس مکھی کے پیدا کرنے میں خدائے بزرگ و برتر کی کیا حکمت تھی“ امام شافعی نے جواب دیا کہ ”اس میں حکمت یہ ہے کہ طاقتوروں کو ان کی طاقت کی بے بسی دکھائے۔“

عمارہ احمد.....ملتان

**فضائل درود پاک**

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں دس گناہوں کو معاف فرماتے ہیں اور اس کی وجہ سے دس درجات بلند فرماتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی کتاب میں مجھ پر درود شریف لکھا تو جب تک میرا نام اس کتاب میں باقی رہے گا فرشتے اس کے لیے مسلسل دعائے مغفرت کرتے رہیں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں ہیں دو بندے جو آپس میں محبت رکھتے ہیں ان میں سے کوئی ایک جب اپنے ساتھی کے سامنے آئے اور حضور پر دونوں درود پاک بھیجیں تو جدا ہونے سے پہلے ان دونوں کے آئندہ اور گزشتہ (مغفروہ) گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص عصر کی نماز کے بعد جمعہ کے روز ۸۰ مرتبہ مجھ پر درود پاک بھیجے گا تو اس کے ۸۰ سال کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ہر جمعہ المبارک کے روز ۱۰۰ مرتبہ مجھ پر درود پاک بھیجے گا اس کو تب تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ جنت میں اپنا محل نہ دیکھ لے، سبحان اللہ و بحمد سبحان اللہ العظیم۔

عالمہ مریم نواز.....حافظ آباد

**صدقہ**

جب انسان اپنے ہاتھ سے صدقہ دےتا ہے تو صدقہ پانچ باتیں کہتا ہے میں قابل مال تھا تو نے مجھے بقا دے دی میں

تیرا دشمن تھا لیکن تو نے مجھے اب دوست بنا لیا ہے آج سے پہلے تو میری حفاظت کرتا تھا لیکن آج سے میں تیری حفاظت کروں گا میں حقیر فنا تو نے مجھے عظیم بنا دیا پہلے میں تیرے ہاتھ میں تھا اب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوں۔

ام مثنیٰ.....کوٹ مومن

تاج محل کے بارے میں چند شخصیات کی رائے  
 ☆ میں نے آج تک اتنا حسین خواب نہیں دیکھا (شاہ حسین)

☆ ہر عورت تاج محل کے حرار پر فخر کر سکتی ہے (فرح بیگم، پہلوی)

☆ اگر میرا خاوند مجھ سے وعدہ کرے کہ میری موت کے بعد وہ ایسا ہی تاج محل بنوائے گا تو میں ابھی مرنے کو تیار ہوں (ملکہ الزبتھ دوم)

☆ کاش میں وائٹ ہاؤس کی بجائے تاج محل بنا سکتی (جیکو لین کینیڈی)

☆ خدا جانے فورڈ نے امریکہ میں تاج محل جیسی خوب صورت عمارت کیوں نہ بنوائی۔ (مسز ہنری فورڈ)

☆ کاش تاج محل چرا جا سکتا (ایوا کارٹر)

☆ حیرت ہے کہ امریکہ کی مدد کے بغیر تاج محل کی تعمیر ہو گیا (ایل بی جانسن)

☆ ہندوستان میں اور یہاں ہے غربت اور تاج محل کے سوا (ماؤزے تنگ)

☆ کاش کہ تاج محل دریائے ٹمز کے کنارے منتقل ہو سکتا (چرچل)

☆ تاج محل کو چاندنی بات میں ست دیکھو اس سے ذہنی توازن بگڑنے کا خطرہ ہے (مارلن براؤنڈ)

**بقول شاعر**

اک شہنشاہ نے دوات کا سہارا لے کر ہم غریبوں کی محبت کا اڑیا ہے مذاق حشر بٹ.....دینہ (جہلم)

کچھ موقی چنیر پاپ کے لیے

سچا مومن وہ ہے جس کی تنہائی پاک ہے۔



○ تجربہ انسان کو غلط فیصلے سے بچاتا ہے مگر تجربہ غلط فیصلے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

○ انسان وہ واحد مخلوق ہے جس کا زہر اس کے الفاظ اور لہجے میں ہوتا ہے۔

○ کسی بڑی چیز کے حاصل ہو جانے سے چھوٹی چیز کو بھلا نہ دیں کیونکہ جہاں سبکی کی ضرورت ہو وہاں تلوار کام نہیں آتی۔

شزا بلوچ..... جمعہ صدر

آزمائش شروع ہے

○ اگر آپ کے بچے منی کھاتے ہیں تو تھوڑی سیمنٹ بھی کھلا دیں بنیادیں ٹکی ہو جائیں گی۔

○ اگر آپ چہرے کی کیلیوں سے پریشان ہیں تو ایک تھوڑی کیلیوں پر ماریں پھو بھی نہیں لگیں گی۔

○ اگر آپ غیبت سے بچنا چاہتی ہیں تو ایک ڈراپ اپنی سے دونوں ہونٹ چمکالیں، غیبت، جھٹلی، زیادہ بولنے کے مرض سے محفوظ ہو جائیں گی۔

○ اگر آپ چاہتی ہیں کہ ہر محفل میں سب کی توجہ آپ کی طرف ہو تو آپ کریم میک اپ کے بجائے کونسلے سے منہ کالا کر لیں فوری امید ہے آپ سب کی توجہ کامرکز بنیں گی۔

○ اگر آپ ہینئر اسٹائل کی وجہ سے پریشان ہیں تو ٹنڈ کروالیں نہ ہوگا بانس نہ بچے کی بانسری۔

○ اگر آپ کو باہر کھانا زیادہ اچھا لگتا ہے تو صحت پر چلی جائیں۔

○ اگر آپ کے میاں کی جیب میں سوراخ ہے تو سوراخ کے نیچے تھیلی لٹکائیں سارے پیسے تھیلی میں آ جائیں گے اور بعد میں آپ لے لیتا۔

○ خد جت الکبریٰ..... کھڈیاں، قصور

○ کوئی بھی کام جو خوشی کے لیے کیا گیا ہو اسے کر کے آپ کو خوشی ملے نہ ملے لیکن ہر وہ کام جسے آپ خوش ہو کر کرو اس سے خوشی ضرور ملے گی۔

○ جو یہ کہتے ہیں کہ خدا نظر نہیں آتا مگر حقیقت تو یہ ہے کہ جب انسان مصیبت میں ہوتا ہے تو اسے خدا کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا۔

○ اچھی بات سب کو اچھی لگتی ہے جب تمہیں کسی کی بری بات بھی بری نہ لگے تو سمجھ لیتا کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔

○ دوست اچھا ہو یا برا مگر وہ ایک ایسا پھل دار درخت ہے جو پھل نہ دے تو چھاؤں ضرور دیتا ہے اگر چھاؤں کے قابل بھی نہ رہے تو اپنی لکڑیوں سے ضرور نوازتا ہی سواپنے دوستوں کی قدر کیجیے۔

○ دوسروں کے لیے دعا مانگ کر دیکھو تمہیں اپنے لیے دعا مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

○ زندگی آنسو کا نام نہیں ہے جو لوگ زندگی کو آنسو سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ مسکراہٹ سے محروم رہتے ہیں۔

○ دنیا کے بہادر ترین لوگ وہ ہیں جو مصیبتوں، اذیتوں اور تکالیفوں میں بھی مسکراتا نہیں چھوڑتے۔

○ صائمہ شازیہ اور ایس ڈوہر..... خواتین کالج سے تانولیا نوالہ

یقین کامل

اشفاق احمد کہتے ہیں

میرے پاس ایک بلی تھی اس کو جب بھی بھوک لگتی تو وہ میرے پیر چاتی تھی اور میں اس کو کھانا دے دیا کرتا تھا ایک دن میں نے سوچا کہ یہ بلی مجھ سے بہتر ہے اس کو پورا یقین ہے کہ اپنے مالک کے پاس سے اس کی طلب پوری ہوگی اور انسان کو یقین نہیں انسان ہر فکر اپنے ذمہ لے لیتا ہے ان کاموں کی بھی جو اس کے اختیار میں نہیں اپنی ہر طلب اللہ سے مانگو اور قبولیت کا عمل یقین رکھو۔

رشک حنا..... مرگودھا

○ کوئی بھی کام جو خوشی کے لیے کیا گیا ہو اسے کر کے آپ کو خوشی ملے نہ ملے لیکن ہر وہ کام جسے آپ خوش ہو کر کرو اس سے خوشی ضرور ملے گی۔

○ جو یہ کہتے ہیں کہ خدا نظر نہیں آتا مگر حقیقت تو یہ ہے کہ جب انسان مصیبت میں ہوتا ہے تو اسے خدا کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا۔

○ اچھی بات سب کو اچھی لگتی ہے جب تمہیں کسی کی بری بات بھی بری نہ لگے تو سمجھ لیتا کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔

○ دوست اچھا ہو یا برا مگر وہ ایک ایسا پھل دار درخت ہے جو پھل نہ دے تو چھاؤں ضرور دیتا ہے اگر چھاؤں کے قابل بھی نہ رہے تو اپنی لکڑیوں سے ضرور نوازتا ہی سواپنے دوستوں کی قدر کیجیے۔

○ دوسروں کے لیے دعا مانگ کر دیکھو تمہیں اپنے لیے دعا مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

○ زندگی آنسو کا نام نہیں ہے جو لوگ زندگی کو آنسو سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ مسکراہٹ سے محروم رہتے ہیں۔

○ دنیا کے بہادر ترین لوگ وہ ہیں جو مصیبتوں، اذیتوں اور تکالیفوں میں بھی مسکراتا نہیں چھوڑتے۔

○ صائمہ شازیہ اور ایس ڈوہر..... خواتین کالج سے تانولیا نوالہ



# آئینہ

## شبلا عامر

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے رب تعالیٰ کے اس پاک نام سے جو ہر عیب سے، پاک اور عالم الغیب ہے۔ مارچ کا شمار اپنی تمام تر رنگینی و دلکشی سمیت حاضر ہے۔ امید ہے آپ کے معیار و ذوق کے عین مطابق ہوگا اور اگلا شمارہ ان شاء اللہ سال گرہ نمبر ہوگا آپ سب جلد از جلد اپنی نگارشات ارسال کریں تاکہ ہم تک بروقت پہنچ سکیں آئیے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب جو بڑا آئینہ میں اپنی جھلک دکھلا رہے ہیں۔

شبانہ امین راجپوت..... کوٹ رادھا کشن۔ السلام علیکم! شہلا آئی کیسی ہیں اور سب اسٹاف اور ریڈرز بھی امیر کرتی ہوں بخیریت ہوں گے۔ ہر ماہ کے اختتام میں آپ چل کے آنے کا انتظار رہتا ہے اگرچہ پہلے ہی شمارے سے دل نہیں بھرا ہوتا مگر مینے کے پنڈ میں نئی نئی کہانیوں کا شوق دل میں موجیں مارتا ہے۔ مرغ نکل کی طرح تڑپ رہے ہوتے ہیں کہ کب دلبر کی دید نصیب ہوتی ہے۔ آخر کو کس سبیل گیا دل بچھیں کو، سرورق نہ خوب صورت فنا اور نہ ہی بد صورت میک اپ کی بہتات کی وجہ سے زیب ساق۔ سزاؤ لکھنوی کی نعت شریف آسمان پر تاروں کے درمیان چا دی طرح جھنگاری بھی بے صدا بھی لگی۔ "کروں مجھ ایک خدا کو" نے شروع سے لے کر آخر تک اپنے شعر میں جگڑے دکھائی دیا تو سوسلی لکھے جیسی جیسے سفاک ترین لوگ بے شک ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں زندہ باد سیدہ جی! مجھے تو یہ تحریر حقیقت پر مبنی لگتی ہے۔ "دوسری ماں" میں جی جی نے ساس اور بہو کی باہمی کشش کو بے حد اچھے اور دلچسپ پیرائے میں پیش کیا۔ "عشق بے درد" نے بھی کافی متاثر کیا آرش اپنے گناہ پر حقیقی طور پر نادم تھا بے شک اللہ تعالیٰ تو بہ کرنے والوں کو معاف فرماتا ہے کیونکہ وہ توبہ ہے۔ "یہ سب تمہارا کرم ہے" ایک روح پرور اور ایمان افروز تحریر تھی نفا کی موت نے تو بچکیوں سے زلا دیا۔ فراز برہان نے صائم باجی کی یاد دلا دی وہ بھی اسلام قبول کرنے کے چھ ماہ بعد فوت ہو گئی تھیں۔ طلعت جی سے یہ پوچھتا ہے کہ یہ سچی کہانی ہے؟ "عہد نئے سال کا" میں شازیہ فاروق ایک اچھی امید لیے ہوئے تھیں۔ اللہ ان کی امید برائے اکثر دیکھنے میں آیا ہے بیویاں ہی اپنی خواہشات کا جال پھیلا کر مرد کو کالا دھندہ کرنے پر مجبور کرتی ہیں حالانکہ حرام کا ایک لقمہ ہی انسان کو دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔ "دل میں کچھ ہے" تھے "تذمت جی نے اچھا لکھا" یہ سنائی کی سوجھی ہے تو پتہ ہی ہوتے ہیں انہوں نے گند بھی ڈالنا ہے۔ شرارتیں بھی کرتی ہیں وہ بچہ ہی کیا جو شرارت نہ کرے پھر بچوں اور بڑوں میں کیا فریاد رہ جائے گا۔ یہی میاں بیوی کی بات یہ تو ایک دلی رشتہ ہے بہنوں پیار ہو وہاں کالا گورا موٹا پتا کچھ نہیں دیکھا جاتا۔ محبت کا روبرو اچھوتا ہوتا ہے۔ صبا نور کی چھوٹی سی بات نے بھی اچھا تاثر دیا۔ "سر براؤز" میں سویرا لک نے اچھا پیغام دیا واقعی زندگی "تو شادی بیاہ کا ایک وقت مقرر ہے جو اللہ نے لکھ دیا نہ جانے کیوں کچھ لوگ شادی نہ ہونے کی وجہ سے اسے آج کو خراب کر رہے ہیں۔ ام انصاری کی بڑھی لکھی الگ ہی پاک پن لیے ہوئے تھی ویسے یہ تو شرط ہے بڑھے لکھے انسان کو پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑتا ہے تاکہ اس کی تعلیم پر حرف نہ آئے۔ ایمن رحمان کی "وطن کی ہوا میں" تحریر کشمیریوں کی شجاعت و بہادری کی منہ بولنی تصویر تھی اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی دے۔ "مجھے سے حکم ازاں" کا انجام حسب توقع رہی صالحہ کا انجام عبرت ناک تھا وہ اپنے ماں باپ کے کھوے گڑھے میں گر گئی کافی ترس آیا۔ "مردم کی محبت" ٹھیک ہی تھا "صنوبر بہت ترس آتا ہے۔" "توٹا ہوا تارا" بھی اچھا جا رہا ہے شہوار اور مسطقی کے تعلقات بہتر ہوئے ہیں تو ولید اور انا کی چوٹیں تیز ہو گئی ہیں۔ شہوار کا ماضی الماری میں ہی بند پڑا ہے ابھی تک میرا جی تھوڑی سی تیز ہو جائے شکر۔ مستقل سلسلے سب ہی لاجواب تھے سب دوستوں نے اچھا لگا۔ "امید نو" سانچہ پشاور پر لکھی نظیر فاطمہ کی تحریر اشک بار کرتی جن ماؤں کی گود میں خالی ہوئیں وہ کس سے فریاد کریں؟ وطن عزیز آج کل جس امتحان سے گزر رہا ہے اس کا واحد حل تعلیمات نبوی ﷺ کی من و عن پیروی ہے اسی میں ہمارا بقا ہے پاکستان ہے تو ہم ہیں اللہ حافظ۔

☆ ڈیر شبانہ! آپ کا تفصیلی تبصرہ بے حد پسند آیا۔



**ہونا شاہ قریشی..... کیروالہ۔** اسلام علیکم! ڈیئر بوجھب عادت طبع نازک کے حالات مطلوب ہیں آنجل اپنی پرانی تاریخ کے مطابق 25 کو ہی دستیاب ہو گیا۔ سرگوشیوں کا صفحہ پڑھ کے حمد و نعت پر نظر ثانی کی دو کہانیوں کی جانب چل نکلے ایمین رحمان کی خوب صورت تحریر ”تمہیں وطن کی ہوا میں سلام کہتی ہیں“ میں آئیہ مرزا کی ایک تحریر ”ہری ہے شاخ تمنا ابھی“ کا عکس نظر آیا۔ خوب صورت جذباتوں کی تشبیہ اور جذبہ بھی وہ جن کے لیے سب کچھ لانا دینا بھی کوئی مسئلہ نہیں رکھتا۔ وطن کی محبت اور محبت مجازی دونوں ہی اتنی اہم ہیں مگر یہ جو ارض پاک ہے اس پر کروڑوں لوگ بستے ہیں اور ان کروڑوں لوگوں کی محبت یہ اس دھرتی کے نام کی حفاظت پہ ایک انسان کی محبت حاوی نہیں ہو سکتی۔ ناولٹ مجھے آمدیدہ کر گیا بہت اچھا تھا۔ ”مشتق بے درد“ انعم خان بڑی بے دردی سے لکھا ہوا تھا وہ جو ہوتا ہے نا کچھ کدول حیر جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہی تھا اس تحریر میں۔ ام القصبی کی تحریر ”پڑھی لکھی“ پڑھ کے فی البدیہہ مسکراہٹ دے آئی۔ دلکش انداز تحریر اچھا تاثر چھوڑ گیا سویرا فلک ”دس سر پرانز“ یہ سر پرانز بھی ٹھیک ہی تھا۔ ”چھوٹی سی بات“ صبا نور بات واقعی چھوٹی سی ہی تھی مگر..... فی الوقت یاد دلاتی تو..... بڑی ہود داتی لیکن یہ بات تو درست ہے کہ ہاری خوشیاں انہی چھوٹی چھوٹی باتوں میں پنہاں ہوتی ہیں۔ ”مجھے ہے حکم اذان“ شکر ہے خدا کا آپ نے سکندر جیسے شہی القلب کو یہ صورت موم بنا دی ڈالا۔ عباس صاحب بڑے صاحب تدبیر ہو گئے ہیں یہ محبت بڑی عقلاشے ہے آپ سے اپنا آپ منورے بغیر نہیں رہتی۔ راحت و قناعتی ”موم کی محبت“ اتنی وافر مقدار میں محبت خلوص بہ ہزاروں تہضم ہوتی ہے مگر ہو سکتا ہے اس دنیا میں اتنی محبت ہی پائی جاتی ہے۔ بایں ہست اول اچھا ہے اور آخر میں ”کروں سجدہ ایک ندا کو“ انتہائی بڑا اثر اور پارٹ ٹچنگ ناول تھا اتنی گراں قدر معلومات دین کے بارے میں ذیل اذن پلس بیسٹ آف لک۔ یاد آ رہے میں دعا ہاشمی کی ”بے دھیانی“ نزل چو لگا گئی آنجل اب کی ہارے روز کر گیا اللہ حافظ۔

**ارم کمال..... فیصل آباد۔** پیاری بانجی سدا خوشیاں آپ پر برستی رہیں آمین! اسلام علیکم! سردیوں کے ٹھنڈے دنوں میں فروری کا آنجل حرارت آمیز خوش گواریت لیے ہوئے آیا۔ ماڈل کے ہاتھوں کی مہندی واہ زبردست۔ ادارہ میں سال گرہ نمبر کی نوید ملی دانش کدہ میں جنہم کے بارے میں پڑھ کر کئی ٹاپے روٹنے لگے۔ رے رے اس قسم کے مضامین بہت مفید ہوتے ہیں۔ گناہوں سے بچنے کے لیے ٹائیک کا کام دیتے ہیں۔ ”ہمارا آنجل“ میں راجہ اسلم سے ملاقات بہت یونیک رہی۔ ”بہنوں کی عدالت“ میں نازیہ کنول نازی کی اداسی بھری یادیں صاف اور شفاف انگوروں میں اتر گئی۔ سلسلے وار ناول ”موم کی محبت“ میں شرمین کو چاہیے بونی کی محبت قبول کر لے کیونکہ کہتے ہیں کہ شادی اس سے کرنی چاہیے جو آپ کو چاہتا ہو نہ کہ جسے آپ چاہیں اور صفدر صاحب زبیا کی بھول مواف نہیں کر پارے اپنی بھول کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ”تو تانا ہوا تارا“ بہت ہی زبردست چارہا ہے۔ صد شکر کہ مصطفیٰ اور شہوار کے درمیان فاصلے کم ہو رہے ہیں اور پیاری شروعات ہو رہی ہے جبکہ تانا اور ولید کے حالات کافحہ بی بی نے بہت خراب کرنے ہیں۔ اتانی آپ بھی جذبات کی ٹیکہ اتار کر سنبھل کر چلیں۔ ”مجھے ہے حکم اذان“ کی آخری قسط اتنی زیادہ پرفیکٹ اور مضبوط رہی سب کرداروں سے بھر پور انصاف ہوا کہیں کوئی کمی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملی۔ کہانی کا اختتام پڑھ کر سکون کا فرحت انگیز احساس دگ وپے میں سا گیا۔ اس کے لیے امہریم آپ ڈھیروں دعا میں ڈیزر کرتی ہیں۔ اس کہانی سے بلاشبہ بہت مثبت سبق سیکھے جن میں سرفہرست سبز برداشت اور سب سے بڑھ کر اللہ پر یقین رکھنا۔ امہریم آپ کا یہاں خری ناول کیوں کیا وجہ ہے؟ دیگر کہانیوں میں ”دوبی ماں دل میں کچھ دابہ تھے“ پڑھی لکھی ”اور تمہیں وطن کی ہوا میں سلام کہتی ہیں“ بہت ہی اثر انگیز اور دلکش تحریریں تھیں۔ مستقل سلسلوں کی بات نہ کریں تو حرا کر رہا ہوتا ہے۔ بیاض دل میں ایس جتول شاہ رشک حنا حمیرا نوشین فرحت اشرف کسمن نور سمیرا تعبیر کے اشعار واہ واہ۔ یادگار لمحے میں ہما ایوب شائلہ رشتی سامعہ ملک پرویز کے مراسلات بہترین رہے۔ دوست آپ کا پیغام آئے میں سب کے ہنسنے مسکراتے پیغامات نے دل کو خوشیوں سے بھر دیا آئینہ میں سب کے تبصرے ایک سے بڑھ کر آئی تھے ہاں یہ کنول بانجی میں آپ کے ساتھ ساتھ آنجل کی تمام دادیوں نانیوں سب کو بہت یاد کرتی ہوں اور سب کے لیے دعا بھی کرتی ہوں۔ عائشہ خان آپ کو میرے سروے کے جوابات پسند آئے جزاک اللہ۔ مجھے بھی آپ پر بے حد یاد آتا ہے ہم سب آنجل کے توسط سے ایک لڑی میں پروئے ہوئے مونی ہیں۔ ہم سے پوچھئے میں اس دفعہ شائلہ جی کے جوابات بہت اچھا آ رہے۔ عائشہ خان گلشن شہزادی



مہدین افضل شاہین اور لانیہ مہر کے سوالات اور شاملہ جی کے چھپے جوابات نے مزاد بالا کر دیا۔ اچھا جی زندگی رہی تو پھر اگلے ماہ ملاقات ہوگی انی امان اللہ۔

**غزالہ غفور..... گائوں جوڑا۔** السلام علیکم آج کل ہمیشہ کی طرح ذرا دست ہے۔ ام مریم آپنی ویل ڈن بہت مبارک ہو۔ اتنا اچھا ناول لکھنے کے لیے۔ نازی آپنی کا ناول ”برف کے آنسو“ بھی تک دماغ پر چھایا ہوا ہے اور ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ میں بہت اچھی اچھی دین کی باتیں ہیں۔ باقی تمام آج کل میڈیا کی طرح لا جواب تھا۔ زندگی نے اگر وفا کی تو پھر ملیں گے خدا حافظ۔

بھولے ہیں رفتہ رفتہ انہیں عتوں میں ہم  
فتلوں میں خود کشی کا مزا ہم سے ہتھیے

☆ ڈیزغزالہ خوش آمدید۔

**خدیجہ نور المثل..... کھڈیاں خاص۔** السلام علیکم اتو جی جناب اس پورے شمارے کو چھوڑ کر صرف ”مجھے ہے تم اذان“ پر تبصرہ کریں گے ویسے تو ام مریم کے اس ناول کی تعریف کرنا سورج و چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ پوری کہانی کا خلاصہ صرف تین حرفوں میں تھا مشکل ہے مرنے پر مشکل تر ہے بغیر اعمال کے قر میں اترنا ان الفاظ کو میں نے پڑھا بخور پڑھا اور بار بار پڑھا ہر دفعہ ایک نیا سبق ملا۔ اعمال کی درستگی کا خیال بار بار آیا واقع ہی زندگی عشق فانی کی تلاش میں اس قدر سرگراں ہوتی ہے کہ اپنا دامن اپنے والدین تک چھوڑ کر پاکستان آ جاتی ہے۔ عشق مجازی اسے عشق حقیقی تک پہنچا دیتا ہے عشق حقیقی اس کو مٹا ہے جس کی تیسری آنکھ کھلی ہو اور تیسری آنکھ کسی کسی کی ملتی ہے۔ زندگی کی تیسری آنکھ کھلی تو وہ فاطمہ بنی دیو کی تیسری آنکھ کھلی تو وہ ہارون بن گیا۔ تازہ اور تازگی جی دولت کے حصول کی خاطر پورے دل رتے ہیں لیکن یہ توازل سے اصول چلا آ رہا ہے جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ شاعر کا جیسے عورت کو چاند کی مانند نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ اسے دیکھتے رہیں۔ سورج کی طرح ہونا چاہیے جسے دیکھنے سے پہلے آنکھیں بند جانیں۔ چلو جی یہاں تک پہنچ گئے تو آگے بھی تبصرہ کر سکتے ہیں (بابا)۔ ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ بہت اچھی کہانی تھی۔ اس ماہ کی قسط پڑھی نہیں چلو جی ایک بات تو بھول ہی گئے، انہی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ ”نونا ہوا تارا“ جی نہیں شہوار کب مستحبر ہوں گی۔ ”ستارہ“ بھی اچھی کہانی تھی ہمیں تو خود ستاروں پر مبن نہیں ہے۔ امین رحمان کی تحریر بھی بہت اچھی تھی امین کو ہم سلام کہتے ہیں۔ اچھا جی رب را کھا۔

**گل مینا اینڈ حسینہ ایچ ایس..... ماں سہوہ۔** السلام علیکم آج کل جی ایسے ہیں آپ سب؟ ”بل ہمیں 28 تاریخ کو مل جاتا ہے آج کل لیٹ ملنے کی وجہ سے ہم آئینہ میں شرکت نہیں کر سکتے دو مرتبہ ہمیں نظر انداز کیا جا رہا ہے ہم آج کل کے دیوانے ہیں اور آج کل پڑھتے ہوئے ہم خوابوں میں کھو جاتے ہیں کیونکہ اس ماہ کی زندگی خوابوں سے مل رہی ہے۔ آج کل کے تمام سلسلے بہت ہی عمدہ ہیں کسی ایک کی تعریف دوسرے سلسلے کی حق تلفی کھلانے کی۔ کیا ناؤز کیا ناؤز افسانے اور کیا سلسلے وار ناؤز بہترین جا رہے ہیں۔ آج کل کے سارے سلسلے ہی ہمیں اچھے لگتے ہیں اللہ کرے آج کل دن دگنی رات چوٹی ترقی کرے آمین۔ 14 مارچ کو میری پیاری کزن گل بہار کی سال گرہ ہے آج کل کے ذریعے ہم گل بہار کو سال گرہ مبارک کرتے ہیں پکی برتھ ڈے ٹویو میری دلورانی! اس دعا کے ساتھ اللہ حافظ کہ اللہ ہمارے وطن کو اپنے حظ و امان میں رکھے آمین۔

**مہوش فاطمہ..... جہلم۔** السلام علیکم! شہلا آپنی کسی ہیں آپ؟ سب بڑھنے والوں اور آج کل اسٹاف کو میری طرف سے سلام۔ آج کل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں سلسلے وار ناول کی بات کی جانے تو میرا فورٹ ناول ”مجھے ہے تم اذان“ ہے جو میں نے پہلی قسط سے لے کر آخری قسط تک پڑھا۔ ام مریم جی آپ نے ناول کا اختتام بہت اچھا کیا ہے اور دین کے بارے میں آپ نے اچھا لکھا ہے اللہ آپ کو خوش رکھے آمین۔ اب ہو جائے باقی ناؤز کی بات سیر آئی ”نونا ہوا تارا“ بہت سنجو جا رہا ہے مجھے لگتا ہے تائبندہ بوا ہا زار میں جسے دیکھتی ہیں وہ یقیناً فیضان جو رابعو کے ماہوں ہیں انہی کو دیکھتی ہیں۔ راحت کا ناول ”موسم کی محبت“ بھی بہتر جا رہا ہے۔ کھل ناول ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ نے تینوں قسطوں میں بہت اچھی لکھی ہیں۔ نازی یہ کنول آئی آپ کب اپنے نئے ناول کے ساتھ آج کل کے صفحات پر جلوہ گر ہوں گی؟ آپنی آپ کا بہت انتظار رہتا ہے باقی سب بھی اچھا



تھا۔ اب اجازت چاہوں گی اللہ ہم سب کو کامیابی سے ہمکنار کرے اور آج کل کو بہت ترقی دے آمین۔

**ایم ایس..... چنیوٹ۔** آنجل اسٹاف رائٹرز اینڈ ریڈرز اسلام علیکم! مجھے آج کل پڑھتے ہوئے تیسرا سال ہے اور ان دو سالوں اور چار مہینے میں پہلی بار مجھے آج کل 26 کو ملاؤف..... میں بتا نہیں سکتی کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی یہ میرے لیے ایک طرح سے نئے سال کا تحفہ تھا۔ آج کل گمراہ آتے ہی سب سے پہلے اپنا فورٹ ناول ”نوٹا ہوا تارا“ پڑھا۔ پھر آئی آپ بہت اچھا لکھتی ہیں باقی سلسلہ وار ناول کے ساتھ ناولٹ اور افسانے بھی اچھے تھے۔ ”ہم سے پوچھئے“ میں پرویز افضل شاہین کے سوال اور آپ کے جوابات ہمیشہ مزہ دے جاتے ہیں۔ یادگار لمحے اور بیاض دل بھی بہت اچھا ہے۔ کام کی تین واقعی بہت کام کی ہوئی ہیں۔ اچھا جی اب اجازت دیں اس دعا کے ساتھ کہ آج کل ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور سب۔ انٹرنیٹ کو اللہ اچھا اور زیادہ کھینے کی ہمت عطا فرمائے سب قارئین کو میری طرف سے سلام دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

**ساریہ انصہ..... گجرات۔** اسلام علیکم! میں آج کل کی خاموش قاری ہوں پہلی دفعہ جب لکھ رہی ہوں۔ آج کل کی تعریف کی جائے تو لفظ کم پڑ جائیں گے نازیہ کنول نازی ”برف کے آنسو“ بہت اچھی تحریر تھی۔ رات و قا ”موسم کی محبت“ زبردست تحریر اور میرا شریف طور آئی ”نوٹا ہوا تارا“ کیا کہوں میں اس ناول کے بارے میں تعریف کرنے کے لیے الفاظ ہی نہیں ہیں باقی تمام رائٹرز بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں آج کل کے تمام سلسلے بیٹ ہیں اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور آج کل اسی طرح آسمان کے ستاروں کی مانند چمکتا دکھلا رہے۔

نماؤ تیر ماریہ! خوش آمدید۔

**مہک خلیل..... کلور کوٹ۔** اسلام علیکم! آئی کیا حال چال ہیں؟ امید ہے ٹھیک ہوں گی۔ آئی آج کل خلاف ترقی 24 کول گیا سب سے پہلے تیندو کھا اس میں اپنا خط دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سائے۔ سب فریڈز کو دکھایا کیونکہ وہ کبھی نہیں کتاب چھوئے شہر والوں کے مظلوم شائع نہیں کرتیں خیر فروری کا آج کل بہت زبردست تھا۔ سارا کہانیاں تو نہیں پڑھیں البتہ قسط وار سلسلے پڑھے اور ”مجھے ہے حکم اذان“ کا اینڈ ویل ڈن ایم اہرم! اچھا جی اللہ حافظ۔

نماؤ تیر مہک! امید ہے کتاب اور دیگر ہنوں کی بدگمانی بھی اب دور ہوئی ہوگی آپ آئندہ بھی شریک محفل ہو سکتی ہیں۔

**شبینہ مغل..... حیدرآباد سندھ۔** تمام ریڈرز رائٹرز اور آج کل اسٹاف کو میرا خدہ سلام۔ امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے ہاں جی تو بات ہو جائے آج کل کی تو 21 جنوری کی صبح مل گیا۔ سرورق بہت ہی خوب صورت لگا سر پر آج کل سجائے ہاتھوں میں حسین مہندی لگانے آج کل کو چار چاند لگا دیئے۔ جلدی زانچٹ میں اپنا نام ڈھونڈا پر ہمیں نہ پا کر دکھ ہوا لیکن فریڈ شہیر (شاہ کلڈر) شاہ زندگی (راولپنڈی) نے انتخاب کی تعریف کی دل خوشی۔ بارغ باغ ہو گیا جی آپ کا بہت شکریہ قیصر آپ کی سرگوشیاں پڑھیں حمد و نعت سے فیض یاب ہوئے مالک یوم الدین ہمیشہ سطرچ بہت بیٹ تھا۔ شانلہ کاشف کے کھنے بیٹھے جواب پڑھے ہنس ہنس کے پیٹ میں درد ہو گیا بہت خوب آئینہ میں سب ہی کے تبصرے بہت اچھے لگے خاص کر فریڈ شہیر آپ کا خصوصی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ یادگار لمحے میں عطیہ ملک معززہ یونس ایم کمال رشک حنا نجمہ نجمہ اعوان پسر ملک اور بانی سب نے بھی بہت اچھا لکھا دوست کا پیغام آئے میں سب کے پیغام بہت اچھے لگے۔ سحر یہ دوس اپنے پرس کو پیغام دیتی بہت اچھی لکھی اللہ پاک آپ کو خوش رکھے۔ نیرنگ خیال میں فرزانہ شوکتہ صاحبہ قریشی سلمیٰ غزل حارث بلال سباس گل شہینہ فیاض سب سے بیٹ حیران فضا برکت راہی طیبہ سحر یہ عطا رہے سب نے بہت خوب لکھا ویل ڈن۔ بیاض دل میں سب کے اشعار پسند آئے سیدہ غزل زیدی و ایمان کو اجاگر کرتا اتنا شاندار ناول لکھنے پر ڈھیروں مبارک باد اس کی گنتی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ ام مریم ناولٹ کھس ہونے پر ڈھیروں مبارک ہو لیکن یہ پڑھ کر بہت دکھ ہوا کتاب کنارہ نشی اختیار کر رہی ہیں پلیز ایسا نہ کریں آپ وقتاً فوقتاً اصلاحی اور مذہبی موضوعات پر لکھتی رہیں گے۔ ہمیں آپ کی اسٹوری پڑھنے کی عادت ہو گئی ہے آپ بہت شاندار لکھتی ہیں۔ سیرا شریف راحت دفا بہت اچھا لکھا۔ قسط لگی پلیز تمہارا زیادہ لکھا کریں تعارف سب کے بہت اچھے لگے راجا سلیم سدرۃ المستنیٰ جازبہ آمنہام کلثوم آپ کا تعارف پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اگلے ماہ تک کے لیے اجازت ان شاہ اللہ زندگی رہی تو پھر آج کل میں شرکت کروں گی اللہ رب العزت ہر دے ملک پر اپنا خاص کرم



کرنے آمین فی امان اللہ۔

**سزا بلوچ..... جھنگ صدر۔** محبت اور چاہتوں بھر اسلام قبول ہو مگر بلوچ کی طرف سے۔ ٹائٹل اودہ سدرہ ڈیر اونیوں روتے نہیں یہ چاکلیٹ اب ذرا انس کے دکھاؤ۔ ہمارا آٹھل میں چاروں بہنوں سے خالی سلام دعا کے بعد ملاقات کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے ام مریم آبی کا دروازہ کھٹکھٹایا "مجھے ہے حکم اذان"۔ شاہد ایک شاہکار ناول رہا بہت سی مبارک باد کی مستحق ہیں آپ اور ساتھ ہی ایک شکوہ کتاب قطع تعلق کیوں کر رہتی ہیں ہم سے؟ "پڑھی لکھی" ام انصاری وکیل ڈن بہت عمدہ ٹاپک چنا آپ نے۔ ہمیں تو ابھی سے یہ بات سننے کو ملتی ہے تو آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ "دوسری ماں" عیدہ یہی کہوں گی ساس نئے کبھی راس۔ "کروں مجددہ ایک خدا کو" وڈو رفل نے جان کرا "جالگا کہ اذان پیدا اسی مسلمان تھا۔ سیدہ غزل صدیقی چھانکس آپ مدتوں یاد رہے گا یہ ناول ہم سب کو۔ "موم کی محبت" جانے دو شرمین انا پرست عارض میں کیا رکھا ہے بولی کو اپنا لٹو مشورہ مفت۔ ہاں شادی پر خرچا اپنا کرنا پڑے گا باقی اسٹور بڑھی زیر مطالعہ ہیں۔ بیاض دل راشدہ جیل راشی کا شعر سن پسند لگا۔ ڈش مقابلہ ابھی میرے گھر والوں پر اتنا برا وقت نہیں آیا کہ میرے ہاتھ سے بنی کوئی ڈش کھائیں۔ دوست کا پیغام آئے "تمنا بلوچ میری دعا ہے کہ رائٹر بننے کے ساتھ ساتھ اللہ آپ کی ہر تمنا کو پوری فرمائے آمین۔ اوکے ہم ہیں راہی پیار کے پھر ملیں گے چلتے چلتے۔"

**لاٹبہ مہر..... اٹک۔** ڈیر شائلہ کاشف اینڈ آٹھل اشاف اسلام علیکم! اس بار آٹھل 22 کو ہی مل گیا معذرت کے ساتھ گزشتہ عید الفطر اینڈ سال نو کے ٹائٹل کے علاوہ 2012 سے آج تک کوئی بھی ٹائٹل پز نہیں آیا۔ آہم آہم تبصرے کا رخ کریں سیدہ غزل کی "کروں مجددہ ایک خدا کو" ایک بہترین پاورفل تحریر تھی احمد اذان میرا لیورٹ کروا بہترین ناول لکھنے پر بہت بہت مبارک باد۔ سیدہ غزل آبی آپ کہ۔ "مجھے ہے حکم اذان" ام مریم کا زبردست ناول پہلی قسط سے لے کر سیکنڈ لاسٹ قسط تک ہر کردار پر آپ کی گرفت مضبوط قسط بھر رہی لیکن آبی آخری قسط کچھ ہضم نہیں ہوئی شاید آپ نے جلدی میں لکھی ہے سند پوسے ملاقات ہوئی۔ امامسا ایمان اور بابا سائیں کو بھی نہیں دیکھا آخر میں کچھ کی کی سی محسوس ہوئی۔ بہ معذرت کے ساتھ۔ لاریب میرا پسندیدہ کردار بھی بہر حال اتنا اچھا لکھنے پر آپ کو ڈیر ڈیر مبارک باد تھی۔ ام مریم یقیناً آپ بہت جلد آٹھل میں دوبارہ حاضری دیں گی۔ راحت وقت "موم کی محبت" ہمیشہ کے برعکس اس بار کہانی نے متاثر کرنے میں کامیابی حاصل کر لی سوری راحت آپنی پلیز ڈونٹ مائنڈ اینڈ شرمین کو چاہیے بولی سے یا صبح احمد سے ملو میں لیکن اگر عارض ہی زیبا، افسور دار ہے تو پلیز اس بد تمیز سے شرمین کی شادی کبھی مت کروائیے گا۔ ڈیر سیر آبی! شہوار کے بدلے ہوئے رنگوں نے خاصا متاثر کیا اور اتنا مجھے پسند ہے اس کی غلطی جلد ہی دور کیجیے گا۔ جیا عباس اینڈ مع مکان بار! آپ دونوں بھی سہیلی فرمائیں اور اپنی کوئی تحریر آٹھل کے لیے لکھیں ریکوئسٹ ہے۔ میری درخواست نازیہ سے ہے پلیز آٹھل میں اپنی اسکی تحریر بھیجیں جو شدیدی ہو کہ ساری سید اسٹور یوں کے ریکارڈ توڑ دے میرے خیال سے آپ اس کام کو بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہیں آپ دنوں کا انتظار ہے گا۔ پروین افضل شاہین جی میں آپ کے پرس افضل شاہین کو اکثر اخبار جہاں میں پڑھتی ہوں اینڈ آپ کا نام اور FM 101 پر بھی سنا ہے شوروز ٹیل میں۔ اوکے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

**عنزہ یونس جلد دھڑ..... حافظ آباد۔** السلام علیکم! شہلا کیا حال ہے؟ دفعہ آٹھل 23 تاریخ کو ملا سب سے پہلے "مجھے ہے حکم اذان" پڑھی یہ کیا اسٹوری کا اینڈ ہو گیا اور وہ بھی ہم پڑھ نہ پائے کیونکہ۔ بقی الٹ پلٹ ہونے کی بناء پر اور ام مریم نے لکھنا چھوڑ دیا ہے یہ سن کر یقین ماننے میں سکتے ہیں آگئی مٹی دل اتنا دھی ہوا تھا کہ تا نہیں سکتی۔ میری گزارش ہے کہ آپ لکھنا نہ چھوڑیں پلیز کیونکہ ابھی تو میں نے آپ کی اسٹور پڑھی ہیں پلیز پلیز..... اس کے بعد "نونا ہوا تارا" پڑھی مگر یہ کیا ہم پڑھتے پڑھتے خود ہی ٹوٹ گئے۔ سیرا ڈیر پلیز انا کا دماغ ٹھیک کریں ورنہ جی ہم پاگل ہو جائیں گے (لڑکیاں)۔ ولید کو بھی چاہیے کہ انا کے گھے شکوے مٹائے پلیز راجہ اور عباس کی شادی کروادیں ویسے عادل سکون سے بیٹھے گی نہیں مگر پلیز جو بھی ہو جائے میری راجہ بدنام نہ ہو آمین۔ کلاہ کو تو اللہ پوچھے چنکو ولید بھائی کے ساتھ چیک ہی گئی ہے۔ ہائے اللہ جی مصطفیٰ اور شہوار بھائی راضی ہو گئے بھی حرا آ گیا۔ تم سے دل خوش ہوا پڑھ کے (ویسے اپنے مصطفیٰ بھائی کافی رومنگ ہیں کیوں؟)



بہر حال تمام اسٹوری بہتر تھی۔ اس کے بعد ”موم کی محبت“ بڑھی ویسے شہلاؤ تیرا آپ مانے نہ مانے میرے خیال میں عارض ہی وہ شخص ہے جس نے زبیا کو دھوکا دیا ہے۔ اس کے علاوہ ”کروں مجددہ ایک خدا کو“ اتنی بیسٹ اسٹوری تھی جس کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ سیدہ غزل زیدی آپ کو بہت مبارک ہو ایسی اسٹوری بڑا چل میں ضرر رہونی چاہئیں یہ آنجل کو مزید وقار اور وسعت دیں گی ان شاء اللہ اور اس طرح کی اسٹوری ایمان کو جتنی عطا کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ”دوسری ماں“ افسانہ اچھا تھا۔ ”عشق بے درد“ اچھا ناول تھا۔ ”یہ سب تمہارا کرم ہے“ کا ”بہت ہی بہترین کہانی تھی تم سے حرا آ گیا۔“ ”مہم نئے سال کا“ افسانہ بھی اچھا تھا۔ ”دل میں کچھ ہے“ تھے ”افسانہ بھی بہترین تھا“ ”چھوٹی سی بات“ اور ”سر پرانز“ تھی اچھے افسانے تھے۔ بیاض دل، ہم سے پوچھے آئندہ جواب آپ نے نیرنگ خیالی یادگار لے اور ڈش قابلہ بھی بہت اچھے تھے پڑھ کے مرہ آ گیا۔ ام مریم ویل ڈن آپ نے بہت اچھی کہانی لکھی تھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور ہاں ملک وقوم کے لیے دعا ضرور کریں گے اللہ اس مسلمہ ریاست کو قیامت تک قائم رکھے آمین والسلام۔

ہذا گزرا اگر کبھی ایسا کو پرچا آپ کو ملا کرے تو آپ نے جس دکان دار یا باکرے سے لیا ہوا ان کو دیے کہ تبدیل کر لیا کریں اور یہی سب بات سب بہنوں کے لیے بھی ہے۔

**مصباح عرف مشی شیوہ..... حافظ آباد۔** السلام علیکم! تمام لکھنے والوں اور پڑھنے والوں کو پیار بھرا سلام آج میں نے ہمت کر کے لکھا ہی لیا۔ ”کروں مجددہ ایک خدا کو“ اس نے مجھے قلم اٹھانے کے لیے مجبور کیا ہے۔ یہ کہانی واقعی ہمارے لیے ایک سبق ہے اور پٹیز آئندہ بھی اس طرح کی کہانیاں شائع کرتے رہیں گے اور باقی کہانیاں وہ بھی اچھی ہیں لیکن ”مجھے ہے حکم اذان“ کا ایڈیشن شائع نہیں ہوا پٹیز اس کو دوبارہ شائع کر دیں اور اب اجازت چاہتی ہیں اللہ کرے کہ آنجل دن دینی اور دات چوٹی ترقی کرے آمین۔

ہذا گزرا حکم اذان کا ایڈیشن شائع ہو گیا تھا فروری کے شمارے میں۔

**سعیدہ کنول..... ستیانہ۔** السلام علیکم! آنجل کے تمام اسٹاف کو پیار بھرا سلام۔ امید ہے آپ سب صحت و ایمان کی بہترین حالت میں ہوں گی۔ اب آتے ہیں رسالے کی طرف فروری کا۔ اس شمارہ بہت زبردست ہے۔ مجھے اس کے سارے سلسلہ وار ناول ”موم کی محبت“ ٹوٹا ہوا تارا مجھے ہے حکم اذان ”سب بہت پسند ہیں۔“ مجھے ہے حکم اذان“ کا ایڈیشن بہت اچھا لگا۔ ”دوسری ماں“ پڑھ کر دل اداس ہو گیا ”کروں مجددہ ایک خدا کو“ بہت زبردست لگا باقی سارا شمارہ بھی اچھا ہے اللہ حافظ والسلام۔

**نادیہ یسین..... ساھیوال۔** آنجل اس دفعہ خلاب۔ توقع 24 کول گیا سرورق دیکھتے ہی نعرہ لگایا پریکٹ۔ پہلے بات کرتی ہوں سلسلے وار ناولز کی ”موم کی محبت“ کے کرداروں کی طرح ہم خود بھی اچھے ہوئے ہیں کہ کس کو کیا مشورہ دیں۔ صغیر کو کہیں کہ دل بڑا کرموشی ڈالو یا زبیا سے کہوں جو یو یاہ کا نایا شرمین کو مشورہ دیں کہ بھئی بولبی بیسٹ ہے یا عارض۔ مجھے کیا ہوتا ہے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ جہاں شہوار مصطفیٰ کے ملن نے خوش کیا دل باغ باغ ہوا اتنا کہ ہم چھت سے لگانے والے ہو گئے (بھئی خوشی کے مارے)۔ وہ ہیں انا اور نید موسیٰ یقیناً انا انکار کی سوچے گی اب۔ ام مریم آبی ویل ڈن کیا انتقام کیا دل جھوم گیا آپ کے اس ناول سے کوئی ایک بھی ہرارت پانیا تمہیں ایک بہت بڑی نیکی جسے میں آگئی۔ سیدہ غزل نے بھی بہت اچھا ایڈیشن کیا ایک ایمان افروز روح کو کرم دینے والی قریر کے لیے بہت بہت شکر ہے۔ ”عشق بے درد“ فیضان جیسے دوستوں کے لیے ہی کہا گیا ہے کہ ایسے دوست کی محبت سے تنہائی بہتر پھاڑش کو خود اچھے برے کی تمیز نہیں تھی؟ پائل۔ صانوزو ڈن یہ چھوٹی سی بات ہی عورتوں کا مان وغرور ہوتی ہے افسانے ناولت بھی اچھے تھے چاروں نٹ کٹت۔ بہنوں سے مل کر بہت اچھا لگا۔ راجا مسلم لگی ہیں جو ایسے شوہر ملے آپ کو آئینہ میں فریڈ شہزادہ یہ کنول کے تبصرے بہت اچھے لگے۔ عائشہ پرویز (کراچی) مان لیا عائش کہ آپ بہت مصوم ہیں (میری طرح ۱۱۱)۔

**فیضہ جٹ..... 132 جنوبی۔** السلام علیکم! کیوٹ سی شہلاؤ آپ اس دفعہ آنجل 2 کول گیا ماڈل اچھی لگ رہی تھی۔ سب سے پہلے ”مجھے ہے حکم اذان“ پڑھا مریم آپ بہت ہی مزے کا ایڈیشن کیا میری طرف سے مبارک باد پھر چھٹا لگائی



”ٹوٹا ہوا تارا“ شکر ہے شہوار کو حقل آگنی اور یہ اب انا کو کیا ہو گیا ہے آپی جی وئی اور انا کی اب جلدی جلدی شادی کر دیں۔ مجھے آپ کا ناول بہت پسند ہے۔ ”کروں بجدہ ایک خدا کو“ بہت پیاری اسٹوری ہے اینڈ پڑھ کر نہ میرا دل کیا آپ کا منہ چوم لوں۔ ”عشق بے ورد“ انم خان آپ نے اسوہ کو کیوں مارو یا ارش کو اسوہ کے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا بہت دہی کر دیا اس ناول نے تو۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے فرحت اشرف شاہ زندگی جاناں چکوال شاہین آپی میں نے پوچھا تھا مجھ سے دوستی کریں گی اب یہ کیا کہ بندہ جواب دینا ہی بھول جائے۔ شاہین آپی میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو چاندی بیوی دے آمین۔ مائرہ فریحہ صدف نادیہ عاصمہ کو سلام۔

**تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان۔** السلام علیکم شہلا آپی! سب سے پہلے تو یہ لٹا چل سارے کا سارا بیٹھ ہے مگر اس میں ہم سے پوچھنے کی جگہ اسلامی سوال و جواب پوچھے جائیں جن سے کہ ہماری معلومات میں اضافہ ہوگا اور ہم اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزار سکیں گی۔ باقی اگر کسی کو ہماری بات یا مشورہ نہ لگا ہو تو معاف کر دو۔ جیسے گا۔ اب آتے ہیں آپی میرا کہ ”ٹوٹا ہوا تارا“ کی طرف آپی بس دل کرتا ہے کہ سیدھی شہوار کے گھر چلی جاؤں اور اس کی در مصطفیٰ بھائی کی نظر اتار کر ان کی ساری بلائیں اور انا اور ونید کے سارے دکھ کاٹھ کے گلے میں ڈال دوں تاکہ وہ سب سکون سے جی سکیں اور آپی پلیز زیادہ لکھا کریں اور ہاں اگلی بار میں چیک کروں گی کہ آپ ہماری بات کا کتنا مان رکھتی ہیں۔ باقی سب ہی سلسلے اچھے ہیں اور مریم آپی بہت بہت مبارک اب جلدی سے کسی اچھے سے ناول کے سات انٹری دیں۔ مس یو آپی! اور نازی آپی آپ کہاں گم ہیں یار جلدی سے حاضری دیں اپنے نئے ناول کی ساتھ اور پلیز بہنوں کی عدالت سے ابھی نہ جائیں! اچھا والسلام اللہ حافظ۔

جنگریا آپ کی تجویز منظور کر لیں ہیں ان شاء اللہ کوشش کریں گے ان پر عمل کرنے کی۔

**مصباح مسکان و نواف..... جہلم۔** محترمہ مدیرہ صاحبہ السلام علیکم! میں آپ کی بہت پرانی قاری ہوں اور ہر ماہ باقاعدگی سے ناول سے فیض یاب ہوتی ہوں نئے ناول کے سب سے پہلے ہی سلسلے اچھے اور عمدہ ہیں۔ اشعار اور غزلیں زبردست جبکہ تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں تمام رائٹرز بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اللہ ناول کو حیرت انگیز شہرت اور ترقی عطا فرمائے آمین۔ مزید عرض یہ ہے کہ مابعدولت کو لکھنے کا بہت شوق ہے اور اس شوق کے پیش نظر اپنی ایک کاوش آپ کو رسالہ کی ہے۔ دوسرے رسالے کا نام ”آچل کیلی“ ہونا چاہیے اور اس میں صرف ایک کسی مشہور رائٹر کی قسط دار کہانی جبکہ ہاں تمام نئی رائٹرز ہونی چاہیے تاکہ نئے لکھنے والوں کو بھی موقع ملے۔ امید ہے کہ تجویز پر غور کیا جائے گا اچھا اب اجازت چاہتی ہوں ان شاء اللہ سانسوں نے وفا کی تو پھر ضرور تشریف لائیں گے دعا ہے اللہ ہمارے ملک کو دشمنوں سے بچائے اور اپنی حفظ و ان میں رکھے آمین اللہ نگہبان۔

**اقراء لیاقت..... حافظ آباد۔** السلام علیکم! اس وقت ناول 24 کوئی لکھا گیا (یا لگ بات ہے کہ ملا نہیں بلکہ کسی سے چھینا گیا ہے) سب سے پہلے ام مریم کی کہانی ”مجھے ہے حکم اداں“ پر چلائے گا۔ یہ کیا ہوا اسکندر بھائی کی تھوڑی سی اسٹوری بتاتی مگر اچھی تھی اس کے علاوہ قسط کا تو دماغ اچھا بھلا خراب ہوا پڑا ہے۔ دیو اور زینب کی شادی ہو گئی بہت اچھا مگر یہ کیا کہانی کا اختتام تو ملا ہی نہیں۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ کی انا صاحبہ پر تو مجھے بلا کا غصہ ہے عجیب ہی ہو گئی ہے پر اس میں ولید کی بھی غلطی ہے اسے چاہیے کہ انا کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کرنے انہیں ملادیں اور کافراہ کو تو میرا جی کرتا ہے کہ ماؤنٹ ایورسٹ پر چڑھا کر وہ کادے آؤں شہوار ویل ڈن۔ سیر آپی پلیز ان کو علیحدہ مت کیجیے گا۔ بات کریں ”موم کی حبت“ کی تازہ و اسی ہی موم کی حبت ہی لگی بلکہ ہر دفعہ لگتی ہے۔ ”کروں بجدہ ایک خدا کو“ ویل ڈن سپر غزل زبیبی آپ نے بہت ہی اچھا لکھا۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جس سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے آچل کو ایسی کہانیاں ضرور شائع کرنی چاہیے تاکہ ہماری اصلاح ہو سکے اور آچل کا میخار اور بلند ہو سکے۔ ”عشق بے ورد“ بہت اچھی کہانی تھی واقعی میں عشق اتنا ہی ذوار مرحلہ ہے یا پھر اس سے بھی زیادہ۔ ”دوسری ماں“ افسانہ بھی بہت اچھا تھا جس میں ساس اور بہو کے لیے بہت بڑا سبق موجود ہے۔ ”یہ سب تمہارا کرم ہے آقا“ ایمان کو تازہ کر دینے والی کہانی ہے۔ اس کے علاوہ ”سر پرانز ستارہ“ ”عزیز می“ ”کسی اور عہد“ نئے سال کا ”بہت اچھی رہیں اور وطن کی ہوا میں سلام ہتی ہیں“ واقعی ہی اس میں کشمیر اور کشمیریوں کی زندگی کا اصل مقصد واضح کر دیا گیا ہے جہاں ہر بچے کی



زندگی کا مقصد شہادت ہی ہے۔ ”دل میں کچھ واہے تھے“ بہت اچھا افسانہ اور ایک حقیقت تھی۔ واقعہ ہی شک رشتوں کو کمزور کر دیتا ہے۔ نیرنگ خیال میں مدحت ”مصطفیٰ“ بے بسی تمنا اور ایک شام اچھی لگیں۔ یادگار لمحے میں حضور پوس سبط الرحمن شگفتہ خان اور روبی علی نے اچھا لکھا۔ بیاض دل میں ساڑھ جب زہد پروین اور عائشہ پرویز کے اشعار اچھے لگے۔ نازیبا پی کے سوالوں کے جواب بہت اچھے تھے اس کے علاوہ سب سے ممکن بات یہ کہ صبری فہرث ترین راضیہ ام ریم نے اپنے تحریری سفر کا اختتام کروایا ہے یقین مانیں آپنی جان کر بہت دکھ ہوا لیکن رب سے دعا ہے کہ آپ جہاں بھی رہیں خوش رہیں آج کل کو ایڈوانس میں سال گرہ بہت بہت مبارک ہو۔

**پروین افضل شاہین..... بھاولنگر۔** پیاری باجی شہلا عمر صاحبہ! السلام علیکم! اس بار بہت ہی جاذب نظر سرورق نے دل موہ لیا۔ نازیبا کتول آزی سے سوالات اور ان کے جوابات بہت ہی اچھے لگے سلسلے واداد اور مکمل ناولز ناولٹ تو ہوتے ہی لا جواب ہیں۔ افسانوں میں ”چھوٹی سی بات“ عہد نئے سانس کا دوسری ماں ستارہ عمر پروین ”سینڈ آئے۔ ارم کمال“ ایس بیٹول شاہ ”عجم اعجم اعوان کے اشعار بشری نویدہ باجوہ سباس گل کی غزلیں دعا ہاشمی زوبلی علی کے ہر دگر لکھے مدیحہ نورین ملک سیدہ جیاعہ اس عائشہ صدیقہ کے سوالات پسند آئے۔ ہماری دعا ہے کہ آج کل اور عروج حاصل کرے آمین۔

**سمیرا مشتاق ملٹ..... اسلام آباد۔** السلام علیکم! آپنی جان آج کل کے تمام قارئین کو میری طرف سے سلام۔ ہمیشہ کی طرح اس ماہ کا آج کل بھی زبردست تھا بڑے عرصے کے بعد پھر آج کل کی طرف آئی ہیں کیونکہ پچھلے کچھ ماہ بہت ہی مصروف گزرے مگر یہ کیا کتاب بھی بھول گئیں۔ ”کروں بجدہ ایک خدا کو“ یہ ایک نئی کاوش اچھی لگی اس کے علاوہ ”عشق بے درد“ پسند آئی۔ بیاض دل میں ارم کمال ایس بیٹول شاہ اور محرش خان کے انتخاب بیست لگے۔ ڈش مقابلہ میں عربی مچھلی بہت مزے کی لگی۔ اس دعا کے ساتھ اہ زت دیں کہ اللہ پاک آپ کو آج کل کی پوری نیم اور سارے لکھاریوں کو ہر آئے دن کامیابی عطا فرمائے آمین اللہ حافظ۔

**طیبہ مریم..... تونسہ شریف۔** پیاری آپنی کیا حال ہے؟ میں آج کل بہت شوق سے پڑھتی ہوں اس کے تمام سلسلے لا جواب ہیں مگر ”نوٹا ہوا تارا“ میرا سوٹ فہرث ناول ہے۔ ”مصطفیٰ اور شہوار کے ساتھ ساتھ انا اور ولید کا کردار بہت اتریکٹو ہے لگتا ہے اتار نام کا اثر ہے اس لیے ولید کو کچھ نہیں بتائی۔ ”مجھے ہے تم اذان“ میں سکندر اور لاریب کو مزے سے پڑھتی تھی اس کا تو خیر اینڈ ہو گیا مریم آپنی سے گزارش ہے کہ بہت جلد نئے ناول کے ساتھ ہمارے مزے واپس لوٹائیں۔ ”موم کی محبت“ میں عارض صفور زبیر شرمین بوبنی صبیح احمد سب اچھے لکھے ہیں بھی الجھاد ہے ہیں۔ ”کروں بجدہ ایک خدا کو“ اس کا اینڈ اچھا لگتا باقی رسالہ بھی زبردست ہے۔

**وثیقہ زہرہ..... سمندری۔** السلام علیکم! آپنی کیا حال ہیں میری طرف سے سب انٹرز اور قاری بہنوں کو سلام۔ فروری کا آج کل 25 تاریخ کو لکھا گیا سب معمول حمد وادت سے فیض یاب ہوتے ہوئے ”مجھے ہے تم اذان“ کی طرف بڑھے۔ ام مریم نے بہت خوب صورتی سے کہانی کا اینڈ کیا جہاں رشتوں کا اتنے اچھے طریقے سے ملاپ ہوا ہی قرآن پاک سے بہت سی بہنوں کی اصلاح ہوئی۔ ہر کردار بہت خوب صورتی سے اختتام تک پہنچا۔ ام مریم کو بہت مبارک ہو اتنا اچھا ناول لکھتے پر۔ ”نوٹا ہوا تارا“ واہ جی واہ عادلہ اور کاوش کی ہمت کو داد دینی پڑے گی کس دیدہ دلیری سے دوسروں کا لھر خراب کر رہی ہیں۔ ”موم کی محبت“ بہت اچھا جا رہا ہے۔ ”کروں بجدہ ایک خدا کو“ بہت ہی پسند آیا باقی ناولٹ اور افسانے بھی اچھے تھے

☆ اب اگلے ماہ تک رخصت اس دعا کے ساتھ کہ رب تعالیٰ ہمارے ارض وطن پاکستان کو شہ پند عن صر کے شر سے محفوظ رکھے اور ہم سب پر اپنا رحم و کرم نازل فرمائے آمین۔



aayna@aanchal.com.pk



## تعمیر چاہئے

### شمالیہ کاشف

عمرہ پولس..... حافظ آباد

س: شمی آپ! آپ کو میرا آنا پھر آنا اور پھر آنا کیسا لگا؟

ج: بالکل ویسا ہی جیسا کہ.....

س: شمی آپ! اگر میں سیاست میں آ جاؤں تو آپ

ووٹ کسوں کی مجھے یا...؟

ج: تمہارے میاں جی کو کیونکہ وہ بھی مظلوم عوام میں

شامل ہیں۔

س: آپ! مجھے آپ اور آپ کا شہر بہت پسند ہے کیا

آپ میری دعوت کریں گی؟

ج: مکھن اچھا لگایا ہے مگر جمانیں۔

س: ہائے اللہ جی شمی! قسم سے کسی بڑے سوہنے

لگدے بے آواز آخرفیس پر کپ لگایا ہے؟

ج: تمہیں بتاؤں تاکہ تم بھی لگا کر میرے جیسی خوب

صورت ہو جاؤ۔

جاننیہ مغل..... للیانی سرگودھا

س: آپ! کیسی ہونروری کسی لگد ہی ہے؟

ج: ہیں کہل کی سردی کسی سردی نہ ہل تو گرا گئی ہے۔

س: آپ! سردیوں کی سب سے بہترین انجوائے

منٹ کیا ہے؟

ج: غالباً نوڈ شیڈنگ سے شبات مگر اب وہ بھی

نہیں.....

س: آپ! تھے سال کے لیے آپ کا کیا ارادہ ہے

میرے ہارے میں؟

ج: بس دعا ہے کہ تم سدھر جاؤ۔

ارم کمال..... فیصل آباد

س: شمالیہ جی! آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا باتیں

ہوتی ہیں؟

ج: آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہوتے ہیں۔

س: بس اک صنم چاہیے بھلا کس لیے؟

ج: گھر کے کام کروانے کے لیے۔

س: وہ ہمیشہ دل کو جلا۔ نے کا سبب ہی کیوں بنتے ہیں؟

ج: ضرور شوہر نامدار ہوں گے۔

س: شمالیہ جی! زندگی لی کتاب میں کون سا صفحہ سب

سے دلچسپ ہے؟

ج: اول صفحہ۔

س: شعر کا جواب دیں۔

پاؤ ماضی بھی اک، عذاب ہے یارت

چھین لے تو تجھ سے حافظ میرا

ج: ایسے شعر کی ٹانگہ توڑی ہے کہ شاعر بھی عذاب

میں ہوں گے۔

جازبہ ضیافت مہاسی..... دیول مری

س: ویسے سوچنے کی بات ہے سال میں صرف بارہ

مہینے ہی کیوں ہوتے ہیں نیرہ چودہ اور پندرہ مہینے کیوں

نہیں ہوتے؟

ج: تم سوچو خوب سوچو اس دوران یہ بارہ مہینے بھی گزر

جائیں گے۔

س: ہاں ہے ہم اپنے کارن کے بیٹ ڈیوٹر رکھتے ہیں

اور ڈیوٹر کا اتنا شوق ہے کہ اکثر سوئے ہوئے رات کو اٹھ

بیٹھ کر ڈیوٹر شروں کر دیتے ہیں اور آگے تب کھلتی ہے

جب اماں جان ہمارے لے بہ بالوں کی چٹیاں کو زور سے

کھینچتی ہیں ہم کیا کریں؟

ج: اپنے شوق کے لیے نجی ہو جاؤ۔ نہ رہیں گے بال

نہ پڑے گی مار۔

س: جب ہم خاموش لو، او اس بیٹھیں تو سب پوچھتے

ہیں ”خاموش کیوں بیٹھی ہو“ اور جب ہم ہنستے بولتے

پھرتے ہیں تو پھر بھی سب پوچھتے ہیں ”اتنا چپک کیوں

رہی ہو؟ آپ ہی بتائیں، تم کیا کریں؟

ج: تمہیں بھی تو مینار کہ ری او اس بلبل بننے کا شوق

ہے۔

س: جب ہم ہنستے ہیں تو بھی آنکھیں لبالب بھرا آتی



ج: آنھوں میں گھر میں بیچے بڑے ہو جائیں اس لیے۔  
 نجم، نجم..... کورنگا، کورنگی  
 س: محبت کے پھول سجا کر روانہ کر رہی ہوں مسکرا کے  
 قبول فرمائیں۔

ج: آپ کے پھول تو ڈاک کیا۔ لٹاڑا۔  
 س: اگر آپ کو آسمان کی حکومت مل جائے تو ستاروں  
 سے کس کا نام لکھیں گی؟  
 ج: نجوم ستارہ تو قمر کی باتیں اب پرانی ہو گئی ہیں جناب!  
 س: تین سالوں کے بعد پھر آگئی ہوں آپ کا سر  
 کھانے کے لیے لفٹ ملے گی یا یوں لوٹنا پڑے گا؟  
 ج: ہمارا سر کھانے کے لیے ہمارے سر پر کچھ پچھائی  
 نہیں ہے اب۔

خدیجہ پور..... مڈیاں قصور

س: شامل آپ میرے سوالوں کے ایسے جواب  
 دیتی ہیں کہ میری آنکھوں کے گے تارے ڈانس کرنے  
 لگتے ہیں اور دانت تو ایسے غائب ہوتے ہیں کہ جیسے تپسی  
 کہیں دکھ کر بھول گئی ہوں اب ایسی بھی کیا دیکھتی ہے؟  
 ج: دن میں تارے دکھانا مارا کمال ہے اور آپ کی  
 تپسی کا غائب ہو جانا آپ کے میاں جی کا کمال ہے۔  
 س: آپ وہ جو روٹی کی ٹوکری ہے وہ آپ کی خالہ لگتی  
 ہے یا پھر آپ اس کی خالہ لگتی ہیں؟  
 ج: ہماری کچھ نہیں لگتی البتہ آپ کی ساس لگتی ہے جسی  
 آپ کی ڈاک کھا جاتی ہے۔

بند پاکستان بشار..... بھکر

س: پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں آ رہی ہوں مجھے خوش  
 آمدید کہیے کیونکہ یہ میرا حق بھی ہے اور آپ کا فرض بھی۔  
 ج: حقوق و فرائض کی بارانہ مت کرو ورنہ تم ہی پھنس  
 جاؤ گی۔  
 س: یہ چینی اتنی چٹی کیوں ہوتی ہے؟  
 ج: یہ چینی جا کر پتا کرو۔

لائب مہر..... حضرت وانک

س: سبھی ڈاکٹر چشمہ کیوں پہنتے ہیں کیا سبھی کی نظر

ہیں اور جب اسی میں روتے ہیں تو بھی..... اور جب کوئی  
 اپنائیت اور پیار سے گلے لگاتا ہے تو بھی..... بھلا کیوں؟  
 ج: رونے اور دلانے کے علاوہ بہت کام دنیا میں۔

شازیہ فاروق احمد..... خان بیلہ

س: شاملہ جی کہیے مجھے یاد کیا یا نہیں؟  
 ج: آپ نے تو کبھی کہا ہی نہیں تھا کہ آپ کی یاد بھی کتنا ہے۔  
 س: شاملہ جی ہاتھ جل جانے تو مر رہا لگاتے ہیں دل  
 جل جائے تو کیا کرتے ہیں؟  
 ج: جل گزرتے جاتے ہیں تمہاری طرح۔  
 س: تنہائی میں سو بہانے کا بہانہ کب بنایا جاتا ہے؟  
 ج: اب تنہائی کا میسر ہونا مشکل ہے لوڈ شیڈنگ بہت  
 ہوتی ہے اس میں سو بہانوں۔

س: شاملہ جی سردی جاتی نہیں رہی ان سردیوں کے  
 موسم میں آپ نے حفاظتی اقدامات تو کر لیے تھے نا؟  
 ج: ہم نے تو کر لیے تھے اپنا حال سناؤ تپسی کہاں  
 رکھ کر بھول گئی تھی۔

س: شاملہ جی! پروین افضل شاہین صاحبہ مجھے  
 مخاطب نہیں کر رہی ہیں آپ ان سے پوچھئے نا کہ کیا وہ  
 ناراض ہیں؟

ج: یہ سلسلہ ہم سے پوچھنے تک سناپ خود ہی پوچھئے۔  
 س: آپ خوب صورت ہونی چاہی ہیں خوش اخلاق  
 بھی اوجہ کیا ہے؟

ج: اب ہر بات بتانے کی ہوتی نہیں نا.....

سحرش بٹ..... وینڈ

س: آدابہ نئی جی! پہلی بار آئی ہوں جگہ ملے گی؟  
 ج: میز کے نیچے چلی جاؤ آئی جی.....  
 س: آئی جی مجھے دادی امی ہر وقت گھر کے کاموں کا  
 کہتی رہتی ہیں کہ اگلے گھر جانا ہے مگر ہمارے گھر سے کوئی  
 اگلا گھر ہے ہی نہیں۔

ج: یہ تو دادی کو بتاؤ کہ تمہیں اگلے گھر نہیں دراصل  
 پچھلے گھر جانا ہے۔

س: آئی جی! اپنے بچوں کو گھر میں کیوں گھماتی ہے؟



دلچسپ جملات کہاں سے لانا ہیں؟ کون سا کمپیوٹر فٹ ہے آپ کے دماغ میں؟

ج: قدرتی آپ کے سر میں تو بھوسا بھرا ہے نا۔  
س: بیوی کے لیے تو شوہر مجازی خدا اور شوہر کے لیے بیوی؟ ہوں ہوں بتائیے نا؟

ج: ساری زندگی کی سزا۔  
س: آپ کی گرمیاں آنے والی ہیں پھر ٹینشن لوڈ شیڈنگ کی؟

ج: تو اب بھی کون سا ٹینشن بفری ہیں ہم تم ہونا۔  
پروین افضل شاہین..... بہاؤ لنگر

س: میرے میاں جانی پرس افضل شاہین کی شکل دیکھتے ہی مجھے کے بچے رونے کیوں شروع کر دیتے ہیں؟  
ج: وہ ان کی چیزیں جو نہیں کرکھا جاتے ہیں تم کھانے کو جو نہیں دیتیں۔

س: اپنی خوب صورت سہیلیوں کو اپنی میاں جانی سے کیسے دور رکھوں؟  
ج: سہیلیوں کے سامنے میاں کی جھوٹی تعریف کرنا

چھوڑ دو۔  
س: جب وہ ہنستے ہیں نہ بھلا مجھے کیا شک ہونے لگتا ہے؟

ج: کسی اور کو دیکھ کر ہنس رہے ہوں گے ورنہ مجھ میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔  
شیریں گی..... ٹمن

س: اچھا! اتنے دنوں بعد، برا آنا کیسا لگا؟  
ج: ہوا کے تازہ جھونکے کی طرح۔

س: شائکہ آپلی ہمیشہ اپنے ہی کیوں نقصان دیتے ہیں؟  
ج: لو بھی تمہیں اتنا بھی نہیں پتا، غیر ہمیں جانتے جو نہیں۔

س: میرے جسم پر پنجہ تو بہت لگے تھے سر اٹھا کر دیکھا تو اسنے کھڑے تھے  
ج: تھک گئے تمہاری فضول کی بگو اس سن کر۔

کمزور ہوتی ہے؟  
ج: ڈاکٹروں کی نہیں غالباً آپ کی نظر کا فتور ہے کہ ہر ڈاکٹر چشمے والا ملتا ہے۔

س: جسے بھی ہم دیکھ لیں پلٹ کر اسی کو اپنا غلام کر لیں۔  
ج: بس پھر نہیں پلٹ کر ضرور دیکھنا تاکہ وہ جو روکے

غلام بن جائیں۔  
س: بولی وڈ کی سب سے خوب صورت اداکارہ ایشویا رائے سے اور بولی وڈ کی؟

ج: ٹمن بن جاؤ ابھی جگہ خالی ہے۔  
ماریہ کنول، ماسی..... جگہ ورکاں

س: آپلی میں جب بھی آئینہ دیکھتی ہوں تو ڈر جاتی ہوں کیونکہ اس میں آپ کا.....؟  
ج: عکس نہیں ہوتا بلکہ تمہارا اپنا عکس ہوتا ہے ڈر تو لگے گا ہی۔

س: اچھا جی اجازت دیں اچھی سی دعا اور نصیحت کے ساتھ۔  
ج: سدا خوش رہو، نصیحت اپنے خرچے پر جم کر چلیو۔

مہک خلیل..... نامعلوم  
س: نہاں جی بالکل ٹھیک پہچانا میں نئی ہوں؟  
ج: نئی ہو یا ٹھیک ہو ہی جاتا۔

س: ارے ارے میری میاں بلا رہی ہیں بائے بائے۔  
ج: ان کو بتا کر نہیں آئی تمہیں چلو اب جو تے کھاؤ دس نمبر کے۔

رشک و..... برتالی  
س: ٹھک ٹھک ٹھک..... آپلی پہلی مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں سلام قبول کیجیے۔

ج: ویکم اسلام۔  
س: موسم ہے بڑا قاتل کھو جائے گا نا..... کیا کھو جائے آپلی؟

ج: آپ کے پلو سے بندھا گدھا۔  
س: آپلی! آپ کو ہر ماہ اتنے سوالات ملتے ہیں اتنے



نے بھی۔

عائشہ پرویز..... کراچی  
س: آپنی جی میں تھی ہوں، ویکلم کریں نوسال میں (عی  
عی ہی)

ج: نئی نہیں آپ بہت پرانا ہونو بھی بہت۔  
س: سورج ہوا دم چاند چلنے لگا میں ٹھہرا رہا زمین  
چلنے لگی آپنی کیا یہ میرا پہلا پہلا پیار ہے؟  
ج: کون پہلا پیار ہے یہ آتا تو بتاؤ۔  
س: لوگ ستارے چاند تو زلزلے کی بات کرتے ہیں  
سورج کیوں نہیں؟

ج: بہت گرم ہوتا ہے پھر کیسے لے کر آئیں گے ہاتھ  
اور منہ دونوں جل جائیں گے۔  
س: آپنی یہ امی سب بچوں کو چھاما کیوں کہتی ہیں  
سورج ماما کیوں نہیں؟

ج: کیونکہ ہر ماما کے سر پر چاند ضرور ہوتا ہے ویسے تم  
اپنے بچوں کو یہ بھی پڑھا دینا۔

فریحہ شبیر... شاہ نکلڈر

س: ہمیں اڑتی اڑتی خرملی تھی کہ آپ نے ہمیں  
یاد کیا ہے؟

ج: اس لیے کہتے ہیں کہ اڑتی خبر پر کان مت  
دھرا کرو۔

س: میں تو سمجھتی تھی کہ آپ بھول گئی ہوں گی؟ یاد دلانا  
بھی مشکل ہوگا؟

ج: میں ہا دام کھاتی ہوں، نہاری طرح سنجوں نہیں۔  
س: ویسے آپنی بھولنے والوں کو یاد کیسے دلا یا جائے؟  
ج: کوئی تھنڈے کر اور وہ بھی مہنگا والا۔

❦

س: آپنی جی نیا پاکستان کب بنے گا؟

ج: پہلے اس کے قرض تو ادا کرو تم پہلے ہی مقروض ہو۔  
س: ابھی ہی وعدے کر رخصت کریں؟  
ج: سدا مسکراتی رہو۔

عابد محمود..... ملکہ ہانس

س: ڈیئر شاملہ آپنی اکئی سالوں کے بعد آپ کی محفل  
میں حاضر ہوں امید ہے کسی کو نے میں جبکہ ضرور ملے گی؟  
ج: جو ہے کے بل میں کس کر بیٹھ جاؤ ارے نما مان  
گئیں چلو میز کے نیچے بیٹھ جاؤ۔

س: آپنی بعض حادثے چپ چاپ گزر جاتے ہیں مگر  
ان کی کسک بعد میں کیوں تڑپاتی ہے؟

ج: کون سے حادثے کی بات کر رہی ہوں پہلے وہ بتاؤ۔  
س: ایسا! آج کل خلوص و وفا کو بھی دولت کے ترازو  
میں تولا جاتا ہے؟

ج: عام ترازو ان کا وزن برداشت نہیں کر سکتا  
اس لیے۔

کوثر خالد..... جڑانوالہ

س: شاملہ ایوں پر گوئد جو چپکائی تو سوالات کی بارش  
امنڈ پڑی بتاؤ کتنے سوال کروں؟

ج: سب کرو مگر اس طرح کے فضول سوال مت کرنا۔  
س: میری زندگی میں آنے والی پانچویں شاملہ ہیں  
آپ کیا خیال ہے رشتہ پکا؟

ج: پہلے چار سے فلرٹ کے بعد اب ہم پر لائن مارو گی  
آف اللہ۔

شرزاہ بلوچ..... جھنگ صدر

س: آج پھر تم پہ پیارا آیا ہے بے حد اور بے شمار آیا  
ہے..... لو ہم بھی آگے پھر آپ کے پاس۔

ج: ہمارے پاس آنے کی بجائے ہاتھ روم جا کر گانے  
کا شوق پورا کرلو۔

س: ہر سانس کو اپنی بہو اور ہر بہو کو اپنی سانس سے  
شکایت کیوں ہوتی ہے؟

ج: کیونکہ سانس بھی کبھی بہو تھی ضرور یہ دیکھا ہوگا تم



کا قد چھوٹا ہے عمر 18 سال ہے اس کے لیے بھی کوئی علاج تائیں۔

محترم آپ CALCFLUOR-6X کی 4 گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور، ہن کو قد بڑھانے کے لیے CALC PHOS-6X کی 4.4 گولی تین وقت روزانہ کھلائیں اور BHARIUM-CARB-200 کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں۔

غلام مرید فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر کوئی موثر علاج تائیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

سیکنڈ بی بی فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے بند نزلے کی شکایت ہے جو سردی کا موسم شروع ہوتے ہی ہو جاتا ہے اور میرے سر کے بال بھی سائیڈ ہو رہے ہیں۔

محترم AMMON CARB-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اس کے علاوہ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلیک کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔ HAIR GROWER آپ کے گر پھینچ جائے گا اس کے استعمال سے بال سفید ہونا اور گرنا بند ہوں گے بال لمبے گئے اور خوب صورت ہو جائیں گے۔

صبا مرزا فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ 20 سال سے مجھے کانوں کا مرض لاحق ہے دونوں کان بہتے ہیں اور سوراخ ہو گئے ہیں۔

محترم آپ TELLORIUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔

میرا ٹوبہ فیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں APHRODITE کا استعمال کیا ہے بالوں کو جلدی ختم کرنے۔، لیے اس کے ساتھ کوئی



بوسید اکتوبر 15 مہرزا

سدرہ بتول پیر محل سے لکھتی ہیں کہ چہرے کے بالوں کو ختم کرنے کے لیے آپ کا APHRODITE استعمال کیا تھا کافی حد تک بال ختم ہو گئے ہیں باقی بالوں کو ختم کرنے کے لیے مزید استعمال کرنا چاہتی ہوں اس کے علاوہ میرے کانوں کا مسئلہ ہے۔ بہت کم سنائی دیتا ہے اس کا بھی کوئی علاج تائیں۔

محترمہ آپ کان کا مسئلہ کان کے ڈاکٹر کو دکھائیں ایفروڈائٹ استعمال کرنے کے لیے 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلیک کے نام پتے پر ارسال کر دیں جب تک کھل طور پر بال نکلنے بند نہ ہو جائیں ایفروڈائٹ کا استعمال جاری رکھیں۔

عمران خان گوجراں سے لکھتے ہیں کہ اچھی خوراک کے باوجود میں بہت کمزور اور دبلا پتلا ہوں کوئی خوراک میرے جسم کو نہیں لگتی میرے مسئلہ کا بھی کوئی حل بتائیں۔ محترم آپ ALFAFA-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ جوابی لگانے بھیج کر ضائع نہ کریں براہ راست جواب نہیں دیے جاتے۔

ایم ایچ گوجر خان سے لکھتے ہیں کہ 5 ماہ سے میرا پیشاب بند ہے ٹکی لگی ہوئی ہے ڈاکٹر زاپریشن بتاتے ہیں کیا ہو میو پیسٹی میں اس کا کوئی علاج ہے۔

محترم آپ SABAL SERULITA (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔

ساریہ غنی فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ آپریشن سے بچنے کی پیدائش کے بعد میرا پیٹ بڑھ گیا ہے کوئی ایسی دوا لکھیں کہ میرا پیٹ کچھ تو کم ہو جائے دوسرے میری بہن



آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ تین چار بوتل کے استعمال سے آپ کے بالوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔  
حامد چوہدری لاہور سے، لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور ہینر گ۔ وور کی مزید تین چار بوتلیں استعمال کریں۔

سلاویہ خان ٹوبہ فیک ٹلمہ سے لکھتی ہیں کہ میری کمر میں درد رہتا ہے پھٹوں میں شدید کھنچاؤ رہتا ہے کافی علاج کروائے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا برائے مہربانی اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ RHUSTOX-3X کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

مسز ایس علی سومر وحید آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ نے بہت سی بیماریوں کا لکھا ہے آپ کلینک پر تشریف لائیں یا کسی مقامی ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے رجوع فرمائیں۔

عائشہ شہناز فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے بار بار پیشاب آنے کی بیماری ہے میں بہت پریشان رہتی ہوں دوسرا میری امی کو رباؤ کی بیماری ہے اس کا بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ CALISTICUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں آپ کی امی کی بیماری سمجھ نہیں آئی ان کی مکمل کیفیت لکھیں یا کسی مقامی ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے رجوع فرمائیں۔

بشری عطاء اللہ سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر جھانیاں ہیں اور رنگ بھی سالوا لا ہے کوئی ایسا علاج بتائیں کہ رنگ صاف اور چہرہ شفاف ہو جائے۔

دوا بھی بتائیں۔  
محترم آپ OLIMUM JAC-3X کی ایک ایک گولی تین وقت روزانہ کھائیں ایفروڈائٹ کا استعمال بھی جاری رکھیں۔

محمد عمر شوپورہ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔ دوسرے میرے دوست کا مسئلہ ہے کہ اسٹھی خوراک کھانے کے باوجود صحت نہیں بنتی۔ جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔

محترم آپ ACIDPHOS-3X کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔  
نوشین مشتاق لودھراں سے لکھتی ہیں کہ میرے بال

گھنے ہیں مگر لمبے نہیں ہوتے کیا HAIR GROWER کے استعمال سے میرے بال لمبے ہو جائیں گے مجھے کتنی بوتلیں استعمال کرنا پڑیں گی ہینر گ۔ وور منگوانے کا طریقہ بھی بتائیں۔

محترم آپ مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا تین چار بوتل کے استعمال سے آپ کے بال لمبے بھی ہو جائیں گے۔

حمیرا کیانی آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر دانے ہیں جو داغ چھوڑ جاتے ہیں اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ GRAPHITES-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

صبا طاہر ٹوبہ فیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں اور چھوٹے پتلے کمزور ہیں۔ دوسرا میری بہن کا مسئلہ پیشاب بار بار آنے کا ہے۔ کوئی دوا بتادیں۔

محترم آپ بہن کو CAUSTICUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور آپ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں HAIR GROWER



آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس پر لکھی ہوئی ترکیب کے استعمال سے ان شاء اللہ ہاں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے آپ کو چار پانچ یوٹل استعمال کرنا ہوں گی۔  
خالد عمران جھنگ سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر علاج تجویز کریں۔

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

آمنہ حامد خانوال سے لکھتی ہیں کہ میری امی کا پیٹ بہت بڑھ گیا ہے دوسرا میرنا بھانجی کا مسئلہ ہے اس کی عمر 12 سال ہے وہ اپنی عمر سے زیادہ لگتی ہے اور بہت موٹی ہے۔ کوئی ایسی دوا تجویز فرمادیں جس سے وہ اسارٹ ہو جائے تیسرا مسئلہ میرا اپنا ہے میری عمر 25 سال ہے میرا ایک بیٹا بھی ہے دو سال کا میری چھاتی میں گلٹی بن گئی تھی جو بہت سخت تھی اور درد بہت ہوتا تھا آپ کی دوا کے استعمال سے اب ٹھیک ہو گیا ہے مگر بریسٹ کافی حد تک لٹک گئے ہیں اور تقریباً سارا جسم ہی بے ڈول ہو گیا ہے اور میرے سر کے بال بھی بہت تیزی سے گر رہے ہیں کیا میں BREAST BEAUTY استعمال کر سکتی ہوں اور

HAIRGROWER

محترمہ آپ CALC FLOUR-6X کی 4.4 گولی تین وقت روزانہ کھلائیں۔

PHYTOLACCA BARRY (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں۔ آپ مبلغ 1250 روپے کا مٹی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔ ہاربریسٹ بیوٹی اور ایئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کے دونوں مسکے حل ہو جائیں گے۔

محمد عمران بھکر سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔ جس طرح آپ دگی انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے آمین۔

محترمہ آپ BARBARIS AQUIF (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور JODUM-1M کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر 15 دن میں ایک بار پیا لیں۔

عاصمہ اقبال، سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ BARBARIS AQUIF (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور JODUM-1M کے 5 قطرے ہر 15 دن میں ایک بار پیا کریں۔

سارہ پناز کھاریاں سے لکھتی ہیں کہ آپ میرے لیے کوئی دوا تجویز کریں میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ نے جو لمبی کہانی لکھی ہے اس میں کسی مرض یا تکلیف کا کوئی ذکر نہیں ہے صرف فون پر باتیں کرنے سے کوئی بیماری لاحق نہیں ہوتی اس لیے آپ بے فکر رہیں یا کوئی اور معاملہ ہے تو صاف صاف بتائیں صبح 11:10 پاشام 6:09 بجے فون نمبر 021-36997059 پر رابطہ فرمائیں۔

ارسہ عرفان عارف والا سے لکھتی ہیں کہ میری بھانجی کی عمر 17 سال ہے قد چھوٹا ہے اس کی دوائیاں۔

محترمہ بھانجی کو آپ CALC PHOS-6X کی 4.4 گولی تین وقت روزانہ کھلائیں اور BHARIUM CARB-200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پلائیں۔

شہزادہ شہزادہ شہزادہ سے لکھتے ہیں کہ میری بہن کے چہرے اور تھوڑی کے نیچے مردوں کی طرح موٹے موٹے بال نکلتے ہیں میری بہن کی شادی 4 ماہ بعد ہے پلیز اس کی دوائیاں۔

محترمہ آپ مبلغ 900 روپے کا مٹی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔ اپنا پتہ لکھیں جس پر آپ کو آسانی سے ڈاک مل جائے۔ APHRODITIE

آنچل مارچ 2015ء 319



کی تکلیف ہے پیشاب کر۔، کے باوجود قطرے گرتے رہتے ہیں ڈاکٹر آپریشن تجویز کرتے ہیں کیا ہومیوپیتھی میں اس کا کوئی مناسب علاج دوا کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

محترم آپ COMIUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

عالیہ کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرے یوٹرس میں رسولی ہے ڈاکٹر یوٹرس نکالنے کا مشورہ دیتے ہیں میں غیر شادی شدہ ہوں آپریشن نہیں کرانا چاہتی آپ کو بڑی امید سے خط لکھ رہی ہوں کہ آپ میرا مسئلہ حل کریں گے۔

محترمہ آپ AUR MUR کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

صدف راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ مجھے سیلان کا پرانا مرض ہے اس کے ساتھ کمر میں شدید درد رہتا ہے میں کوئی محنت کا کام نہیں کر سکتی میرے لیے بھی کوئی مناسب علاج تجویز کریں تاکہ میں بھی صحت مند ہو سکوں

محترمہ آپ OVATESTA-3X کی ایک گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔

یوسف حیدرآباد سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر مناسب علاج بتائیں۔

محترمہ آپ CALCICARE-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتہ۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر 5-C کے ڈی اے فلیش فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14 نارنگ پور کراچی 75850

خط لکھنے کا پتہ آپ کی صحت ماہنامہ آن لائن پوسٹ بکس 75 کراچی۔

✍

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

منیر احمد کراچی سے لکھتے ہیں کہ مجھے کئی ایسی بیماریاں ہیں جو علاج کرانے کے باوجود ختم نہیں ہو رہی ہیں بڑی امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں آپ میرے مسائل کا حل بتائیں۔

محترمہ آپ صبح 10 تا ایک بجے یا شام 6 تا 9 بجے اپنی تمام رپورٹس کے ساتھ کلینک پر تشریف لائیں اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے گا۔

نسیم بیگم ملتان سے لکھتی ہیں کہ مجھے پیشاب میں شدید جلن ہوتی ہے بہت سے علاج کرائے وقتی طور پر کمی آتی ہے کیا میرا بھی کوئی علاج ہے؟

محترمہ آپ CANTHRIS-3X کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں گرم اشیا سے پرہیز کریں ان شاء اللہ شفا حاصل ہوگی۔

ڈاکٹر ذکیہ خان لاہور سے لکھتی ہیں کہ ایک مریض کی مکمل کیفیت لکھ رہی ہوں جو دوا میں استعمال کرائی ہیں وہ بھی لکھ رہی ہوں آپ اپنے تجربے کی روشنی میں کوئی مناسب دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ LEDUM PAL-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ممتاز بیگم کراچی سے لکھتی ہیں کہ میں ہومیوپیتھی کالج میں تھرڈ ایئر کی طالبہ ہوں مجھے پریکٹس کرنے کے لیے اچھے ہومیوپیتھی ڈاکٹرز کی ضرورت ہے جو ہومیوپیتھی میں سنگل ریپڈی استعمال کرتے ہوں۔

محترمہ آپ میرے کلینک پر تشریف لا سکتی ہیں میرے کلینک پر ہومیوپیتھی فلاسفی کے خلاف کوئی دوا نہیں ملے گی میرے کلینک پر جو بھی ڈاکٹرز سیکھتے تھے سنگل ریپڈی کی کامیاب پریکٹس کر رہے ہیں۔

عبدالکریم ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتے ہیں کہ مجھے پیشاب



# شکلی باتیں

حنّا احمد

## سردی اور الرجی

سردی عروج پر ہے بلکہ پاکستان کے کئی شہروں میں تو شدید سردی ہے۔ پاکستان پر قدرت کی یہ خاص عنایت ہے کہ اس کے مختلف حصوں میں ایک ہی وقت میں کئی طرح کے الگ الگ موسم ہوتے ہیں۔ جون جولائی میں اگر اندرون سندھ اور بلوچستان کے کچھ حصوں میں شدید گرمی پڑتی ہے تو کراچی میں موسم کافی حد تک معتدل ہوتا ہے جبکہ پہاڑی علاقوں میں اچھی خاصی خشکی ہوتی ہے اور جن کے پاس وسائل ہوتے ہیں وہ "سیزن" گزارنے ان علاقوں کا رخ کرتے ہیں اسی طرح جب پہاڑی علاقوں، پنجاب اور کوئٹہ وغیرہ میں شدید سردی پڑ رہی ہوتی ہے تو کراچی میں سردی قابل برداشت ہوتی ہے بس کبھی کبھی کوئٹہ کی سرد اور خشک ہوا میں کراچی کا رخ کر لیتی ہے تو ٹھنڈ بڑھ جاتی ہے اسی لیے کراچی کے شہری سے مانگنے کی سردی کہتے ہیں جو اسے کوئٹہ سے لیتی ہے اور موسم سرما کے دوران وقفے وقفے سے دو تین دن کے لیے آتی رہتی ہے۔

بہت سے لوگ بڑے اشتیاق سے موسم سرما کا انتظار کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگوں کے لیے سردیوں کی آمد کچھ زیادہ خوش گوار نہیں ہوتی اور ان میں صرف سانس اور جوڑوں کے درد کے مریض ہی شامل ہوتے ہیں جن کے امراض موسم سرما میں عام ذہنوں کی نسبت ذرا شدت اختیار کر لیتے ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں پر موسم سرما کے کچھ ناخوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں اس میں شک نہیں کہ لوگوں کی اکثریت کے لیے موسم سرما صحت کے کچھ مسائل لے کر آتا ہے جن میں کئی طرح کی الرجی سرفہرست ہے لیکن اگر آپ کچھ فروری باتیں اور تدابیر ذہن میں رکھیں تو ان پریشانیوں اور تکالیف سے بچ سکتے ہیں۔

طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ سرد اور خشک موسم میں انسانی صحت میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بارش ہونے سے ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے وہ مبارک باد دینے کے انداز میں خوشی خوشی ایک دوسرے سے کہتے ہیں "لو بھئی

خشک سردی پڑ رہی تھی لوگ پیار ہو رہے تھے بارش ہو گئی اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

حقیقت یہ ہے کہ "خشک سردی" کی وجہ سے لوگوں کو جن مسائل کا سامنا ہوتا ہے، بارش کے بعد وہ ختم نہیں ہو جاتے صرف ان کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے سردی خواہ خشک ہو یا تر..... بہر حال کمزور لوگ کسی نہ کسی زاویے سے اس کی لپیٹ میں ضرور آتے ہیں، بہت سے لوگوں کو سردی کا سامنا کرتے ہی کسی نہ کسی قسم کی الرجی لاحق ہو جاتی ہے کوئی الرجی دسے کی صورت اختیار کر لیتی ہے کوئی موسمی بخار کی اور کسی الرجی کے نتیجے میں جلد پر سرخ سرخ دھبے نمودار ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ قلو ہونا یا ناک کی کھلی میں سوزش پیدا ہو جانا بھی سردیوں کی عام لرچیز ہیں۔

بند گھروں میں زیادہ وقت گزارنے والے لوگ بھی کسی نہ کسی قسم کی الرجی کا جلد شکار ہوتے ہیں کیونکہ وہ گھر کی محفوظ فضا میں رہنے کے زیادہ عادی ہو جاتے ہیں جب وہ گھر سے نکلتے ہیں تو انہیں مختلف نوعیت کی الرجی پیدا کرنے والی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ مثلاً ٹریفک کا دھواں، گروڈ غبار، شور اور ہوا میں اڑتے ہوئے مختلف چیزوں کے ناپیدہ ذرات تاہم بند گھروں میں رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ الرجی یا بیماریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں بند گھروں میں تازہ ہوا اور آکسیجن کی کمی سے بھی آپ صحت کے بعض مسائل کا شکار ہو سکتے ہیں۔

اگر بند گھر میں آپ ایئر کنڈیشننگ پر انحصار کرتے ہیں تب بھی آپ پر کئی طرح کی الرجی اور بیماریوں کے حملے اور ہونے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ کیونکہ کئی طرح کے جراثیم ایئر کنڈیشنر یا ایئر کنڈیشننگ کے مرکزی نظام کے مختلف حصوں میں گھر کر لیتے ہیں۔ خاص طور پر جن گھروں میں پالتو جانور موجود ہوں یا جن کے گروڈ پیش کا ماحول غیر صحت مندانہ ہو، وہاں ایئر کنڈیشنر میں مختلف اقسام کے جراثیم کی موجودگی کا امکان زیادہ ہوتا ہے اگر والدین میں سے کسی ایک میں بھی کسی طرح کی الرجی موجود رہی ہو تو اولاد میں بھی اس الرجی کی موجودگی کا ۳۰ فیصد امکان ہوتا ہے اگر الرجی والد یا والدہ دونوں میں موجود ہو تو پھر اولاد میں اس کی موجودگی کا امکان ۳۰ فیصد سے کافی زیادہ ہو جاتا ہے تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان صرف موروثی طور پر ہی الرجی کا



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)



کرتا ہوگا جس سے آپ الرجک۔ ہیں۔ دونوں صورتوں میں بہر حال آپ کے مستقبل طور پر اس بیماری پائے رہنے سے چھٹکارا پانے کی امید کی جاتی ہے جو آپ کو کچھ مخصوص دنوں میں آن گھیرتا ہے۔ مختلف قسم کی الرجیز کے لیے بہت سی دعا میں موجود ہیں جو ان چیزوں کا راستہ روکتی ہیں یا انہیں بے اثر بناتی ہیں جو آپ کے جسمانی نظام میں الرجی کو بدوار کرتی ہیں۔

الرجی کی بعض دوائیاں انجکشن کی صورت میں بھی دی جاتی ہیں کسی کیس میں صرف ایک انجکشن ہی کافی ہوتا ہے جو درحقیقت آپ کے جسم میں دفاعی نظام کو مضبوط بناتا ہے اس طریقہ علاج کو Immunotherapy کہا جاتا ہے لیکن یہ طریقہ علاج عام طور پر شدید قسم کی الرجی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ہالی اور معمولی الرجی میں پرہیز علاج سے بہتر رہتا ہے۔ یعنی جب آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کو کونسی چیز سے الرجی ہے تو آپ اس سے پرہیز کریں اس سے بچیں زیادہ تر لوگوں کو دھوئیں، گرد وغبار، ٹھنڈی ہوا، نقصا میں اڑتے ہوئے بعض مخصوص چیزوں کے ذرات یا کھانے پینے کی کچھ چیزوں سے الرجی ہوتی ہے ان سے بچنا یا پرہیز کرنا زیادہ مشکل نہیں بشرطہ یہ کہ تعین ہو جائے کہ آپ کو کونسی چیز سے الرجی ہے۔

بند گروں اور دفاتروں میں موجود ناپیدہ مگر الرجی پیدا کرنے والے عناصر سے بچنے کے لیے دن میں کم از کم ۱۵ منٹ کے لیے نہ رہیں کیاں کھول کر تازہ ہوا کو پورے گھریا دفتر میں گزرنے کا موقع دینا چاہیے۔ اس سے الرجی کے خطرات کم ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ آفس بلڈنگ یا گھر کے ایئر کنڈیشنرز میں مناسب وقت سے صاف پرمغائی وغیرہ کراتے رہنا بھی ضروری ہے۔ خاص طور پر ان حصوں کی جن میں جراثیم کے گھر کر لینے کا امکان زیادہ ہوتا ہے الرجی کسی بھی قسم کی ہوا سے فلکسٹ دینا یا ڈاکٹر کی مدد سے اس کے خلاف اپنا بچاؤ کرنا قطعی مشکل نہیں بشرطیکہ اس کا صحیح سراغ لگایا جائے اس طرح آپ صرف موسم سرما سے ہی نہیں بلکہ ہر موسم سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

ماہِ ربیعِ ثول..... سرگودھ



شکار ہو کوئی بھی شخص کسی بھی قسم کی الرجی کا شکار ہو سکتا ہے۔ سردیوں میں بہت سے لوگ آپ کو چھینکتے کھانستے یا ناک سے شوں شوں کی آوازیں نکالتے دکھائی دیتے ہوں گے بہت سے لوگوں کی ناک سردیوں میں اکثر بند رہتی ہے اور بعض لوگوں کی آنکھوں سے اکثر پانی بہنے لگتا ہے ضروری نہیں ہے کہ یہ کیفیات صرف وائزل انجکشن کی وجہ سے ہوں اس کی وجہ ہوگی تھریلیاں بھی ہو سکتی ہیں عین ممکن ہے آپ نے کافی عرصے سے کہیں پیک کر کے رکھے ہوئے سردیوں کے کپڑے نکال کر پہنے ہوں تو ان سے بھی آپ و الرجی ہوئی ہو۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ سردیوں کی آمد سے پہلے سردیوں کے کپڑوں، کپڑوں اور کپڑوں وغیرہ کو دھوپ لگوائی جاتی ہے یہ ایک بہت پرانا رواج ہے لیکن درحقیقت یہ نہایت سائنٹیفک طریقہ کار ہے ان چیزوں کو زیادہ سے زیادہ دیر کے لیے دھوپ لگانے کے بعد نہ صرف ان میں سے مخصوص مہک ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس بات کا اندیشہ بھی کم ہو جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے آپ کو کسی قسم کی الرجی لاحق ہوگی۔

اگر آپ موسم سرما میں یا کسی بھی مخصوص موسم میں کسی بھی قسم کے مخصوص عارضے میں مبتلا ہوتے ہیں تو زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ آپ کسی قسم کی الرجی کا شکار ہیں اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ جلد از جلد آپ کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں تاکہ وہ تعین کر سکے کہ آپ کس چیز سے الرجی ہے۔ اس کے بعد اس کا علاج قطعی مشکل نہیں ہوگا۔ ہمارے ہاں زیادہ تر لوگ اس قسم کے مسائل میں خود ہی اپنے ڈاکٹر بن جاتے ہیں اور آسانی سے مل جانے والی چھوٹی موٹی دوا میں استعمال کر لیتے ہیں جن سے وقتی طور پر افادہ ہو جاتا ہے لیکن درحقیقت علامات دب جاتی ہیں اور مسئلہ نہیں کاوڑتا رہتا ہے۔

اگر آپ ڈاکٹر کے پاس جائیں گے تو وہ الرجی کے سلسلے میں سب سے پہلے آپ کا ایک سادہ سائمیٹ لے گا جسے Patch Test کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ اس چیز تک پہنچ جائے گا جس سے آپ کو الرجی ہے اس کے بعد اگر اس سلسلے میں کوئی دوا موجودگی تو وہ تجویز کرے گا ورنہ آپ کو اس چیز سے خود کو بچانے کا کوئی طریقہ کار وضع